

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# اشرف الھدایہ

شرح اُردو

مُعَرَّبَتْ وَمُعَنُوَتْ  
کمپیوٹر ایڈیشن

# الھدایہ

جلد 1

از کتاب الطہارۃ تا باب شروط الصلوۃ

تالیف: مولانا جمیل احمد صاحب سکریٹری مدرسہ دارالعلوم دیوبند

مولانا حافظ مسعود احمد صاحب

اعراب و عنوانات: فاضل مدرسہ اہل العلوم بمقام وفاق المدارس العربیہ پاکستان

ناشر

مکتبہ حقانیہ  
بی بی مستپتال روڈ ملتان پاکستان

Tel: 061-4541093

اعراب، عنوانات و کمپوزنگ کے  
جملہ حقوق بحق مکتبہ حقانیہ ملتان محفوظ ہیں

## اشرف الیہدیہ جلد اول

مولانا جمیل احمد صاحب سکول و صوفی مدرس دارالعلوم دیوبند

مولانا حافظ مسعود احمد صاحب  
فاضل مدرسہ اہل العلوم ملتان و دفتار المدائس العربیہ پاکستان

ملتان کمپیوٹر سسٹم۔ ملتان

نام کتاب:

تالیف:

اعراب و عنوانات:

کمپوزنگ

مکتبہ حقانیہ بنی مسیحائیل روڈ ملتان پاکستان

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انسانی طاقت و بساط کے مطابق کتاب لکھا  
کی تصحیح، طباعت و تجلید میں پوری احتیاط برتی گئی ہے۔ بشری تقاضا سے  
اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرما کر  
منون فرمائیں۔ انشاء اللہ از الہ کیا جائے گا۔  
ادارہ

## فہرست

صفحہ نمبر	عنوانات
۱۷	گرا نقدر علما کے کرام کی آراء
۲۲	مقدمہ
۲۳	طبقات فقہاء
۲۹	کوفہ کی علمی مرکزیت
۳۱	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
۳۲	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا اسلام
۳۳	قرآن اور ابن مسعودؓ
۳۳	حضرت عمرؓ کا ارشاد
۳۳	حضرت علیؓ کا ارشاد
۳۵	حضرت علقمہؓ
۳۶	ابراہیم نخعیؒ..... فقیہ العراق
۳۷	حماد بن سلیمان الکوفی
۳۸	فقہ کے چار بڑے امام
۳۸	حضرت امام ابوحنیفہؒ
۳۹	مجمعی ہونا باعث سبکی نہیں
۴۰	عطاء خراسانی اور ہشام بن عبدالملک اموی
۴۰	موالی میں کثرت علم
۴۰	امام صاحب کی تعلیم و تربیت

۴۲	ذوق علم
۴۲	پہلی روایت
۴۳	دوسری روایت
۴۴	تیسری روایت
۴۴	شخصہ بحث و مناظرہ
۴۶	امام ابو حنیفہؒ اور حماد بن ابی سلیمانؒ
۴۸	امام صاحبؒ کی تاجرانہ خصوصیت
۵۰	جاہ و اقتدار سے نفرت
۵۲	آپ کے معاصرین کا اعتراف علم و فضل
۵۵	امام ابو حنیفہؒ کے متعلق غیر مذاہب کے محققین کی آراء
۵۶	امام مالکؒ
۵۶	تحصیل علم
۵۷	حافظہ
۵۷	درس و تدریس
۵۷	وقار مجلس
۵۸	مطلبہ و اسباب
۵۸	لطیفہ
۵۸	قیام گاہ
۵۸	آپ کے مخطوطات
۵۸	حب رسول ﷺ اور تعلیم و ترقی حدیث
۵۹	مادھین امام مالکؒ

۵۹	تالیفات
۶۰	موطا کی وجہ تسمیہ
۶۰	امام مالکؒ کی ابتلاء
۶۲	وفات
۶۲	امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ
۶۳	امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ
۶۳	طلب علم
۶۵	درس و تدریس
۶۵	امام احمد کی ابتلاء اور غلطی قرآن کا مسئلہ
۶۸	زہد و توکل
۶۸	شیوخ و تلامذہ
۶۸	وفات
۶۹	تالیفات
۷۳	انتماء حناف
۷۳	امام ابو یوسفؒ
۷۳	طلب علم
۷۷	مولفات
۷۷	شوق علم اور وفات
۷۸	امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ
۷۹	خصوصیات ممتازہ
۸۰	امام محمدؒ کی تصانیف اور ان کے درجات



۸۱	کتب ظاہر الروایۃ
۸۲	امام محمدؒ کی دیگر تصانیف
۸۳	زفر بن ہذیلؒ
۸۵	حسن بن زیادؒ لؤلؤ
۸۵	محمد بن سمانہؒ
۸۵	ہلال بن یحییٰ الرائی البصریؒ
۸۶	احمد بن عمر بن میر الخفاف
۸۶	امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ
۸۷	امام ابوالحسن کرقیؒ
۸۷	شمس الائمہ طوائیؒ
۸۷	شمس الائمہ سرخسیؒ
۸۷	فخر الاسلام بزدویؒ
۸۷	امام فخر الدین قاضی خانؒ
۸۷	امام رازیؒ
۸۷	امام قدوریؒ
۸۸	مصنف ہدایہ کے مختصر حالات
۸۸	آپ کے معاصرین کا اعتراف
۸۹	آغاز درس میں صاحب ہدایہ کا معمول
۸۹	صاحب ہدایہ کی تالیفات
۸۹	احادیث ہدایہ کے متعلق ایک شبہ کا ازالہ
۹۰	کتاب ہدایہ میں صاحب ہدایہ کی خصوصیات

## کتاب الطہارات

۹۷	
۹۹	فرائض وضو، غسل اور مسح کا معنی اور چہرے کی حد
۱۰۱	کہنیاں اور منحنے غسل میں داخل ہیں یا نہیں
۱۰۲	سر کے مسح کی مقدار
۱۰۳	وضو کی سنتیں..... پہلی سنت
۱۰۵	دوسری سنت..... بسم اللہ سنت ہے یا مستحب
۱۰۷	تیسری سنت
۱۰۸	چوتھی سنت..... کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا مسنون ہے
۱۱۰	پانچویں سنت
۱۱۱	چھٹی سنت..... واڑھی کا خلال سنت ہے یا نہیں
۱۱۲	ساتویں سنت
۱۱۳	آٹھویں سنت..... بکراہ غسل بھی مسنون ہے
۱۱۵	مستحبات وضو نیت کا حکم
۱۱۶	استیعاب رأس کا حکم
۱۱۷	ترتیب اور دائیں طرف سے وضو شروع کرنے کا حکم
۱۲۰	نواقص وضو کا بیان
۱۲۳	متفرق مقامات میں کی ہوئی تے کے بارے میں صاحبین کا اختلاف
۱۲۵	تے کی اقسام اور ان کے احکام
۱۲۵	خون کی تے کا حکم
۱۲۶	خون کی تے کی تفصیل
۱۲۷	کون سی نیند ناقض وضو ہے

۱۲۸	اغناء اور جنون سے عقل پر غلبہ ناقض وضو ہے
۱۲۹	تہقیر ناقض وضو ہے
۱۳۰	مقعد، ذکر، فرج سے کیڑا اور ریح کے نکلنے سے وضو کا حکم، زخم کے سر سے کیڑا نکلنے اور گوشت کرنے سے وضو کا حکم
۱۳۱	چھالے کا چھلکا اترنے سے وضو کا حکم اور دبا کر خون یا پیپ نکالنے سے وضو کا حکم
۱۳۲	فرائض غسل
۱۳۳	سنن غسل
۱۳۵	غسل میں مینڈھیاں کھولنے کا حکم
۱۳۶	موجبات غسل
۱۳۸	انتقاء ختائین موجب غسل ہے
۱۳۹	حیض و نفاس موجب غسل ہیں
۱۴۰	غسل کی سنتیں
۱۴۲	مذی اور ودی میں وضو واجب ہے
۱۴۳	جن پانیوں سے طہارت حاصل کرنا صحیح ہے
۱۴۵	درختوں اور پھلوں سے نچوڑے اور نچوڑے ہوئے پانی سے طہارت کا حکم
۱۴۶	کوئی دوسری چیز پانی میں مل جائے تو اس پانی سے طہارت کا حکم
۱۴۷	ظاہر چیز پانی میں مل جائے اور اس کے ایک وصف کو تبدیل کر دے یا یہ پانی سے طہارت کا حکم
۱۵۰	کوئی چیز ملا کر پکائے گئے پانی سے طہارت کا حکم
۱۵۱	غیر جاری پانی میں نجاست کے گرنے سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے یا نہیں / اس سے طہارت حاصل کرنے کا حکم
۱۵۲	ماء جاری میں وقوع نجاست سے طہارت کا حکم
۱۵۵	بڑے تالاب کی حد بڑے تالاب میں نجاست گر جائے، اس سے طہارت حاصل کرنے کا حکم
۱۵۷	مچھر، بکھی، بھڑیں اور بھجھو جس پانی میں گر جائیں اس سے طہارت کا حکم



۱۵۹	مچھلی، مینڈک اور کیڑا کے پانی میں مرنے سے پانی نجس ہوگا یا نہیں
۱۶۱	ماء مستعمل سے طہارت حاصل کرنے کا حکم
۱۶۳	ماء مستعمل کی حقیقت اور اس کا سبب
۱۶۵	ماء مستعمل کب مستعمل ہوتا ہے
۱۶۶	جنبی نے جب ڈول نکالنے کیلئے کنویں میں غوطہ مارا تو کنویں اور مردکی پاکی کا کیا حکم ہے
۱۶۸	دباغت سے چڑا پاک ہو جاتا ہے۔ چڑے کا مصلیٰ بنا کر نماز پڑھنا اور مشکیزہ بنا کر اس سے وضو کرنے کا حکم
۱۷۲	مردار کے ہال اور ہڈیاں پاک ہیں یا نہیں
۱۷۳	فصل..... کنویں کے مسائل..... قلیل پانی نجاست کے گرنے سے ناپاک ہو جاتا ہے
۱۷۵	کنویں میں اونٹ یا بکری کی ایک میٹھی یا دو میٹھیاں، خشک یا تر سالم یا ٹوٹی ہوئی، لید اور گوبر گر جائیں تو کنواں پاک ہوگا یا ناپاک
۱۷۷	کبوتر اور چڑیا کی بیٹ کنویں میں گر جائے تو کنویں کا پانی پاک ہوگا یا ناپاک
۱۷۹	کنویں میں ماکول اللہم یعنی بکری وغیرہ پیشاب کر دے تو کیا حکم ہے
۱۸۱	کون کون سے جانور کنویں میں گر کر مر جائیں تو ہمیں ڈول وجوہاً اور ہمیں استحباً بانٹا لے جاتے ہیں
۱۸۲	کون کون سے جانور کنویں میں گر کر مر جائیں تو چالیس ڈول وجوہاً اور پچاس ڈول استحباً بانٹا لے جاتے ہیں
۱۸۳	بکری یا آدمی یا کتا کنویں میں گر کر مر جائیں تو پورا پانی نکالا جائے گا
۱۸۳	جانور کنویں میں گر کر مر جائے اور پھول پھٹ جائے تو تمام پانی نکالا جائے گا
۱۸۴	جاری کنویں کے پاک کرنے کا حکم
۱۸۶	کنویں میں مرا ہوا جانور دیکھا اور وہ پھولا پھٹا نہیں یا پھول اور پھٹ گیا اس پانی سے طہارت کر کے پڑھی ہوئی نمازوں کا حکم
۱۸۸	<b>فصل فی الآسار و غیرہا</b>
۱۸۸	جاندار کے پینے کا حکم
۱۸۹	آدمی یا بکری یا کتا، حنفی، حاکمہ اور کافر کے جوٹھے کا حکم
۱۹۱	کتے کے جھوٹے کا حکم
۱۹۲	خنزیر کا جھوٹا نجس ہے

۱۹۳	بلی کے جھوٹے کا حکم
۱۹۵	بلی نے چوہا کھا کر فوراً پانی میں منڈال دیا یا تھوڑی دیر ٹھہر کر پانی میں منڈال تو پانی کا کیا حکم ہے
۱۹۶	مرغی کے جھوٹے کا حکم
۱۹۷	گھروں میں رہنے والے جانوروں کے جھوٹے کا حکم
۱۹۸	گدھے اور فخر کا جھوٹا مشکوک ہے
۲۰۰	آب مشکوک کے علاوہ دوسرا پانی نہ ہو تو طہارت کا حکم
۲۰۱	نبیذ تھر سے وضو کا حکم
۲۰۳	نبیذ کی حقیقت جس میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے
۲۰۴	<b>باب التیمم</b>
۲۰۶	مسافر پانی نہ پائے یا مسافر اور شہر کے درمیان میل یا زیادہ کی مسافت ہو تو تیمم کا حکم
۲۰۸	مریض کے لئے تیمم کا حکم
۲۰۹	اندیشہ ہلاکت کی صورت میں جنبی کے لئے تیمم کا حکم
۲۱۰	تیمم کا طریقہ
۲۱۰	تیمم میں استیعاب کا حکم
۲۱۱	حدث، جنابت، حیض اور نفاس میں تیمم ایک ہی ہے
۲۱۳	کن اشیاء پر تیمم جائز ہے اور کن پر جائز نہیں
۲۱۴	مٹی پر غبار ہونا شرط ہے یا نہیں
۲۱۵	تیمم میں نیت کا حکم
۲۱۶	طہارت یا اباحۃ الصلوٰۃ کی نیت بھی کافی ہے
۲۱۶	نصرانی نے تیمم کیا پھر اسلام لایا یہ تیمم کافی ہے یا نہیں
۲۱۷	نصرانی نے وضو کیا پھر مسلمان ہو گیا با وضو شمار ہو گا یا نہیں
۲۱۸	مسلمان نے تیمم کیا پھر الحیا ز باللہ مرتد ہو گیا پھر مسلمان ہو گیا، پہلا تیمم برقرار رہے گا یا نہیں
۲۱۹	لوا قس تیمم

۲۱۹	پانی کو دیکھنا جب کہ پانی کے استعمال پر قدرت ہونا قفس وضو ہے
۲۲۰	تیمم پاک مٹی سے جائز ہے
۲۲۰	پانی ملنے کی اُمید ہو تو نماز کو آخر وقت تک مؤخر کرنا مستحب ہے
۲۲۱	تیمم سے فرائض اور لواقل پڑھنے کا حکم
۲۲۲	نماز جنازہ اور نماز عید کے لئے تیمم کا حکم
۲۲۳	امام اور مقتدی کو عید کی نماز میں حدیث لاحق ہو جائے تو تیمم کا حکم ہے
۲۲۳	جمہ کے لئے تیمم کا حکم
۲۲۳	وقتی نماز کے فوت ہونے کے خوف سے تیمم کرنے کا حکم
۲۲۵	مسافر کجاوے میں پانی بھول کر تیمم سے نماز پڑھ لے پھر پانی یاد آ جائے تو نماز کا اعادہ لازم ہے یا نہیں؟ اقوال فقہاء
۲۲۷	تیمم کرنے والے کیلئے پانی کی جستجو ضروری ہے یا نہیں خواہ قریب میں ملنے کی اُمید قن غالب ہو یا نہ ہو
۲۲۸	رفیق سفر کے پاس پانی ہو تو تیمم سے پہلے مطالبہ کرے
۲۲۹	<b>باب المسح علی الخفین</b>
۲۳۱	موزوں پر مسح کی شرعی حیثیت
۲۳۲	مُخَدِّث کے لئے موزہ پر مسح کرنا جائز ہے جبئی کے لئے جائز نہیں
۲۳۳	مقیم اور مسافر کے لئے مسح کی مدت
۲۳۴	مدت مسح کی ابتداء کب سے شروع ہوگی
۲۳۶	مسح کا طریقہ
۲۳۸	کتنی مقدار موزہ میں پھن ہو جس پر مسح درست نہیں
۲۳۹	جبئی کے لئے موزوں پر مسح جائز نہیں
۲۴۰	لوا قفس مسح
۲۴۱	مدت مسح کا گزر جانا ناقص مسح ہے
۲۴۲	مقیم مسافر ہو گیا یا مسافر مقیم بن گیا ان کے مدت کی تبدیلی کا حکم
۲۴۳	مسافر مدت سے پہلے مقیم ہو گیا اور مقیم والی مدت مسح مکمل ہو چکی تو موزہ اُتار دے

۲۳۴	جرموق پر مسح کا حکم
۲۳۵	جراہوں پر مسح کرنے کی شرعی حیثیت
۲۳۶	پکڑی، ٹوپی، برقع اور دستانوں پر مسح جائز نہیں
۲۳۷	پٹی پر مسح کا حکم
۲۳۸	<b>باب الحيض والاستحاضة</b>
۲۳۹	حیض کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ مدت
۲۴۰	دس دن سے زیادہ خون استحاضہ ہے
۲۴۱	حیض کے الوان
۲۴۳	حالت حیض میں نماز، روزہ کا حکم
۲۴۴	حائضہ اور جنبی کے لئے مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں
۲۴۵	حائضہ کے لئے طواف کرنا جائز نہیں
۲۴۵	حائضہ کے ساتھ مباشرت جائز نہیں
۲۴۶	حائضہ، جنبی اور نفاس والی عورت کے لئے قراءت قرآن جائز نہیں
۲۴۷	قرآن کو چھونے کا حکم
۲۴۹	دس دن سے کم پر حیض ختم ہو جائے تو غسل سے پہلے مباشرت کا حکم
۲۵۰	حیض کا خون تین دن سے زیادہ اور عادت کے ایام سے کم پر ختم ہو تو مباشرت کرنے کا حکم
۲۵۱	طہر متخلل کا حکم
۲۵۲	طہر کی کم سے کم مدت
۲۵۳	دم استحاضہ کا حکم
۲۵۴	معتادہ کو ایام عادت کی طرف لوٹایا جائے گا جب خون دس دن سے تجاوز کر جائے
۲۵۶	استحاضہ، سلسل البول، دائمی نکسیر اور ایسے زخم جو بھرتا نہ ہو..... ان کے لئے طہارت کا حکم

۲۶۹	معذورین کا وضو و روج وقت سے باطل ہوگا یا نہیں اور احتیاف وضو کا حکم
۲۷۱	<b>فصل فی النفاس</b>
۲۷۱	نفاس کی تعریف نفاس کے احکام
۲۷۲	حاملہ کو بچے کی ولادت سے پہلے آنے والا خون استحاضہ ہے
۲۷۳	ماتمام بچہ جننے سے عورت نفاس والی ہوگی
۲۷۳	نفاس کی کم سے کم مدت
۲۷۵	چالیس دن سے خون تجاوز کر جائے تو متعادہ کو عادت کی طرف لوٹا جائے گا
۲۷۵	ایک حمل سے دو بچے جنے، نفاس پہلے بچے کی ولادت سے شروع ہوگا یا دوسرے بچے کی ولادت سے؟ اقوال فقہاء
۲۷۶	<b>باب الانجاس و تطہیرھا</b>
۲۷۷	نمازی کا بدن کپڑے اور کان کا نجاست سے پاک ہونا ضروری ہے
۲۷۹	نجاست کن چیزوں سے زائل کی جاسکتی ہے
۲۸۰	موزہ پر نجاست لگ جائے تو اس کی پاکی کا طریقہ
۲۸۲	ترنجاست دھونے سے پاک ہوگی
۲۸۲	موزہ پر غیر جم دار نجاست لگ گئی اور خشک بھی ہوگئی تب بھی موزہ دھونے سے پاک ہوگا
۲۸۳	ناپاک کپڑا صرف دھونے سے پاک ہوگا
۲۸۳	مٹی ناپاک ہے اگر کپڑے پر لگ جائے تو تو تر مٹی کا دھونا واجب اور خشک مٹی کا کھرچنا کافی ہے اور اگر بدن کو لگ جائے دھونا ضروری ہے
۲۸۶	آئینہ، تلواریں سے نجاست دور کرنے کا طریقہ
۲۸۷	نجاست زمین کو لگ جائے تو زمین کیسے پاک ہوگی
۲۸۸	نجاست غلیظہ اور خفیفہ، نجاست غلیظہ کی معاف مقدار
۲۹۰	نجاست خفیفہ کی معاف مقدار
۲۹۲	کپڑے پر لید، گوبر لگ جائے تو اس میں نماز پڑھنے کا حکم



۲۹۳	گھوڑے اور ماکول اللہم کے پیشاب کا حکم
۲۹۵	غیر ماکول اللہم پرندوں کی بیٹ کا حکم
۲۹۶	پھلی کا خون نچر اور گدھے کے لعاب کا حکم
۲۹۷	کپڑوں پر سوئی کے ٹکے کے برابر پیشاب کی چھینٹیں لگ جائیں تو ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا جائز ہے
۲۹۷	نجاست کی دو قسمیں: نجاست مری اور غیر مری .... دونوں کی طہارت کا حکم
۲۹۸	غیر مری نجاست کی طہارت کا حکم
۲۹۹	<b>فصل فی الاستنجاء</b>
۳۰۰	استنجاء کی شرعی حیثیت و کیفیت اور استنجاء میں ڈھیلوں اور پانی کا استعمال
۳۰۳	نجاست بخرج سے تجاوز کر جائے تو صرف پانی سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے
۳۰۴	ہڈی اور گوشت سے استنجاء کرنا جائز نہیں
۳۰۶	<b>کتاب الصلوٰۃ</b>
۳۰۹	<b>باب المواقیت</b>
۳۰۹	پانچ نمازوں کے اوقات ... فجر کا اول اور آخری وقت
۳۱۱	ظہر کا ابتدائی اور آخری وقت
۳۱۳	عصر کا ابتدائی اور آخری وقت
۳۱۵	مغرب کا اول اور آخری وقت
۳۱۶	عشاء کا اول اور آخری وقت
۳۱۷	وتر کا اول اور آخری وقت
۳۱۸	<b>فصل: مستحب اوقات</b> ... فجر، ظہر اور عصر کا مستحب وقت
۳۲۰	مغرب کا مستحب وقت
۳۲۱	عشاء کا مستحب وقت
۳۲۲	وتر کا مستحب وقت

۳۲۳	ایم کے دن پانچوں نمازوں کے مستحب اوقات
۳۲۴	نماز کے مکروہ اوقات .. طلوع شمس، زوال شمس اور غروب شمس میں نماز پڑھنا ناجائز ہے
۳۲۶	اوقات تلاوت میں نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت کا حکم
۳۲۹	نجر اور عصر کے بعد نوافل کا حکم
۳۳۱	صبح صادق کے بعد دو رکعتوں سے زائد نوافل مکروہ ہیں
۳۳۱	مغرب کے بعد فرض نماز سے پہلے نوافل کا حکم
۳۳۲	<b>باب الاذان</b>
۳۳۳	اذان کی اہمیت و عظمت
۳۳۵	اذان کی شرعی حیثیت
۳۳۷	ترجیح کا بیان
۳۳۸	فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کے اضافہ کا حکم
۳۳۹	اقامت اذان کی مثل ہے
۳۴۰	اذان میں توہل کا حکم
۳۴۰	اذان اور اقامت میں استقبال قبلہ کا حکم
۳۴۱	اذان دیتے وقت کانوں میں انگلیاں دینا افضل ہے
۳۴۳	تشویب کا بیان
۳۴۶	اذان اور اقامت کے درمیان جلسہ کا حکم
۳۴۸	فوت شدہ نمازوں کے لئے اذان و اقامت کا حکم
۳۴۹	متعدد فوت شدہ نمازوں میں اول کے لئے اذان و اقامت ہے اور بقیہ کے لئے صرف اقامت پر اکتفاء کافی ہے
۳۵۰	باد وضو اذان اور اقامت کہنا مستحب ہے
۳۵۰	بے وضو اقامت کہنا مکروہ ہے
۳۵۱	جنبی کی اذان مکروہ ہے اور اعادہ مستحب ہے

۳۵۲	عورت کی اذان بدعت ہے اور اس کا اعادہ مستحب ہے
۳۵۳	نماز کا وقت داخل ہونے سے پہلے اذان معتبر نہیں
۳۵۵	مسافر کے لئے اذان اور اقامت کا حکم
۳۵۷	<b>باب الشروط التي تتقدمها</b>
۳۵۷	نمازی کے لئے أحداث وائتجاس سے طہارت حاصل کرنا ضروری ہے
۳۵۸	مرد کا ستر، گھٹنا ستر میں داخل ہے یا نہیں۔ اقوال فقہاء
۳۵۹	آزاد عورت کا سار ابدن ستر ہے
۳۶۱	عورت نے نماز پڑھی، ریل یا ٹلٹ پنڈلی کھلی رہی تو نماز کا اعادہ کرے گی یا نہیں..... اقوال فقہاء
۳۶۲	بال ہیٹ اور ان سے کتنی مقدار ستر مکمل جائے کہ نماز کا اعادہ واجب ہے
۳۶۳	باندی کا ستر عورت
۳۶۳	اگر صرف ناپاک کپڑا میسر ہو تو اسی کپڑے میں نماز پڑھنے کا حکم
۳۶۶	اگر کپڑا میسر نہ ہو تو بیٹھ کر نیچے نماز پڑھے
۳۶۷	نماز کی نیت کب اور کیسے کرے
۳۷۰	مقتدی اقتداء کی نیت بھی کرے
۳۷۰	استقبال قبلہ نماز کی شرط ہے
۳۷۱	خوف زدہ شخص جس جہت پر قادر ہو اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھے
۳۷۱	قبلہ مشتبہ ہو جائے اور کوئی بتانے والا بھی نہ ہو تو اجتہاد کا حکم
۳۷۲	تحریری کو نماز کے بعد جہت قبلہ میں خطا معلوم ہوئی تو نماز نہ لوٹائے
۳۷۳	دوران نماز جہت قبلہ کی غلطی معلوم ہو جائے تو قبلہ رخ ہو جائے
۳۷۳	اندھیری رات میں امام اور مقتدیوں میں سے ہر ایک نے تحریری کر کے اپنی جہت کی طرف نماز پڑھی تو کیا حکم ہے؟

## تقاریر

ہر شے کو دکھلا ہنر، کہ خوبی زر اگر چمے ہے تو صرف کی نظر چمے کر

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب مدظلہ

استاذ حدیث و تفسیر دارالعلوم دیوبند

بسمہ تعالیٰ

عزیز مکرم مولانا جمیل احمد صاحب زادکم اللہ علما و فضلا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

”اشرف الہدایہ“ ہدایہ کی اردو شرح ہے اور ”ہدایہ“ آئین کی دنیا میں بین الاقوامی سطح پر ”اسلامی آئین“ کی صحیح ترین ترجمان قرار دی گئی ہے اس لئے آپ کی ”خدمت شرح و ترجمہ“ بھی عالمیت کی حامل بن کر ان شاء اللہ دائمی اجر عظیم کا موجب ثابت ہوگی حق تعالیٰ سے قبولیت و مقبولیت کے لئے دعا گو ہوں اور دعا گو رہوں گا۔

والسلام مستدعی دعاء خیر

احقر محمد سالم القاسمی

خادم تدریس حدیث و تفسیر دارالعلوم دیوبند

۱۸/صفر ۱۴۰۴ھ یوم الخمیس

فقیہ امت حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب

ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

لحمدة و نصلی علی رسولہ الکریم

”ہدایہ“ علم فقہ کی مشہور و معروف اور اساسی و بنیادی کتاب ہے حق تعالیٰ نے اس کو انتہائی شرف قبول بخشا ہے۔ حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کے متعلق تحریر فرمایا ہے **هُوَ مَقْبُولٌ بَيْنَ الْأَنَامِ مِنَ الْخَوَاصِّ وَالْعَوَامِ** بعض علماء نے اس کتاب کی تعریف میں لکھا ہے:

إِلَى حَافِظِيهِ وَيَجْلُو الْعَمَى

كِتَابُ الْهِدَايَةِ يَهْدِي الْهَدَى

فَمَنْ نَالَ نَالَ الْقَصَى الْمُنَى.

فَلَا زِمَهُ وَاحْفَظْهُ يَا ذَا الْحَبْلِ.

ایک دوسرے بزرگ نے فرمایا:

مَا صَنَعُوا قَبْلَهَا فِي الشَّرْعِ مِنْ كُتُبٍ

إِنَّ الْهِدَايَةَ كَالْقُرْآنِ قَدْ نَسَخَتْ

اس کتاب کی اہم اور امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ روایت و روایات دونوں کو جامع ہے۔ اس کتاب کی مقبولیت کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک اہم سبب علماء نے یہ لکھا ہے کہ وَهَلْ هَذَا الْقَبُولُ إِلَّا بِمَارَوِيٍّ أَنْ صَاحِبَ الْهِدَايَةِ بَقِيَ فِي تَصْنِيفِهِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ سَنَةً وَكَانَ صَالِحًا فِي ذَلِكَ الْمُدَّةِ لَا يُفْطِرُ أَصْلًا وَكَانَ يَجْتَهِدُ أَنْ لَا يَطْلُعَ عَلَى صَوْمِهِ أَحَدٌ فَإِذَا آتَى خَادِمُهُ بِطَعَامٍ يَوْمَ كَانَ يَقُولُ لَهُ أَخِذْهُ وَرُحْ فَإِذَا رَاحَ كَانَ يُطْعِمُهُ أَحَدَ الطَّلَبَةِ أَوْ غَيْرَهُمْ فَإِذَا آتَى الْخَادِمُ وَجَدَ الْإِنَاءَ فَارِغًا يَظُنُّ أَنَّهُ أَكَلَهُ بِنَفْسِهِ.

اس کتاب کی جامعیت و مقبولیت کا اندازہ اس سے بھی بخوبی ہوتا ہے کہ اس کی تالیف کے بعد سے ہر زمانے میں علماء نے اس کو پیش نظر رکھا ہے اور مستقل طور پر شروح و حواشی تحریر فرمائے ہیں وَقَدْ اغْتَنَى جَمْعٌ غَفِيرٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ وَجَمْعٌ كَثِيرٌ مِنَ الْفَضَلَاءِ بِتَحْرِيرِ الْحَوَاشِي وَالشُّرُوحِ عَلَى الْهِدَايَةِ یہ شروح و حواشی زیادہ تر عربی زبان میں ہیں جن کا سمجھنا علمی انحطاط و تنزل کے دور میں بہت مشکل تھا اس لئے اردو زبان میں بھی اس کتاب کی شروح لکھی گئیں۔

اس سلسلہ کی ایک عمدہ و بہترین شرح "اشرف الہدایہ" ہے جس کے مؤلف و شارح مولانا جمیل احمد قاسمی سکروڈھوی ہیں۔ میں اگرچہ بالاستیعاب اس کا مطالعہ نہیں کر سکا ہوں مگر چند مقامات دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ موصوف نے کافی محنت و جانفشانی کے ساتھ تحقیق و تشریح کی ہے بالخصوص مشکل مقامات کا حل عمدہ اسلوب کے ساتھ کیا ہے۔ میرے خیال میں یہ شرح صرف طلبہ ہی کے لئے نہیں بلکہ مدرسین کے لئے بھی ان شاء اللہ مفید ہوگی۔ عزیز موصوف ماشاء اللہ جید الاستعداد، تدریس و تصنیف تحریر و تقریر کی صلاحیتوں کے حامل ہیں اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور مزید علمی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مظفر حسین المظاہری

ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور

۲۶/ شعبان المعظم ۱۴۰۴ھ بروز دوشنبہ

استاذ مکرم حضرت مولانا خورشید عالم صاحب دامت برکاتہم

استاذ حدیث و فقہ دارالعلوم دیوبند

"ہدایہ" جو درس نظامی کی مشہور و معروف کتاب اور فقہ اسلامی کا بہترین مجموعہ ہے اور جس کو شریعت اسلامیہ کے



صاحب ہدایہ نے قرآن پاک کی اقتداء اور حدیث پر عمل کی وجہ سے اپنی معرکہ الآراء کتاب ہدایہ کو بسم اللہ اور الحمد للہ سے شروع فرمایا ہے کُلُّ کَلَامٍ لَا يَبْدَأُ فِيهِ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ فَهُوَ أَجْذَمٌ اور ابن ماجہ کی روایت میں أَجْذَمٌ کی جگہ اَلطَّعُ ہے اور بعض روایات میں ہے کُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لَمْ يَبْدَأْ فِيهِ بِبِسْمِ اللَّهِ فَهُوَ اَلطَّعُ حاصل یہ کہ جو کلام اللہ کے نام اور اللہ کی حمد سے شروع نہ ہو وہ نامتمام رہتا ہے اسلاف کی عادت بھی یہی رہی ہے کہ وہ اپنی کتابوں کا آغاز بِسْمِ اللہ اور حمد باری سے فرماتے تھے۔

## کتاب الطہارات

ترجمہ: (یہ) کتاب پاکیزوں کے (احکام کے بیان میں) ہے

تشریح: اس جملہ میں تین بخشیں ہیں (۱) ترکیب نحوی (۲) لفظ کتاب سے متعلق (۳) لفظ طہارات سے متعلق ترکیب نحوی کے اعتبار سے تین احتمال ہیں۔ اول یہ کہ یُکْتَابُ الطَّهَارَاتِ خبر ہو مبتدا محذوف۔ ہذا کی یعنی ہذا یُکْتَابُ الطَّهَارَاتِ دوم یہ کہ یہ مبتدا ہو اور اس کی خبر محذوف ہو یعنی یُکْتَابُ الطَّهَارَاتِ ہذا سوم یہ کہ مفعول ہو فعل محذوف کا یعنی یُکْتَابُ الطَّهَارَاتِ یا اَلْمُرَاتِبُ یُکْتَابُ الطَّهَارَاتِ۔

دوسری بحث کا حاصل یہ ہے کہ کتاب اور کتابت کے لغوی معنی ہیں کسی شئی کا جمع ہونا۔ اور کتابت کا نام کتابت اسی لئے رکھا گیا کہ اس میں حروف جمع ہوتے ہیں۔ اور کتاب مکتوب کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے جیسے خلق، مخلوق کے معنی میں بولا جاتا ہے اور اصطلاح میں کتاب مسائل کے اس مجموعہ کو کہتے ہیں جو مستطلاً معتبر ہو اور مختلف انواع پر مشتمل ہو یا مختلف انواع پر مشتمل نہ ہو۔ تیسری بحث کا حاصل یہ ہے کہ لغت میں طہارت بضم الطاء اس پانی کا نام ہے جس سے پاکی حاصل کی جائے اور بکسر الطاء آل نکافت کا نام ہے اور فتح الطاء مصدر ہے نکافت کے معنی میں اور شریعت میں طہارت حدث یا نجس (جنابت) سے پاک ہونے کو کہتے ہیں اور بعض علماء نے کہا کہ طہارت اعضاء ملاء کو دھونے اور سر کے مسح کرنے کا نام ہے۔

مولانا عبدالحی نے علامہ حلبی کے حوالہ سے اسعایہ شرح عربی شرح دقایہ میں لکھا ہے کہ شرائط طہارت دو قسم پر ہیں: (۱) شروط وجوب (۲) شروط صحت۔ شروط وجوب (یعنی جب یہ شرطیں ہوں تو طہارت واجب ہو جاتی ہے) تو ہیں (۱) اسلام (۲) عقل (۳) بلوغ (۴) حدث کا لاحق ہونا، حدث اصغر ہو یا اکبر (۵) تمام اعضاء پر پاک ماء مطلق پہنچانا (۶) حیض نہ ہونا (۷) نفاس نہ ہونا (۸) پانی یا مٹی کے استعمال پر قادر ہونا (۹) وقت میں گنجائش نہ ہونا۔ اور شروط صحت یعنی طہارت صحیح ہونے کی چار شرطیں ہیں: (۱) تمام اعضاء پر پانی پہنچنا (۲) حیض نہ ہو (۳) نفاس نہ ہو

(۴) طہارت حاصل کرنے کی حالت میں غیر معذور میں کوئی ناقض طہارت نہ پایا جائے وجوب طہارت کا سبب حدث یا نجسٹ کا پایا جانا۔ اور طہارت کا حکم اس چیز کا مباح ہونا ہے جو بغیر طہارت کے حلال نہیں تھی۔

سوال ہوگا کہ صاحب ہدایہ نے طہارات بصیغہ جمع ذکر کیا حالانکہ طہارت مصدر ہے اور مصادر کا حشریہ اور جمع نہیں آتا ہے جواب یہ ہے کہ اگر مصادر کے آخر میں تاء تانیث ہو تو ان کا حشریہ اور جمع لا نا درست ہے۔ اور یہاں طہارات جمع کے ساتھ لا کر طہارت کی مختلف انواع کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ رفع نجاست بھی طہارت ہے اور رفع خبث بھی طہارت ہے حالانکہ دونوں مختلف نوع ہیں۔

دہی یہ بات کہ کتاب الطہارات کو مقدم کیوں کیا گیا ہے سو اس کی وجہ یہ ہے کہ مشروعات چار ہیں (۱) خالص حقوق اللہ (۲) خالص حقوق العباد (۳) دونوں حق جمع ہو جائیں مگر حق اللہ غالب ہو (۴) حق العباد غالب ہو۔ مصنف ہدایہ نے ترتیب میں حقوق اللہ (عبادات) کو ان کی عظمت کی وجہ سے مقدم کیا ہے۔ پھر عبادات میں نماز کو پہلے بیان کیا گیا کیونکہ نماز، ایمان کے بعد ارکان اسلام میں سب سے اقویٰ رکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ اور حضور اقدس ﷺ نے فرمایا الصَّلٰوةُ عِمَادُ الدِّیْنِ مَنْ اَقَامَهَا فَقَدْ اَقَامَ الدِّیْنَ وَمَنْ هَلَكَهَا فَقَدْ هَلَكَ الدِّیْنُ نیز ارکان اسلام میں سے توحید کے بعد سب سے پہلے نماز ہی فرض کی گئی ہے اور طہارت چونکہ نماز کی شرط ہے، ارشاد ہے مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ اور شرطی شئیء سے مقدم ہوتی ہے اس لئے طہارت کو نماز پر مقدم کیا گیا۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی يَاۤیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاَغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ اَلَاۤیَۃ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے کھڑے ہونے کا (ارادہ) کر دو اپنے چہروں کو دھویا کرو۔ اَلَاۤیَۃ

تشریح:- مصنف ہدایہ نے آیت وضو سے کتاب کا آغاز کیا ہے حالانکہ دعاوی میں قاعدہ یہ ہے کہ مدعی مقدم ہوتا ہے اور اس کی دلیل بعد میں ذکر کی جاتی ہے مگر یہاں اللہ تعالیٰ کے کلام کو تکرار و تمنا مقدم کر دیا ہے اگرچہ قاعدہ مروجہ کے خلاف ہے پوری آیت یہ ہے اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاَغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِیْكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَیْنِ یعنی مسلمانو! جب تم نماز کیلئے کھڑے ہونے کا ارادہ کر دو دھویا کرو اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک اور مسح کرو اپنے سروں کا اور (دھو) اپنے پیروں کو ٹخنوں تک۔

اس آیت کے تحت چند چیزیں قابل ذکر ہیں۔ اول یہ کہ اذا جو امور عقیدہ میں استعمال ہوتا ہے اس کو لایا گیا ہے اور ان امور متروکہ مشکوکہ میں استعمال ہوتا ہے اس کو نہیں لایا گیا کیونکہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ قِیَامٌ اِلَى الصَّلٰوةِ امور عقیدہ میں سے ہو۔ دوسری چیز یہ ہے کہ یہ آیت بالا جماع مدنی ہے اس لئے کہ بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہ نے ہارم ہونے کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا اَخْبَرْتُكَ يَاۤیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اِلٰی قَوْلِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ اور یہ واقعہ عقد بالاتفاق ہجرت سے ایک عرصہ بعد پیش آیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ آیت مدنی ہے اور یہ بات بھی مسلمہ ہے کہ فرضیت صلوٰۃ کے وقت مکہ ہی میں وضو فرض ہو چکا تھا۔ چنانچہ ابن

عبدالبر نے کہا کہ تمام اہل مغازی کو یہ بات معلوم ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے نماز فرض ہونے کے بعد کوئی نماز بغیر وضو نہیں پڑھی اور اس کا انکار جاہل یا معاند ہی کر سکتا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ جب وضو پہلے سے عمل موجود تھا تو آیت وضو نازل کرنے میں کیا حکمت ہے۔ حضرت مولانا عبدالحیؒ نے سہاویہ میں لکھا ہے کہ اس کی حکمت یہ ہے کہ تاکہ وضو کی فرضیت مَثَلُو بِالْقُرْآنِ ہو جائے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اول آیت یعنی جس میں وضو کا ذکر ہے مکہ میں فرضیت وضو کے ساتھ نازل ہوئی ہو اور بقیہ آیت جس میں تیمم کا ذکر ہے مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہو (کذا فی الاتقان)۔

ہے مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہو (لہذا فی الاطلاق)۔

تیسری چیز یہ ہے کہ ظاہر آیت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وضو ہر اس شخص پر فرض ہو جو قیامِ اِلَی الصَّلٰوۃ کا ارادہ کرتا ہے مُعَدِّث ہو یا غَیْرُ مُعَدِّث، اصحاب ظاہر کا یہی مذہب ہے لیکن جمہور علماء کا مذہب اس کے خلاف ہے۔ جمہور علماء کہتے ہیں کہ آیت تقدیر عبارت کیساتھ اس طرح ہے: **وَإِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوا وُجُوْہَکُمْ** اور یہ بھی دلیل ہے کہ حدیث وجوب وضو کیلئے شرط ہے اور اس کا ثبوت دلالتِ اخص سے ہے بایں طور کہ اللہ تعالیٰ نے آیت **وَإِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰی أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْکُمْ مِّنَ الْغَیْطِ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَوْبًا طَیْبًا** میں تیمم کو ذکرِ حدیث کے ساتھ ملایا ہے پس معلوم ہوا کہ تیمم واجب ہونے کیلئے حدیث شرط ہے اور تیمم وضو کا بدل اور خلیفہ ہے اور قاعدہ ہے کہ جو چیز بدل میں نص ہوتی ہے وہ اصل میں بھی نص ہوگی، پس ثابت ہوا کہ حدیث وضو واجب ہونے کی شرط ہے۔

فَقَرَّضَ الطَّهَارَ غَسْلُ الْأَعْضَاءِ الثَّلَاثَةِ وَمَسْحُ الرَّأْسِ بِهَذَا النَّمِي وَالْغَسْلُ هُوَ الْإِسَاءَةُ

پس وضو کا فرض تینوں اعضاء کا دھونا اور سر کا مسح کرنا ہے (جو) اسی نص نے (ثابت) ہے اور غسل وہ پانی کا بہانا ہے

وَالْمَسْجُوعُ هُوَ الْإِعْصَابَةُ وَخَدُّ الْوَجْهِ مِنْ قَصَاصِ الشَّعْرِ إِلَى أَهْقِلِ اللَّحْيِ وَإِلَى شُحْمَتِي الْأَذُنِّ

اور مسح (پانی) پہنچانا ہے۔ اور چہرے کی حد (سر کے) بال جمنے کی انتہاء سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور دونوں کانوں کی دونوں لوتک ہے

لَآئِ الْمُرَاجَهَةِ تَقَعُ بِهَذِهِ الْجُمْلَةِ وَ هُوَ مُشْتَقٌّ مِنْهَا

اس لئے کہ مواجہت (روبرو ہونا) اس مجموعہ سے واقع ہوتی ہے اور وجہ اسی (مواجہت) سے ماخوذ ہے

فرائض وضو، غسل اور مسح کا معنی اور چہرے کی حد

تشریح۔ فرض بہت سے معانی میں مستعمل ہے (۱) قطع، کہا جاتا ہے فَرَضَ الْخِيَامَ الْقَوْبَ، درزی نے کپڑا کاٹا (۲) تقدیر، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَصِفْ مَا قَرَضْتُمْ یعنی قرض تم (۳) تفصیل، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سُوْرَةُ اَنْزَلْنَاهَا وَقَرَضْنَاهَا یعنی فَضَّلْنَاهَا (۴) بیان، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قَدْ قَرَضَ اللهُ لَكُمْ تَحِيَّةَ اَيْمَانِكُمْ یعنی تمہیں تمہارے ایمان کی (۵) حد، قال اللہ تعالیٰ لَا تَجِدُ مِنْ عِبَادِ لَدُنْهِ نَصِيْبًا مَفْرُوْضًا، یعنی مخلوقوں (۶) عیب، کہا جاتا ہے قَرَضْتُ الرَّجُلَ یعنی میں نے مرد کو عیب دیا (۷) بد معاپے کے معنی میں ہے، کہا جاتا ہے قَرَضْتُ الْبَقْرَةَ بِلِ بُوْرَحَا ہو گیا، اسی سے ہے لَا قَارِضٌ وَلَا كَاطِرٌ (۸) عظمت کے معنی میں ہے، کہا جاتا ہے فُلَانٌ قَارِضٌ یعنی رئیس، ہمارے نزدیک فرض اس حکم کو کہتے ہیں جو ایسی دلیل قطعی سے ثابت ہو جس میں

شبیہ نہ ہو اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا کرنے والا مستحق ثواب اور اس کو ترک کرنے والا مستحق عقاب ہوگا۔ اور واجب وہ حکم ہے جس کا لزوم دلیل ظنی سے ثابت ہو اور اس کا ادا کرنے والا فرض الہی کہنے والے سے کم ثواب کا مستحق ہوگا اور اس کو ترک کرنے والا فرض تک کرنے والے سے کم عقاب کا مستحق ہوگا۔

واضح ہو کہ دلالت کی چار قسمیں ہیں (۱) قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت جیسے آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ صریحہ جو تاویل کا احتمال نہ رکھتی ہوں (۲) قطعی الثبوت ظنی الدلالت، جیسے آیات واحادیث مؤولہ (۳) ظنی الثبوت قطعی الدلالت جیسے اخبار آحاد صریحہ (۴) ظنی الثبوت اور ظنی الدلالت جیسے اخبار آحاد جن میں بہت سے معانی کا احتمال ہو۔ اول مفید یقین ہے دوم مفید ظن ہے سوم مفید وجوب اور مفید مکروہ تحریمی ہے اور چہارم مفید سنیعت اور استحباب ہے (حاشیہ شرح نقایہ)

طہارت نہ وضو، داؤ کے ضرر کے ساتھ فعل مخصوص معلوم کا نام ہے اور داؤ کے فتور کے ساتھ وہ پانی جو وضو کے لئے مہیا کیا گیا ہے۔ صاحب ہدایہ نے احکام وضو کو مقدم کیا ہے کثرت حاجت کی وجہ سے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وضو کا مکمل غسل کے مکمل کا جز ہے اور جز کل پر مقدم ہوتا ہے اس لئے وضو کو غسل پر مقدم کیا گیا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی وضو کو غسل پر مقدم کیا ہے چنانچہ اولاً فرمایا ہے فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ الْاَيَةُ اور اس کے بعد وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا فرمایا ہے۔

غسل، یعنی کے ضرر کے ساتھ وہ پانی جس سے غسل کیا جائے اور تمام بدن کے دھونے کا نام بھی غسل ہے غسل کمرہ کے ساتھ وہ چیز جس سے سردھویا جائے یعنی قطعی، اور غسل فتور کے ساتھ مصدر ہے معنی دھونا۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ وضو میں چار فرض ہیں تین اعضاء کا دھونا اور سر کا مسح کرنا۔ اور ان چاروں کی فرضیت کا ثبوت مذکورہ آیت سے ہے۔ نیز فرمایا کہ غسل کے معنی پانی بہانا ہے اس سے امام مالک پر رد کرنا مقصود ہے کیونکہ ان کے نزدیک پانی بہانا کافی نہیں ہے بلکہ ذلک یعنی ملنا بھی شرط ہے اور مسح کے معنی بغیر قاطر ماء کے پانی پہنچانا ہے۔

مصنف ہدایہ نے طوفا اور عرضا وجہ کی حد بندی اس طرح کی ہے کہ سر کے بالوں کے اُگنے کی جگہ سے تھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان کی لو سے دوسری کان کی لو تک چہرہ کا دھونا فرض ہے دلیل یہ ہے کہ وجہ شستن ہے مواجہت سے اور مواجہت اس پورے حصہ سے واقع ہوتی ہے۔ اس لئے اس پورے حصہ کا دھونا فرض ہے۔

وَالْمَوْلَقَانِ وَالْكُفَّانِ يَدْخُلَانِ فِي الْغَسْلِ عِنْدَنَا بِجَلَالِ لُزْفَرٍ وَهُوَ يَقُولُ إِنَّ الْغَايَةَ لَا تَدْخُلُ تَحْتَ الْمَغْنَمِ

اور ہمارے نزدیک دونوں کہنیاں اور دونوں ٹخنے دھونے میں داخل ہیں بخلاف امام زفر کے وہ فرماتے ہیں کہ غایت مغنم میں داخل نہیں ہوتی

كَالْبَلْبِ فِي بَابِ الصَّوْمِ وَلَآ أَنْ هَذِهِ الْغَايَةُ لِامْقَاطِ مَا وَرَاءَ هَآئِذَا لَوْ لَآهَا لَمْ تَسْرِعْ

جیسے بات روزے کے باب میں (داخل نہیں) اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ غایت تو ما وراء غایت کو ساقط کرنے کیلئے ہے کیونکہ اگر یہ غایت نہ ہوتی

الْوُضُوءُ الْكُلُّ وَلِي بَابِ الصَّوْمِ لِمَا الْحُكْمُ إِلَيْهَا إِذَا الْأَسْمُ يُطْلَقُ عَلَى الْإِسْمَاكِ سَاعَةً

تو دھونا پورے عضو کو محیط ہو جاتا۔ اور باب صوم میں (غایت) کرات تک حکم کو سمجھنے کیلئے ہے اس لئے کہ لفظ صوم ایک ساعت اساک کرنے پر بھی بولا جاتا ہے

وَالْكَعْبُ هُوَ الْعِظَمُ الثَّانِي هُوَ الصَّحِيحُ وَبَيْنَهُ الْكَاعِبُ

اور کعب وہ ابھری ہوئی ہڈی ہے جسکی صحیح ہے اور اسی لفظ سے کاعب (شتق) ہے

## کہنیاں اور ٹخنے غسل میں داخل ہیں یا نہیں..... اقوال فقہاء

تشریح۔ مرفق، میم کے کسرہ اور فاء کے فتح کے ساتھ ہے اور اس کا برعکس بھی جائز ہے یعنی میم کا فتح اور فاء کا کسرہ، بازو اور کلائی کے جوڑ کے مرفق کہتے ہیں، کعب امام محمدؒ کے نزدیک، ظاہر قدم پر قدم باندھنے کی جگہ کے جوڑ کو کہتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں ہے صحیح یہ ہے کہ پنڈلی سے نیچے ابھری ہوئی ہڈی کا نام کعب ہے اسی سے کاعب شتق ہے جس کی جمع کو کاعب آتی ہے۔ کو کعب وہ نوجوان لڑکیاں ہیں جن کی چھاتیاں ابھری ہوئی ہوں۔

اس بارے میں اختلاف ہے کہ مرفقین، غسل یدین اور کعبین غسل رجلیں میں داخل ہیں یا خارج ہیں یعنی ہاتھوں کی طرح کہنوں کا اور پیروں کی طرح ٹخنوں کا دھونا بھی شرط ہے یا نہیں۔ ائمہ ثلاثہ یعنی امام صاحب اور صاحبین رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ ہاتھوں کے ساتھ کہنوں کا اور پیروں کے ساتھ ٹخنوں کا دھونا بھی فرض ہے۔ یہی قول ہے امام شافعی اور امام احمدؒ کا، اور یہی ایک روایت امام مالکؒ سے ہے۔

اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ مرفقین اور کعبین دھونے میں داخل نہیں ہے۔ یعنی کہنوں اور ٹخنوں کا دھونا فرض نہیں ہے۔ یہی امام مالکؒ سے ایک روایت ہے۔ امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں مرفق اور کعبین غایت ہیں اور غایت مطلقاً مغیا کے حکم میں داخل نہیں ہوتی ہے جیسے اَتَتُوا الْحَيَاةَ الْمَائِلَ میں لیل روزے کے حکم میں داخل نہیں ہے۔ اسی طرح مرفق، یدین کے حکم میں اور کعبین رجلیں کے حکم میں داخل نہیں ہوں گے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ امام زفرؒ کا یہ کہنا کہ غایت مغیا کے حکم میں مطلقاً داخل نہیں ہوتی ہمیں تسلیم نہیں ہے بلکہ غایت کی دو قسمیں ہیں اول یہ کہ غایت اپنے ما قبل یعنی مغیا کی جنس سے ہو یعنی اگر غایت کو الگ کر دیا جائے تو صدر کلام یعنی مغیا غایت اور ماوراء غایت سب کو شامل ہو۔ دوم یہ کہ غایت اپنے ما قبل یعنی مغیا کی جنس سے نہ ہو یعنی غایت کو الگ کر دینے کے بعد صدر کلام یعنی مغیا غایت اور ماوراء غایت کو شامل نہ ہو۔ اگر غایت قسم اول سے ہے تو غایت مغیا میں داخل ہوتی ہے اور اگر قسم ثانی سے ہے تو غایت مغیا کے حکم میں داخل نہیں ہوتی۔ پس چونکہ لیل روزے کی جنس سے نہیں ہے اس لئے لیل روزے کے حکم میں داخل نہیں ہوگی۔ اور مرفقین یدین کی جنس سے اور کعبین رجلیں کی جنس سے ہے اس لئے یہ دونوں غایتیں اپنے مغیا کے حکم میں داخل ہوں گی یعنی کہنیاں ہاتھوں کے دھونے میں اور ٹخنے پیروں کے دھونے میں داخل ہوں گے۔

صاحب ہدایہ کی پیش کردہ دلیل کا حاصل یہ ہے کہ غایت کبھی اس لئے ذکر کی جاتی ہے کہ حکم کھینچ کر غایت تک پہنچا دیا جائے اور کبھی ماوراء غایت کو ساقط کرنے کیلئے ذکر کی جاتی ہے۔ حاصل یہ کہ غایت کی دو قسمیں ہیں غایت اثبات اور غایت اسقاط۔ اور ان دونوں میں غایہ الاُمُورِ یہ ہے کہ اگر صدر کلام یعنی مغیا غایت کو شامل ہو تو یہ غایت اسقاط ہوگی اور اگر شامل نہ ہو تو غایت اثبات ہے اور غایت اثبات مغیا کے حکم میں داخل نہیں ہوتی جیسے اَتَتُوا الْحَيَاةَ الْمَائِلَ میں لیل صوم کے حکم میں داخل نہیں ہے۔ اور غایت اسقاط میں ماوراء غایت کو ساقط کیا جاتا ہے پس غایت مغیا کے حکم میں داخل ہوگی جیسے اَتَتُوا الْحَيَاةَ الْمَائِلَ میں مرفق کو ذکر کیا



گیا ہے ماوراء مرفق کو نکالنے کیلئے۔ لہذا دھونے کا حکم مرفق میں باقی رہے گا۔

قَالَ وَالْمَعْرُوفُ فِي مَسْحِ الرَّأْسِ بِمَقْدَارِ النَّاصِيَةِ وَهُوَ رُبُعُ الرَّأْسِ لِمَا رَوَى الْمُطَهِّرَةُ بْنُ خُصَّةٍ

کہا اور مسح راس میں فرض مقدار ناصیہ ہے۔ اور وہ چوتھائی سر ہے اس حدیث کی وجہ سے جو مطہرہ بن شعبہ نے روایت کی ہے

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَتَى سَهَابَةَ قَوْمٍ قَبَالَ وَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى نَاصِيَتِهِ وَخُفَيْهِ وَالْكِتَابِ

کہ رسول اللہ ﷺ ایک قوم کی بڑی پر تشریف لائے پس آپ ﷺ نے پیشاب کیا اور فرمایا اپنے ناصیہ و خفیہ و کتاب پر مسح کیا۔ اور قرآن (کی آیت)

مُجْعَلٌ فَلْيَتَحَقَّ بَيِّنَاتُ بِهِ وَهُوَ خُبَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ فِي التَّقْدِيرِ بِثَلَاثِ شَعْرَاتٍ

مجموع ہے پس یہ حدیث اس کے ساتھ بیان ہو کر لائق ہوگی اور یہ حدیث تین بالوں کے ساتھ اندازہ کرنے میں امام شافعی کے خلاف جمت ہے

وَعَلَى مَالِكٍ فِي إِشْرَاطِ الْأَمْتِغَابِ وَلِيَّ بَعْضِ الرِّوَايَاتِ قَلْبُوهُ بَعْضُ أَصْحَابِنَا بِثَلَاثِ أَصَابِعِ الْيَدِ

اور امام مالک کے خلاف امتیغاب کی شرط لگانے میں (جمت) ہے اور بعض روایات میں ہاتھ سے بعض اصحاب نے مقدار امیہ کی قدر ہاتھ کی تین انگلیوں کے ساتھ فرمائی

لِأَنَّهَا أَكْثَرُ مَا هُوَ الْأَصْلُ فِي آيَةِ الْمَسْحِ

کیونکہ تین انگلیاں اس چیز کا اکثر ہیں جو آئہ مسح میں اصل ہے

## سر کے مسح کی مقدار..... اقوال فقہاء

تشریح: مسح کہتے ہیں بھیکے ہوئے ہاتھ کا پھیرنا خواہ پانی کی تری برتن سے لی ہو یا کسی عضو منسول کو دھونے کے بعد باقی رہی ہو۔ سر کا مسح کرنا بالاتفاق فرض ہے اس لئے کہ اس کا ثبوت نص صریح سے ہے البتہ مقدار مفروض میں اختلاف ہے۔ چنانچہ علماء احناف کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے خواہ سر کے اگلے حصہ کا ہو یا پچھلے حصہ کا دائیں طرف کا چوتھائی ہو یا بائیں طرف کا۔ امام شافعی نے فرمایا کہ مطلق سر کا مسح فرض ہے پس اگر ان کے نزدیک تین بالوں کا یا ایک روایت میں ایک بال کا مسح کیا تو بھی فرض ادا ہو جائے گا اور امام مالک اور امام احمد نے فرمایا کہ پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے۔

تمام کی دلیل باری تعالیٰ کا قول وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ ہے۔ حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ باء زائدہ ہے یعنی وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ یعنی اپنے سروں کا مسح کرو اور ظاہر ہے کہ راس (سر) کا اطلاق پورے سر پر ہوتا ہے نہ کہ بعض پر۔ پس معلوم ہوا کہ پورے سر کا مسح فرض ہے۔ صاحب شرح نقایہ نے لکھا ہے کہ امام مالک نے احتیاط پر عمل کیا ہے اور امام شافعی نے فرمایا کہ آیت مقدار مسح کے سلسلہ میں مطلق ہے لہذا الْمُطْلَقُ يَجْرِي عَلَى إِبْطَالِهِ قَاعِدَهُ کے مطابق مطلق سر کا مسح فرض ہوگا۔ پس امام شافعی کے نزدیک ادنیٰ سر کا مسح کرنے سے فرض ادا ہو جائے گا اور ادنیٰ میں ایک بال محترم ہے یا بقول صاحب ہدایہ تین بال معتبر ہیں۔

علمائے احنافؒ فرماتے ہیں کہ مقدار مسح کے سلسلہ میں آیت مجمل ہے اور مجمل محتاج ہوتا ہے بیان کا۔ اور یہاں بیان حدیث مغیرہ ہے چنانچہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ اَتَى سَهَابَةَ قَوْمٍ قَبَالَ وَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى نَاصِيَتِهِ وَخُفْيَيْهِ صَاحِبِ هَدَايَةٍ كِي تَبَيَّنَ كَرْدُهُ يَهْدِيهِ هَدْيٌ، حدیث مغیرہ اور حدیث حذیفہؓ سے مرکب ہے۔ چنانچہ حدیث مغیرہ جس کو مسلم نے روایت کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَوَضَّأَ فَمَسَحَ بِمَا صَيَّغَهُ وَعَلَى الْعِمَامَةِ وَعَلَى خُفْيَيْهِ اور حدیث حذیفہؓ جس کو شیخین نے روایت کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں اَتَى النَّبِيُّ ﷺ سَهَابَةَ قَوْمٍ قَبَالَ قَائِمًا ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَبَحَثَهُ بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ اِنَّ احَادِيثَ كَا ظِلَامٍ يَهْدِيهِ هَدْيٌ کہ حضور اقدس ﷺ نے پیشاب کرنے کے بعد وضو فرمایا اور مقدار ناصیہ پر مسح کیا۔ اور مقدار ناصیہ اور چوتھائی سر ایک ہی بات ہے اس لئے علماء احنافؒ نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے۔

اور اس کی تائید ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَتَوَضَّأُ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ فَطَرِيقَةٌ فَادْخُلَ يَتَنَبَّهٌ مِنْ نَحْبِ الْعِمَامَةِ فَمَسَحَ مُقَدِّمَ رَأْسِهِ. حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ وضو کرتے تھے اور آپ کے سر پر قطری عمامہ تھا سو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ عمامہ کے نیچے داخل کئے پھر سر کے اگلے حصہ کا مسح کیا۔ ظاہر ہے کہ آپ ﷺ نے پورے اگلے حصہ کا مسح کیا ہے اور تمام مقدمہ رأس ہی چوتھائی سر ہے جسکو ناصیہ کہتے ہیں۔

پس یہ احادیث امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے خلاف حجت ہوں گی۔ امام مالکؒ کے خلاف تو اس لئے کہ اگر پورے سر کا مسح کرنا فرض ہوتا تو موجودہ شریعت ﷺ چوتھائی سر کے مسح پر اکتفاء کیوں فرماتے۔ اور امام شافعیؒ کے خلاف اس لئے حجت ہے کہ اگر چوتھائی سے کم پر مسح کرنا جائز ہوتا تو کبھی ایک بار بیان جواز کیلئے اس پر ضرور عمل کیا جاتا۔ حالانکہ چوتھائی سر سے کم پر آنحضرت ﷺ سے مسح کرنا ثابت نہیں ہے۔

بعض علماء احنافؒ نے مقدار ناصیہ کی تقدیر تین انگلیوں کے ساتھ فرمائی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ مسح ہاتھ سے ہوتا ہے اور ہاتھ میں انگلیاں اصل ہیں اور تین انگلیاں اکثر ہیں اور قاعدہ ہے لَا تَخْفِرُ حُرْمَةُ الْكُلِّ اِنْ وَجَدَ مِنْهُ اَلْكُلُّ كَوَكُلِّ كَالْمَقَامِ بِنَاكَرٍ یہ حکم لگایا کہ اگر تین انگلیوں کی مقدار مسح کیا تو شرعاً کافی ہو جائے گا۔

قَالَ وَسَنَنُ الطَّهَارَةِ غَسْلُ الْيَدَيْنِ قَبْلَ ادْخَالِهَا الْاِنَاءَ اِذَا اسْتَقْبَطَ الْمُتَوَضِّئُ مِنْ تَوْبِهِ

فرمایا، اور وضو کی سنتیں، دونوں ہاتھوں کو دھونا ہے ان دونوں کو برتن میں داخل کرنے سے پہلے جبکہ متوضیٰ اپنی نیند سے بیدار ہو

لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِذَا اسْتَقْبَطَ اَحَدُكُمْ مِنْ مَنَابِهِ فَلَا يَغْمِسُ يَدَهُ فِي الْاِنَاءِ حَتَّى يَغْسِلَهَا قَلْبًا

اس لئے کہ حضور ﷺ کا قول ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہو تو اپنا ہاتھ برتن میں نہ ڈالے، یہاں تک کہ اس کو تین بار دھو ڈالے



ہو۔ اور یہ اس وقت تک سنت ہے جبکہ نجاست ظاہر نہ ہو ورنہ نجاست زائل کرنا فرض ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ ہاتھ پاک کرنے کا آلہ ہے۔ لہذا پہلے خود اسی کا پاک کرنا مسنون ہوگا۔ اور دھونا گٹوں تک مسنون ہے کیونکہ پاکیزگی حاصل کرنے میں اتنی مقدار کافی ہو جاتی ہے۔

قَالَ وَتَسْمِيَةُ اللَّهِ تَعَالَى فِي الْإِسْتِجَاءِ الْوُضُوءِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا وَضُوءَ لِمَنْ لَمْ يُسَمِّ
فرمایا، اور ابتداء وضو میں اللہ کا نام لینا (مسنون) ہے اس لئے حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ اس شخص کا وضو نہیں جس نے اللہ کا نام نہ لیا
وَالْمُرَادُ بِهِ تَقْيُ الْقَضِيَّةِ وَالْأَصَحُّ أَنَّهَا مُسْتَحَبَّةٌ وَإِنْ سَمَّاهَا فِي الْكِتَابِ سُنَّةٌ وَيُسَمِّي
اور اس سے مراد فضیلت کی نفی ہے اور اصح یہ ہے کہ تسمیہ مستحب ہے۔ اگرچہ (صاحب قدوری) نے کتاب (قدوری) میں اس کو سنت کہا ہے اور تسمیہ
قَبْلَ الْإِسْتِجَاءِ وَتَعْلَهُ هُوَ الصَّحِيحُ
استیفاء سے پہلے بھی پڑھے اور اس کے بعد بھی بھی صحیح ہے

## دوسری سنت..... بسم اللہ سنت ہے یا مستحب

تشریح۔ صاحب قدوری نے فرمایا کہ دونوں ہاتھوں کا گٹوں تک دھونا تو وضو پر مقدم تھا مگر جب وضو شروع کرے تو اللہ کے نام سے شروع کرے اور تسمیہ کا ادنیٰ وجہ یہ ہے کہ بسم اللہ کہہ کر شروع کرے اور اعلیٰ وجہ یہ ہے کہ بسم اللہ تو تسمیہ الہیہ پڑھے۔ اور علامہ ابن الہمام نے فرمایا ہے کہ امام طحاوی نے کہا کہ بِسْمِ اللَّهِ الْعَظِيمِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَىٰ دِينِ الْإِسْلَامِ کہے بھی سلف سے منقول ہے۔ اور بعض نے کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ سے مرفوعاً منقول ہے۔ بہر حال ہمارے نزدیک ابتداء وضو میں تسمیہ مسنون ہے اور اصحاب ظواہر اور امام احمد نے فرمایا کہ تسمیہ وضو کی شرط ہے بغیر تسمیہ کے وضو نہیں ہوگا۔ دلیل وہ حدیث ہے جس کو حاکم اور ابوداؤد نے روایت کیا۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَا وَضُوءَ لَهُ وَلَا وَضُوءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کی نماز نہیں جس کیلئے وضو نہیں اور اس کا وضو نہیں جس نے اللہ کا نام نہ ذکر نہیں کیا۔

اصحاب ظواہر کہتے ہیں کہ حدیث میں لا نفی جنس کے لئے ہے یعنی بغیر تسمیہ کے وضو نہیں ہوگا مگر ہماری طرف سے جواب یہ ہوگا کہ حدیث میں فضیلت وضو کی نفی کی گئی ہے یعنی بغیر تسمیہ کے وضو ہو جائے گا مگر افضل نہیں ہوگا۔ جیسے لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللَّهِ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ میں تکمال صَلَاة اور فضیلت صَلَاة کی نفی کی گئی ہے نہ کہ صحت صَلَاة کی اور جیسے لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ فِي كَمَالِ إِيمَانٍ کی نفی کی گئی ہے نہ کہ نفس ایمان کی پس ایسے ہی حدیث تسمیہ میں فضیلت اور کمال وضو کی نفی کی گئی ہے نہ کہ جواز اور صحت وضو کی۔ ہماری تائید علی بن یحییٰ بن خالد کی حدیث سے بھی ہوتی ہے حدیث یہ ہے کہ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِلْمُسْمِيِّ

صَلَوْتُهُ إِذَا قُمْتُ فَتَوَضَّأْتُ كَمَا أَمَرَكَ اللَّهُ یعنی حضور ﷺ نے اس شخص سے فرمایا جو ارکانِ صلوٰۃ صحیح طور پر ادا نہیں کرتا تھا کہ جب تو نماز پڑھنے کا ارادہ کرے تو اس طرح وضو کیا کر جس طرح اللہ نے تجھ کو حکم دیا ہے اور اللہ نے جس وضو کا حکم دیا ہے اس میں تسمیہ نہیں ہے۔

اور دارقطنی نے روایت کی مَنِ تَوَضَّأَ وَذَكَرَ اسْمَ اللَّهِ فَإِنَّهُ يَطْهُرُ جَسَدُهُ وَمَنْ تَوَضَّأَ وَلَمْ يَذْكُرِ اللَّهَ لَمْ يَطْهُرْ إِلَّا مَوْضِعُ الْمَوْضُوءِ یعنی جس نے اول وضو میں اللہ کا نام ذکر کیا تو اس کا تمام بدن پاک ہو جاتا ہے اور جس نے اللہ کا نام ذکر نہ کیا تو اعضاء وضو کے علاوہ کچھ پاک نہیں ہوتا۔ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ تسمیہ وضو میں شرط نہیں ہے۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ اصح یہ ہے کہ تسمیہ وضو میں مستحب ہے اگرچہ قدوری میں اس کو سنت کہا ہے۔ علامہ بدرالدین یعنی شارح ہدایہ نے فرمایا کہ استنجاء تسمیہ کا قول کیسے درست ہوگا درآنحالیکہ احادیث کثیرہ اس کی سفید پر دلالت کرتی ہیں۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ تسمیہ استنجاء سے پہلے بھی پڑھے اور بعد بھی یہی صحیح قول ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ صرف استنجاء سے پہلے تسمیہ پڑھے اور بعض کا خیال ہے کہ صرف استنجاء کے بعد پڑھے۔

جو حضرات کہتے ہیں کہ قبل الاستنجاء بسم اللہ پڑھنا ان کی دلیل یہ ہے کہ استنجاء وضو کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے لہذا اس سے پہلے ہی بسم اللہ پڑھے تاکہ تمام افعال وضو فرض ہوں یا سنت بسم اللہ سے واقع ہوں۔ اور جو استنجاء کے بعد کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ استنجاء سے پہلے کشف عورت کی حالت ہے اور کشف عورت کی حالت میں اللہ کا ذکر کرنا مناسب نہیں ہے اس لئے استنجاء کے بعد بسم اللہ پڑھے۔ اور قول اصح کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ کا قول كُلُّ أَمْرٍ دُنِيَ نَالٍ لَمْ يُذَكَّرْ بِهِ يَذْكُرِ اللَّهُ اس بات کا منکھی ہے کہ ابتداء وضو میں اللہ کا نام ذکر کیا جائے۔ اور چونکہ استنجاء بھی وضو کے ملحقات میں سے ہے اس لئے استنجاء کرنے سے پہلے بھی بسم اللہ پڑھنا مستحب ہوگا۔

وَالسَّوَاكُ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يُوَاطِبُ عَلَيْهِ وَعِنْدَ فَقْدِهِ يُعَالِجُ بِالْأَصْبَحِ

اور مسواک کرنا (بھی مستنون ہے) کیونکہ حضور اقدس ﷺ اس پر مواظبت فرماتے تھے اور مسواک گم ہونے کی صورت میں انگلی سے کام چلائے

لَأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَعَلَ كَذَلِكَ

اس لئے کہ حضور ﷺ نے اس طرح کیا ہے

## تیسری سنت

تشریح:- فرمایا کہ مسواک کرنا بھی سنت ہے دلیل یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے مسواک استعمال کرنے پر مداومت فرمائی ہے لایہ کہ کبھی کبھار ترک کر دیا ہو۔ اور اگر مسواک نہ ہو تو دائیں ہاتھ کی انگلی سے دانت مانجھے۔ اس لئے کہ یہ بھی آنحضرت ﷺ سے



ثابت ہے۔ مواعیت مع ترک سنت کی دلیل ہے اور بلا ترک مواعیت کرنا دلیل وجوب ہے۔ اور ترک مسواک پر دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جب ایک گاؤں والے کو وضو اور نماز کی تعلیم دی تو اس میں تعلیم مسواک منقول نہیں ہے۔ اگر مسواک کرنا واجب ہوتا تو آپ ﷺ اس کو مسواک کرنے کی تعلیم ضرور فرماتے (معاذ اللہ) اور مسواک نہ ہونے کی صورت میں انگلی مسواک کے قائم مقام ہوگی اس پر دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: يُخْرِجُ مِنَ السَّوَاكِ الْأَصَابِعَ زَوَاةَ النَّبِيْقِ عَنْ آتِسِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ يَعْنِي الْكَلِيَّاسَ مَسَاكِ كِ مَكَاتٍ كَرْدَتِي هِيَ۔

اور طبرانی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ہے: قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ الرَّجُلُ يَذْهَبُ لَوْحَةً يَسْتَاكُ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ كَيْفَ يَضَعُ قَالَ يَدْجِلُ إِصْبَعَهُ فِي بِيْتِهِ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول جس شخص کے منہ میں دانت نہ ہوں وہ بھی مسواک کریگا، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں میں نے پوچھا کیسے کریگا، آپ نے فرمایا کہ اپنی انگلی اپنے منہ میں داخل کرے۔ (فتح القدیر، شرح نقایہ)

واضح ہو کہ سب سے مسواک میں تین قول ہیں اول یہ کہ مسواک سنت وضو ہے کہ کیونکہ نسائی نے حدیث ابی ہریرہ لَوْلَا أَنِ أَشَقُّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسَّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ وَضُوءٍ روایت کی ہے یعنی اگر میری امت پر شاق نہ ہوتا تو میں ان کو ہر وضو کے ساتھ مسواک کا حکم دیتا۔ اور ابوداؤد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے۔ إِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ لَا يَرْفُلُ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ فَيَسْتَقِظُ إِلَّا تَسَوَّكَ قَبْلَ أَنْ يَتَوَضَّأَ یعنی حضور ﷺ دن یا رات میں جب سوکر جاگتے تو وضو کرنے سے پہلے ضرور مسواک کر لیتے۔

دوم یہ کہ مسواک سنت نماز ہے دلیل حدیث ابو ہریرہ لَوْلَا أَنِ أَشَقُّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسَّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَوةٍ يَمْنَعُ كُلَّ صَلَوةٍ ہے بزَوَاةِ النَّبِيَّةِ۔

سوم یہ کہ مسواک سنت دین ہے یہ قول اقویٰ اور امام ابو حنیفہ سے بھی منقول ہے۔ دلیل ابوالیوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے جس کو ترمذی نے ذکر کیا: أَرْبَعٌ مِنْ مَنَنِ الْمُؤْمِلِينَ الْيَحْتَانُ وَالتَّعَطُّرُ وَالسَّوَاكُ وَالنِّكَاحُ یعنی چار چیزیں رسولوں کی سنت ہیں ختنہ، عطر، مسواک اور نکاح۔ اور حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے کہ دس چیزیں فطرت سے ہیں اور ان میں مسواک کو شمار کیا ہے۔

احادیث میں مسواک کے بہت سے فضائل مروی ہیں۔ مسند احمد میں مروی ہے إِنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَوةُ وَالسَّلَامُ قَالَ صَلَوةٌ بِسَّوَاكٍ أَفْضَلُ مِنْ سَبْعِينَ صَلَوةً بِغَيْرِ سَّوَاكٍ مسواک کے ساتھ ایک نماز بغیر مسواک کے نماز سے ستر گونہ ثواب میں زائد ہے۔ استقراء اور تسبیح سے پانچ جگہ مسواک کا استحباب ثابت ہوا ہے۔

(۱) جب دانت زرد ہوں (۲) منہ سے پوٹھیر ہو (۳) نیند سے اٹھے (۴) جب نماز کو کھڑا ہو (۵) وضو کے وقت۔

فوائد:- مسواک نرم، انگلی کی مقدار موٹی اور ایک ہالشت لمبی ہو، اور سیدھی ہونی چاہیے اس میں گرہیں کم ہوں، تلخ درخت کی ہو، تاکہ قاطع بلغم ہو، مٹی صبر ہو اور کھانا جلد ہضم کرے۔

اور مسواک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مسواک عرضاً بھی کرے اور طولاً بھی، اور اگر ایک پر استغناء کرنا چاہے تو صرف طولاً کرے اور بعض نے کہا کہ عرضاً کرنے نہ کہ طولاً واضح ہو کہ دانتوں کا عرض منہ کا طول ہوگا (شرح نقایہ)۔

وَالْمُضْمَضَةُ وَالْإِسْتِشْقُ لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَعَنَهُمَا عَلَى الْمَوَاطِنَةِ وَكَتَبَتْهُمَا

اور کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا (بھی مسنون ہے) اس لئے کہ حضور ﷺ نے ان دونوں کو دامت کے ساتھ کیا ہے اور ان دونوں کی

أَنَّ يُخَضِّضَ فَلَنَّا يَأْخُذُ بِكُلِّ مَرَّةٍ مَاءً جَدِيدًا ثُمَّ يَسْتَشِقُّ كَذَلِكَ هُوَ الْمُعْجِزُ مِنْ وَضُوئِهِ ﷺ

کیفیت یہ ہے کہ تین ہار کلی کرے ہر بار نیا پانی لے، پھر اسی طرح ناک میں پانی ڈالے۔ حضور ﷺ کے وضو سے یہی نقل کیا گیا ہے۔

## کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا مسنون ہے

تشریح:- کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا بھی وضو میں مسنون ہے اور ان دونوں میں مبالغہ کرے پس کلی کرنے میں مبالغہ یہ ہے کہ تمام منہ میں پانی پہنچ جائے اور شیخ الاسلام نے فرمایا کہ کلی کرنے میں مبالغہ یہ ہے کہ غرغره کرے یعنی انتہاء طلق تک پانی پہنچائے بشرطیکہ یہ شخص روزہ دار نہ ہو۔ اور جس الائمہ حلوانی نے فرمایا کہ مبالغہ یہ ہے کہ پانی منہ کی ایک جانب سے دوسری جانب نکالے اور ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ یہ ہے کہ پانی ناک کے بانسہ تک پہنچ جاوے۔ اور کہا گیا کہ ناک میں پانی ڈال کر اوپر کو سانس لے تاکہ پانی اوپر چڑھ جائے۔

کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کے مسنون ہونے پر دلیل یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے دونوں پر بھیجی فرمائی ہے چنانچہ ۲۲ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کا وضو حکایت کیا ہے اور تمام نے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا بیان کیا ہے مگر عدد کئے بارے میں بعض نے سکوت کیا اور بعض نے ذکر کیا کہ آپ نے ایک ایک مرتبہ کل کی اور ناک میں پانی ڈالا اور بعض نے تین تین مرتبہ کا ذکر کیا ہے۔ ۲۲ صحابہ یہ ہیں (۱) عبداللہ بن زید (۲) عثمان (۳) ابن عباس (۴) مغیرہ (۵) علی ابن ابی طالب (۶) مقدم بن معدیکرب (۷) ابو مالک اشعری (۸) ابو بکر (۹) ابو ہریرہ (۱۰) وائل بن حجر (۱۱) جبیر بن نفیر (۱۲) ابو امامہ (۱۳) انس (۱۴) ابو ایوب انصاری (۱۵) کعب بن عمرو الیمانی (۱۶) عبداللہ بن ابی اوفی (۱۷) براء بن عازب (۱۸) ابو کامل قیس بن عائد (۱۹) ربیع بنت معوذ (۲۰) عائشہ (۲۱) عبداللہ بن انیس (۲۲) عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم (فتح القدیر، حاشیہ شرح نقایہ)۔

صاحب ہدایہ نے مواطبت کے ساتھ مع ترک کا ذکر نہیں کیا ہے حالانکہ وضو میں مضمرہ اور استنشاق کا ترک ثابت ہے

دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ایک اعرابی کو وضو کی تعلیم دی مگر اس میں مضمضہ اور استسقاء کا ذکر نہیں کیا۔ نیز حضرت عائشہؓ نے حضور اقدس ﷺ کا وضو حکایت کیا مگر آپ نے مضمضہ اور استسقاء کا ذکر نہیں کیا۔ پس جب ان دونوں کا احیاء ترک ثابت ہے تو یہ دونوں باتیں وضو میں مسنون ہوگی نہ کہ واجب اور فرض جیسا کہ اہل حدیث نے مواہبت نبی ﷺ سے استدلال کر کے ان دونوں کو غسل جنابت اور وضو میں فرض قرار دیا ہے نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے موقوفاً اور مرفوعاً حدیث مروی ہے کہ **هُمَا شَتَانِ فِي الْوُضُوءِ وَاجْتِنَانِ لِيَنِ الْفُضْلُ** یعنی کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا وضو میں سنت اور غسل میں واجب ہیں (حنایہ، کفایہ)۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کی کیفیت یہ ہے کہ پہلے تین بار کلی کرے اور ہر بار نیا پانی استعمال کرے پھر اسی طرح تین بار ناک میں پانی ڈالے اور ہر بار نیا پانی استعمال کرے۔ کیونکہ حضور ﷺ سے وضو کرنا اسی طرح منقول ہے۔ لیکن امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ ایک بار پانی لے کر اس سے کلی کرے اور ناک میں ڈالے کیونکہ ابو داؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ کا وضو بیان فرمایا اور ایک مرتبہ پانی لے کر کلی کی اور اسی سے استسقاء کیا۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ دونوں کے لئے ایک بار پانی لینا کافی ہوگا۔ (شرح نقایہ)

ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے کبھی کبھی بیان جواز کیلئے ایسا کیا ہے ورنہ فضل وہی ہے جس کو ہم نے اختیار کیا ہے۔

صاحب حنایہؒ نے جواب میں فرمایا ہے کہ منہ اور ناک الگ الگ دو عضو ہیں لہذا ایک پانی کے ساتھ ان دونوں کو جمع نہیں کیا جائے گا جیسے دوسرے اعضاء ہیں کسان میں سے دو کو ایک پانی کے ساتھ جمع نہیں کیا جاتا ایسے ہی منہ اور ناک کو بھی جمع نہیں کیا جائے گا۔

فوائد:- صاحب شرح نقایہؒ نے لکھا ہے کہ جس طرح مضمضہ اور استسقاء مسنون ہیں اسی طرح مضمضہ کو استسقاء پر مقدم کرنا بھی مسنون ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ مضمضہ اور استسقاء میں سے ہر ایک کو دائیں ہاتھ سے کرے اور بعض نے کہا کہ استسقاء بائیں ہاتھ سے کرے مگر صحیح یہ ہے کہ ناک میں پانی تو دائیں ہاتھ سے داخل کرے مگر اس کو بھاڑے بائیں ہاتھ سے۔

وَمَنْ سَخَّ الْأَذْنَيْنِ وَهُوَ مُتَّعٍ بِمَاءِ الرَّأْسِ خَلَا فَا لِلشَّافِعِيِّ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اور دونوں کانوں کا مسح کرنا (سنت ہے) اور یہ سر کے پانی سے مسنون ہے بخلاف امام شافعیؒ کے اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ کا قول ہے

الْأَذْنَانِ مِنَ الرَّأْسِ وَالْمُرَادُ بَيَانُ الْحُكْمِ ذَوْنِ الْبِحَلَقَةِ

الْأَذْنَانِ مِنَ الرَّأْسِ اور مقصد حکم کو بیان ہے نہ کہ پیدائش کا

## پانچویں سنت

تشریح:- وضو کی سنتوں میں سے دونوں کانوں کا مسح کرنا بھی ہے۔ کانوں کے مسح کا طریقہ علامہ طہوانی اور شیخ الاسلام رحمہما اللہ

کے قول کے مطابق یہ ہے کہ اپنی خنصر (چنگلی) کانوں میں داخل کر کے حرکت دے۔ اور فرمایا کہ حضور ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ اور ابن ماجہ میں اسناد صحیح کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اِنَّ عَلَیْهِ الصَّلٰوَةُ وَالسَّلَامُ مَسَحَ اُذُنَیْهِ فَاَذَّ غُلْفَهُمَا السَّابِغَیْنِ وَخَالَفَ اِیْھَاْمَیْہِ اِلٰی ظَاھِرِ اُذُنَیْہِ فَمَسَحَ ظَاھِرَھُمَا وَبَاطِنَھُمَا یعنی حضور ﷺ نے اپنے دونوں کانوں کا مسح کیا پس اپنی دونوں شہادت کی انگلیاں دونوں کانوں میں داخل کیں اور دونوں انگوٹھوں کو کانوں کے اوپر پھیرا۔ پس کانوں کے ظاہر و باطن کا مسح فرمایا یہی اولیٰ ہے۔ (فتح القدیر)۔

کانوں کا مسح ہمارے نزدیک سر کے پانی کے ساتھ مسنون ہے۔ اور امام مالک، امام شافعی اور امام احمد نے فرمایا کہ نیا پانی لے کر کانوں کا مسح کرنا مستحب ہے ان حضرات کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو حاکم نے روایت کیا کہ حبان بن واسع رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے والد نے بیان کیا اِنَّہُ سَمِعَ عَبْدَ اللّٰہِ بْنِ زَیْدٍ یَذْکُرُ اَنَّہُ رَاٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَتَوَضَّأُ فَاَخَذَ بِاُذُنَیْہِ مَاءً یَخْلِفُ الْخَافِیَّ الَّذِیْ اَخَذَ بِرَؤْسِہِ یعنی عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو ذکر کرتے ہوئے سنا کہ انہوں نے حضور ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا سو آپ ﷺ نے کانوں کا مسح کرنے کیلئے اس پانی کے علاوہ پانی لیا جو سر کا مسح کرنے کیلئے لیا تھا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کانوں کا مسح کرنے کیلئے نیا پانی لینا مسنون ہے۔

ہماری دلیل حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہے: اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لَا اُذُنَانِ مِنَ الرُّؤُسِ اور اس حدیث سے مراد حکم بیان کرنا ہے یعنی سر اور کان دونوں کا حکم ایک ہے پیدائش کو بیان کرنا مقصود نہیں کیونکہ آپ کی بخت احکام بیان کرنے کے واسطے ہوئی ہے موجودات کے حقائق بیان کرنے کیلئے آپ کو مبعوث نہیں کیا گیا۔

لیکن اگر کوئی سوال کرے کہ جب سر اور کان دونوں کا حکم ایک ہے تو دونوں کانوں پر مسح کرنا سر کے مسح کے قائم مقام ہو جانا چاہیے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ سر کے مسح کو وجوب دلیل قطعی سے ثابت ہے اور کانوں کا مسح خبر واحد سے ثابت ہے جو مسنون ہے اور مسنون سے فرض ادا نہیں ہو سکتا۔ جیسے حضور ﷺ نے فرمایا اَلْحَطِیْمُ مِنَ التَّہِیْتِ یعنی حطیم کعبہ، کعبہ میں داخل ہے حتیٰ کہ جس طرح بیعت اللہ کا طواف کیا جاتا ہے اسی طرح حطیم کعبہ کا طواف بھی کیا جائیگا لیکن صرف حطیم کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ وجوب صلوٰۃ الی الکعبہ دلیل قطعی سے ثابت ہے اور حطیم کا داخل کعبہ ہونا خبر واحد سے ثابت ہے اور خبر واحد پر عمل اس وقت واجب ہے ہوگا جبکہ دلیل قطعی پر عمل باطل نہ ہو اور اگر خبر واحد پر عمل کرنے سے دلیل قطعی پر عمل باطل ہو جاتا ہے تو خبر واحد پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

دوسری دلیل وہ حدیث ہے جس کو حاکم، ابن خزیمہ اور ابن حبان رحمہم اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اِنَّہُ

قَالَ لَا أُخْبِرُكُمْ بِوُضُوءٍ وَرَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَفِيهِ ثُمَّ عَرَفَ عُرْفَةً فَمَسَحَ بِهَا رَأْسَهُ وَأَذْنَهُ لِيَعْنِي ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ  
نے فرمایا کہ کیا میں تم کو رسول اللہ ﷺ کے وضو سے آگاہ نہ کروں (پھر تمام وضو کر کیا) جس میں یہ ہے کہ پھر ایک چلو پانی نے اس  
سے اپنے سر اور دونوں کالوں کا مسح کیا۔ اس حدیث سے بھی ظاہر ہوا کہ کالوں کا مسح کرنے کیلئے ماہِ جدید کی ضرورت نہیں، واللہ اعلم۔

قَالَ وَتَحْلِيلُ اللَّيْثِيَةِ لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَمَرَهُ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِذَلِكَ وَقِيلَ هُوَ

کہا اور داڑھی کا خلال کرنا (بھی سنت ہے) کیونکہ جبریلؑ نے حضور ﷺ کو اس (تحلیل لمحہ) کا حکم کیا تھا اور کہا گیا کہ یہ

سُنَّةٌ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى جَائِزَةٌ عِنْدَ أَبِي حَبِيبَةَ وَتَحْمِيدٍ وَجَمْعُهُمَا اللَّهُ لِأَنَّ السُّنَّةَ إِكْمَالُ الْقُرْضِ فِي مَحَلِّهِ

ابو یوسفؒ کے نزدیک سنت ہے اور امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے کیونکہ سنت تو فرض کا اس کے مکمل میں پورا کرنا ہے

وَالْمُحَاطَةُ لَيْسَ بِمَحَلِّ الْقُرْضِ

اور (داڑھی کا) اندرون مکمل فرض نہیں ہے۔

## چھٹی سنت، داڑھی کا خلال سنت ہے یا نہیں؟

تشریح:- قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ داڑھی کا خلال کرنا بھی سنت ہے۔ دلیل یہ ہے کہ جبریل علیہ السلام نے حضور  
ﷺ کو داڑھی کے خلال کرنے کا حکم کیا تھا۔ صاحبِ معانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَزَلَ عَلَيَّ  
جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَمَرَنِي أَنْ أُحْلِلَ لِيَعْنِي إِذَا تَوَضَّأْتُ حَضَرْتُ أَدَسَ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل نے آکر کہا  
کہ جب میں وضو کروں تو اپنی داڑھی کا خلال کر لیا کروں۔

اور ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يُحْلِلُ لِيَعْنِي  
حضور ﷺ اپنی داڑھی کا خلال فرماتے تھے۔ اور حدیث انسؓ ہے۔ قَالَ كَانَ عَلَيْهِ وَالسَّلَامُ إِذَا تَوَضَّأَ حَلَّلَ لِيَعْنِي  
حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب وضو کرتے تو اپنی داڑھی کا خلال کرتے۔ (رواہ البزار)

اور بعض حضرات نے کہا کہ داڑھی کا خلال کرنا امام ابو یوسفؒ کے نزدیک سنت ہے اور طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک جائز  
ہے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ سنت وضو میں یہ ہے کہ اس کے مکمل میں فرض کو مکمل کیا جائے اور داڑھی کا اندرون حصہ فرض کا مکمل نہیں ہے  
کیونکہ بالاتفاق اندرون حصہ میں پانی پہنچانا واجب نہیں ہے۔ پس جب داڑھی کا اندرون حصہ مکمل فرض نہیں تو اس کا پورا کرنا سنت بھی نہیں  
ہوگا اور چونکہ حضور ﷺ سے خلال کرنا ثابت ہے اس لئے بدعت بھی نہیں ہوگا۔ حاصل یہ کہ جب نہ سنت ہے اور نہ بدعت تو جائز ہوگا۔

وَتَحْلِيلُ الْأَصَابِعِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ خَلَّلُوا أَصَابِعَكُمْ كَمَا لَا تَحْلِلُهَا نَارُ جَهَنَّمَ

پورا اگیوں کا خلال کرنا (مسنون) ہے اس لئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ اپنی اگیوں کا خلال کرنا کہ ان کے درمیان جہنم کی آگ نہ داخل ہونے

وَلَا تَكُنْ إِكْثَمَالُ الْقَوْمِ فِي مَحَلِّهِ

اور اس لئے کہ یہ فرض کا اپنے محل میں پورا کرنا ہے

## ساتویں سنت

**تشریح :-** وضو کی سنتوں میں، ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں کا خلال کرنا بھی ہے ہاتھوں کی انگلیوں میں خلال کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پنچہ کرنے کے مانند ڈالے۔ اور شرح نقایہ میں لکھا ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ دائیں ہتھیلی کا باطن بائیں ہتھیلی کی پشت پر رکھے اور پھر بائیں ہتھیلی کا باطن دائیں ہتھیلی کی پشت پر رکھے۔ اور پیروں کی انگلیوں میں خلال کرنے کی کیفیت یہ ہے کہ اپنا بائیں ہاتھ اپنے دائیں پاؤں کے نیچے رکھ کر چٹکل انگلی، انگلیوں کے درمیان میں داخل کرے دائیں پاؤں کی چٹکل سے شروع کرے اور بائیں پاؤں کی چٹکل پر ختم کر دے (شرح نقایہ)۔

دلیل ایک تو یہی حدیث ہے جس کو صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ دوم ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے **قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا تَوَضَّأْتَ فَخَبِّلْ أَصَابِعَ يَدَيْكَ وَرِجْلَيْكَ** ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تو وضو کرے تو اپنے ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں کا خلال کر لیا کر۔

اور طبرانی میں ہے: **عَنْ لَمْ يُخَبِّلْ أَصَابِعَهُ بِالْمَاءِ خَلَّتْهَا اللَّهُ بِالنَّارِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ** یعنی جو شخص اپنی انگلیوں کے درمیان پانی داخل نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے درمیان آگ داخل کرے گا۔

علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ صاحب فتح القدیر نے کہا کہ احادیث تغلیل میں سب سے زیادہ مناسب وہ حدیث ہے جس کو **لَقِيطُ بْنُ صَبْرَةَ** نے سنن اربعہ میں روایت کیا ہے۔ **قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا تَوَضَّأْتَ فَاسْبِغِ الْوُضُوءَ وَخَبِّلْ بَيْنَ الْأَصَابِعِ** رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تو وضو کرے تو اسباب کر اور انگلیوں کے درمیان خلال کر۔

یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ ان تمام احادیث میں خلال کرنے کا حکم امر کے صیغہ سے کیا گیا ہے اور امر واجب کیلئے آتا ہے پس انگلیوں کا خلال واجب ہونا چاہیے تھا نہ کہ سنت۔

**جواب :-** اگر انگلیوں کے درمیان پانی نہ پہنچے تو انگلیوں کے درمیان خلال کرنا اور پانی پہنچانا واجب ہے اور اگر انگلیوں کے درمیان پانی پہنچ گیا تو خلال کرنا سنت ہے۔ حضرت مولانا عبدالحی نے جواب دیا ہے کہ صیغہ امر کی وجہ سے انگلیوں کا خلال واجب ہونا چاہیے تھا مگر چونکہ وضو میں کوئی واجب نہیں ہے اس لئے خلال واجب نہیں ہوگا۔ اور وضو میں واجب اس لئے نہیں کہ وضو نماز کی شرط ہے لہذا وضو نماز کے تابع ہوگا پس اگر وضو میں واجب مان لیا جائے تو تابع اصل کے برابر ہو جائے گا۔ اور یہ کسی طرح بھی



مناسب نہیں ہے۔ دوسری دلیل عقلی یہ ہے کہ ہاتھوں اور پیروں کا دھونا فرض ہے اور خلال کرنے سے محل فرض میں اکمال ہوتا ہے اور وضو میں جس چیز سے فرض کا اکمال اس کے محل میں ہو وہ چیز سنت ہوتی ہے اس وجہ سے تحلیل اصالی سنت ہوگا۔

وَتَكَرَّرُ الْغُسْلُ إِلَى الثَّلَاثِ لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ تَوَضَّأَ مَرَّةً مَرَّةً وَقَالَ هَذَا وَضُوءٌ لَا يَقْبَلُ
اور دھونے کو تین تک کر رکنا (مسنون) ہے اس لئے کہ نبی علیہ السلام نے ایک ایک بار وضو کیا اور فرمایا کہ یہ ایسا وضو ہے کہ اللہ تعالیٰ
اللَّهُ تَعَالَى الصَّلَاةَ إِلَّا بِهِ وَتَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ وَقَالَ هَذَا وَضُوءٌ مِّنْ بَضَائِعِ اللَّهِ لَهُ الْآجُزُ مَرَّتَيْنِ
نماز کو اس کے بغیر قبول نہیں کرتے، اور دو بار وضو کیا، اور فرمایا کہ یہ اس شخص کا وضو ہے کہ جس کیلئے اللہ تعالیٰ ثواب کو دو گنا کر دیتا ہے
وَتَوَضَّأَ ثَلَاثًا وَقَالَ هَذَا وَضُوءِي وَوَضُوءُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي لَمْ يَزِدْ عَلَيَّ هَذَا أَوْ نَقَصَ فَقَدْ
اور تین تین بار وضو کیا اور فرمایا کہ یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کا وضو ہے۔ پس جس نے اس پر گواہی کی یا کسی کی تو
تَعَذَّى وَظَلَمَ وَالْوَعْدُ لِعَلِمَ رُؤُوبِهِ سُنَّةٌ
اس نے حد سے تجاوز کیا اور ظلم کیا اور وعید تین مرتبہ کو سنت نہ جاننے کی وجہ سے ہے

## تکرار غسل بھی مسنون ہے

تشریح:- وضو کی سنتوں میں سے اعضاء منقولہ کو تین تین بار دھونا بھی ہے۔ دھونے کی قید لگا کر اس طرف اشارہ کیا کہ تکرار مسح مسنون نہیں ہے۔ واضح ہو کہ بعض فقہاء کا قول یہ ہے کہ پہلی مرتبہ دھونا فرض ہے اور دوسری بار دھونا سنت ہے اور تیسری بار دھونا سنت کا اکمال (پورا کرنا) ہے اور بعض نے کہا کہ دوسری اور تیسری بار دھونا سنت ہے اور بعض نے کہا کہ دوم سنت اور سوم نفل ہے۔ اور بعض نے کہا کہ دوسری بار دھونا نفل اور تیسری بار دھونا سنت ہے اور ابو بکر اسکان رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ تین کے مجموعہ سے فرض واقع ہوگا۔ جیسے قیام یا رکوع کو اگر طویل کر دیا جائے تو وہ کل کا کل فرض ہی شمار ہوگا۔

تکرار غسل الی الثلث کے مسنون ہونے پر ایک حدیث تو صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک ایک بار اعضاء کو دھونے کے بعد فرمایا کہ اس کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی، اور دو بار دھو کر فرمایا کہ یہ وضو ایسا ہے جس پر دو گنا اجر ملے گا۔ اور تین تین بار دھو کر فرمایا کہ یہ میرا اور انبیاء سابقین علیہم السلام کا وضو ہے۔ اور یہ وعید بھی فرمائی کہ جس نے اس پر اضافہ کیا اس نے حد سے تجاوز کیا اور جس نے کمی کی اس نے ظلم کیا۔ حدیث میں تعدی کا لفظ زاد کے ساتھ تعلق رکھتا ہے ظلم کا تعلق نقص کا ساتھ ہے اور ظلم کے معنی بھی کم کرنے کے آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَئِنَّ تَطْيِيزَهُ فِتْنَةٌ شَيْنَاءُ لِّمَن لَّمْ يَنْقُصْ۔ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ وعید اس وقت ہے جبکہ یہ اعتقاد کیا کہ کامل سنت تین مرتبہ سے حاصل نہیں ہوئی

تو اس نے تعدی اور ظلم کیا۔ اور اگر شک کی صورت میں اطمینان قلب کیلئے تین مرتبہ اضافہ کیا یا ضرورت کی وجہ سے تین بار سے کم دھویا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے بذات خود کبھی تین تین مرتبہ دھویا اور کبھی دو دو بار اور کبھی ایک ایک بار۔

تکرار غسل الی الثالث کا مسنون ہونا اس حدیث سے بھی ثابت ہے جس کو ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ نے روایت کیا حدیث یہ ہے۔ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ الطُّهُورُ قَدْ غَا بِمَاءٍ فِي إِثْنَاءِ الْغَسْلِ كَفَّيْهِ ثَلَاثًا قَدْ تَكَرَّرَ جَفَّةُ الْوُضُوءِ ثَلَاثًا فَلَا تَأْتِي إِلَّا الرَّأْسَ ثُمَّ قَالَ هَكَذَا الْوُضُوءُ فَمَنْ زَادَ عَلَى هَذَا أَوْ نَقَصَ فَقَدْ آسَأَ وَظَلَمَ أَوْ ظَلَمَ وَآسَأَ اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے فَقَدْ تَعَدَّى وَظَلَمَ اور نسائی کی روایت میں ہے فَقَدْ آسَأَ وَتَعَدَّى وَظَلَمَ۔

قَالَ وَتُسْتَعْبَلُ لِلْمُتَوَضِّئِ أَنْ يَتَوَيَّ الطُّهَارَةَ فَالْيَتِي فِي الْوُضُوءِ سُنَّةٌ عِنْدَنَا وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ
فرمایا اور متوضی کیلئے مستحب ہے کہ طہارت کی نیت کرے پس ہمارے نزدیک نیت وضو میں سنت ہے اور امام شافعی کے نزدیک
فَرُضَ لِأَنَّهُ عِبَادَةٌ فَلَا يَصِحُّ بِذُنِّ النَّبِيِّ كَالْتِمِمْ وَلَقَدْ آتَى لَا يَقَعُ فَرْزَةٌ إِلَّا بِالْيَتِي وَلَكِنَّهُ يَقَعُ مِفْتَاحًا
فرض ہے کیونکہ وضو عبادت ہے پس یہ عبادت بغیر نیت کے صحیح نہیں ہوگی جیسے تیمم اور ہماری دلیل یہ ہے کہ وضو کا ثواب نہ ہوگا مگر نیت کے ساتھ لیکن یہ وضو نماز کے لئے صلاح (آلہ ذریعہ)
لِلصَّلَاةِ لِوُقُوعِهِ طَهَارَةٌ بِاسْتِعْمَالِ الْمُطَهِّرِ بِخِلَافِ التَّمِمْ لِأَنَّ الْغُرَابَ غَيْرُ مُطَهِّرٍ إِلَّا
ہو جاتا ہے کیونکہ وہ پاک کرنے والے پانی کے استعمال سے طہارت ہو گیا بخلاف تیمم کے اس لئے کہ مٹی پاک کرنے والی نہیں مگر
فِي خَالٍ إِرَادَةِ الصَّلَاةِ أَوْ هُوَ نِيَّةٌ عَنِ الْقَصْدِ
ارادہ نماز کی حالت میں یا تیمم قصد کی خبر دیتا ہے

## مستحبات وضو، نیت کا حکم..... اقوال فقہاء

تشریح :- نیت یہ ہے کہ دل سے وضو کا ارادہ کرے یا حدث دور کرنے کا ارادہ کرے یا ایسی عبادت کا قصد کرے جو بغیر طہارت کے صحیح نہ ہو۔ وضو کی نیت کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ علماء احناف رحمہم اللہ کے نزدیک وضو میں نیت کرنا مسنون ہے اور امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک فرض ہے۔ ائمہ ثلاثہ کی دلیل حضور ﷺ کا ارشاد إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ ہے یعنی اعمال نیتوں پر موقوف ہیں اور وضو بھی ایک عمل ہے لہذا یہ بھی نیت پر موقوف ہوگا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ وضو ایک عبادت ہے اور عبادت بغیر نیت کے صحیح نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ اور اخلاص

بغیر نیت کے ممکن نہیں ہوتا اس لئے ہم نے کہا کہ کوئی عبادت بغیر نیت کے مستحسن ہوگی جیسے تیمم میں بالاتفاق نیت فرض ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے وضو کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے اس کو نیت کی تعلیم نہیں دی (شرح فقہیہ) اس سے معلوم ہوا کہ نیت وضو میں فرض نہیں ہے ورنہ آپ ﷺ اس کو نیت کی تعلیم ضرور فرماتے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ وضو نماز کی شرط ہے اور نماز کی باقی شرطیں نیت کی محتاج نہیں ہیں لہذا وضو بھی محتاج نیت نہیں ہوگا۔ صاحب ہدایہ رحمہ اللہ کی پیش کردہ دلیل درحقیقت امام شافعی کی دلیل کا جواب ہے۔ حاصل دلیل یہ ہے کہ بلاشبہ وضو کا عبادت ہونا بغیر نیت کے نہیں ہو سکتا۔ لیکن وضو بغیر نیت کے متباح صلوٰۃ ہو سکتا ہے کیونکہ نماز کی متباح طہارت ہے اور طہارت نیت اور بغیر نیت دونوں طرح متحقق ہو جاتی ہے اس لئے کہ پانی اپنی ذات سے پاک کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا** لہذا پاک کرنے والے پانی کے استعمال سے وضو کا طہارت ہونا واقع ہو گیا خواہ طہارت کی نیت کرے یا نیت نہ کرے۔

**بِخِلَافِ التَّمَحُّمِ الْخُ** سے امام شافعی کے قیاس کا جواب ہے۔ حاصل جواب یہ ہے کہ وضو کو تیمم پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے اس لئے کہ وضو پانی سے ہوتا ہے اور پانی بذاتہ پاک کرنے والا ہے اور تیمم مٹی سے ہوتا ہے مٹی بذاتہ پاک کرنے والی نہیں ہے مگر ارادہ صلوٰۃ کی حالت میں پس مٹی سے پاک کرنا امر تعبدی (خلاف قیاس) ہے اور امور تعبدیہ نیت کے محتاج ہوتے ہیں اس وجہ سے تیمم پر قیاس کرنا درست نہیں ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ تیمم کے لغوی معنی قصد اور ارادے کے ہیں اور امور شریعہ میں معنی لغوی ملحوظ ہوتے ہیں اس لئے تیمم میں نیت اور قصد کی شرط لگائی گئی ہے۔

اور حدیث **إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ** کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں اعمال سے مراد عبادات ہیں کیونکہ بہت سے مباحات شرعاً بغیر نیت کے معتبر ہوتے ہیں مثلاً نکاح، طلاق، بلک طاعات مستقلہ مراد ہیں۔ اور وضو طاعت مستقلہ نہیں ہے بلکہ نماز کیلئے وسیلہ ہے۔ اور صاحب شرح وقایہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اعمال سے پہلے لفظ ثواب مقدر ہے اب مطلب یہ ہوگا کہ اعمال کا ثواب نیت پر موقوف ہے اور نفس عمل نیت پر موقوف نہیں ہے۔

**وَيَسْتَوْعِبُ رَأْسَهُ بِالْمَسْحِ وَهُوَ السُّنَّةُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ "السُّنَّةُ هُوَ التَّحْلِيلُ بِمَاءٍ مُتَخَلِّفَةٍ**

اور اپنے تمام سر کو مسح کے ساتھ گھرے اور یہی سنت ہے اور امام شافعی نے وضو منسول پر قیاس کرتے ہوئے فرمایا کہ سنت تو مختلف پانیوں کے ساتھ

**إِغْتِبَارًا بِالْمَعْسُولِ وَلَنَا أَنْ نَسْأَلَ قَوْلًا ثَلَاثًا وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ مَرَّةً وَاجِلَةً وَقَالَ هَذَا وَضُوءٌ وَسُؤْلُ اللَّهِ**

تین مرتبہ (مسح کرنا ہے) اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اس نے تین تین مرتبہ وضو کیا (لیکن) اپنے سر کا مسح ایک مرتبہ کیا اور فرمایا کہ یہ

**عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالَّذِي يُرْوَى مِنَ التَّحْلِيلِ مَحْمُولٌ عَلَيْهِ بِمَاءٍ وَاحِدٍ وَهُوَ مَشْرُوعٌ عَلَى**

رسول اللہ ﷺ کا وضو ہے اور وہ جو تین مرتبہ (مسح کرنا) کرنا واجب کیا جاتا ہے تودہ ایک پانی کے ساتھ تین مرتبہ پر محمول ہے اور یہ اس بنا پر مشروع ہے

هَارُوِي عَنْ أَبِي حَبِيْبَةَ وَلَا نَ الْمَقْرُوْضُ هُوَ الْمَسْحُ وَبِالتَّكْرَارِ يَصِيْرُ غَسْلًا فَلَا يَكُوْنُ مَسْنُوْنًا فَصَارَ

جو ابو حنیفہ سے مروی ہے اور اس لئے کہ فرض تو مسح ہے اور تکرار کے ساتھ وہ غسل ہو جائے گا تو ایسا مسح مسنون نہ ہوگا۔ پس سر کا

تَمْسِجُ الْخُفَّ بِخِلَافِ الْفُتْلِ لِأَنَّهُ لَا يَضُرُّهُ التَّكْرَارُ

مسح موزے کے مسح کے مانند ہو گیا بخلاف غسل کے اس لئے کہ تکرار غسل کو مضر نہیں ہے

## استیعاب راس کا حکم..... اقوال فقہاء

تشریح۔۔ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پورے سر کا مسح کرنا بھی مسنون ہے۔ پورے سر کا مسح کرنے کی کیفیت یہ ہے کہ دونوں ہتھیلیاں اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں اولاً تر کرے پھر دونوں ہاتھوں کی تین تین انگلیاں سر کے اگلے حصہ پر رکھے اور دونوں انگوٹھوں اور شہادت کی انگلیوں اور ہتھیلی کو جدا رکھے، پھر ان کو سمیٹ کر پیچھے کی طرف لے جائے پھر دونوں ہتھیلیوں کو سر کے دونوں طرف سے کھینچتا ہوا آگے کی طرف لے آئے پھر دونوں انگوٹھوں سے دونوں کانوں کے ظاہر کا اور دونوں شہادت کی انگلیوں سے دونوں کانوں کے باطن کا مسح کرے (فتح القدیر) اور نہایت میں اتنی زیادتی ہے کہ دونوں ہاتھوں کے ظاہر سے اپنی گردن (گدی) کا مسح کرے۔

بہر حال ہمارے نزدیک ایک ایک مرتبہ پورے سر کا مسح کرنا مسنون ہے اور امام شافعی نے فرمایا کہ مختلف تین پانیوں سے تین مرتبہ پورے سر کا مسح کرنا مسنون ہے۔ امام شافعی سر کے مسح کو عضو منسول پر قیاس کرتے ہیں یعنی جس طرح منہ اور ناک کے اندر کا تین مرتبہ دھونا مسنون ہے اسی طرح پورے سر کا تین مرتبہ مسح کرنا بھی مسنون ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وضو کیا تین تین مرتبہ اور مسح کیا ایک مرتبہ، اور فرمایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا وضو ہے۔ اور رضی وہ حدیث کہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے حضور ﷺ کا وضو حکایت کیا اس میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے تین تین مرتبہ اعضا کو دھویا اور تین مرتبہ مسح کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ایک پانی سے تین مرتبہ مسح کیا اور یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک بھی مشروع ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ فرض تو مسح کرنا ہے اور تکرار کی وجہ سے مسح غسل ہو جائے گا اور یہ کتاب، سنت اور اجماع سب کے خلاف ہے اس لئے مسح میں تکرار مسنون نہیں ہوگا۔ پس سر کا مسح موزے کے مسح کے مانند ہو گیا یعنی جس طرح موزے کے مسح میں تین ٹیٹ مسنون نہیں اسی طرح سر کے مسح میں بھی تین ٹیٹ مسنون نہیں ہوگی۔ اس کے برخلاف غسل کدہ تکرار کی وجہ سے ناسد نہیں ہوتا یعنی تکرار کے باوجود غسل، غسل ہی رہے گا اس لئے غسل میں تکرار الی التلث مسنون ہے۔

وَوَقَّيْتُ الْوُضُوْءَ فَمَآئِدًا لِلّٰهِ تَعَالٰی بِذِكْرِهِ وَبِالْمَيَامِيْنَ وَالتَّوَضُّعِ فِي الْوُضُوْءِ سُنَّةٌ

اور وضو مرتب کرے، پس اس وضو سے شروع کرے جس کے ذکر سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا اور (شروع کرے) کہ اپنے سے اور اللہ سے نزدیک وضو میں ترتیب

عِنْدَنَا وَعِنْدَ الشَّامِيِّ قَرَضَ لِقَوْلِهِ تَعَالَى فَاغْلُظْ وَاجْعَلْ لِنَفْسِكَ آيَةً وَالْقَاءَ لِلتَّعْقِيبِ وَلَنَا

سنت ہے اور امام شافعی کے نزدیک فرض ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَفْعَلُوا وَنُحْمَاكَ الْاَيَةُ اور قاتل تعزیر کے لئے ہے اور ہماری دلیل یہ ہے

أَنَّ الْمَذْكُورَ فِيهَا حُرُوفُ الْوَاوِ وَهِيَ لِمُطْلَقِ الْجَمْعِ بِإِجْمَاعِ أَهْلِ اللُّغَةِ فَتَقْضِي إِعْقَابَ غَسْلِ جُمْلَةِ الْأَعْضَاءِ

کے ذکر آیت میں حرف واو ہے وہاں اتفاق الی اختلاف مطلقاً جمع کے لئے ہے پس تقاضا کرے گا تمام اعضا دھونے کے بعد میں ہونے کا

وَالْهَادِيَةُ بِالْمَيَامِينَ فَضِيلَةٌ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يُحِبُّ التَّيَّامِينَ فِي كُلِّ شَيْءٍ

اور انہیں سے ابتداء کرنا افضل ہے اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز میں تیس کو پسند فرماتے ہیں

حَتَّى التَّعَلُّمِ وَالتَّوَجُّهِ

حتیٰ کہ جو تاپہنے اور کٹکھا کرنے میں

ترتیب اور دائیں طرف سے وضو شروع کرنے کا حکم

تشریح :- اس عبارت میں دو مسئلہ زیر بحث ہیں (۱) مسئلہ ترتیب (۲) ابتداء بالتیامن۔ وضو کے اعضاء مفروضہ کے درمیان ترتیب کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ چنانچہ علماء ماحناف رحمہم اللہ کے نزدیک وضو کے اعضاء مفروضہ کے درمیان ترتیب مسنون ہے اور امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک فرض ہے۔ ان حضرات کی دلیل باری تعالیٰ کا قول لَإِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوْهَكُمْ الْاَيْدِي

ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ قام تعقیب کے لئے آتا ہے اور تعقیب ترتیب کے معنی پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ تعقیب کے معنی ہیں قام ہے۔ مابعد کا قبل پر مرتب ہونا پس آیت سے قیام الی الصلوٰۃ اور غسل وجہ کے درمیان ترتیب ثابت ہوئی اور جب غسل وجہ میں ترتیب کے مابعد کا قبل پر مرتب ہونا پس آیت سے قیام الی الصلوٰۃ اور غسل وجہ کے درمیان ترتیب ثابت ہوئی اور جب غسل وجہ پر معطوف ہیں اور معطوف علی ثابت ہوگئی تو باقی دوسرے اعضاء میں بھی ترتیب ثابت ہوگی کیونکہ باقی دوسرے اعضاء غسل وجہ پر معطوف ہیں اور معطوف علی المرتب مرتب ہوتا ہے۔ اس لئے باقی اعضاء میں بھی ترتیب ثابت ہوگی نیز اگر باقی اعضاء میں ترتیب نہ ہو تو وضو کے اعضاء مفروضہ کے درمیان فصل کا قائل ہونا پڑے گا۔ حالانکہ فصل کا کوئی قائل نہیں ہے بلکہ یا تو تمام اعضاء میں ترتیب کا قول ہے یا عدم ترتیب کا۔ اس کا کوئی قائل نہیں کہ بعض اعضاء میں ترتیب ہو اور بعض میں ترتیب نہ ہو۔

اس کا کوئی قائل نہیں کہ جس اعضاء میں ترتیب ہو اور اس میں ترتیب نہ ہو۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ وضو کے اعضاء مفروضہ کے درمیان واؤ مذکور ہے اور اہل لغت کا اس پر اجماع ہے کہ واؤ مطلق جمع کیلئے آتی ہے۔ پس اگر ہم یہ تسلیم کر بھی لیں کہ فاء تعقیب کیلئے ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اعضاء اربعہ کے مجموعہ کا غسل قیام الی الصلوٰۃ پر مرتب ہے۔ پس قیام الی الصلوٰۃ اور اعضاء اربعہ کے مجموعہ کے غسل میں ترتیب ثابت ہوگی نہ کہ اعضاء اربعہ میں۔ حالانکہ کلام اعضاء اربعہ کی ترتیب میں ہے اور اعضاء اربعہ میں واؤ داخل ہے۔ اور وہ ترتیب کا فائدہ نہیں دیتی اس لئے ہم نے کہا کہ وضو کے

اعضاء مفروضہ کے درمیان ترتیب فرض نہیں ہے۔ مگر چونکہ حضور ﷺ نے قرآن کی ذکر کردہ ترتیب کے ساتھ وضو فرمایا ہے۔ اس لئے وضو میں ترتیب مسنون ہوگی نہ کہ فرض۔

یہاں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ واؤ کے مطلق جمع کے واسطے ہونے پر صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ کا اجماع کا دعویٰ کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ بعض حضرات واؤ کو مفید تسلیم مانتے ہیں اور بعض مفید قرآن۔

جواب ابو علی فارسی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ نحاۃ کا اس پر اجماع ہے کہ واؤ مطلق جمع کیلئے ہے اور امام الخو سیبویہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں اجماع ذکر کیا ہے کہ واؤ مطلق جمع کیلئے آتی ہے۔ پس معتقد ہدایہ نے اسی پر اجماع ذکر کر کے اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور چند لوگوں کا اختلاف مانع اجماع نہیں ہوتا۔

دوسرا مسئلہ ابتداء بالیمین کا ہے۔ سو ہاتھوں اور پیروں کے دھونے میں دائیں سے شروع کرنا افضل اور مستحب ہے۔

صاحب شرح نقایہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ مسنون ہے جیسا کہ فقہ میں ہے۔ کیونکہ ابتداء بالیمین پر حضور ﷺ نے ہمگنی فرمائی ہے۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا اِذَا تَوَضَّأْتُمْ فَأَمْلُوا بِمَیْمَنِکُمْ رواہ ابو داؤد واہن ماجہ واہن عزیزۃ واہن حبان۔ یعنی جب تم وضو کرو تو اپنے دائیں سے شروع کرو۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا اِنَّ اللہَ تَعَالٰی یُحِبُّ التَّيْمُنَ فِی کُلِّ شَیْءٍ حَتّٰی التَّعْمَلَ وَالتَّرَجُلَ۔

اور ایک حدیث میں ہے حَتّٰی فِی طَهْوَرِهِ وَتَعْمَلِهِ وَتَرَجُلِهِ وَشَانِ کُلِّہِ یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز میں ابتداء بالیمین کو پسند کرتے ہیں حتیٰ کہ وضو میں جوتا پہننے، کنگھی کرنے اور ہر شے میں۔



## فَصْلٌ فِي نَوَاقِصِ الْوُضُوءِ

(یہ) فصل وضو کے نواقض کے بیان میں ہے

الْمَعَانِي النَّاْقِصَةُ لِلْوُضُوءِ كُلُّ مَا يَخْرُجُ مِنَ السَّبِيلَيْنِ لِقَوْلِهِ

وضو کو توڑنے والی چیزیں ہر وہ چیز ہے جو سبیلین سے نکلتی ہے باری تعالیٰ کے قول

تَعَالَى أَوْجَاءُ أَحَدٌ مِنْكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَلَايَةً. وَقِيلَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَمَا الْحَدَّثُ قَالَ مَا يَخْرُجُ مِنَ

أَوْجَاءُ أَحَدٌ مِنْكُم مِّنَ الْغَائِطِ الْآيَةِ کی وجہ سے اور رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا محدث کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو سبیلین

السَّبِيلَيْنِ وَكَلِمَةً مَا عَامَّةٌ فَتَنَازَلُ الْمُعْتَادُ وَغَيْرُهُ وَالْثَّمُ وَالْقَيْحُ إِذَا خَرَجَا مِنَ الْبَدَنِ فَتَجَاوَزَا إِلَى

سے نکلے۔ اور کلام عام ہے لہذا معتاد اور غیر معتاد (دھوئیں) کو شامل ہوگا اور خون اور پیپ (بھی قیس وضو ہیں) جب دونوں بدن سے نکلیں۔ پھر اس مقام کی

مَوْضِعٌ يَلْحَقُهُ حُكْمُ التَّطَهِيرِ وَالْقِيَاءِ مِلَّا الْقِيَمِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ الْخَارِجُ مِنْ غَيْرِ السَّبِيلَيْنِ لَا يَنْقُصُ الْوُضُوءَ

طرف تجاوز کر جائیں جس کو حکم تطہیر لاحق ہے اور قے اس حال میں کہ نہ بھر کر ہو (بھی ناقض ہے) اور امام شافعی نے فرمایا کہ غیر سبیلین سے نکلنے والی

لِمَارَوْى أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَاءَ فَلَمْ يَتَوَضَّأْ وَلَا زُ غَسَلَ غَيْرَ مَوْضِعِ الْإِصَابَةِ أَمْرٌ تَعْبُدِي فَيَقْتَصِرُ

چیز ناقض وضو نہیں ہے کیونکہ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے قے کی مگر وضو نہیں کیا اور اس لئے کہ موضع نہاست کے علاوہ کا دھونا امر تعبدی ہے پس مورد

عَلَى مَوْرِدِ الشَّرْعِ وَهُوَ الْمَخْرُجُ الْمُعْتَادُ وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْوُضُوءُ مِنْ كُلِّ دَمٍ سَائِلٍ

شرع پر منحصر ہے گا اور وہ مخرج معتاد ہے۔ اور ہماری دلیل حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ ہر بہنے والے خون سے وضو (واجب) ہے

وَقَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ قَاءَ أَوْ رَعَفَ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ لَيْسَ عَلَى صَلَاتِهِ مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ

اور حضور ﷺ کا قول ہے کہ جس نے قے کی یا نکسیر چھوٹی نماز میں تو چاہیے کہ وہ پھر جاوے اور وضو کرے اور اپنی نماز پر بنا کرے جب تک کہ کلام نہ کیا ہو

وَلَا نَ خُرُوجَ النِّجَاسَةِ مُؤَثِّرٌ فِي زَوَالِ الطَّهَارَةِ وَهَذَا الْقَدْرُ فِي الْأَصْلِ مَقْفُولٌ وَالْإِصْبَارُ عَلَى الْأَعْضَاءِ

اور اس لئے کہ نجاست کا نکلنا طہارت کے زائل ہونے میں مؤثر ہے اور یہ مقدمہ اصل میں قیاس کے مطابق ہے۔ اور اعضاء اور بدن پر اکتفاء کرنا

الْأَرْبَعَةُ غَيْرُ مَقْفُولٍ لِكُنْهٖ يَتَعَلَّى ضَرُورَةً تَعْبُدِي الْأَوَّلِ غَيْرَ أَنَّ الْخُرُوجَ إِنَّمَا يَتَحَقَّقُ بِالسَّيْلَانِ إِلَى مَوْضِعٍ يَلْحَقُهُ

غیر مقفول ہے لیکن اول کے متحدی ہونے کی وجہ سے یہ متحدی ہوگا مگر یہ کہ خروج ایسے موضع کی طرف سیلان سے تحقق ہوگا جس کو تطہیر کا

حُكْمُ التَّطَهِيرِ وَبِمِلَّا الْقِيَمِ فِي الْقِيَاءِ لِأَنَّ بَزْوَالَ الْقِشْرَةِ تَطْهَرُ النِّجَاسَةُ فِي مَحَلِّهَا فَتَكُونُ بَادِيَةً

حکم لاحق ہو اور نہ بھرتے سے کیونکہ جھلکا اترنے سے نجاست اپنے محل میں ظاہر ہوگی تو یہ نجاست ظاہر ہونے والی کہلائے گی

لَا خَارِجَةَ بِخِلَافِ السَّيْلِيِّ لَأَنَّ ذَاكَ الْمَوْضِعَ لَيْسَ بِمَوْضِعِ الْحَاسَةِ فَيُسْتَقَلُّ بِالظُّهُورِ عَلَى الْإِتْقَالِ وَالْمَخْرُوجِ

نہ کہ خارج ہونے والی۔ بخلاف سہیلین کے کیونکہ یہ موضع موضع نجاست نہیں ہے کہ غہور سے انتقال پر استدلال کیا جائے

وَمِمَّا الْقِمُّ أَنْ يَكُونَ بِحَالٍ لَا يُمَكِّنُ ضَبْطُهُ إِلَّا بِتَكْلُفٍ لِأَنَّهُ يَخْرُجُ ظَاهِرًا فَاغْتَبِرَ خَارِجًا وَقَالَ زُفَرٌ

اور منہ بھرنایا ہے کہ وہ اس طرح ہو کہ بغیر تکلف کے اس کا ضبط کر سکیں نہ ہو کیونکہ وہ ظاہر ہو کر نکلے گا پس اس کو خارج سمجھ جائے گا۔ اور امام زفرؒ نے فرمایا

قَلِيلُ الْقِيِّ وَكَثِيرُهُ سَوَاءٌ وَكَذَا لَا يَشْتَرِطُ السَّيْلَانُ إِغْتِبَارًا بِالْمَخْرَجِ الْمُعْتَادِ وَلَا طَلْقِ قَوْلِهِ

کوتے کا قلیل اور کثیر سب برابر ہے اور اسی طرح وہ مخرج معاد پر قیاس کرتے ہوئے سیلان کی شرط نہیں ہے اور حضور ﷺ کے قول الْقَلَسُ حَدَثٌ

عَلَيْهِ السَّلَامُ الْقَلَسُ حَدَثٌ وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَيْسَ فِي الْقَطْرَةِ وَالْقَطْرَتَيْنِ مِنَ اللَّحْمِ وَضُوءٌ

کے مطلق ہونے کی وجہ سے یہاں کی شرط نہیں لگاتے۔ اور ہماری دلیل حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ خون کے ایک قطرے اور دو قطروں میں وضو نہیں ہے

إِلَّا أَنْ يَكُونَ سَائِلًا وَقَوْلُ عَلِيٍّ جَعَلَ عَدَا الْأَحْدَاثِ جُمْلَةً أَوْ دَسْعَةً تَمْلَأُ الْقِمَّ وَإِذَا تَعَارَضَتْ الْأَخْبَارُ

مگر یہ کہ سائل ہو۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول جس وقت آپ نے تمام احداث کو شمار کر لیا (تو فرمایا) یا تے جو منہ بھروے۔ اور جب روایات

يُحْمَلُ مَا رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ عَلَى الْقَلِيلِ وَمَا رَوَاهُ زُفَرٌ عَلَى الْكَثِيرِ وَالْفَرْقُ بَيْنَ الْمَسْلُكَيْنِ مَا قَدَّمْنَاهُ

متعارض ہو گئیں تو امام شافعی کی روایت کردہ حدیث کو قلیل پر محمول کیا جائے گا اور امام زفرؒ کی روایت کردہ حدیث کو کثیر پر محمول

کیا جائے گا اور دونوں مسکوں کے درمیان فرق وہ ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے۔

## نواقض وضو کا بیان

تشریح :- یہ فصل نواقض وضو کے بیان میں ہے۔ نواقض، ناتھتہ کی جمع ہے اور نقص اگر اجسام کی طرف منسوب ہو تو اس

کے معنی اس کی تالیف و ترکیب کو باطل کرنا ہے۔ اور اگر معانی کی طرف منسوب کی جائے تو معنی ہوں گے مفید مطلوب ہونے سے نکال

دینا اور یہاں مطلوب وضو نماز کا مباح ہونا ہے۔ معانی سے مراد وضو کو توڑنے والی علتیں اور اسباب ہیں۔ حدیث میں ہے: لَا يَجُزُّ

دَمُ امْرِيٍّ مُسْلِمٍ إِلَّا بِأَخَذِي فَلَا بَیِّنَ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں ہوگا مگر تین علتوں میں سے ایک کی وجہ سے۔

بہر حال نواقض وضو میں سے ایک ہر وہ چیز ہے جو عیثی ثاب یا پائکا نہ کے راستہ سے نکلتی ہو۔ دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

فرمایا: لَا يَجْزِيكَ مِنْ الْفَاطِطِ اور غائظ اس لہجی زمین کو کہتے ہیں جہاں انسان قضاء حاجت کیلئے جاتا ہو۔ حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے

فرمایا کہ تم میں سے اگر کوئی قضاء حاجت کیلئے ہو کر آئے اور پانی نہ ہو تو تیمم کر لے پس ثابت ہو گیا کہ خروج من السہیلین سے وضو ٹوٹ

جاتا ہے اس لئے کہ اگر وضو نہ ٹوٹا تو پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کا حکم کیوں دیا جاتا دوسری دلیل یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ سے

دریافت کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! حدث کیا چیز ہے آپ ﷺ نے فرمایا: مَا يَخْرُجُ مِنَ السَّبِيلَيْنِ جو چیز بھی پیشاب یا پاخانہ کے راستہ سے نکلے اس حدیث میں کلمہ عام ہے جو معاد اور غیر معاد سب کو عام ہے۔ یعنی شے معاد جیسے بول و براز اور غیر معاد جیسے کیزا، کنکر اور استحاضہ کا خون، یہ سب ناقض وضو ہیں۔ حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ غیر معاد چیزیں مثلاً کیزا، کنکر، استحاضہ کا خون، سلسل بول اور انطلاق بطن وغیرہ ناقض وضو نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے غلط سے کتلیہ قضاء حاجت کا ذکر کیا ہے اور قضاء حاجت معاد ہے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے: الْمُسْتَحَاضَةُ تَقَوُّضًا لَوْ قُبْتُ كُلِّي ضَلْوَةٍ۔ یعنی مستحاضہ عورت وضو کرے گی ہر نماز کے وقت میں۔ اور استحاضہ غیر معاد ہے پس معلوم ہوا کہ غیر معاد چیزیں جو سہیلین سے نکلتی ہوں وہ بھی ناقض وضو ہیں۔

اور لو ناقض وضو میں یہ بھی ہے کہ زعمہ آدمی کے بدن سے خون یا پیپ نکلے پھر ظاہر ہو کر ایسے مقام کی طرف تجاوز کر جائے جسکو غسل یا وضو میں پاک کرنے کا حکم ہے یعنی سہیلین کے علاوہ دوسرے مقام سے خروج میں نقطہ نجاست کا ظاہر ہونا کافی نہیں بلکہ سیلان شرط ہے۔ چنانچہ اگر خون زخم کے سر پر چڑھا کر بہا نہیں تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا اور لو ناقض وضو میں سے منہ بھرتے ہیں اور منہ بھرتے ہیں جسکو بغیر مشقت اور کلفت کے رد کا نہ جاسکے۔

حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ غیر سہیلین سے نکلنے والی چیز وضو نہیں تو زنی۔ حضرت امام زفرؒ کے نزدیک غیر سہیلین سے نکلتی والی چیز مطلقاً ناقض وضو ہے اس میں سیلان ہو یا سیلان نہ ہو، تے منہ بھر ہو یا منہ بھر نہ ہو۔ حاصل اقوال یہ کہ خارج من غیر السہیلین امام شافعیؒ کے نزدیک مطلقاً غیر ناقض ہے اور امام زفرؒ کے نزدیک مطلقاً ناقض ہے۔ اور علماء احناف میں سے ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک شرط مذکور کے ساتھ ناقض ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے تے کی مگر وضو نہیں کیا پس ثابت ہوا کہ تے ناقض وضو نہیں ہے۔

دوسری دلیل عقلی یہ ہے کہ خروج نجاست من السہیلین کی صورت میں اعضاء اربعہ کو دھونے کا حکم امر تعبدی (خلاف قیاس) ہے کیونکہ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ جہاں نجاست لگے وہ دھویا جائے مگر اس کے علاوہ دوسرے اعضاء کے دھونے کا حکم خلاف قیاس صرف بندگی ظاہر کرنے کیلئے ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ امر تعبدی یعنی خلاف قیاس پر کسی دوسری چیز کو قیاس نہیں کیا جاتا۔ لہذا اعضاء اربعہ کو دھونے کا حکم مورد شرع پر منحصر ہوگا اور مورد شرع مخرج معاد ہے یعنی مخرج معاد (سہیلین) سے اگر نجاست خارج ہوگی تو اعضاء اربعہ کو دھونے یعنی وضو کا حکم ہوگا اور اگر مخرج معاد کے علاوہ یعنی غیر سہیلین سے نجاست نکلے تو اعضاء اربعہ کو دھونے کا حکم نہیں ہوگا پس معلوم ہوا کہ خارج من غیر السہیلین ناقض وضو نہیں ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ وضو (واجب ہے) ہر اس خون کی وجہ سے جو بدن سے نکل کر پہننے والا ہو۔ اس حدیث سے بایں طور استدلال ہوگا کہ اس جیسی ترکیب سے وجوب ہی مفہوم ہوتا ہے جیسے حضور ﷺ کے قول لَبِي خُفْيَسِ مِنْ

الابہل شاة میں بالاتفاق فرضیت ثابت ہے۔ اور یقیناً الماء من الماء خروج منی کی وجہ سے بالاتفاق وجوب غسل پر دلالت کرتا ہے پس اس حدیث کی معنی ہوں گے تَوَضَّعُوا مِنْ كُلِّ دَمٍ مَّا بَلَغَ مِنْهُ الْبَدَنُ یعنی ہر اس خون کی وجہ سے وضو کرو جو بدن سے نکل کہ بہہ گیا۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے تے کی یا نماز میں نکسیر چھوٹی تو یہ شخص پھر جائے اور وضو کرے اور اپنی نماز پر پنا کرے جب تک کلام نہ کرے۔ حاصل استدلال یہ ہے کہ حدیث میں وضو کا امر کیا گیا ہے اور امر وجوب کیلئے آتا ہے پس معلوم ہوا کہ تے کرنے اور نکسیر پھوٹنے کے بعد وضو واجب ہو جاتا ہے۔

دلیل عقلی جو درحقیقت امام شافعی کی عقلی دلیل کا جواب ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ سمیلین سے نجاست کا نکلنا زوال طہارت میں مؤثر ہے یعنی سمیلین سے نجاست نکلنے کی وجہ سے طہارت زائل ہو جاتی ہے اور اتنی مقدار اصل یعنی مقیس علیہ میں معقول یعنی قیاس کے مطابق ہے اور اعضاء ار بعد کے دھونے پر اکتفاء کرنا غیر معقول یعنی خلاف قیاس ہے پس خروج نجاست من غیر سمیلین کو خروج نجاست من السمیلین پر قیاس کیا اور زوال طہارت کا حکم لگایا۔ اور زوال طہارت کے لئے چونکہ طہارت لازم ہے اس لئے خروج نجاست من غیر سمیلین کی وجہ سے جب طہارت زائل ہوگئی تو اس کے لئے اعضاء ار بعد کی طہارت کا حکم خود بخود ثابت ہو جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ جب مقیس علیہ اول یعنی خروج نجاست من غیر سمیلین سے زوال طہارت کی طرف متعدی ہوا تو اعضاء ار بعد کو دھونے پر اکتفاء کرنا بھی متعدی ہوگا کیونکہ یہ اس کو لازم میں سے ہے۔

یہاں ایک سوال ہوگا وہ یہ کہ جب غیر سمیلین سے نجاست نکلنا سمیلین سے نجاست نکلنے کے مانند ہے تو جس طرح سمیلین میں صرف خروج معتبر ہے یعنی خروج نجاست ہوتے ہی وضو ٹوٹ جاتا ہے اسی طرح غیر سمیلین میں بھی صرف خروج معتبر ہونا چاہیے تھا حالانکہ آپ نے خروج کے ساتھ سیلان کی بھی شرط لگائی ہے۔

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ معتبر تو اصل اور فرع دونوں میں صرف خروج ہے مگر بات یہ ہے کہ خون اور پیپ میں خروج جب ہی تحقق ہوگا جب کہ سیلان ایسے موضع کی طرف ہو جس کے واسطے وضو یا غسل میں پاک کرنے کا حکم لاحق ہے اور تے میں خروج اس وقت تحقق ہوگا جبکہ وہ منہ بھر ہو۔ دلیل یہ ہے کہ کمال کا چھلکا اتر جانے سے نجاست کا خروج نہیں ہوا بلکہ اپنے محل میں ظہور ہوگا۔ تو یہ نجاست بادیہ یعنی ظاہر ہونے والی کہلائے گی نہ کہ خارج ہونے والی۔ برخلاف سمیلین کے اس لئے کہ یہ جگہ نجاست رسنے کا ٹھکانہ نہیں ہے تو وہاں نجاست ظاہر ہونے سے سمجھا جائے گا کہ وہ اپنی جگہ سے نکل ہو کر خارج ہوئی ہے۔ حاصل یہ کہ درحقیقت معتبر خروج ہے اور خروج کا تحقق سمیلین میں اس طرح ہوگا کہ نجاست اپنے ٹھکانے سے نکل ہو کر پیشاب پانچانے کے منہ پر آجائے۔ اور سمیلین کے علاوہ میں خالی ظہور نجاست سے یہ تحقق نہیں ہو سکتا کہ اپنی جگہ سے نکل ہوئی کیونکہ ہر کمال کے نیچے خون ہے تو کمال کی آڑ ہٹ جانے سے صرف نظر آیا مگر جگہ سے نکل ہونا تو جب ہی تحقق ہوگا جبکہ وہ بہہ جائے۔

اور تے میں خروج اس وقت تحقق ہوگا جبکہ منہ بھر ہو۔ اور منہ بھر یہ ہے کہ بغیر مشقت کے اس کا روکنا ممکن نہ ہو۔ اور بعض نے کہا کہ منہ بھراتی تے ہو کہ بات کرنے میں تکلف ہو۔ اور بعض نے کہا کہ نصف منہ سے زیادہ ہو (نہا یہ) دلیل اس کی یہ ہے کہ اندرون منہ کی دو عیشتیں ہیں ظاہر اور باطن کیونکہ اگر منہ کھولے تو ظاہر کے مشابہ ہوگا اور اگر منہ بند کرے تو باطن کے مشابہ ہوگا پس ہم نے دونوں مشابہتوں کا اعتبار کیا ہے۔ چنانچہ کہا کہ اگر منہ میں تے منہ بھر نہ ہو تو باطن کی مشابہت کا اعتبار کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ خروج نہیں پایا گیا کیونکہ اس صورت میں عدم خروج غالب ہے لہذا اس صورت میں وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اور اگر تے منہ بھرے تو ظاہر کی مشابہت کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ اس صورت میں خروج غالب ہے لہذا اس صورت میں وضو ٹوٹ جائے گا۔

حضرت امام زفرؒ کا مذہب بیان ہو چکا کہ ان کے نزدیک خارج من غیر سمیلین مطلقاً ناقض وضو ہے یعنی تے قلیل اور کثیر نقص وضو میں دونوں برابر ہیں اسی طرح ان کے نزدیک سیلان بھی شرط نہیں ہے سیلان کی شرط نہ ہونے پر امام زفرؒ نے مخرج معاد پر قیاس کو دلیل بنایا ہے یعنی جس طرح مخرج معاد یعنی سمیلین سے نکلنے والی چیز کے ناقض وضو ہونے پر سیلان شرط نہیں ہوگا۔ اور نقص وضو میں تے قلیل اور کثیر کے برابر ہونے پر دلیل حضور ﷺ کا ارشاد اَلْفُلْسُ حَدَثٌ ہے فُلْس کے معنی تے ہیں وجہ استدلال یہ ہے کہ حضور ﷺ نے مطلقاً تے کو حدث یعنی ناقض وضو قرار دیا ہے۔

اور ہماری دلیل اس پر کہ خارج من غیر سمیلین کے ناقض وضو ہونے کیلئے سیلان شرط ہے حضور ﷺ کا قول ہے کہ خُونُ كَيْفٍ قَطْرَةٍ اَوْ دَوَقَطْرَةٍ فِي وَضُوٍّ اَوْ غَيْرِهِ لَا يَنْقِضُ (دارقطنی از شرح نقایہ)۔

اور تے قلیل کے ناقض نہ ہونے پر حضور ﷺ کا قول شاہد عدل ہے، آپ نے فرمایا اَلْوَضُوءُ مِنْ مَنَعٍ مِنْ اَلطَّارِ الْبَوْلِ وَالْثَّمِ السَّائِلِ وَالْقَيْحِ وَمِنْ دَسْعَةٍ تَمَلُّا الْقَمِّ وَتَوْمِ الْمُصْطَجِعِ وَلَهْفَةِ الرَّجُلِ فِي الصَّلَاةِ وَخُرُوجِ الثَّمِ یعنی وضوسات چیزوں سے لوثا یا جائے گا جو مثاب ٹپکنے سے اور پہنے والے خون سے اور پیپ سے اور تے سے جو منہ بھر ہو، اور کروٹ پر لیٹے ہوئے کی نیند سے اور مرد کے نماز میں قبضہ سے اور خون نکلنے سے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ منہ بھرتے ناقض وضو ہے۔ یہی صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام نواقض وضو کو شمار کرایا اور اس میں ہے اَوْ دَسْعَةٍ تَمَلُّا الْقَمِّ یعنی تے جو منہ بھر دے۔ یہی بات کہ تے کے ناقض وضو ہونے میں روایات متعارض ہو گئیں کیونکہ امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث قَاءَ فَلَمْ يَتَوَضَّأْ سے معلوم ہوتا ہے کہ تے ناقض وضو نہیں ہے۔ اور امام زفرؒ کی پیش کردہ حدیث اَلْفُلْسُ حَدَثٌ سے معلوم ہوتا ہے کہ تے مطلقاً ناقض وضو ہے۔ ان کے درمیان تطبیق کی صورت یہ ہے کہ امام شافعیؒ کی روایت کردہ حدیث قَاءَ فَلَمْ يَتَوَضَّأْ کو تے قلیل پر محمول کیا جائے گا اور امام زفرؒ کی روایت کردہ حدیث اَلْفُلْسُ حَدَثٌ کو تے کثیر پر محمول کیا جائے گا۔ اب کوئی تعارض باقی نہیں رہا اور جو فرق مسلک معاد اور غیر

معاذوں میں ہے وہ ہم سابق میں بیان کر چکے۔

وَلَوْ قَاءَ مُتَفَرِّقًا بِحَيْثُ لَوْ جُمِعَ يَمْلَأُ الْقَمَّ فَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ يُعْتَبَرُ اِتِّحَادُ الْمَجْلِسِ

اور اگر متوضی نے کئی بار ایسے طریقہ پر تے کی کا کر اسے جمع کیا جائے تو نہ مجرد سے تو امام ابو یوسف کے نزدیک مجلس کا متحد ہونا معتبر ہے

وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ يُعْتَبَرُ اِتِّحَادُ السَّبَبِ وَهُوَ الْعَتِيَانِ ثُمَّ مَا لَا يَكُونُ حَدًّا لَا يَكُونُ فَجَسًا يُرَوَّى ذَلِكَ عَنْ

اور امام محمد کے نزدیک سبب کا متحد ہونا معتبر ہے اور سبب حلی ہے۔ مگر جو چیز حدیث نہ ہو تو وہ چیز نجس نہ ہوگی۔ یہ حکم امام ابو یوسف سے

أَبَى يُوسُفَ وَهُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِنَجِسٍ حُكْمًا حَيْثُ لَمْ يَنْتَقِضْ بِهِ الطَّهَارَةُ

روایت کیا جاتا ہے اور کما صحیح ہے کیونکہ وہ حکم نجس نہیں ہے اس لئے کہ اس سے طہارت نہیں ٹوٹی

## متفرق مقامات میں کی ہوئی تے کے بارے میں صاحبین کا اختلاف

تشریح :- مسئلہ یہ ہے کہ اگر متوضی نے کئی بار تے کی، اور ہر بار منہ بھر سے کم کی جو اسکی حالت پر ہے کہ اگر جمع کر دی جائے تو منہ مجرد سے پس اس صورت میں امام ابو یوسف کے نزدیک مجلس کا متحد ہونا معتبر ہے۔ چنانچہ اگر ایک مجلس میں متعدد بار تے کی ہو خواہ سبب ایک ہو یا نہ ہو تو جمع کی جائے گی اس لئے کہ متفرقات کو اکٹھا کرنے میں مجلس کو بہت بڑا دخل ہے۔ مثلاً اگر ایک مجلس میں ایک آیت سجدہ بار بار پڑھی تو ایک ہی سجدہ واجب ہوگا۔ اور امام محمد کے نزدیک سبب کا متحد ہونا معتبر ہے اور تے کا سبب حلی ہے۔ پس اگر ہر بار کی تے کا سبب ایک ہو چاہے ایک مجلس میں ہو یا کئی مجلسوں میں ہو تو اس کو جمع کیا جائے گا۔ اگر منہ بھر ہو جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ دلیل یہ ہے کہ حکم ثبوت سبب کے مطابق ہوتا ہے اس وجہ سے سبب کے متحد ہونے سے حکم متحد ہو جائے گا۔

صاحب ہدایہ نے ایک ضابطہ بیان کیا ہے اور یہ ضابطہ امام ابو یوسف سے روایت کیا جاتا ہے ضابطہ یہ ہے کہ جو چیز حدیث یعنی ناقض وضو نہ ہو وہ ناپاک بھی نہیں ہوگی چنانچہ تے قلیل اور دم غیر سائل نجس نہیں ہوگا کیونکہ یہ ناقض نہیں ہے اور یہ قول زیادہ صحیح ہے اس لئے کہ حکم شرع کی رو سے یہ نجس نہیں ہے کیونکہ اس سے طہارت نہیں ٹوٹی۔ وَهُوَ الْأَصَحُّ کہنے میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے احتراز ہے اس لئے کہ امام محمد تے قلیل اور دم غیر سائل کو نجس کہتے ہیں۔

وَهَذَا إِذَا قَاءَ مِرَّةً أَوْ طَعَامًا أَوْ مَاءً فَإِنْ قَاءَ بَلْغَمًا فَغَيْرُ نَاقِضٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ

اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ اس نے پت کی تے کی یا کھانا یا پانی کی اور اگر بلغم کی تے کرے تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک غیر ناقض ہے

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ نَاقِضٌ إِذَا قَاءَ مِلًّا الْقَمِّ وَالْخِلَافُ فِي الْمُرْتَفِي مِنَ الْجَوَفِ أَمَّا النَّازِلُ مِنَ الرَّأْسِ

اور امام ابو یوسف نے کہا کہ ناقض ہے جبکہ منہ بھر تے کی ہو یا اختلاف اس بلغم میں ہے جو جوف (معدہ) سے چڑھ کر لے آئے ہو یا جو سر سے نکل کر لے آئے ہو



فَغَيْرُ نَاقِضٍ بِأَلَا تَفَاقٍ لَّانَ الرَّأْسَ لَيْسَ بِمَوْضِعِ النِّجَاسَةِ لِأَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ نَجَسَ بِالْمُجَاوَرَةِ

تو وہ بالاتفاق غیر ناقض ہے۔ اس لئے کہ سر موضع نجاست نہیں ہے۔ ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ (معدہ سے) چڑھنے والا بلغم اتصال کی وجہ سے نجس ہے

وَلَهُمَا أَنَّهُ لَزَجٌ لَا تَخْلُلُهُ النِّجَاسَةُ وَمَا يَتَّصِلُ بِهِ قَلِيلٌ وَالْقَلِيلُ فِي الْقِيءِ غَيْرُ نَاقِضٍ

اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ بلغم ایک ایسی چکنی چیز ہے کہ اس کے اندر نجاست داخل نہیں ہوگی اور جو نجاست اس کے ساتھ متصل ہو وہ قلیل ہے اور قے میں قلیل غیر ناقض ہے

## قے کی اقسام اور ان کے احکام

تشریح۔ اس عبارت میں مصنف نے فرمایا کہ منہ بھرتے سے وضو کا ٹوٹنا اس وقت ہے جبکہ پت کی قے کی ہو یا کھانے کی یا پانی کی ہو۔ لیکن اگر اس نے خالص بلغم قے کیا جس میں کھانے وغیرہ کی کوئی آمیزش نہیں ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو دماغ سے اتر گیا جو معدہ سے چڑھے گا۔ اول تو بالاتفاق ناقض وضو نہیں ہے کیونکہ سر اور دماغ نجاست کی جگہ نہیں ہے۔ اور دوسری صورت طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک ناقض نہیں ہے البتہ امام ابو یوسف کے نزدیک ناقض ہے بشرطیکہ منہ بھر ہو۔ امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ بلغم اگرچہ خود نجس نہیں ہے مگر معدہ کی نجاست کے ساتھ متصل ہونے کی وجہ سے نجس ہو گیا اور اس مقام کی طرف نگاہ جس کو غسل میں پاک کرنے کا حکم لاحق ہے یعنی غسل میں کلی کرنا فرض ہے۔ پس جب خروج نجاست پایا گیا تو ناقض وضو ہوگا جیسے کھانے اور پت کی قے۔ اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ بلغم چکنا ہوتا ہے اس میں نجاست بچست نہیں ہوتی ہے اور جو نجاست اس کے ساتھ لگی ہوتی ہے وہ قلیل ہے اور قے میں قلیل مقدار ناقض وضو نہیں ہوتی اس لئے بلغم کی قے ناقض وضو نہیں ہوگی۔

وَلَوْ قَاءَ دَمًا وَهُوَ عَلَقٌ يُعْتَبَرُ فِيهِ مِلَأُ الْقَمِّ لِأَنَّهُ مَوْذَاءٌ مُخْتَرِفَةٌ وَإِنْ كَانَ مَائِعًا فَكَذَلِكَ عِنْدَ

اور اگر خون کی قے کی اور وہ بست ہے تو اس میں منہ بھر معتبر ہوگا کیونکہ وہ جلا ہوا سوداء ہے۔ اور اگر وہ خون بننے والا ہو تو امام محمد کے نزدیک

مُحَمَّدٌ إِعْتِبَارًا بِسَائِرِ أَنْوَاعِهِ وَعِنْدَهُمَا إِنْ سَالَ بِقُوَّةٍ نَفْسِهِ يَنْقُضُ الْوُضُوءَ وَإِنْ كَانَ قَلِيلًا لَّانَ

ایسا ہی ہے قے کی تمام انواع پر قیاس کرتے ہوئے بہر شکیں کے نزدیک اگر خون اپنی قوت سے بہا تو وضو کو زبردے گا مگر چھ قلیل ہو اس لئے کہ

الْمُعْدَةُ لَيْسَتْ بِمَحَلِّ الدَّمِ فَيَكُونُ مِنْ قُرْحَةٍ فِي الْجَوْفِ

معدہ خون کی جگہ نہیں ہے پس وہ جوف میں (موجود) کسی زخم سے ہوگا

## خون کی قے کا حکم

تشریح۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر خون قے کیا تو اس خون کی دو قسمیں ہیں یا تو وہ خون نجس ہوگا یا بننے والا۔ اگر نجس ہے تو اس میں منہ بھر نامعتبر ہوگا کیونکہ وہ جلا ہوا سوداء ہے اور یہ معدہ سے نکلتا ہے اور معدہ سے نکلنے والی چیز ناقض وضو ہے بشرطیکہ وہ

منہ بھر ہو۔ اور اگر خون بہنے والا ہے تو امام محمدؒ اس میں بھی منہ بھرنے کا اعتبار کرتے ہیں۔ یعنی اگر اتنا خون ہے جو منہ بھر دے تو ناقض ہوگا ورنہ نہیں۔ دلیل یہ ہے کہ امام محمدؒ نے خون کی قے کو دوسری قیوں پر قیاس کیا ہے اور دوسری پانچ قے یہ ہیں (۱) کھانے کی (۲) پانی کی (۳) پت کی (۴) صفراء کی (۵) سوداء کی یعنی جس طرح ان پانچوں میں نقض وضو کیلئے منہ بھرنا شرط ہے اسی طرح اس میں بھی منہ بھرنا معتبر ہوگا۔

اور شیخین نے فرمایا کہ اگر خون نکل کر اپنی قوت سے بہہ پڑا تو وضو ٹوٹ جائے گا اگرچہ وہ قلیل ہو۔ دلیل یہ ہے کہ معدہ خون کی جگہ نہیں ہے لہذا یہاں کہا جائے گا کہ یہ خون، پیٹ کے کسی زخم سے نکلا ہوگا پس اس کو اس خون پر قیاس کیا جائے گا جو ظاہر زخم سے نکلا ہو اور جو خون ظاہر زخم سے نکلا ہو چونکہ اس میں نقض وضو کیلئے سیلان معتبر ہے اس وجہ سے یہاں بھی سیلان معتبر ہوگا خواہ منہ بھر نہ ہو۔

وَلَوْ نَزَلَ مِنَ الرَّأْسِ إِلَى مَا لَانَ مِنَ الْأَنْفِ لَقَضَى الْوُضُوءُ بِأَلَا تِفَاقٍ لَوْ صَوَّلَهُ إِلَى مَوْضِعٍ

اور اگر خون سر سے ناک کے نرم حصہ تک اتر آیا تو اس نے بالاتفاق وضو توڑ دیا کیونکہ یہ خون ایسی جگہ تک پہنچ گیا

يُلْصِقُهُ حُكْمُ التَّطَهِيرِ فَيَتَحَقَّقُ الْخُرُوجُ

کہ اس کو پاک کرنے کا حکم لاحق ہے پس خروج (سیلان) تحقق ہو گیا ہے۔

## خون کی قے کی تفصیل

تشریح:- مسئلہ یہ ہے کہ خون سر سے اتر اور بہہ کر ناک کے نرم حصہ تک پہنچ گیا تو اس سے بالاتفاق وضو ٹوٹ جائے گا۔ دلیل یہ ہے کہ یہ خون ایسی جگہ تک پہنچ گیا کہ اس کو پاک کرنے کا حکم لاحق ہے یعنی غسل میں پس سیلان تحقق ہو گیا۔

وَالنُّوْمُ مُضْطَجِعاً أَوْ مُتَكِئاً أَوْ مُسْتَبِداً إِلَى حَتَّىٰ لَوْ أُزِيلَ لَسَقَطَ لِأَنَّ الْأَضْطِجَاعَ سَبَبٌ

اور نیند آٹھ کھجور پر ہوا تک یا کھجور سے ٹک لگا کر ہو کر اگر وہ چیز ہٹا دی جائے تو یہ شخص گر پڑے۔ کیونکہ کسی پہلو پر لیٹنا

لَا سِتْرَ خَاءِ الْمَفَاصِلِ فَلَا يَغْرَى عَنْ خُرُوجِ حَتَّىٰ عَادَةً وَالثَّابِتُ عَادَةً كَالْمُتَيَقِّنِ بِهِ وَالْإِتِكَاءُ

جوڑ بند کے ڈھیلے ہو جانے کا سبب ہے۔ پس عادت کسی چیز کے نکلنے سے خالی نہ ہوگا اور جو چیز عادت ثابت ہو وہ ایسی ہے جیسے اس کا یقین ہو۔ اور کھجور لگانا

يُزِيلُ مُسْكَةً الْيَقْظَةِ لِزَوَالِ الْمَقْعِدِ عَنِ الْأَرْضِ وَيَتَلَعَّ الْإِسْتِرْحَاءُ فِي النَّوْمِ خَاتِمَةً بِهَذَا النَّوعِ مِنَ الْإِسْتِنَادِ

زمین سے مقعد زائل ہونے کی وجہ سے بیداری کی رکاوٹ زائل کرتا ہے۔ اور ڈھیلے پہننے میں اس قسم کے استناد سے اپنی استقامت کو بچ جائے گا

غَيْرَ أَنَّ السَّنَدَ يَمْنَعُ مِنَ السُّقُوطِ بِخِلَافِ حَالَةِ الْقِيَامِ وَالْقُعُودِ وَالرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ فِي الصَّلَاةِ وَغَيْرِهَا هُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّ

مگر یہ کہ اس کو کرنے سے روکتی ہے برخلاف قیام، قعود، رکوع اور سجدہ کی حالت کے نماز میں یا غیر نماز میں یہی صحیح ہے اس لئے کہ کچھ استساک

بَعْضُ الْأَسْتِمْسَاكِ بَاقٍ إِذَا لَوَّ زَالَ لَسَقَطَ فَلَمْ يَتِمَّ الْأَسْتِرْخَاءُ وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا وُضُوءَ عَلَى

باقی ہے کیونکہ اگر استمساک بالکل زائل ہو جاتا تو گر پڑتا نہیں استرخاء پورا نہ ہوا اور اصل اس میں حضور ﷺ کا قول ہے کہ نہیں وضو اس پر جو سویا

مَنْ نَامَ قَائِمًا أَوْ قَاعِدًا أَوْ رَاكِعًا أَوْ سَاجِدًا إِنَّمَا الْوُضُوءُ عَلَى مَنْ نَامَ مُضْطَجِعًا فَإِنَّهُ إِذَا نَامَ مُضْطَجِعًا اسْتَرَخَتْ مَفَاصِلُهُ

کھڑے یا بیٹھے یا حالت رکوع یا حالت سجدہ میں، وضو تو اسی پر ہے جو کروٹ پر سویا کیونکہ جب وہ کروٹ پر سویا تو اس کے جوڑ بندھ چلے پڑ گئے

## کون سی نیند ناقض وضو ہے

تشریح :- نوافض وضو میں یہ بھی ہے کہ متوضی کروٹ پر سویا یا نگیہ لگا کر سویا کسی ایسی چیز سے ٹک لگا کر سویا کا گروہ چیز ہٹا دی جائے تو یہ شخص گر پڑے۔ صاحب شرح نقایہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اگر کروٹ لے کر سویا یا ایک سرین پر نگیہ لگا کر سویا تو بال اتفاق وضو ٹوٹ گیا۔ اور اگر کسی چیز سے ٹک لگا کر سویا کہ اس کو ہٹا دیا جائے تو گر پڑے تو اس کی دو صورتیں ہیں اگر مقعد زمین سے ہٹ گئی تو بال اتفاق وضو ٹوٹ جائے گا اور اگر نہیں ہٹی تو امام طحاوی اور امام قندوری رحمہما اللہ نے ذکر کیا کہ وضو ٹوٹ جائے گا کیونکہ استرخاء مفاصل حاصل ہو گیا۔ اور امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ وضو نہیں ٹوٹے گا کیونکہ زمین پر مقعد کا رقرار رہتا خروج رتغ کے لئے مانع ہے۔

اسطحا عا سونے سے وضو ٹوٹنے کی دلیل یہ ہے کہ اسطحا ع یعنی کروٹ پر سونا جوڑ بندھ چلے ہو نیکاسب ہے پس کروٹ پر سونا عادی کسی چیز کے ٹکٹنے سے خالی نہیں ہوتا اور قاعدہ ہے کہ جو چیز عادی ثابت ہو وہ یقین کا درجہ رکھتی ہے پس ثابت ہوا کہ کروٹ پر سونے سے خروج رتغ وغیرہ ہوا ہے اور خروج رتغ سے بالیقین وضو ٹوٹ جاتا ہے اس لئے اس سے وضو ٹوٹ گیا۔ اس دلیل کا مقتضی یہ ہے کہ عین نوم حدیث نہیں ہے اور بعض کی رائے ہے کہ خندھہ حدیث ہے۔ اور ہانگیہ لگا کر سونا تو وہ ایسی چیز ہے جو بیداری کا رکاوٹ دور کر دیتی ہے کیونکہ اس صورت میں مقعد زمین سے اٹھ جاتی ہے پس سونے کی حالت میں اعضاء کا رکاوٹ بدرجہ اولیٰ دور ہو جائے گا۔

اور کسی چیز سے ٹک لگا کر سونا تو اس میں استرخاء کامل ہو جاتا ہے اور اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے صرف اتنی بات ہے کہ ٹک نے اس کو گرنے سے روک رکھا ہے اگر ٹک ہٹا لی جائے تو وہ گر پڑے گا، پس چونکہ نقض وضو کا عار استرخاء پر ہے اور وہ یہاں پایا گیا اس لئے اس صورت میں بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔ اس کے برخلاف اگر قیام کی حالت میں سو گیا یا قعود کی حالت میں یا رکوع اور سجود کی حالت میں سویا تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ خواہ یہ کیفیت نماز میں ہو یا غیر نماز میں یہی صحیح ہے یعنی ظاہر الراویۃ یہی ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ ان حالتوں میں کچھ نہ کچھ استمساک (رکاوٹ) باقی رہتا ہے کیونکہ بالکل استمساک دور ہو جاتا تو یہ شخص یقیناً گر جاتا پس معلوم ہوا کہ ان حالتوں میں کامل استرخاء نہیں پایا گیا اور جب کامل استرخاء نہیں پایا گیا تو وضو بھی نہیں ٹوٹے گا اس لئے کہ نقض وضو کا ل استرخاء پر مبنی ہے اور اس باب میں یہ حدیث اصل ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص قیام کی حالت میں سویا یا قعود کی حالت میں یا رکوع کی

حالت میں یا سجدہ کی حالت میں تو اس پر وضو واجب نہیں ہوگا بلکہ وضو اس شخص پر واجب ہے جو کروٹ لیکر سویا کیونکہ جب کوئی شخص کروٹ پر سوتا ہے تو تمام جوڑ ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔

ابوداؤد اور ترمذی رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا زَايَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَامٌ وَهُوَ سَاجِدٌ حَتَّى غَطَّ أَوْ تَفَخَّ ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّكَ يَمُتُ فَقَالَ إِنَّ الْوُضُوءَ لَا يَجِبُ إِلَّا عَلَى مَنْ نَامَ مُضْطَجِعًا فَإِنَّهُ إِذَا احْطَجَجَ اسْتَرَحَثَ مَفَاصِلَهُ. یعنی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور ﷺ کو سجدہ کی حالت میں سوتے ہوئے دیکھا یہاں تک کہ آپ ﷺ خراٹے لینے لگے یا پھونکے مارنے لگے پھر آپ ﷺ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے تو میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول آپ تو سو گئے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ وضو اس شخص پر واجب ہوتا ہے جو کروٹ لے کر سویا ہو اس لئے کہ جب کوئی کروٹ لیکر سوتا ہے تو اس کے جوڑ ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔

وَالْغَلْبَةُ عَلَى الْعَقْلِ بِالْإِغْمَاءِ وَالْجُنُونُ لِأَنَّهُ فَوْقَ النَّوْمِ مُضْطَجِعًا فِي الْإِسْتِرْحَاءِ

اور بے ہوشی کی وجہ سے عقل پر غلبہ ہو جانا اور جنون، کیونکہ وہ (یعنی جنون اور اغما میں سے ہر ایک) استرخاء میں کروٹ پر سونے سے بڑھ کر ہے

وَالْإِغْمَاءُ حَدَّثٌ فِي الْأَحْوَالِ كُلِّهَا وَهُوَ الْقِيَامُ فِي النَّوْمِ إِلَّا أَنَا غَرَفْنَا بِالْأَلْفِ وَالْإِغْمَاءُ فَوْقَهُ فَلَا يُقَاسُ عَلَيْهِ.

اور اغما تمام حالتوں میں حدت ہے اور یہی نیند میں قیاس ہے مگر ہم نے اس کو اثر سے بچا۔ اور اغما اس سے بڑھ کر ہے تو اغما کو نیند پر قیاس نہ کیا جائے گا

## اغما سے عقل پر غلبہ اور جنون ناقض وضو ہے

**تشریح:-** اغما ایک قسم کا مرض ہے جو قوی کو کمزور کر دیتا ہے اور مراد اس کی یہ ہے کہ عقل مغلوب ہو جائے سبب کچھ بھی ہو۔ اور جنون ایسا مرض ہے جو عقل کو زائل اور سلب کر دے۔ حاصل یہ کہ اغما کی حالت میں عقل مغلوب ہوتی ہے اور جنون کی حالت میں عقل مسلوب ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں اغما تو جائز ہے مگر جنون جائز نہیں ہے۔ بہر حال اغما کی حالت اور جنون کی حالت ناقض وضو ہے دلیل یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک استرخاء مفاصل میں کروٹ سے سونے سے بڑھ کر ہے اور اغما تمام حالتوں میں ناقض وضو ہے یعنی قیام، قعود وغیرہ کی حالت میں بھی۔ قیاس کا تقاضا تو نیند میں بھی یہی تھا کہ نیند تمام حالتوں میں ناقض ہو۔ مگر حدیث رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے ہم نے قیاس کو ترک کر دیا اور چونکہ اغما نیند سے قوی ہے اس لئے اغما کو نیند پر قیاس بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اور اغما کے قوی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جس پر اغما طاری ہوا ہے وہ متنبہ کرنے سے متنبہ نہیں ہوتا ہے اس کے برخلاف سونے والا کہ وہ متنبہ کرنے سے متنبہ ہو جاتا ہے اور جنون چونکہ اغما سے بھی اقوی ہے اس لئے جنون بدرجہ اولیٰ ناقض وضو ہوگا۔

وَالْقَهْقَهَةُ فِي صَلَواتِ رُكُوعٍ وَسُجُودٍ وَالْقِيَاسُ أَنَّهَا لَا تَقْضُ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِخَارِجٍ نَجَسٍ

اور رکوع سجدہ والی نماز میں قہقہہ (بھی ناقض ہے) اور قیاس یہ ہے کہ قہقہہ ناقض نہ ہو اور یہی امام شافعی کا قول ہے کیونکہ یہ نجس نکلنے والی چیز نہیں ہے

وَلِهَذَا لَمْ يَكُنْ حَدَّثًا فِي صَلَوةِ الْجَنَازَةِ وَسُجُودِ التَّلَاوَةِ وَخَارِجِ الصَّلَوةِ وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اور اسی وجہ سے قہقہہ نماز جنازہ میں اور سجدہ تلاوت میں اور نماز سے باہر میں حدیث نہیں۔ اور ہماری دلیل حضور ﷺ کا فرمان ہے

أَلَا مَنْ ضَحِكَ مِنْكُمْ قَهْقَهَةً فَلْيُعِدِ الْوُضُوءَ وَالصَّلَوةَ جَمِيعًا وَيُتْرَكُ الْقِيَاسُ وَالْأَثَرُ وَرَدَّ

خبردار جو شخص تم میں سے قہقہہ سے ہنسنا تو وہ وضو اور نماز دونوں کا اعادہ کرے اور اس جیسی نص سے قیاس ترک کر دیا جائیگا اور نص

فِي صَلَوةٍ مُطْلَقَةٍ فَيُقْتَصَرُ عَلَيْهَا وَالْقَهْقَهَةُ مَا يَكُونُ مَسْمُوعًا لَهُ وَلَجَوْرَائِهِ وَالضَّحْكُ مَا يَكُونُ

صلوۃ مطلقہ میں وارد ہوئی ہے۔ پس اسی پر بند ہوگی۔ اور قہقہہ وہ ہے جو خود آدمی کو اور پاس والوں کو سنائی دے اور ضحک وہ ہے

مَسْمُوعًا لَهُ دُونَ جَوْرَائِهِ وَهُوَ عَلَى مَا قِيلَ يُفْسِدُ الصَّلَوةَ دُونَ الْوُضُوءِ

جو خود آدمی کو سنائی دے نہ کہ پاس والوں کو۔ اور ضحک اس قول کی بنا پر جو کہا گیا نماز کو فاسد کر دیتا ہے نہ کہ وضو کو

## قہقہہ ناقض وضو ہے

**تشریح۔** قہقہہ یہ ہے کہ جو آدمی کو خود سنائی دے اور اس کے پاس والوں کو بھی سنائی دے۔ دانت خواہ ظاہر ہوں یا ظاہر نہ ہوں۔ اور ضحک یہ ہے کہ جو آدمی کو خود سنائی دے لیکن پاس والوں کو سنائی نہ دے۔ اور تبسم یہ ہے کہ کسی کو سنائی نہ دے۔ تبسم نہ مہل صلوۃ ہے اور نہ ناقض وضو اور ضحک مہل صلوۃ تو ہے مگر ناقض وضو نہیں ہے اور عاقل بالغ کے قہقہہ کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ رکوع، سجدے والی نماز میں پایا گیا۔ یا رکوع سجدے والی نماز کو اشارہ سے پڑھتا ہو اس میں قہقہہ پایا گیا تو یہ مہل صلوۃ بھی ہے اور ناقض وضو بھی اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے فرمایا کہ قہقہہ ناقض نہیں ہے اور یہی قیاس ہے ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ قہقہہ میں خروج نجاست نہیں پایا گیا حالانکہ خروج نجاست ہی ناقض ہے یہی وجہ ہے کہ قہقہہ نماز جنازہ، سجدہ تلاوت اور خارج نماز میں ناقض نہیں ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نماز پڑھا رہے تھے ایک اعرابی جس کی بیٹائی کمزور تھی آیا اور گر پڑا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو شریک نماز تھے ہنس پڑے تو آپ ﷺ نے نماز سے فراغت کے بعد فرمایا کہ سنو تم میں سے جو شخص قہقہہ لگا کر ہساوہ اپنی نماز اور وضو کا اعادہ کرے۔ اور یہ حدیث مشہور ہے اور حدیث مشہور کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا جاتا ہے چونکہ یہ حدیث صلوۃ کاملہ یعنی رکوع سجدہ والی نماز میں وارد ہوئی اس لئے اسی پر اکتفاء کیا جائے گا اور اس سے حجاز ہو کر نماز جنازہ، سجدہ تلاوت اور خارج نماز میں قہقہہ ناقض نہیں ہوگا کیونکہ خلاف قیاس حکم اپنے مورد سے حجاز نہیں ہوتا ہے۔

وَالذَّائِبَةُ تَخْرُجُ مِنَ الذُّبُرِ نَاقِضَةً فَإِنْ خَوَّجَتْ مِنْ رَأْسِ الذُّبُرِ أَوْ سَقَطَ اللَّحْمُ مِنْهُ لَا يَنْقُضُ

اور وہ کیزا جو پانچاٹنے کے راستہ سے نکلتا ہے ناقض وضو ہے اور اگر (کیزا) زخم کے سر سے نکلے یا زخم سے گوشت گر پڑے تو یہ ناقض نہیں ہوگا

وَالْمُرَادُ بِالذَّائِبَةِ الذُّوْدَةُ وَهَذَا لِأَنَّ النِّجَسَ مَا عَلَيْهَا وَذَلِكَ قَلِيلٌ وَهُوَ حَدَّثٌ فِي السَّبِيلَيْنِ ذُوْنُ

اور دابہ سے مراد کیزا ہے اور یہ اس لئے کہ نجاست تو اسی قدر ہے جو کیزے پر ہے اور یہ نجاست بہت کم ہے اور وہ (یعنی کم نجاست) سہیلین میں حدت ہے نہ کہ

غَيْرِهِمَا فَاشْبَهَ الْجُشَاءَ وَالْفَسَاءَ بِخِلَافِ الرِّيحِ الْخَارِجَةِ مِنَ الْقُبُلِ وَالذُّكْرِ

ان دونوں کے علاوہ میں پس یہ کار اور بیاہ از خروج ریح (پھسکار) کے مشابہہ و اختلاف اس ریح کے جو عورت کے فرج اور مرد کے ذکر سے نکلے

لِأَنَّهَا لَا تَنْبَعُثُ عَنْ مَحَلِّ النِّجَاسَةِ حَتَّىٰ لَوْ كَانَتْ الْمَرْأَةُ مُقَضَّاةً يَسْتَحِبُّ لَهَا الْوُضُوءُ لِأَجْمَالِ خُرُوجِهَا مِنَ الذُّبُرِ

کیونکہ وہ محل نجاست سے نہیں اُٹھتی ہے حتیٰ کہ اگر عورت منہ سے نکلے اس کے لئے وضو کرنا مستحب ہے دہرے ریح کے نکلنے کے احتمال کی وجہ سے

## مقعد، ذکر، فرج سے کیزا اور ریح کے نکلنے سے وضو کا حکم، زخم کے سر

### سے کیزا نکلنے اور گوشت گرنے سے وضو کا حکم

تشریح:- مسئلہ یہ ہے کہ کیزا جو مقعد کے اندر سے نکلتا ہے وہ وضو توڑتا ہے جیسے ریح اور نکلنے والوں کا نکلنا ناقض وضو ہے اور اگر کیزا دہرے کے علاوہ کسی اور جگہ کے زخم سے نکلے یا زخم سے گوشت گر پڑے تو یہ ناقض وضو نہیں ہے۔ متن میں دابہ سے مراد کیزا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں وجہ فرق یہ ہے کہ کیزا انی نفسہ نجس نہیں ہے بلکہ جو اس پر لگا ہے وہ نجس ہے اور یہ نجاست قلیل ہے اور قلیل نجاست سہیلین میں تو سبب حدت یعنی ناقض وضو ہے لیکن غیر سہیلین میں مقدار قلیل ناقض نہیں ہے۔ اس لئے ہم نے کہا کہ کیزا اگر پانچاٹنے کے راستہ سے نکلے تو ناقض ہے اور اگر کسی اور جگہ کے زخم سے نکلے تو ناقض نہیں ہے پس یہ ذکر اور پھسکی کے مانند ہو گیا یعنی ذکر چونکہ غیر سہیلین سے ہے اس لئے وہ ناقض نہیں ہے اور پھسکی چونکہ دہرے سے نکلتی ہے اس لئے وہ ناقض وضو ہے۔ اس کے برخلاف وہ ریح جو عورت کے فرج یا مرد کے ذکر سے نکلے ہے ناقض نہیں ہے کیونکہ وہ نجاست کی جگہ سے نہیں اُٹھتی ہے لیکن اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ حضور ﷺ نے كُلُّ مَا يَخْرُجُ مِنَ السَّبِيلَيْنِ کو ناقض فرمایا ہے خواہ ریح ہو یا غیر ریح تو فرج اور ذکر سے نکلنے والی ریح ناقض ہونی چاہیے۔ جواب تمام مجتہدین کا اتفاق ہے کہ حدیث كُلُّ مَا يَخْرُجُ مِنَ السَّبِيلَيْنِ کو ناقض فرمایا ہے خواہ ریح ہو یا غیر ریح تو فرج اور ذکر سے نکلنے والی ریح چونکہ نجس نہیں اس لئے وہ ناقض بھی نہیں ہوگی۔

اور اگر کوئی عورت منہ سے نکلتا ہے یعنی پیشاب اور حیض دونوں کے راستے مل گئے ہوں اور اس منہ سے ریح سے ریح خارج ہوئی تو اس کے لئے وضو کرنا مستحب ہے کیونکہ ممکن ہے کہ ریح اس کے دہرے سے نکلے ہو اور واجب اس لئے نہیں کہ یقین نہیں ہے اور وضو کا



ہونا متیقن ہے تو ثبوت جانے کا حکم بھی یقینی دلیل سے ہو سکتا ہے نہ کہ خالی احتمال سے۔

فَإِنْ فُشِرَتْ يَفْطَةٌ فَسَالَ مِنْهَا مَاءٌ أَوْ صَدِيدٌ أَوْ غَيْرُهُ إِنْ سَالَ عَنْ رَأْسِ الْجُرْحِ نَقَضُ وَإِنْ لَمْ يَسَلْ

پس اگر چھالے کا چھلکا، لگ گیا جائے پھر اس سے پانی یا پیپ یا اس کے علاوہ کوئی چیز بہہ نہ جائے اور اگر نہ ہو تو

لَا يَنْقُضُ وَقَالَ زُفَرٌ يَنْقُضُ فِي الْوَجْهَيْنِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا يَنْقُضُ فِي الْوَجْهَيْنِ

نہیں ٹوٹے گا اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں ناقض ہوگا۔ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں ناقض نہ ہوگا

وَهِيَ مَسْأَلَةُ الْخَارِجِ مِنَ غَيْرِ السَّيْلَيْنِ وَهَلِ الْمَجْمُوعَةُ نَجَسَةٌ لِأَنَّ الْمَاءَ يَنْصَحُ لِقَبْرِ قَبْرِهِ ثُمَّ يَزْدَادُ نَضْجًا قَبْرِ صَدِيدًا

اور یہ خارج من غیر سہیلین کا مسئلہ ہے اور یہ تمام نجس ہیں کیونکہ خون پکا ہے تو وہ کچا ہو جاتا ہے پھر اور پکا ہے تو پیپ ہو جاتا ہے

ثُمَّ يَصِيرُ مَاءً هَذَا إِذَا فُشِرَ مَا فَخَرَجَ يَنْقُضُهُ

پھر (رقیق ہو کر) پانی ہو جاتا ہے۔ نہ کورہ حکم اس وقت ہے جبکہ اس کو چھلکا ہو مگر وہ خود بخود نکلا ہو

وَأَمَّا إِذَا عَصَرَ مَا فَخَرَجَ بِعَصْرِهِ فَلَا يَنْقُضُ لِأَنَّهُ مُخْرَجٌ وَلَيْسَ بِخَارِجٍ وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

لیکن جب اسے پھڑے پس وہ اس کے پھڑنے سے نکلے تو ناقض نہ ہوگا کیونکہ وہ نکلا گیا ہے نکلا ہوا نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

## چھالے کا چھلکا اترنے سے وضو کا حکم اور دبا کر خون یا پیپ نکالنے سے وضو کا حکم

تشریح:- مسئلہ یہ ہے کہ اگر چھالے کا چھلکا اتر گیا، پھر پانی یا زرد پانی یا اس کے علاوہ نکلا تو اس کی دو صورتیں ہیں سیلان پایا گیا ہے یا نہیں۔ اگر خروج کے ساتھ سیلان بھی پایا گیا تو نقض وضو ہو جائے گا اور اگر سیلان نہیں پایا گیا تو نقض وضو نہیں ہوگا۔ یہ مذہب تو امام زفرؒ کے علاوہ فقہائے احناف کا ہے۔

اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں وضو ٹوٹ جائے گا خواہ سیلان پایا جائے یا نہ پایا جائے۔

اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں وضو نہیں ٹوٹے گا۔ درحقیقت یہ مسئلہ خارج من غیر سہیلین کا ہے یعنی خارج من غیر سہیلین، امام زفرؒ کے نزدیک مطلقاً ناقض وضو ہے سیلان ہو یا نہ ہو اور امام شافعیؒ کے نزدیک مطلقاً غیر ناقض ہے۔ اور ہمارے نزدیک اگر سیلان پایا جائے تو ناقض ہے ورنہ نہیں۔

صاحب ہدایہؒ نے فرمایا کہ یہ سب یعنی زخم کا نکلا ہوا پانی اور زرد پانی اور کچا لہو سب نجس ہیں کیونکہ جب قاسد خون پکا ہے تو کچا لہو ہو جاتا ہے پھر زیادہ پکا ہے تو پیپ ہو جاتا ہے پھر رقیق ہو کر پانی ہو جاتا ہے پس جب یہ سب ناپاک ہیں تو خروج نجاست پایا گیا اور خروج نجاست بشرط سیلان ناقض ہے اس لئے ان صورتوں میں بھی نقض وضو ہوگا۔ فرمایا کہ یہ نقض وضو کا حکم اس وقت ہے جبکہ چھالے کا چھلکا اتارا تو نجس مواد خود بخود نکلا، اور اگر خود نہ نکلا بلکہ جب اس چھالے کو دبا کر نچوڑا تو اس کے نچوڑنے سے مواد نکلا تو اس صورت میں وضو نہیں ٹوٹے گا کیونکہ یہ خارج نہیں ہے بلکہ خارج کیا گیا ہے، واللہ اعلم جمیل احمد حق عہد۔

## فصل فی الغسل

(یہ) فصل احکام غسل کے بیان میں ہے۔

وَقَرَضُ الْغُسْلِ الْمَضْمُضَةُ وَالِاسْتِشْقَاقُ وَغَسْلُ سَائِرِ الْبَدَنِ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ هُمَا مُنْتَانٌ فِيهِ لِقَوْلِهِ
غسل کا فرض کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا اور تمام بدن کا دھونا ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک یہ دونوں غسل میں مسنون ہیں اس لئے کہ حضور ﷺ
عَلَيْهِ السَّلَامُ عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ أَيْ مِنَ السُّنَّةِ وَذَكَرَ مِنْهَا الْمَضْمُضَةُ وَالِاسْتِشْقَاقُ وَلِهَذَا كَانَا مُسْتَتِينَ فِي الْوُضُوءِ
کا فرمان ہے کہ دس چیزیں فطرت یعنی سنت سے ہیں اور ان میں مضمضہ اور استسقاء کا ذکر کیا اسی وجہ سے یہ دونوں وضو میں سنت ہیں
وَلَنَا قَوْلُهُ تَعَالَى وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا أَنْتُمْ بِالْإِطْهَارِ وَهُوَ تَطْهِيرُ جَمِيعِ الْبَدَنِ إِلَّا أَنْ مَا تَعَلَّرَ ابْتِصَالُ الْمَاءِ
اور ہماری دلیل باری تعالیٰ کا قول وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا ہے (کس میں) اِطْهَار کا حکم ہے اور یہ تمام بدن کا دھونا ہے مگر وہ جگہ کہ جہاں پانی پہنچانا
إِلَيْهِ خَارِجٌ بِخِلَافِ الْوُضُوءِ لِأَنَّ الْوَاجِبَ فِيهِ غَسْلُ الْوَجْهِ وَالْمُوَاجَهَةُ لِيَهُمَا مُنْعِلِمَةٌ وَالْمُرَادُ
حصہ رہو وہ خارج ہے بخلاف وضو کے کیونکہ اس میں واجب چہرے کا دھونا ہے اور ان دونوں میں مواجہت محرم ہے اور جو امام شافعی نے روایت کیا
بِمَا رَوَى حَالَةُ الْحَدِيثِ بِدَلِيلِ قَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنَّهُمَا فَرَضَانِ فِي الْجَنَابَةِ مُنْتَانٌ فِي الْوُضُوءِ
اس سے مراد حدیث کی حالت ہے۔ حضور ﷺ کے فرمان کی دلیل کی وجہ سے کہ یہ دونوں جنابت میں فرض ہیں وضو میں سنت ہیں

## فرائض غسل

تشریح: مصنف نے غسل کے احکام وضو کے احکام کے بعد بیان فرمائے ہیں کیونکہ وضو کی حاجت زائد ہے بہ نسبت غسل کی حاجت کے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ محل وضو جزء بدن ہے اور محل غسل کل بدن ہے اور جزء مقدم ہوتا ہے کل پر۔ اس لئے وضو کے احکام پہلے اور غسل کے احکام بعد میں بیان فرمائے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ کتاب اللہ کی اقتداء مقصود ہے کیونکہ قرآن پاک میں وضو اور غسل کو اسی ترتیب کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ غسل غین کے طہر کے ساتھ بمعنی الغسل یعنی تمام بدن دھونا۔

فقہاء احناف رحمہم اللہ کے نزدیک غسل میں عین فرض ہیں کل کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، تمام بدن دھونا۔

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا اسی طرح مسنون ہیں جس طرح وضو میں مسنون ہیں۔

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ دس چیزیں فطرت یعنی سنت سے ہیں۔

بعض نے کہا کہ ان میں سے پانچ چیزوں کا تعلق سر سے ہے اور پانچ کا بدن سے..... چنانچہ جن چیزوں کا تعلق سر سے ہے

وہ یہ ہیں (۱) ماتمک نکالنا (۲) مسواک کرنا (۳) کلی کرنا (۴) ناک میں پانی ڈالنا (۵) مونچھ کاٹنا۔

اور جن چیزوں کا تعلق بدن سے ہے وہ یہ ہیں (۱) ختنہ کرنا (۲) زیر ناف بال موٹنا (۳) بغل کے بال اکھاڑنا (۴) ناخن کٹنا (۵) پانی سے استنجاء کرنا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا مستنون ہیں۔

دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات غسل میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کو قیاس کرتے ہیں وضو میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے پر یعنی جس طرح وضو میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا سنت ہیں اسی طرح غسل میں بھی سنت ہیں۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو خوب پاکی حاصل کرو۔

یعنی اللہ رب العزت نے مکلفین کو علی سبیل السبائل تمام بدن دھونے کا حکم دیا ہے کیونکہ فرمایا فاطہروا، اور تطہروا بالحد کے ساتھ پورے بدن کو دھونے کو کہتے ہیں۔ بلکہ یہ کہ کسی جگہ پانی پہنچانا، ناممکن ہو تو وہ اس حکم سے خارج ہے جیسے آنکھوں کے اندر کا حصہ۔ اور جہاں پانی پہنچانے میں کوئی حرج نہیں وہ اس حکم کے تحت باقی ہے پس چونکہ منہ اور ناک کے اندر پانی پہنچانے میں کوئی حرج نہیں اس لئے ان دونوں کا دھونا بحکم کتاب اللہ فرض ہوگا۔

اس کے برخلاف وضو وضو میں مامور بہ غسل وجہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ اور کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کا جوکل ہے اس میں مواجہت معدوم ہے۔

اور امام شافعی کی پیش کردہ حدیث کو وضو پر محمول کیا جائے گا کیونکہ ابن عباس اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا غسل جنابت میں فرض ہیں اور وضو میں سنت ہیں۔

وَسُنَّةٌ أَنْ يَتَدَأَ الْمُغْتَسِلُ فَيَغْسِلَ يَدَيْهِ وَفَرْجَهُ وَيُرِيْلَ النِّجَاسَةَ إِنْ كَانَتْ عَلَى يَدَيْهِ

اور غسل کی سنت یہ ہے کہ متغسل ابتداء کرے پس اپنے دونوں ہاتھ اور اپنی شرمگاہ دھوئے اور نجاست زائل کرے مگر اس کے بدن پر ہو

ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وَضُوءًا لِلصَّلَاةِ إِلَّا رَجُلًا لَمْ يَفْهَمْ الْمَاءَ عَلَى رَأْسِهِ وَمَا يَرِيْلُ جَسَدِهِ ثَلَاثًا ثُمَّ يَتَّخِذُ عَنْ ذَلِكَ الْمَكَانِ

پھر (اپنی) نماز کیلئے وضو کی طرح وضو کرے سوائے دونوں پاؤں کے پھر اپنے سر پر اور اپنے تمام بدن پر زمین بار پانی بہائے پھر اس جگہ سے ہٹ جائے

فَيَغْسِلُ رِجْلَيْهِ هَكَذَا حَتَّى مَيِّمُونَةٌ إِغْتِسَالِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَإِنَّمَا يُؤَخَّرُ غَسْلُ رِجْلَيْهِ لِأَنَّهُمَا

اور اپنے دونوں پیر دھوئے۔ یوں ہی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا غسل فرمایا اقل کیا ہے اور اپنے دونوں پاؤں کے دھونے کو اس لئے مؤخر کرے کہ

لِيُفِيْلَ الْمَاءِ الْمُسْتَعْمَلِ فَلَا يَفِيْلُ الْغَسْلُ حَتَّى لَوْ كَانَ عَلَى لَوْحٍ لَا يُؤَخَّرُ

وہ دونوں مستعمل پانی جمع ہونے کی جگہ میں ہیں پس (ان کا) دھونا مفید نہ ہوگا حتیٰ کہ اگر کسی تختہ پر ہو تو مؤخر نہ کرے

وَإِنَّمَا يَتَدَأُ بِإِزَالَةِ النِّجَاسَةِ الْحَقِيقَةِ كَمَا لَا تَزَادُ بِإِصَابَةِ الْمَاءِ

اور نجاست حقیقیہ زائل کرنے کے ساتھ ابتداء کرے تاکہ پانی کے پہنچنے سے بڑھ نہ جائے

## سنن غسل

**تشریح:** غسل میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے دونوں ہاتھ گٹھن تک دھوئے کیونکہ یہ دونوں پاک کرنے کا آلہ ہیں اور اپنی شرمگاہ کو دھوئے چونکہ وہ محل نجاست ہے اس لئے احتمال ہے کہ نجاست لگی ہو اور بدن پر اگر نجاست چھپے لگی ہو تو اس کو بھی دور کر دے تاکہ پانی بہانے سے اس میں اضافہ نہ ہو۔ پھر وضو کرے جیسے نماز کیلئے وضو کرتا ہے مگر اپنے پاؤں نہ دھوئے پھر سر پر تین مرتبہ پانی بہائے اور تین مرتبہ تمام بدن پر پانی بہائے۔ جس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ پہلے دائیں موٹے پر تین بار پانی بہائے پھر بائیں موٹے پر تین بار پھر تمام بدن پر اور بعض نے کہا دائیں موٹے سے ابتداء کرے پھر سر پر پھر بائیں موٹے پر پانی ڈالے۔ اور بعض نے کہا کہ سر سے ابتداء کرے۔ قدوری کی عبارت سے یہی ظاہر ہے پھر اس جگہ سے ہٹ کر اپنے دونوں پاؤں دھوے۔ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کا غسل فرماتا اسی طرح بیان کیا ہے۔ شیخ ابن الہمام مصنف فتح القدیر رحمۃ اللہ علیہ نے پوری حدیث ان الفاظ کے ساتھ ذکر کی ہے۔ رَوَى الْجَمَاعَةُ عَنْهَا قَالَتْ وَضَعْتُ لِنَبِيِّ ﷺ مَاءً يَغْتَسِلُ بِهِ فَأَلْفَرَعُ عَلَى يَدَيْهِ فَعَسَلَهُمَا مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا ثُمَّ أَلْفَرَعُ بِمِوْنِهِ عَلَى سِمَائِهِ فَعَسَلُ مَذَاكِبَهُ ثُمَّ ذَلِكَ يَدَهُ بِالْأَرْضِ ثُمَّ تَمَضَّمْتُ وَاسْتَشَقْتُ ثُمَّ عَسَلُ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ ثُمَّ عَسَلُ رَأْسَهُ ثَلَاثًا ثُمَّ أَلْفَرَعُ عَلَى جَسَدِهِ ثُمَّ تَنَحَّيْتُ عَنْ مَقَامِهِ فَعَسَلُ فَعَسَلَهُ تَرْجَمَةً: حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک جماعت نے روایت کی ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں حضور ﷺ کے غسل کیلئے پانی رکھا پس آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں پر اظطرار، آپ ﷺ نے دو مرتبہ یا تین مرتبہ اپنے ہاتھوں کو دھویا پھر آپ ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ سے اپنے بائیں ہاتھ پر اظطرار پس آپ ﷺ نے اپنی شرمگاہ کو دھویا پھر اپنا ہاتھ زمین پر رگڑا پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا، پھر اپنا چہرہ اور اپنے ہاتھوں کو دھویا پھر تین بار اپنا سر دھویا پھر اپنے جسم پر پانی بہایا پھر اس جگہ سے ہٹ کر اپنے قدموں کو دھویا۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ پاؤں دھونا اس لئے مؤخر کیا گیا کہ وہ ماء مستعمل جمع ہونے کی جگہ میں رہتے ہیں۔ چنانچہ اگر کسی اونچی جگہ تھو یا پتھر وغیرہ پر کھڑے ہو کر غسل کیا تو غسل رجلیں کو مؤخر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

وَلَيْسَ عَلَى الْمَرْأَةِ أَنْ تَقْضَ ضَفَائِرَهَا فِي الْغُسْلِ إِذَا بَلَغَ الْمَاءُ أَصُولَ الشَّعْرِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا مَسْلَمَةَ
أَوْرَاسٍ فِي مَوْتِهَا بِأَنْ يَكُونَ مَاءٌ يَكْفِيكَ إِذَا بَلَغَ الْمَاءُ أَصُولَ الشَّعْرِ وَلَيْسَ عَلَيْهَا بَلٌّ ذَوَائِبُهَا
سے فرمایا کہ تھو کو کفایت کرے گا جبکہ پانی تیرے بالوں کی جڑوں میں پہنچ جائے اور عورت پر اپنے گیسوؤں کا ترکنا (بھی) واجب نہیں ہے
هُوَ الصَّحِيحُ لِمَا فِيهِ مِنَ الْخَرَجِ بِخِلَافِ اللَّحْيَةِ لِأَنَّهُ لَا خَرَجَ فِي إِيصَالِ الْمَاءِ إِلَى آثَانِهَا
یہی قول صحیح ہے کیونکہ اس میں خرج ہے بخلاف داڑھی کے کہ داڑھی کے اندر پانی پہنچانے میں کوئی خرج نہیں ہے

## غسل میں مینڈیاں کھولنا ضروری نہیں

**تشریح:-** مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت کے سر کے بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچ جائے تو اس کو اپنے غفار یعنی کندھے ہوئے بالوں کا کھولنا واجب نہیں ہے۔ دلیل صحیح مسلم وغیرہ میں ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے **قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي امْرَأَةٌ أَفْلُ صَفَرُ رَأْسِي أَفَأَتَغُضُّ فِي غُسلِ الْحَنَاءِ فَقَالَ لَا إِنَّمَا يَكْفِيكَ أَنْ تَغِيْسَ عَلَى رَأْسِكَ ثَلَاثَ حَقَبَاتٍ ثُمَّ تَغِيْسِيَنَّ حَلَمَكَ الْمَاءَ فَتَطْهَرِيَنَّ** (فتح القدیر)

یعنی ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں ایسی عورت ہوں کہ اپنے سر کے موئے ہافہ کو سخت ہاندھتی ہوں، سو کیا غسل جنابت میں اس کو کھول ڈالوں، تو فرمایا کہ نہیں بلکہ تجھے تو یہی کافی ہے کہ اپنے سر پر تین چلو ڈال پھر اپنے اوپر پانی بہالے سو تو پاک ہو جائیگی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس عورت پر بالوں کا بھگونا واجب نہیں ہے۔ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس عورت پر بٹے ہوئے گیسوؤں کا تر کرنا بھی واجب نہیں ہے یہی صحیح ہے۔ دلیل یہ ہے کہ گیسو تر کرنے میں عورت کے حق میں حرج ہے۔ اس کے برخلاف داڑھی کے اس کے اندر پانی پہنچانے میں کوئی حرج نہیں ہے لہذا داڑھی کے اندر پانی پہنچانا واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر عورت کے بال کھلے ہوں تو ان کے درمیان بھی پانی پہنچانا واجب ہے کیونکہ اب اس میں کوئی حرج اور مشقت نہیں ہے۔

قَالَ وَالْمَعَانِي الْمَوْجِبَةُ لِلْفُغْلِ إِنْزَالُ الْمَنِيِّ عَلَى وَجْهِ الثَّلَاجِي وَالشَّهْوَةِ مِنَ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ خَالَةَ النَّوْمِ وَالْيَقَظَةِ
فرمایا کہ غسل کا واجب کرنے والے سبب شہوت کو نہ کرنے کے لیے پانی نہ ملے ہو یا مرد سے ہو یا عورت سے۔ نیند کی حالت میں ہو یا بیداری کی حالت میں
وَعِنْدَ الشَّالِغِيِّ خُرُوجُ الْمَنِيِّ كَيْفَ مَا كَانَ يُؤْجِبُ الْفُغْلَ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ
اور اس شالغی کے نزدیک منی کا نکلتا جس طرح بھی ہو غسل واجب کرتا ہے کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ پانی پانی سے (واجب) ہوتا ہے
أَيُّ الْفُغْلِ مِنَ الْمَنِيِّ وَلَنَا أَنَّ الْأَمْرَ بِالتَّطَهْرِ يَتَأَوَّلُ الْجُنُبَ وَالْجَنَابَةَ فِي اللَّغَةِ خُرُوجُ الْمَنِيِّ عَلَى وَجْهِ الشَّهْوَةِ
یعنی غسل منی سے واجب ہوتا ہے اور ہمدردی دلیل یہ ہے کہ تطہیر کا حکم جب کوشال ہے اور جنابت و شہوت کے طریق پر منی کے نکلنے کو کہتے ہیں
يُقَالُ أُجِيبَ الرَّجُلُ إِذَا قَضَى شَهْوَتَهُ مِنَ الْمَرْأَةِ وَالْعَلِيَّةِ مَحْمُولٌ عَلَى الْخُرُوجِ عَنْ شَهْوَةِ
کہا جاتا ہے اُجیبَ الرَّجُلُ جب مرد کی عورت سے اپنی شہوت پوری کرے اور حدیث شہوت کے ساتھ نکلنے پر محمول ہے
ثُمَّ الْمُعْتَبَرُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ انْفِصَالُهُ عَنْ مَكَانِهِ عَلَى وَجْهِ الشَّهْوَةِ وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ ظُهُورُهُ أَيْضاً
پھر طریقین کے نزدیک شہوت کے ساتھ منی کا اپنے مکان سے جدا ہونا ہے اور ابو یوسف کے نزدیک اس کا ظہور بھی (معتبر) ہے

إِغْتِبَارًا لِلْخُرُوجِ بِالْمَزَايِلَةِ إِذَا الْغُسْلُ يَتَعَلَّقُ بِهِمَا وَلَهُمَا أَنَّهُ مَتَى وَجِبَ مِنْ وَجْهِهِ فَلَا وَجِبَاطَ لِي إِلَّا يَجَابِ

خروج کو جدا ہونے پر قیاس کرتے ہوئے کیونکہ غسل ہاتھوں کے ساتھ متعلق ہے اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ جب من وجب واجب ہو جائے تو احتیاط واجب کرنے میں ہی ہے

## موجبات غسل

تشریح: مصنف ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس عبارت میں موجبات غسل کو بیان فرمایا ہے پہلا سبب شہوت کے ساتھ کود کر منی کا نکلنا ہے خواہ انزال منی مرد سے ہوا ہو یا عورت سے نیند کی حالت میں ہو یا بیداری کی حالت میں، ہر صورت میں غسل واجب ہوگا امام شافعی اور امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ مطلقاً خروج منی سے غسل واجب ہوگا خواہ منی شہوت کے ساتھ نکلے ہو یا بغیر شہوت کے چنانچہ اگر وزن اٹھانے کی وجہ سے منی نکل گئی ہو یا بلند جگہ سے گرنے کی وجہ سے نکل گئی ہو یا پشت پر ڈٹا دیا غیرہ مارنے سے نکل گئی ہو تو ان صورتوں میں ہمارے نزدیک غسل واجب نہیں ہوگا۔ اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک واجب ہوگا۔

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل حضور ﷺ کا قول اَلْعَاءُ مِنَ الْعَاءِ ہے یعنی غسل منی سے واجب ہوتا ہے۔ یہ حدیث شہوت کی قید سے مطلق ہے لہذا اَلْمُطَلَّقُ يَجْعَلُ عَلَى اِطْلَاقِهِ کے مطابق اپنے اطلاق پر باقی رہے گی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فَلَمَّا كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطْفَرْتُمْ آيَةً میں تطہیر کا حکم جنہی کو شامل ہے اور لغت میں جنابت کہتے ہیں شہوت کے ساتھ منی کے نکلنے کو چنانچہ جب کوئی مرد کسی عورت سے اپنی شہوت پوری کر لے تو عرب والے کہتے ہیں اُجُوبَ الرُّجُلِ پس معلوم ہوا کہ منی کا شہوت کے ساتھ نکلنا جنابت ہے لہذا انزال منی شہوت سے غسل واجب ہوگا۔ اور یہی وہ حدیث جس کو امام شافعیؒ نے پیش کیا ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث خروج منی شہوت پر محمول ہے۔ کیونکہ حدیث اپنے الفاظ کے اعتبار سے عام ہے اس لئے کہ یہ پیشاب، مدی، ودی، منی، شہوت اور بغیر شہوت سب کو شامل ہے اور بالاتفاق حدیث میں تمام چیزیں مراد نہیں ہیں پس چونکہ منی شہوت سے بالاتفاق غسل واجب ہو جاتا ہے اس لئے اس حدیث کو اسی پر محمول کیا جائیگا۔ ہمارے مسلک کی تائید حضرت عائشہؓ کی بیان کردہ منی کی تفسیر سے بھی ہوتی ہے آپ نے کہا کہ اَلْمَنِيُّ بِأَنَّهُ اَيُّهُنَّ فَيَعْنِي يَنْكَسِرُ مِنْهُ الدُّكْرُ یعنی منی سفید گاڑھی ہوتی ہے جس سے عضو تاسل منکسر ہو جاتا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ انکسار شہوت کے بعد ہی ہوتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ بغیر شہوت کے جو منی نکلے وہ منی ہی نہیں کہ اس سے غسل واجب ہو۔

علمائے احناف رحمہم اللہ اس پر تو متفق ہیں کہ وجوب غسل کے لئے ضروری ہے کہ جب منی اپنی جگہ یعنی صلب سے جدا ہو تو شہوت پائی جائے مگر جب عضو تاسل سے باہر نکلے گی تو اس وقت شہوت کا ہونا شرط ہے یا نہیں۔ تو اس بارے میں اختلاف ہے چنانچہ طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک ظہور منی کے وقت شہوت کا پایا جانا ضروری نہیں ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس وقت بھی شہوت کا ہونا ضروری ہے۔ امام ابو یوسفؒ کی دلیل قیاس ہے یعنی جس طرح اپنے مکان یعنی صلب سے جدا ہونے کے وقت شہوت ضروری ہے



اسی طرح عضو تناسل سے نکلنے وقت بھی شہوت کا ہونا ضروری ہے اور علت جامعہ یہ ہے کہ غسل کا تعلق دونوں کے ساتھ ہے۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ انفصال منی کے وقت چونکہ شہوت پائی گئی۔ اس لئے اس کا تقاضا ہے کہ غسل واجب ہو اور خروج کے وقت چونکہ شہوت نہیں پائی گئی اس لئے اس کا مقتضی ہے کہ غسل واجب نہ ہو۔ پس اس صورت میں غسل واجب ہونے اور واجب نہ ہونے دونوں کا احتمال ہے مگر ہم نے احتیاط پر عمل کرتے ہوئے غسل واجب کیا ہے۔

ثمرہ اختلاف یہ ہے کہ ایک شخص نے استمناء بالید کیا اور اپنے عضو تناسل کو پکڑ لیا پس جب شہوت ختم ہو گئی تو منی بلا شہوت کے نکلے تو اس صورت میں طرفین کے نزدیک غسل واجب ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک غسل واجب نہیں ہوگا۔

**فوائد:** انزال بآب افعال کا مصدر ہے نزالہ (نون کے ساتھ) سے ماخوذ ہے معنی ہیں مرد کا پانی۔ یہاں تین لفظ قابل ذکر ہیں، مذی، ودی اور ثانی اور ثالث موجب وضو ہیں۔ ان تینوں میں فرق عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مصنف میں قنادہ اور عمرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا کہ منی کو وہ کوہنے والا پانی ہے جس میں شہوت ہو اور اس سے بچہ پیدا ہو سکتا ہو۔ اور مذی وہ پانی ہے جو ملاصحت کے وقت نکلتا ہے اور ودی وہ پانی ہے جو پیشاب کے ساتھ اور پیشاب کے بعد نکلتا ہے (یعنی)۔

شیخ ابن الہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مذی کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ ہر مرد کو مذی آتی ہے اور دراصل یہ تین چیزیں ہیں (۱) مذی (۲) ودی (۳) منی۔ پس مذی تو یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کے ساتھ ملاصحت کرتا ہے تو اس کے عضو تناسل پر ایک چیز ظاہر ہوتی ہے لہذا وہ اپنے ذکر اور خصیتین کو دھو ڈالے اور وضو کرے نہ کہ غسل۔ اور ودی وہ ہے جو پیشاب کے بعد ہوتی ہے یہاں بھی اپنے ذکر اور خصیتین کو دھو کر وضو کرنا واجب ہوگا نہ کہ غسل۔ اور منی وہ عظیم پانی ہے جو شہوت کے ساتھ نکلتا ہے اس میں غسل واجب ہوگا۔

علامہ نوویؒ نے فرمایا کہ مذی سفید پتلا چکنا پانی ہوتا ہے جو ملاصحت کی وجہ سے شہوت کے وقت نکلتا ہے مگر اس کے بعد طبیعت میں خور پیدا نہیں ہوتا۔

اور صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مذی وہ پانی ہے جو رقیق ہو اور سفیدی کی طرف مائل ہو ملاصحت کے وقت نکلتا ہو۔

وَالْبَغَاءُ الْخِثَانَيْنِ مِنْ غَيْرِ انْزَالٍ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذَا اتَى الْخِثَانَانِ وَغَابَتِ الْحَشْفَةُ وَجَبَ

اور بغیر انزال کے ہاہم دونوں خٹان کا ملنا (بھی موجب غسل ہے) بغیر انزال کے۔ کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ جب دونوں خٹان ملیں اور حشفہ چھپ جائے تو غسل

الغسل انزل اولکم یُنزلُ وَلَا تَنْزَالُ وَنَفْسُهُ يَغْثِبُ عَنْ بَصَرِهِ وَقَدْ يَخْفَى عَلَيْهِ

واجب ہو جائے گا خواہ انزال ہو یا نہ ہو اس لئے کہ تعادب انزال ہے غسل (اگر اس کی نظر سے غائب ہوتا ہے) (انزال) کسی اس شخص پر خود بھی ہوتا ہے



لِقَلْبِهِ لِقَامٌ مَّقَامُهُ وَكَذَا الْإِيْلَاجُ فِي الدُّبْرِ لِكَمَالِ السَّبَبِيَّةِ وَيَجِبُ عَلَى الْمَفْعُولِ بِهِ إِحْتِيَاظًا

قلت منی کی وجہ سے جس انتہاء خنائین منزل کے قائم مقام ہوگا وہی عمل داخل فی البدن کا ہے مسیت کے پہنچانے کی وجہ سے احتیاطاً مفعول بہ پر بھی واجب ہوگا

بِخِلَافِ الْبَهِيمَةِ وَمَا ذُوْنَ الْفَرْجِ لِأَنَّ السَّبَبِيَّةَ نَاقِصَةٌ

بخلاف ہوا پیا اور فرج کے علاوہ کس لئے کہ مسیت ناقص ہے

## انتہاء خنائین موجب غسل ہے

تشریح: خنان عورت اور مرد کے ختنہ (قطع) کرنے کی جگہ عرب کی عادت تھی کہ وہ مردوں کی طرح عورتوں کی ختنہ بھی کیا کرتے تھے۔ ابن الہمام نے لکھا ہے کہ ختنہ مرد کے لئے سفت ہے اور عورت کے لئے کمرت ہے اس لئے کہ ختنہ عورت کے ساتھ جماع کرنے میں زیادہ لذت ہے۔ مرد اگر ختنہ کرانا چھوڑ دے تو اس کو مجبور نہیں کیا جائے گا ہاں اگر ختنہ سے ہلاک ہونے کا غالب گمان ہو تو مجبور نہیں کیا جائے گا اور اگر عورت ختنہ نہ کرائے تو اس کو مجبور نہیں کیا جائیگا۔

مسئلہ یہ ہے کہ اگر خنائین باہم مل جائیں اور ختنہ (سپاری) عورت کی شرمگاہ میں چھپ جائے تو دونوں پر غسل واجب ہوگا انزال ہو یا نہ ہو۔ دلیل یہ حدیث ہے إِذَا تَغَيَّ الْبُخَنَانِ وَهَاتَتْ الْعَشْفَةَ وَتَجَبَ الْفُسْلُ انْزَلْ أَوْ لَمْ يَنْزَلْ یعنی دونوں خنان جب باہم مل جائیں اور ختنہ غائب ہو جائے تو غسل واجب ہوگا خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ جس چیز پر حکم مرتب ہو اگر وہ مخفی ہے اور اس کا کوئی سبب ظاہر ہے تو یہ سبب ظاہر اس امر مخفی کے قائم مقام ہوگا اور حکم اس سبب پر مرتب ہوگا جس پر حکم مرتب ہوتا ہے وہ ایک مخفی چیز ہے کیونکہ لگاہوں سے پوشیدہ رہتا ہے اور کبھی قلت منی کی وجہ سے محسوس بھی نہیں ہوتا کہ انزال ہوا یا نہیں۔ اس لئے انتہاء انزال کے قائم مقام ہوگا اور غسل کا ترتب انتہاء پر ہوگا نہ کہ انزال پر۔

اور اگر فرج کے علاوہ مقعد میں ادخال کیا تو بھی غسل واجب ہوگا کیونکہ اس صورت میں بھی کمال مسیت موجود ہے حتیٰ کہ بہت سے فساق اس راہ سے قضاء شہوت کو ترجیح دیتے ہیں قل کی طرف سے قضاء شہوت کے مقابلہ میں اسی وجہ سے بعض فقہاء نے کہا کہ نماز میں امر دہکوں کی محاذات اسی طرح مقعد صلوٰۃ ہے جس طرح عورتوں کی محاذات مقعد صلوٰۃ ہے۔

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ احتیاطاً مفعول بہ پر بھی غسل واجب ہوگا کیونکہ یہ بھی احتمال ہے کہ مفعول بہ بھی لذت محسوس کرے اور خروج منی ہو جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ لذت محسوس نہ کرے اور خروج منی نہ ہو اور طہارت میں چونکہ احتیاط مطلوب ہے اس لئے مفعول بہ پر غسل واجب ہوگا اس کے برخلاف اگر چہ پایہ کے ساتھ ادخال کا معاملہ کیا یا سہیلین کے علاوہ ران وغیرہ میں یہ حرکت کی تو بغیر انزال کے محض ادخال کی وجہ سے غسل واجب نہیں ہوگا کیونکہ ان صورتوں میں مسیت ناقص ہے اس

لئے کہ طبیعت سلیمہ اس سے نفرت کرتی ہے۔

وَالْحَيْضُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى حَتَّى يَطْهُرُونَ بِالتَّشْدِيدِ وَكَذَا النِّفَاسُ بِالْإِجْمَاعِ

اور حیض (موجب غسل ہے) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے یہاں تک کہ عورتیں خوب پاک ہو جائیں۔ (یہ تشدید کے ساتھ ہے اور یہی حکم) بالاجماع نفاس کا ہے

## حیض و نفاس موجب غسل میں

تشریح :- موجبات غسل میں سے نفس حیض ہے اور بعض نے کہا کہ اصطلاح حیض موجب غسل ہے دلیل باری تعالیٰ کا قول حَتَّى يَطْهُرُونَ (تشدید کے ساتھ) ہے یعنی مائعہ عورتوں کے قریب مت جاؤ یہاں تک کہ وہ خوب پاک ہو جائیں اور یہ خوب پاک ہونا اسی وقت ہوگا جب کہ خون منقطع ہونے کے بعد غسل بھی کر لے۔ لیکن اگر یہ اعتراض بھی کیا جائے کہ يَطْهُرُونَ بغیر تشدید کے بھی قراءت متواترہ ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دو قرائتیں بحولہ دو آیت کے ہوتی ہیں۔ پہلی امام صاحبؒ نے دونوں پر عمل کیا اس طرح کہ دس ایام حیض جب پورے گذر کے خون بند ہو تو شوہر کو اس سے وطی کرنا جائز ہے اگرچہ غسل نہ کرے اس صورت میں بغیر تشدید يَطْهُرُونَ کی قراءت دلیل ہوگی کیونکہ خون بند ہو کر پاک ہوگئی اور جب دس دن سے کم میں خون بند ہو تو وطی جائز ہونے کے لئے اس پر غسل واجب ہوگا۔ تشدید کے ساتھ يَطْهُرُونَ پر عمل کرنے کی وجہ سے یہی حکم نفاس کا ہے یعنی بالاجماع نفاس بھی موجب غسل ہے۔

وَمَنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْغُسْلُ لِلْجُمُعَةِ وَالْعِيْدَيْنِ وَعَرَفَةَ وَالْاَحْوَامِ صَاحِبُ الْكِتَابِ نَصَّ

امام رسول اللہ ﷺ نے جو عیدین عرفہ احرام کے لئے غسل کو مستنون کیا صاحب کتاب نے ان غسلوں کے مستنون ہونے کی

عَلَى السَّنَةِ وَقِيلَ عَلَيْهِ الْاَرْبَعَةُ مُسْتَعَجَّةٌ وَمَسْمُومَةٌ الْغُسْلُ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ حَسَنًا فِي الْاَصْلِ وَقَالَ مَالِكٌ

تصریح کر دیا ہے کہ کیا یہاں مستحب ہیں۔ امام احمد نے کتاب الاصل میں جو کہ غسل کو حسن کہا ہے امام مالکؒ نے فرمایا

وَاجِبٌ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ آتَى الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ وَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ

کہ واجب ہے اس لئے کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ جو شخص جمعہ آئے وہ غسل کرے امامی دلیل آپ علیہ السلام کا قول ہے کہ

مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ لِبِهَا وَنَعِمَتْ وَمَنْ اغْتَسَلَ فَهُوَ الْفَضْلُ وَبِهَا يُحْمَلُ مَا رَوَاهُ عَلَى الْاِسْتِحْبَابِ

جس نے جو کہ دن بخور کیا تو بہتر ہے۔ جس نے غسل کر لیا تو افضل ہے۔ اسی حدیث کا ترجمہ ہے کہ جمعہ کا استحباب پر یا مسخ ہو جانے پر محمول کیا جائیگا۔

أَوْ عَلَى النِّسْخِ ثُمَّ هَذَا الْغُسْلُ لِلصَّلَاةِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَهُوَ الصَّحِيحُ لِزِيَادَةِ فَضِيلَتِهَا عَلَى الْوَقْتِ

پھر یہ غسل ابو یوسفؒ کے نزدیک نماز کیلئے ہے اور یحییٰ صحیح ہے اس لئے کہ نماز کو وقت پر فضیلت ہے

وَإِخْتِصَاصِ الطَّهَارَةِ بِهَا وَفِيهِ خِلَافُ الْحَسَنِ وَالْعَيْنَانِ بِمَنْزِلَةِ الْجُمُعَةِ لِأَنَّ فِيهِمَا

اور طہارت کو نماز کے ساتھ اختصاص ہے اور اس میں حسن کا خلاف ہے اور دونوں عیدیں جمعہ کے مرتبہ میں ہیں کیونکہ ان دونوں میں اجتماع

الْاجْتِمَاعُ فَيُسْتَحَبُّ الْإِخْتِصَالُ دَلْعًا لِلتَّأْدِي بِالرَّابِعَةِ وَأَمَّا فِي عَرَفَةَ وَالْأَحْرَامِ فَسَبِيحَةُ فِي الْمَنَامِكِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى

ہوتا ہے پس بدیہ کی وجہ سے ہونے والی تکلیف کو دور کرنے کیلئے غسل کرنا مستحب ہوگا اور ہمارے عرفہ اور احرام میں سویم اس کو ہن شامانہ مناسک میں بیان کریں گے۔

## مسنون غسل

تشریح:- اس مہارت میں غسل مسنون کا بیان ہے۔ قدوری نے چار صورتوں میں غسل کے مسنون ہونے کی تصریح

کردی ہے۔ (۱) جمعہ (۲) عیدین (۳) عرفہ (احرام)۔ اور بعض نے کہا کہ یہ چاروں مستحب ہیں۔ اور امام محمدؒ نے مبسوط میں جمعہ کے دن کے غسل کو حسن کہا ہے۔ اور امام مالکؒ وجوب کے قائل ہیں امام مالکؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا مَنْ آتَى الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ دوسری مسلم کی حدیث ہے جس کو ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا گیا ہے۔ الْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ یعنی جمعہ کے روز ہر بالغ پر غسل کرنا واجب ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے جمعہ کے دن وضو کیا تو فیہا اور جس نے غسل کیا تو یہ افضل ہے۔ اس حدیث سے سنیف کا اثبات تو نہیں ہوگا البتہ استحباب ثابت ہو جائے گا۔ پس چونکہ حدیث وجوب اور اس حدیث میں بظاہر تعارض پیدا ہو گیا ہے اس لئے ان دونوں حدیثوں میں قطعی دی جائے یا نسخ منسوخ مانا جائے۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ امام مالکؒ کی پیش کردہ حدیث مَنْ آتَى الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ کو استحباب پر محمول کیا جائے تاکہ دونوں حدیثوں میں توفیق ہو سکے اور تعارض باقی نہ رہے۔ اور ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں واجب کے متعارف معنی مراد نہیں بلکہ واجب کے معنی متاکد لازم کے ہیں۔ پس اب اس حدیث سے جمعہ کے دن غسل کرنا مست مؤکدہ ہوا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث وجوب کو نسخ پر محمول کیا جائے یعنی ابتدائے اسلام میں جمعہ کے دن غسل کرنا واجب تھا مگر اس کے بعد منسوخ ہو گیا۔ اور نسخ پر دلیل وہ ہے جس کو ابو داؤد ورحمۃ اللہ علیہ نے عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ إِنْ أَنَا مِنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ جَاءُوا فَقَالُوا يَا أَبْنُ عَبَّاسٍ أَرَى الْغُسْلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبًا فَقَالَ لَا وَلَكِنَّهُ طَهُورٌ وَغَيْرُ لَيْسَ الْغُسْلُ وَمَنْ لَمْ يَغْتَسِلْ فَلَيْسَ عَلَيْهِ بِوَاجِبٍ وَمَا غَيْرُكُمْ كَيْفَ بَدَأَ الْغُسْلُ كَانَ النَّاسُ مَجْهُودِينَ يَلْبَسُونَ الصُّوفَ وَيَعْمَلُونَ عَلَى طُهُورِهِمْ وَكَانَ مَسْجِدُهُمْ ضَيْقَاءَ مَقَارِبِ السَّقْفِ إِنَّمَا هُوَ عَرِشٌ فَنُخْرِجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي يَوْمٍ حَارٍّ وَغَرِقَ النَّاسُ فِي ذَلِكَ الصُّوفِ حَتَّى تَارَتْ مِنْهُمْ رِيَاخٌ حَتَّى إِذْ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فَلَمَّا وَجَدَ ﷺ

يُنْكَرُ الرِّبَاحَ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِذَا كَانَ هَذَا الْيَوْمَ فَاتَّعِبُوا وَلَيَسَّ أَحَدُكُمْ أَثْلَ مَا يَجِدُهُ مِنْ دُخْبِهِ وَطَبِيبِهِ قَالَ  
 إِنَّهُ غَبَاسٌ ثُمَّ جَاءَ اللَّهُ بِالْخَوْبِ وَلَيَسُوا غَيْرَ الصَّوْبِ وَكَفُّوا الْعَمَلَ وَوَمَعَ مَسْجِدُهُمْ وَخَبَّ بَعْضُ الْيَدَى تَكَانَ  
 يُؤْذَى بَعْضُهُمْ بَعْضًا مِنَ الْعَرَقِ۔ یعنی عمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ عراق کے کچھ لوگوں نے کہا کہ اے ابن عباسؓ کیا  
 آپ جمعہ کے غسل کو واجب سمجھتے ہیں، ابن عباسؓ نے کہا نہیں لیکن جس شخص نے غسل کیا اس کے لئے بہتر اور جس نے غسل نہیں کیا اس  
 پر غسل کرنا واجب نہیں ہے۔ اور میں آپ لوگوں کو بتاؤں غسل کی ابتدا کیسے ہوئی (واقعہ یہ ہے کہ) لوگ محنت، مشقت کرتے اور اونی  
 کپڑے پہنتے، اور ان کی مسجد تک نچی چمت والی تھی گویا جھونپڑی تھی۔ ایک دن حضور ﷺ گرم دن میں تشریف لائے اور لوگ اونی  
 کپڑوں کی وجہ سے پسینہ سے شرابور تھے حتیٰ کہ ان سے (پسینہ کی) بدبودار ہوائیں اڑ کر لوگوں کو تکلیف پہنچا رہی تھیں۔ پس آپ ﷺ  
 نے ان ہواؤں کو دیکھا تو فرمایا کہ لوگو! اس دن (جمعہ کے دن) غسل کیا کرو اور تیل یا خوشبو لگالیا کرو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا  
 جب اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا معاملہ کیا (یعنی لوگوں کی حالت درست فرمائی) اور اونی کپڑوں کے علاوہ پہننے لگے اور کام سے بھی رک  
 گئے اور ان کی مسجد بھی کشادہ ہو گئی اور تکلیف وہ چیز یعنی پسینہ بھی جاتا رہا (تو غسل کا وجوب ساقط ہو گیا) اس پوری روایت سے واضح  
 ہو گیا کہ ابتداء میں جمعہ کے روز غسل کرنا واجب تھا اس کے بعد وجوب منسوخ ہو گیا یہ بات کہ جمعہ کے دن کا غسل جمعہ کے دن کی  
 وجہ سے مسنون ہے یا نماز جمعہ کی وجہ سے سو اس بارے میں اختلاف ہے حسن بن زیاد کہتے ہیں کہ جمعہ کے دن غسل کی فضیلت یوم  
 یعنی جمعہ کے دن کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے سَبَّحَ الْآلَاءُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔

اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ فضیلت غسل نماز جمعہ کی وجہ سے ہے اور بقول ملا علیؒ یہی صحیح ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا:  
 إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ الْجُمُعَةُ فَلْيَغْتَسِلْ (شیخین) یعنی تم میں سے جو شخص جمعہ کو پائے تو دو نماز جمعہ کیلئے غسل کرے۔ دوسری وجہ یہ  
 ہے کہ نماز جمعہ کو یوم جمعہ پر فضیلت حاصل ہے اور جمعہ کے دن کی سیادت نماز جمعہ کی وجہ سے ہے نیز طہارت کا تعلق نماز کے ساتھ  
 ہے نہ کہ یوم اور وقت کے ساتھ اس لئے بھی فضیلت غسل نماز کی وجہ سے ہوئی چاہے نہ کہ یوم جمعہ کی وجہ سے۔

امام ابو یوسفؒ اور حسن بن زیاد کے درمیان ثمرہ اختلاف اس میں ظاہر ہوگا کہ ایک شخص نے جمعہ کے دن غسل کیا پھر حدیث  
 لاحقہ ہوا اور وضو کیا اور نماز جمعہ ادا کی۔ تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک سنت غسل ادا نہیں ہوئی۔ البتہ حسن بن زیاد کے نزدیک ادا ہو گئی۔  
 صاحب ہدایہؒ نے فرمایا کہ عیدین بھولہ جمعہ کے ہیں کیونکہ ان دونوں میں بھی لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے پس غسل کر لینا مستحب ہے تاکہ  
 پسینہ وغیرہ کی بدبو سے ایذا پہنچنا دفع ہو۔ عیدین کی نماز کیلئے غسل کرنا احادیث سے بھی ثابت ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت  
 ہے۔ اِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَغْتَسِلُ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ یعنی حضور ﷺ عیدین کے دن غسل فرماتے تھے۔

اور عرفہ اور احرام کیلئے غسل کا بیان باب التماسک میں آریگا فَانْتَظِرُوا اِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ حاصل یہ کہ غسل کی  
 گیارہ انواع ہیں ان میں سے پانچ فرض ہیں (۱) انزال مٹی کی وجہ سے (۲) اتقاء خناہین کی وجہ سے (۳) احکام کی وجہ سے (۴) حیض  
 کی وجہ سے (۵) نفاس کی وجہ سے۔ چار سنت ہیں (۱) جمعہ کے دن کا غسل (۲) عرفہ کے دن (۳) عیدین کے دن (۴) احرام کے وقت  
 ایک واجب ہے یعنی غسل میت اور ایک مستحب ہے یعنی کافر جب مسلمان ہو اور غنمی نہ ہو تو اس پر غسل کرنا مستحب ہے۔

قَالَ وَ لَيْسَ فِي الْمَلِدِيِّ وَالْوَدِيِّ غُسْلٌ وَفِيهِمَا الْوُضُوءُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ كُلُّ فَعَلٍ يُمَلِدِي وَفِيهِ الْوُضُوءُ

فرمایا اور ودی میں غسل نہیں اور ان دونوں میں وضو ہے کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ ہر مرد ودی لاتا ہے اور اس میں وضو ہے

وَالْوَدِيُّ الْغَلِيظُ مِنَ الْهَوْلِ يَتَعَقَّبُ الرِّقِيقَ مِنْهُ غُرُوجًا فَيَكُونُ مُعْتَرِابَهُ وَالْمَنِيُّ حَالِيزٌ أَبْيَضٌ يَكْسِرُ

اور ودی گاڑھا پیشاب ہوتا ہے جو رقیق پیشاب کے بعد نکلتا ہے لہذا وہ اسی پر قیاس کیا جائے گا۔ اور منی گاڑھی سفید ہے جس کے نکلنے سے ذکر

مِنْهُ الذَّكَرُ وَالْمَلِدِيُّ رَقِيقٌ يُضْرَبُ إِلَى الْبَيَاضِ يَخْرُجُ عِنْدَ مَلَا عِبَةِ الرَّجُلِ أَهْلَةً

ست پڑ جاتا ہے۔ اور ودی رقیق (زرد) سفیدی کی طرف مائل ہے (جذ) مرد کے اپنی بیوی کے ساتھ ملاہٹ کرنے کے وقت نکلا کرتی ہے

وَالْتَفْسِيرُ مَا تَوَرَّعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا

اور یہ تفسیر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے

## ودی اور ودی میں وضو واجب ہے

تشریح :- صاحب کتاب نے فرمایا کہ ودی اور ودی نکلنے کی صورت میں غسل واجب نہیں ہوتا البتہ وضو واجب ہوتا ہے  
دلیل حضور ﷺ کا ارشاد كُلُّ فَعَلٍ يُمَلِدِي وَفِيهِ الْوُضُوءُ ہے یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ جب ودی اور ودی سے وضو واجب  
ہوتا ہے اور غسل واجب نہیں ہوتا تو ان دونوں کو فصل فی الوضو میں ذکر کرنا چاہیے تھا نہ کہ فصل فی الغسل میں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ  
دونوں چونکہ منی کے مشابہ ہیں اس لئے ان دونوں کو فصل فی الغسل میں ذکر کیا گیا۔ اور بہتر وجہ یہ ہے کہ یہاں ان دونوں کا ذکر اس  
لئے کیا ہے کہ امام احمد ایک روایت میں وجوب غسل کے قائل ہیں یہاں ان دونوں کا ذکر امام احمد کے قول کی تردید کیلئے کیا گیا  
۔ دوسرا سوال یہ ہوگا کہ جب ما قبل میں یہ بات معلوم ہوگئی کہ كُلُّ مَا خَرَجَ مِنَ السَّبِيلَيْنِ ناقض وضو ہے تو اس میں ودی اور ودی کا  
ذکر بھی موجود ہے پس ان کو علیحدہ بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

جواب ان دونوں کا ذکر صراحت کیا گیا ہے امام مالک کے قول کی تردید کے لئے کیونکہ امام مالک ان دونوں کے نکلنے سے  
وجوب غسل کے قائل نہیں ہیں۔ تیسرا سوال ہوگا کہ ودی کے نکلنے سے وضو کرنا کیسے متصور ہوگا اس لئے کہ ودی پیشاب کے بعد نکلتی ہے  
لہذا وضو ودی سے پہلے ہی پیشاب کی وجہ سے واجب ہو گیا ودی کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

جواب اس کی صورت یہ ہے کہ پیشاب کیا پھر وضو کیا پھر ودی نکلی تو اس شخص پر وضو کرنا واجب ہوگا۔ منی اور ودی  
اور ودی کی تعریفیں سابق میں بھی گذر چکیں اور یہاں بھی ترجمہ کے تحت مذکور ہیں ملاحظہ کر لیا جائے، واللہ اعلم بالصواب، جمیل  
احمد منی منہ۔

## بَابُ الْمَاءِ الَّذِي يَجُوزُ بِهِ الْوُضُوءُ وَمَا لَا يَجُوزُ بِهِ

ترجمہ: (یہ) باب اس پانی کے (بیان میں) ہے جس سے وضو جائز ہے اور جس سے وضو کرنا ناجائز ہے۔

تشریح: جب فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ طہارتین یعنی وضو اور غسل کے بیان سے فراغت پا چکے تو اس باب میں اس چیز کو بیان فرمائیں گے جس سے طہارت حاصل ہوتی ہے یعنی ماء مطلق، ماء مطلق سے مراد بارش کا پانی، وادیوں کا پانی، چشموں کا پانی، کنوؤں کا پانی اور دریاؤں کا پانی ہے۔ اور اس کے مطہر ہونے پر دلیل باری تعالیٰ کا قول وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا اور حضور ﷺ کا قول الْمَاءُ طَهُورٌ لَا يَنْجِسُهُ خِثَاءٌ إِلَّا مَا غَيَّرَ لَوْنَهُ أَوْ طَعْمَهُ أَوْ رِيحَهُ ہے۔

الطَّهَارَةُ مِنَ الْأَخْدَاثِ جَائِزَةٌ بِمَاءِ السَّمَاءِ وَالْأَوْدِيَةِ وَالْعُيُونِ وَالْأَنْهَارِ وَالْبَحَارِ لِقَوْلِهِ

أَحْدَاثٌ سِوَاكَ حَاصِلُ كَرْنِ آسَمَانِ كِے پَانِی سِے وَادِیوں، چشموں، کنوؤں اور دریاؤں كِے پَانِی سِے جَائِزُ هِے كِیونكِه

تَعَالَى وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا وَقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْمَاءُ طَهُورٌ لَا يَنْجِسُهُ خِثَاءٌ

اللہ تعالیٰ کا فرمان هے اور هم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی اتارا اور (كیونكِه) حضور ﷺ کا قول هے پانی پاک هے اس كو كوئی چیز نا پاک نہیں كر سكتی

إِلَّا مَا غَيَّرَ لَوْنَهُ أَوْ طَعْمَهُ أَوْ رِيحَهُ وَقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَيْسَ الْبَحْرُ هُوَ الطَّهُورُ مَاءُهُ وَالْحِجْلُ مَيْتَةٌ

مگر وہ جو اس كا رنگ یا مزہ یا بول بدل دے اور (اس لئے كِه) حضور ﷺ كا ہل كِه ہل كِه اس كا رنگ یا مزہ یا بول بدل دے اور (اس لئے كِه) حضور ﷺ كا ہل كِه ہل كِه اس كا رنگ یا مزہ یا بول بدل دے اور

وَمُطْلَقُ الْأَسْمِ يُطْلَقُ عَلَى هَذِهِ الْمِيَاهِ

اور مطلق اسم ان پانیوں پر بولا جاتا هے

## جن پانیوں سے طہارت حاصل کرنا صحیح هے

تشریح:۔ اخداث، خدث کی جمع هے اور خدث کی دو قسمیں ہیں خدث اصغر اور خدث اکبر۔ یاہوں كہا جائے كِه خدث کی دو قسمیں خدث غلیظہ اور خدث خفیف ہیں بہر حال اخداث سے پاکی حاصل کرنا جائِز هے آسمان كِے پَانِی كِے ساتھ وادیوں كِے پَانِی كِے ساتھ، چشموں كِے پَانِی كِے ساتھ، كنوؤں اور دریاؤں كِے پَانِی كِے ساتھ، دلیل باری تعالیٰ كا قول وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا یعنی هم نے آسمان سے پاک پانی اتارا اور حضور ﷺ کا قول الْمَاءُ طَهُورٌ لَا يَنْجِسُهُ خِثَاءٌ إِلَّا مَا غَيَّرَ لَوْنَهُ أَوْ طَعْمَهُ أَوْ رِيحَهُ یعنی پانی پاک هے اس كو كوئی چیز نا پاک نہیں كر سكتی مگر یہ كِه اس كا رنگ یا مزہ یا اسكى بو خفیر كر دے۔ اور اصحاب سنن اربعہ رحمہم اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت كیا هے۔ إِنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا نَرَكِبُ الْبَحْرَ وَنَحْمِلُ مَعَنَا الْقَلِيلَ مِنَ الْمَاءِ فَإِنْ تَوَضَّأْنَا بِهِ غَطَّيْنَا أَلْتَوَضَّأْنَا مِنَ الْبَحْرِ فَقَالَ عَلَيْهِ



الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ هُوَ الطَّهُورُ عَاوَةُ وَالْحِلُّ مَهْتَةُ یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول ہم دریاؤں میں سفر کرتے ہیں اور ہمارے ساتھ تھوڑا سا پانی ہوتا ہے پس اگر ہم اس سے وضو کریں تو بیا سے رہ جائیں گے، کیا ہم دریا کے پانی سے وضو کر لیا کریں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کا پانی پاک اور مردار حلال ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سمندر اور دریا کا پانی پاک ہے چشموں، کنوؤں اور وادیوں کا پانی بھی درحقیقت آسمان کا پانی ہے چنانچہ ارشاد ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَ بَيْنَ يَدَيْهِ فِي الْاَرْضِ یعنی کیا نہیں دیکھا تو نے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی پس چلایا اس کو بیچ چشموں کے بیچ زمین کے (ترجمہ شاہ رفیع الدین)

اور فرمایا اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةً مُّقْدِفَةً یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا پھر نالے اپنی مقدار کے موافق چلنے لگے (ترجمہ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)۔

صاحب ہدایہ کی پیش کردہ تینوں نصوص میں لفظ طہور واقع ہے اس سے پانی کا بذات خود پاک ہونا ثابت ہو جاتا ہے مگر دوسرے کو پاک کرنے والا ہونا ثابت نہیں ہوتا اس لئے اولیٰ یہ ہے کہ باری تعالیٰ کا قول وَيُنَزِّلُ عَلَيْكَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِيُطَهِّرَ بِهِ سے استدلال کیا جائے یعنی اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی اتارتا ہے تاکہ تم کو پاک کرے۔ اس آیت سے پانی کا طہر ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ مگر صاحب فتح القدیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ شریعت کی اصطلاح میں طہور اسی کو کہتے ہیں جو دوسرے کو پاک کرے۔ لہذا طہور کی اس تفسیر کے مطابق صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ نصوص کو دلیل میں پیش کرنا صحیح ہوگا۔

وَلَا يَجُوزُ بِمَا اُغْتَصِرَ مِنَ الشَّجَرِ وَالشَّمْرِ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمَاءٍ مُّطْلَقٍ

اور ایسی چیز سے (وضو) جائز نہیں ہے جو نہ ذکر حاصل کی گئی ہو (خواہ درخت سے یا پھل سے اس لئے کہ یہ ماء مطلق نہیں ہے

وَالْحُكْمُ عِنْدَ فَهْمِهِ مَقُولُ إِلَى التَّهْمِ وَالْوُطِيقَةُ فِيهِ عَلَيْهِ الْأَعْضَاءُ تَعْبِيدِيَّةٌ فَلَا تَعْلَى إِلَى غَيْرِ الْمَنْصُوصِ عَلَيْهِ

اور حکم پانی مقصور ہونے کی صورت میں حتم کی طرف منتقل کیا گیا ہے اور تکلیف ان اعضاء میں تعبدی ہے پس غیر منصوص علیہ کی طرف منتقل نہیں ہوگا

أَمَّا الْمَاءُ الَّذِي يَقْطُرُ مِنَ الْكَرَمِ فَيَجُوزُ التَّوَضُّؤُ بِهِ لِأَنَّهُ مَاءٌ خَرَجَ مِنْ غَيْرِ عِلَاجٍ فِي كَرَاهٍ فِي جَوَامِعِ

رہا وہ پانی جو انکار کے درخت سے خود ٹپکتا ہے تو اس سے وضو کرنا جائز ہے کیونکہ یہ پانی بغیر علاج کے نکل آیا۔ (ابو یوسف نے) یہ مسئلہ جوامع ابی یوسف

أَبَى يُوسُفَ وَفِي الْكِتَابِ إِشَارَةٌ إِلَيْهِ حَيْثُ ضَرَطَ الْإِغْتِسَارَ

میں ذکر کیا ہے اور کتاب میں اس طرف اشارہ ہے چنانچہ اغتسال کی شرط لگائی ہے

## درختوں اور پھلوں سے نچوڑے اور نچڑے ہوئے پانی سے طہارت کا حکم

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ جو پانی درخت یا کسی پھل سے نچوڑ کر نکالا گیا ہو اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ ماء مطلق نہیں۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی انسان کے گھر میں کنویں اور دریا کا پانی فرض کریں اور یہ نچوڑا ہوا پانی فرض کریں پھر کسی سے کہو کہ پانی لاؤ تو اول کی طرف ذہن منتقل ہوگا نہ کہ ثانی کی طرف پس ثابت ہوا کہ نچوڑا ہوا پانی ماء مطلق نہیں ہے۔ اور پانی نہ ہونے کی صورت میں حکم تنیم کی طرف منتقل کیا گیا ہے چنانچہ فرمایا کہ **فَلَمْ يَجِدْ فِي مَاءٍ فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا** پس معلوم ہوا کہ درخت یا پھل سے نچوڑا ہوا پانی وضو کے قابل نہیں ہے۔

وَالْوُطِئَةُ فِي هَذِهِ الْأَغْصَاءِ سے ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض یہ ہے کہ نچوڑا ہوا پانی اگرچہ ماء مطلق نہیں لیکن ماء مطلق کے حکم میں ہے۔ کیونکہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک اس سے نجاست حقیقہ کو زائل کرنا درست ہے پس جب نجاست حقیقہ زائل کرنے میں نچوڑے ہوئے پانی کو ماء مطلق کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے جیسا کہ شیخین نے کیا تو نجاست حکمیہ زائل کرنے میں بھی اس کو ماء مطلق کے ساتھ لاحق کرنا چاہیے تھا تا کہ نچوڑے ہوئے پانی سے وضو اور غسل زائل ہو جائے حالانکہ آپ ناجائز کہتے ہیں۔

جواب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ صحت قیاس کی شرط یہ ہے کہ اصل یعنی مقیس علیہ کا حکم خلاف قیاس نہ ہو پس اب جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ اعضاء اور بعد کو پاک کرنے کیلئے ماء مطلق کا استعمال خلاف قیاس ہے اس لئے کہ محدث کے اعضاء حقیقہ بھی پاک ہیں اور حکما بھی۔ حقیقہ تو اس لئے پاک ہیں کہ کوئی نجاست حقیقہ اس کے اعضاء پر نہیں لگی ہے اور حکما اس لئے پاک ہیں کہ اگر کسی شخص نے محدث یا جنبی کو اپنے اوپر لا کر نماز پڑھی تو اس کی نماز صحیح ہو جائے گی۔ حالانکہ اگر یہ شخص ہوتا تو اس کی نماز درست نہ ہوتی۔ بہر حال محدث کے اعضاء پاک ہیں اور پاک کو پاک کرنا محال ہے کیونکہ تحصیل حاصل ہے۔ اور ماء مطلق من کل وجہ ماء مطلق کے معنی میں بھی نہیں ہے کیونکہ ماء مطلق کو روکنے کی تدبیریں نہیں کی جاتیں۔ اور مفت دستیاب ہو جاتا ہے۔ اور ماء مقید کو روکا جاتا ہے اور وہ کسی کے ساتھ دستیاب ہوتا ہے بہر حال جب ماء مطلق کا اعضاء میں استعمال بھی خلاف قیاس ہے اور ماء مقید من کل وجہ ماء مطلق کے معنی میں بھی نہیں ہے تو ماء مقید کو ماء مطلق پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے ہم نے کہا ماء مطلق کا حکم اس کے علاوہ دوسری پاک پہنے والی چیزوں یعنی ماء مقید کی طرف متحدی نہیں ہوگا۔

اس کے برخلاف نجاست حقیقہ کہ ماء مطلق سے اس کا دور کرنا قیاس کے مطابق ہے لہذا ماء مقید یعنی دوسری پہنے والی چیزوں کو بھی اس پر قیاس کرنا درست ہوگا اور علت مشترکہ نجاست حقیقہ کو زائل کرنا ہے۔ رہا وہ پانی جو انگوٹھ کی نعل سے خود چپکتا ہے تو اس سے وضو کرنا جائز ہے کیونکہ یہ پانی ایسا ہے جو بغیر کسی دستکاری کے نکلا ہے۔ یہ مسئلہ جوامع ابی یوسف میں مذکور ہے اور قدوری میں بھی

اس طرف اشارہ ہے کیونکہ متین کے مسئلہ میں اعتصار (نچوڑنے) کی شرط لگائی ہے یعنی یہ کہا ہے کہ پانی درخت یا پھل سے نچوڑا ہو یہ نہیں کہا کہ خود نکلا ہو پس حاصل یہ نکلا کہ اگر نچوڑ کر پانی نکالا ہے تو اس سے وضو کرنا جائز ہے اور اگر خود بخود نکل آیا تو اس سے وضو کرنا جائز ہے۔ (فتح القدیر)

وَلَا يَجُوزُ بِمَاءٍ غَلَبَ عَلَيْهِ غَيْرُهُ فَأَخْرَجَهُ عَنْ طَبْعِ الْمَاءِ كَمَا لَا شَرْبَةَ

اور ایسے پانی کے ساتھ وضو جائز نہیں جس پر پانی کے علاوہ (دوسری چیز) غالب ہوگئی ہو پس اس نے پانی کو اپنی طبیعت سے نکال دیا ہو جیسے شربت

وَالْخَلِّ وَمَاءِ الْوَرْدِ وَمَاءِ الْبَاقِلِيِّ وَالْمَرْقِ وَمَاءِ الزَّرْدَجِ لِأَنَّهُ لَا يُسَمَّى مَاءً مُطْلَقًا

سرکہ اور گلاب اور لوسے کا پانی، شہد یا اورنگا جڑ کا پانی ہے کیونکہ (ان میں سے کسی کا نام) ماء مطلق نہیں رکھا جاتا

وَالْمُرَادُ بِمَاءِ الْبَاقِلِيِّ مَا تَغَيَّرَ بِالطَّبَخِ لِأَن تَغْيِيرَ بِلُونِ الطَّبَخِ يَجُوزُ التَّوَضُّعُ بِهِ

اور ماء باقلا سے مراد وہ پانی ہے جو پکانے سے تغیر ہو جائے پس اگر بغیر پکانے تغیر ہو جائے تو اس سے وضو کرنا جائز ہے

## کوئی دوسری چیز پانی میں مل جائے تو اس پانی سے طہارت کا حکم

**تشریح:-** مسئلہ یہ ہے کہ اگر پانی کے ساتھ دوسری چیز مل کر پانی پر غالب آگئی یہاں تک کہ پانی کو اس کی طبیعت سے خارج کر دیا (اور پانی کی طبیعت رقت اور سیلان ہے) تو ایسے پانی سے وضو کرنا شرعاً معتبر نہیں ہے جیسے شربت، سرکہ، گلاب کا پانی، لوسے کا پانی، شوربا اور زردک (یعنی گاجر) کا پانی۔

ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اگر اشربہ سے مراد وہ ہو جو درخت سے نکالا گیا ہے جیسے انار کا شربت، اناس کا شربت، اور سرکہ سے خالص سرکہ مراد ہو تو یہ دونوں اس پانی کی نظیر ہوں گی، جو درخت اور پھل سے نچوڑ کر نکالا گیا ہو۔

اور لوسے کا پانی اور شوربا اس پانی کی نظیر ہوں گی جس پر دوسری چیز غالب ہوگئی ہو۔ اور عہارت میں لف و نشر مرتب ہوگا یعنی بِمَا اُغْتَصِرَ مِنَ الشَّجَرِ وَالْقَمَرِ کی مثالیں مقدم ہیں۔ اور بِمَاءٍ غَلَبَ عَلَيْهِ غَيْرُهُ کی مثالیں مؤخر کی گئی ہیں۔ جیسے باری تعالیٰ کے قول وَمِنْ رَحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ الْآيِلَ وَالنَّجَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ میں لف و نشر مرتب کی صنعت ملحوظ ہے اور اگر اشربہ سے مراد وہ پانی ہے جس میں شیرینی ملا دی گئی ہو جیسے شیرہ ملا دیا یا شہد ملا دیا ہے اور سرکہ سے مراد وہ سرکہ ہے جو پانی کے ساتھ ملا دیا گیا ہو۔ تو اس صورت میں یہ تمام اس پانی کی نظیر ہوں گی جس پر دوسری چیز غالب ہوگئی ہو۔

اور اس پانی کے ساتھ وضو جائز نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ مطلق پانی نہیں کہلاتا ہے یعنی لفظ پانی سے ان پانیوں کی طرف ذہن منتقل نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ ان پانیوں سے پانی کی نفی کرنا درست ہے چنانچہ اگر کوئی شخص کہے کہ میں نے پانی نہیں پیا، حالانکہ اس نے لوسے کا پانی یا شوربا پیا ہے تو یہ شخص جھوٹا نہیں کہلائے گا۔ پس اگر یہ حقیقت پانی ہوتے تو ان سے پانی کی نفی کرنا درست نہ ہوتا۔

کیونکہ حقیقت مسکی سے ساقط نہیں ہوتی ہے۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ ماء باقلا سے مراد یہ ہے کہ پانی میں لوبیا ڈال کر پکا لیا جائے پھر اس سے وہ پانی خنیر ہو جائے تو اس سے وضو کرنا درست نہیں ہے۔ اور اگر بغیر پکائے ہی خنیر ہو گیا تو اس سے وضو کرنا جائز ہے۔

وَيَجُوزُ الطَّهَارَةُ بِمَاءٍ خَالَطَهُ شَيْءٌ ظَاهِرٌ لِّغَيْرٍ أَحَدٍ أَوْ صَافٍ

اور ایسے پانی کے ساتھ پاک حاصل کرنا جائز ہے جس میں کوئی پاک چیز مل گئی ہو۔ پس اس نے پانی کے اوصاف میں سے کسی ایک کو خنیر کر دیا ہو

كَمَاءِ الْمَدِّ وَالْمَاءِ الَّذِي اخْتَلَطَ بِهِ الزُّعْفَرَانُ أَوِ الصَّابُونُ أَوْ اشْتَانَ قَالَ أَجْرَى لِي الْمَخْصَرِ مَاءَ الزُّرْدِجِ

جیسے سیلاب کا پانی اور وہ پانی جس میں زعفران یا صابون یا اشتان مل گئی ہو۔ مصنف نے کہا کہ مختصر القدوری میں امام قدوری نے گاجر کے پانی کو

مَجْرَى الْمَرْوِيِّ وَالْمَرْوِيُّ عَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ مَاءِ الزُّعْفَرَانِ هُوَ الصَّحِيحُ كَذَا اخْتَارَهُ النَّاطِقِيُّ

شور بہکی مانند قرار دیا ہے۔ اور امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ یہ ماء زعفران کے مرتبہ میں ہے کما قول مج ہے۔ یہی ناظمی اور امام سہرخی نے

وَالْإِمَامُ الشَّرْحُوسِيُّ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا يَجُوزُ التَّوَضُّعُ بِمَاءِ الزُّعْفَرَانِ وَأَشْبَاهِهِ مِمَّا لَيْسَ مِنْ جِنْسِ الْأَرْضِ

اعتبار کیا ہے۔ اور امام شافعی نے فرمایا کہ زعفران اور ان کی مانند چیزیں جو زمین کی جنس سے نہیں ہیں ان کے پانی سے وضو کرنا جائز نہیں ہے

لِأَنَّهُ مَاءٌ مُّقْبِلٌ لَا يَرَى أَنَّهُ يُقَالُ مَاءُ الزُّعْفَرَانِ بِخِلَافِ أَجْزَاءِ الْأَرْضِ لِأَنَّ الْمَاءَ لَا يَخْلُو عَنْهَا عَادَةً

کیونکہ یہ مقید پانی ہے۔ کیا وہ دیکھتا نہیں کہ اس کو ماء زعفران کہا جاتا ہے۔ بخلاف زمین کے اجزاء کے اس لئے کہ عادتاً اس سے کوئی پانی خالی نہیں ہے

وَلَنَا إِسْمُ الْمَاءِ بَاقٍ عَلَى الْإِطْلَاقِ لَا يَرَى أَنَّهُ لَمْ يَتَجَدَّدْ لَهُ إِسْمٌ عَلَى حِدَةٍ وَاضَافَتْهُ إِلَى الزُّعْفَرَانِ

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ پانی کا نام علی الاطلاق باقی ہے کیا وہ دیکھتا نہیں کہ اس کا علیحدہ کوئی نیا نام نہیں ہے اور زعفران کی طرف اس کی

كَإِضَافَتِهِ إِلَى الْبَيْرِ وَالْعَيْنِ وَلِأَنَّ الْخَلْطَ الْقَلِيلَ لَا يُعْتَبَرُ بِهِ

نسبت کرنا ایسا ہے جیسے کہ کوئیں اور چشمہ کی طرف اس کی نسبت کرنا اور اس لئے کہ تھوڑی سی آمیزش کا اعتبار نہیں ہوتا

لَعَلَّامُ امْكَانِ الْأَخْرَافِ عَنْهُ كَمَا لِي أَجْزَاءُ الْأَرْضِ فَتُحْتَبَرُ الْغَالِبُ وَالْعَلْبَةُ بِالْأَجْزَاءِ لَا بِتَغْيِيرِ اللَّوْنِ هُوَ الصَّحِيحُ

کیونکہ اس سے پتا ممکن نہیں ہے جیسے زمین کے اجزاء میں پس غالب کا اعتبار کیا جائے گا اور غلبہ کا اعتبار اجزاء سے ہے نہ کہ رنگ بدلنے سے کما مگر ہے

ظاہر چیز پانی میں مل جائے اور اس کے ایک وصف کو تبدیل کر دے ایسے پانی سے طہارت کا حکم

تشریح :- مسئلہ یہ ہے کہ اگر پانی میں کوئی پاک چیز مل گئی اور اس نے پانی کے تینوں اوصاف رنگ، حرہ، بو میں سے کسی

ایک وصف کو خنیر کر دیا تو اس پانی سے وضو کرنا جائز ہے جیسے سیلاب کا پانی یا زعفران یا صابون یا اشتان ملا ہوا پانی۔ اشتان ایک شور گھاس

ہے جو شورز میں اُگتی ہے۔ اور صابن کی طرح کپڑے کو صاف کر دیتی ہے۔ مصنف قدوری کی عبارت اس طرف مشیر ہے کہ اگر پانی کے دو وصف یا تینوں وصف خفیہ ہو گئے تو اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے۔ اور نہ ہیہ میں لکھا ہے کہ اساتذہ سے منقول ہے کہ اس سے وضو کرنا جائز ہے حتیٰ کہ خریف کے زمانے میں جب حوضوں میں درختوں کے پتے گر جاتے اور ان سے پانی کے تینوں اوصاف رنگ، حرہ و بوبدل جاتے تو بھی یہ حضرات بغیر تکبیر کے اس سے وضو کرتے تھے۔ پس معلوم ہوا کہ تینوں اوصاف خفیہ ہو جانے کے باوجود وضو کرنا جائز ہے۔

شرح طحاوی میں اسی کی طرف اشارہ ہے مگر یہ شرط ہے کہ پانی کی رقت باقی نہ رہے چنانچہ اگر کسی چیز کے ملنے سے پانی گاڑھا ہو گیا تو اس سے وضو کرنا ان حضرات کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔ علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ فقیر احمد بن ابراہیم الحمیدانی رحمۃ اللہ علیہ سے اس پانی کے بارے میں دریافت کیا گیا جس کا رنگ کثرت اوراق کی وجہ سے خفیہ ہو گیا ہے چنانچہ جب بھی ہاتھ میں پانی اٹھایا جائے تو چوں کہ رنگ ظاہر ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ ایسے پانی سے وضو کرنا جائز نہیں ہے لیکن اس کا پینا اور دوسری چیزوں کو اس سے دھونا جائز ہے کیونکہ یہ پاک ہے اور وضو کرنا اس لئے جائز نہیں کہ جب پانی پر چوں کہ رنگ غالب ہو گیا تو وہ ماء مقید ہو گیا جیسے لوہے کا پانی، اور سابق میں گذر چکا کہ ماء مقید سے وضو کرنا جائز نہیں ہے۔

یہاں مصنف کی عبارت پر ایک اشکال ہو گا وہ یہ کہ سابق میں حضور ﷺ کا قول **إِلَّا مَا غَيَّرَ طَعْمَهُ أَوْ لَوْنَهُ أَوْ بُوْهُ** گذرا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر پانی کا ایک وصف بھی خفیہ ہو گیا تو اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے۔ حالانکہ مصنف قدوری اس صورت میں جواز کے قائل ہیں۔

جواب یہ ہے کہ حدیث میں شے سے مراد شے نجس ہے یعنی **لَا يَنْجِسُهُ شَيْءٌ نَجَسٌ** اور یہ حدیث ماء جاری کے بارے میں وارد ہوئی ہے اب حدیث کا مطلب یہ ہو گا کہ جاری پانی پاک ہے کوئی ناپاک چیز اس کو نجس نہیں کر سکتی مگر یہ کہ اس کا رنگ یا حرہ یا بو خفیہ ہو گئی ہو یعنی اگر نجاست دکھائی دے یا اس کا حرہ یا بو محسوس ہو تو اس پانی کا استعمال جائز نہیں ہے کیونکہ یہ اوصاف قیام نجاست پر دلالت کرتے ہیں۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مختصر القدری میں زردک (گاجر) کے پانی کو شوربے کے مرتبے میں رکھا ہے یعنی دونوں سے وضو کرنا جائز ہے۔ اور امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ زردک کا پانی زعفران کے پانی کے مرتبہ میں ہے یعنی ایک وصف خفیہ ہونے کی صورت میں دونوں سے وضو کرنا جائز ہے اور امام ناظمیؒ اور امام سرہنسیؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

امام شافعیؒ نے فرمایا کہ زعفران اور اس کی مانند جو چیزیں زمین کی جنس سے نہیں ہیں ان کے پانی سے وضو کرنا جائز نہیں ہے دلیل یہ ہے کہ یہ مقید پانی ہے چنانچہ اس کو آب زعفران یعنی زعفران کا پانی کہا جاتا ہے اور اضافت چونکہ موجب تنقید ہے جیسے ماء شجر ماء ثمر اور ماء ورد، اس لئے ماء زعفران بھی ماء مقید ہو گا نہ کہ مطلق، اور ماء مطلق نہ ہونے کی صورت میں قیتم کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَلَمْ يَجْعَلْ مِنْ مِثْلِهِ مَاءً مُطْلَقًا فَحَبِّمُوا لِحُسْنِ عَابِتِ ہوا کہ زعفران وغیرہ کے پانی کی موجودگی میں تیمم کرنا جائز ہے برخلاف زمین کے اجزاء کے کیونکہ عادتاً کوئی پانی زمین کے اجزاء کے میل سے خالی نہیں پایا جاتا پس جب کوئی پانی زمینی اجزاء سے خالی نہ ہوا تو معلوم ہوا کہ اجزاء ارضی کے مخلوط ہونے سے آب مطلق میں فرق نہیں آتا حاصل یہ ہوا کہ پانی میں اگر زمین کے اجزاء مل گئے تو یہ پانی مطلق ہی رہے گا اور اس سے وضو کرنا جائز ہوگا۔ اور اگر زمین کے اجزاء کے علاوہ کوئی چیز پانی میں مخلوط ہوگئی تو وہ آب مقید ہوگا اور اس سے وضو کرنا جائز ہوگا اور ہماری دلیل یہ ہے کہ پانی کا نام علی الاطلاق باقی ہے چنانچہ آپ دیکھئے کہ اس کا علیحدہ کوئی نیا نام نہیں ہوا ہے۔

اور اگر کوئی کہے کہ زعفران کا پانی اضافت کے ساتھ نیا نام ہے کیونکہ پہلے بغیر اضافت کے تھا اور اب اضافت ہوگئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ زعفران کی طرف اس کی نسبت کرنا ایسا ہے جیسے کنویں اور چشمہ کی طرف نسبت کرنا ہے یعنی جس طرح کنویں کا پانی یا چشمہ کا پانی مطلق ہے اسی طرح زعفران کا پانی بھی مطلق ہے لیکن اس پر اعتراض ہوگا کہ یہی حال ماء ہاتھا اور ماء ورد کا ہے لہذا ان سے بھی وضو کرنا جائز ہونا چاہیے حالانکہ آپ عدم جواز کے قائل ہیں۔

جواب: بلاشبہ ماء ہاتھا میں اضافت کے علاوہ کوئی نیا نام پیدا نہیں ہوا لیکن باطلا کے لئے کی وجہ سے پانی اپنی طبیعت پر باقی نہیں رہتا اس لئے اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ زعفران اگر پانی میں اتنی کثیر مقدار میں مخلوط ہوگئی کہ پانی کی طبیعت یعنی رقت زائل ہوگئی تو اس سے بھی وضو کرنا جائز نہیں ہے۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ تمہاری ہی آمیزش ایسی چیز ہے جس کا اعتبار نہیں ہوگا کیونکہ اس سے احتراز ممکن نہیں ہے جیسے زمین کے اجزاء خاک کی سے احتراز ممکن نہیں ہے پس لامحالہ غالب کا اعتبار ہوگا۔ یہی بات کہ غلبہ کس طرح مستتر ہے اجزاء کے اعتبار سے یا رنگ کے اعتبار سے تو فرمایا کہ غلبہ اجزاء کے اعتبار سے مستتر ہے نہ کہ رنگ بدلنے سے بھی صحیح ہے۔

وَإِنْ تَغَيَّرَ بِالطَّبِخِ بَعْدَ مَا خَلَطَ بِهِ غَيْرُهُ لَا يَجُوزُ التَّوَضُّؤُ بِهِ لِأَنَّهُ لَمْ يَبْقَ

اور اگر پانی پکانے سے خفیہ ہو جائے بعد اس کے کہ اس کے ساتھ غیر چیز مل گئی ہو تو اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ (پکایا ہوا پانی)

فِي مَقْنَى الْمُنْزَلِ مِنَ السَّمَاءِ إِلَّا إِذَا طَبَخَ فِيهِ مَا يَقْصَدُ بِهِ الْمُبَالَغَةُ فِي النَّظَافَةِ كَمَا لَا شَنْانَ وَنَحْوَهُ

آسمان سے اتارے ہوئے کے معنی میں نہیں رہا مگر جبکہ اس پانی میں ایسی چیز پکائی گئی ہو جس سے زیادہ نظافت مقصود ہو جیسے آسمان اور اس جیسی چیزیں

لِأَنَّ الْمَيِّتَ يُغْسَلُ بِالْمَاءِ الَّذِي أُغْلِيَ بِالسَّيْرِ بِذَلِكَ وَرَدَّتِ السُّنَّةُ إِلَّا

کیونکہ مردے کو ایسے پانی سے نہلاتے ہیں جسکو بیک چوں کے ساتھ جوش دیا گیا ہو۔ اسی طریقہ پر سنت وارد ہوئی ہے مگر یہ کہ

أَنْ يَغْلِبَ ذَلِكَ عَلَى الْمَاءِ فَيَصِيرُ كَالسَّوِيقِ الْمَخْلُوطِ لِزَوَالِ إِسْمِ الْمَاءِ عَنْهُ

وہ (نظافت والی) چیز پانی پر غالب آجائے پس یہ (پانی میں) ملے ہوئے ستو کے مانند ہو جائے گی کیونکہ اس سے پانی کا نام زائل ہو گیا ہے



## کوئی چیز ملا کر پکائے گئے پانی سے طہارت کا حکم

تشریح:- مسئلہ یہ ہے کہ اگر پانی میں کوئی چیز ڈال کر اس کو پکایا گیا تو اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے لیکن اگر خالی پانی پکایا اور وہ پکانے کی وجہ سے متغیر ہو گیا تو اس سے وضو کرنا جائز ہے۔ کیونکہ کسی چیز کو ملا کر پکایا ہوا پانی آسمان سے اُتارے ہوئے پانی کے معنی میں نہیں رہا اس لئے اس سے وضو کرنا جائز ہوگا۔ ہاں اگر پانی میں ایسی چیز پکائی گئی ہو جس سے نکافت زیادہ متصور ہو جیسے شتان وغیرہ تو اس سے وضو کرنا جائز ہوگا۔ کیونکہ مردے کو ایسے پانی سے غسل دیا جاتا ہے جس میں ہیری کے بچے ڈال کر جوش دیا گیا ہو اور اسی پر سنت وارد ہوئی ہے۔ صاحب شرح نقایہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سنت کے وارد ہونے کو تو خدا بہتر جانے مگر صحیحین میں اس شخص کے بارے میں جو اپنے ناقہ سے گر پڑا اور گردن ٹوٹ کر مر گیا تھا یہ وارد ہے اُغْلِیْ بِالْبَسْلِ یعنی اس شخص کو پانی اور ہیری سے غسل دو حدیث میں اُغْلِیْ بِالْبَسْلِ نہیں ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے۔ مگر ہم جواب دیں گے پانی اور ہیری کے چوں سے غسل دینا اسی وقت متصور ہوگا جبکہ ان دونوں کو غلط ملط کر لیا ہو اور اختلاط بغیر پکائے نہیں ہو سکتا۔ اس لئے قاضی مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اُغْلِیْ بِالْبَسْلِ فرمایا، اور حدیث کی مراد بیان فرمائی۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اگر مہالہ فی النکافۃ کے واسطے کوئی چیز پانی میں ڈال کر جوش دی گئی ہو تو وہ پانی پر غالب نہ ہو۔ چنانچہ اگر وہ غالب ہوگئی تو اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہوگا جیسے پانی میں ستو ڈال کر اس کو ملا دیا تو اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں پانی کا نام ہی زائل ہو گیا ہے۔

وَكُلُّ مَاءٍ وَقَعَتِ النَّجَاسَةُ فِيهِ لَمْ يَجْزِ الْوُضُوءُ بِهِ قَلِيلًا كَانَتْ النَّجَاسَةُ أَوْ كَثِيرًا وَقَالَ مَالِكٌ

اور ہر وہ پانی کہ جس میں نجاست گر جائے تو اس پانی کے ساتھ وضو جائز نہیں ہے (خواہ) نجاست تھوڑی ہو یا زیادہ۔ اور امام مالکؒ نے فرمایا

يَجُوزُ مَا لَمْ يَتَغَيَّرْ أَحَدٌ أَوْ صَافٍ لِمَا رَوَيْنَا وَقَالَ

کہ جائز ہے جب تک کہ پانی کے اوصاف میں سے ایک وصف متغیر نہ ہوا ہو۔ اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی ہے۔ اور امام شافعیؒ

الشَّافِعِيُّ يَجُوزُ إِنْ كَانَ الْمَاءُ قَلَتَيْنِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذَا بَلَغَ الْمَاءُ قَلَتَيْنِ لَا يَحْمِلُ خَبثًا وَلَنَا

نے کہا کہ جائز ہے اگر پانی دو قلوں تک ہو کیونکہ حضور ﷺ کا قول ہے کہ جب پانی دو قلوں تک پہنچ جائے تو وہ نجاست نہیں اٹھاتا۔ اور ہماری دلیل

حَدِيثُ الْمُسْتَقِظِ مِنْ مَنَابِهِ وَقَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يَتَوَلَّنُ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ وَلَا يَحْتَسِلُنْ فِيهِ مِنَ الْجَنَابَةِ

حدیث المستقیظ من منابہ ہے اور حضور ﷺ کا قول ہے کہ تم میں سے کوئی شخص نہ ہوئے پانی میں ہرگز بیٹھنا نہ کرے اور نہ اس میں جنابت سے غسل کرے

مِنْ غَيْرِ فَضْلٍ وَالَّذِي رَوَاهُ مَالِكٌ وَرَدَّ فِي بَيْرِ بُضَاعَةٍ وَمَاوَةٌ كَانَ جَارِيًا فِي

(حدیث میں) بغیر کسی تفصیل کے۔ اور وہ حدیث جیسے امام مالکؒ نے روایت کیا ہے وہ بئر بضاعہ کے حق میں وارد ہوئی ہے اور بئر بضاعہ کا پانی پاؤں میں جاری تھا

الْبَسَائِينَ وَمَا رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ ضَعْفَهُ أَبُو دَاوُدَ وَهُوَ يَضَعُفُ عَنْ إِحْتِمَالِ النُّجَاسَةِ

اور جو حدیث امام شافعی نے روایت کی ہے اس کو ابو داؤد نے ضعیف کہا ہے۔ یا (حدیث کا یہ معنی ہے کہ) وہ نجاست اٹھانے سے کمزور ہو جاتا ہے

## غیر جاری پانی میں نجاست کے گرنے سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے یا نہیں اس سے طہارت حاصل کرنے کا حکم

تشریح :- عہارت میں ماء سے مراد وہ ہے جو نہ ماء جاری ہو اور نہ ماء جاری کے حکم میں ہو۔ کیونکہ ماء جاری کا حکم بعد والے مسئلہ میں مذکور ہے۔ ہدایہ کے بعض نسخوں میں ہے قَلِيلًا كَانَتْ النُّجَاسَةُ أَوْ كَثِيرًا اور بعض نسخوں میں ہے قَلِيلًا كَانَتْ أَوْ كَثِيرًا پہلے نسخہ کی بناء پر توجہ یہ ہوگی کہ قلیل اور کثیر فعلیل کے وزن پر ہے فاعل کے معنی میں مگر فعلیل بمعنی فاعل کو علامت تانیف حذف کرنے میں فعلیل بمعنی مفعول کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جیسے ہاری تعالیٰ کے قول لَنْ رَحِمَکَ اللّٰهُ قَرِیْبًا مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ میں قَرِیْبًا سے علامت تانیف "تا" کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اس نسخہ کی بناء پر مسئلہ کی صورت یہ ہوگی کہ ہر ایسا پانی کہ جس میں نجاست پڑ جائے اس سے وضو جائز نہیں ہے نجاست خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو۔ قلیل کی قید سے امام مالک کے قول سے احتراز کیا ہے کیونکہ امام مالک کے نزدیک نجاست قلیلہ پانی ناپاک نہیں کرتی ہے تا وقتیکہ پانی کے اوصاف ثلاثہ میں سے کوئی ایک وصف خیر نہ ہو جائے۔ اور دوسرے نسخہ کی توجہ یہ ہوگی کہ شہر اہوا پانی تھوڑا ہو یا زیادہ اگر اس میں نجاست پڑ جائے تو اس سے وضو جائز نہیں ہے۔ قلیل پانی سے مراد یہ ہے کہ وضو اور غسل کیلئے کافی ہو جائے۔ عہارت میں قلیلہ کی قید سے امام مالک کے قول سے احتراز ہے اور کثیراً کی قید سے امام شافعی کے قول سے احتراز ہے اس لئے کہ امام مالک قلیل پانی سے وضو جائز قرار دیتے ہیں اگرچہ اس میں نجاست پڑ گئی ہو جب تک کہ پانی کے تینوں اوصاف میں سے کوئی ایک وصف خیر نہ ہو جائے اور استدلال اس روایت سے کرتے ہیں جو سابق میں گذر چکی ہے یعنی اَلْمَاءُ طَهُورٌ لَا یَنْجَسُ شَيْءٌ اِلَّا مَا غَرَسَ لَوْنُهُ اَوْ طَعْمُهُ اَوْ رِيْحُهُ۔

اور حضرت امام شافعی نے فرمایا کہ اگر پانی دو قطرہ ہو اور اس میں نجاست گر گئی ہو تو اس سے وضو جائز ہے اور دلیل میں حدیث قلعین کو پیش کرتے ہیں یعنی جب پانی دو قطرہ کو پہنچ جائے تو وہ نجاست نہیں اٹھاتا ہے۔

ہماری دلیل حضور ﷺ کا قول اِذَا اسْتَوَقَطَ اَحَدُکُمْ مِنْ مَنَابِہِ فَلَا یَغْتَسِلُ یَذْءُ فِی الْاِنَاءِ حَتّٰی یَفْصِلَهَا ثَلَاثًا ہے۔ اس حدیث سے اس طور پر استدلال ہوگا کہ جب نجاست کے احتمال کی وجہ سے پانی میں ہاتھ ڈالنے سے منع کیا گیا ہے۔ تو حقیقت نجاست سے بدرجہ اولیٰ پانی ناپاک ہو جائے گا۔

دوسری دلیل حضور ﷺ کا قول لَا یُؤَلِّکُمْ اَحَدُکُمْ فِی الْمَاءِ الدَّائِمِ وَلَا یَغْتَسِلُ فِیْهِ مِنَ الْجَنَابَةِ ہے یہ حدیث

دونوں کے خلاف حجت ہے۔ امام مالکؒ کے خلاف تو اس لئے کہ ٹہرے ہوئے پانی میں غسل جنابت سے منع کیا گیا ہے حالانکہ غسل جنابت سے پانی کا کوئی وصف بالیقین خفیہ نہیں ہوتا۔ اور امام شافعیؒ کے خلاف اس لئے حجت ہے کہ یہ حدیث مطلق ہے اس میں قلعین اور غیر قلعین کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام مالکؒ کی پیش کردہ حدیث **الْمَاءُ طَهُورٌ بَعْدَ بَضَاءٍ** کے حق میں وارد ہوئی ہے۔ اور بے بضاعہ کا پانی باغوں میں جاری تھا۔

صاحب حنایہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بے بضاعہ سے پانچ باغ سیراب کئے جاتے تھے پس وہ ماہ جاری کے حکم میں ہوا۔ اور آپ جاری سے ہمارے نزدیک بھی وضو جائز ہے اگرچہ اس میں نجاست گر جائے۔ پوری حدیث اس طرح ہے:-

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ **مِنْ بَيْرِ بَضَاعَةٍ وَهِيَ تُلْقَى فِيهَا الْجَحِشُ وَالْحُمُومُ الْكِلَابُ وَالْتَنُّ** فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ **إِنَّ الْمَاءَ طَهُورٌ لَا يُنَجِّسُهُ خَشْيَةُ الْحَدِيثِ**. (ترمذی، نسائی، ابوداؤد).

یعنی ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کیا ہم بے بضاعہ (کے پانی) سے وضو کر لیں اور انحالیکہ اس میں جیش کے کپڑے، کتوں کا گوشت اور بدبودار چیزیں کوڑا کرکٹ گر جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ پانی پاک ہے اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی مگر یہ کہ اس کا کوئی ایک وصف خفیہ ہو جائے۔ پس جب یہ حدیث بے بضاعہ (ماہ جاری) کے حق میں جاری ہوئی ہے تو اس سے آپ را کہ یعنی ٹہرے ہوئے پانی کے نجس نہ ہونے پر استدلال کرنا کیسے درست ہوگا۔

اس جگہ مصنف علیہ الرحمۃ پر ایک اعتراض وارد ہو سکتا ہے وہ یہ کہ اول باب میں مصنف ہدایہ نے اس حدیث سے مطلقاً پانیوں کے پاک ہونے پر استدلال کیا ہے اور یہاں اس کو بے بضاعہ پر محمول کیا ہے پس **الْمَاءُ طَهُورٌ** میں لام اگر جنس کے لئے ہے تو اس حدیث سے مطلقاً پانیوں کے پاک ہونے پر استدلال کرنا تو صحیح ہے مگر بے بضاعہ پر محمول کرنا باطل ہے۔ اور اگر لام عہد کا ہے تو بے بضاعہ پر محمول کرنا درست ہوگا مگر مطلقاً پانیوں کے پاک ہونے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

صاحب حنایہ رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ علاؤ الدین عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے یہ جواب دیا ہے کہ لام جنس کا ہے اور اس حدیث سے استدلال کرنا صحیح ہے اور بے بضاعہ پر حمل کرنا بھی باطل نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث دو مقدموں پر مشتمل ہے (۱) **الْمَاءُ طَهُورٌ** (۲) **لَا يُنَجِّسُهُ خَشْيَةُ**۔ پس پہلے مقدمہ سے پانیوں کے پاک ہونے پر استدلال کیا گیا ہے اور دوسرے مقدمہ کو بے بضاعہ پر محمول کیا گیا ہے۔ یہی بات کہ **لَا يُنَجِّسُهُ** کی ضمیر راجع ہے الماء کی طرف اور الماء میں لام جنس کا مانا ہے پس معین یعنی بے بضاعہ پر محمول کرنا کیسے درست ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں صنعت استخام ہے۔ استخام یہ ہے کہ ایک لفظ کے دو معنی ہوں اس لفظ سے ایک معنی

مراد ہوں اور اس کی ضمیر سے دوسرے معنی مراد ہوں۔ پس یہاں الْمَاءُ طَهُوْرٌ میں لفظ الماء سے جس ماء (پانی) اور مطلق ماء مراد لے کر پانیوں کے پاک ہونے پر استدلال کیا ہے اور جب لَا يَنْجِسُهُ کی ضمیر راجع کی تو بصر بضا کا پانی مراد لیا ہے اس کی نظیر یہ شعر ہے

إِذَا تَرَى السَّمَاءَ بِأَرْضٍ قَوْمٌ  
بِمَاءٍ غَيْنَاهُ وَإِنْ تَكُنُوا غَضَابًا

☆ جب کسی قوم کی زمین پر بارش برتی ہے ☆ تو ہم گھاس چراتے ہیں اگر چہ وہ غضبناک ہوں

شاعر نے اس شعر میں لفظ مسماء سے بارش اور دغیناء کی ضمیر مفعول سے سبزہ، گھاس مراد لیا ہے۔

**فائدہ:-** بضا ہا کے کسرہ اور ضمیدوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے (صحاح) اور مغرب میں ہے کہ صرف کسرہ کے ساتھ آیا ہے۔

اور بضا، مدینہ منورہ میں ایک بہت پرانا کنواں ہے اس میں پانی بہت ہے بعض لوگوں نے کہا کدہ ہشت در ہشت ہے یعنی

آٹھ گز لمبا اور اتنا ہی چوڑا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ اس سے پانچ یا سات باغوں میں پانی دیا جاتا تھا۔

اور رقی حدیث قلعین جس کو امام شافعی نے روایت کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں ضعف ہے۔ امام

ابوداؤد سلیمان بن الاصفہ البستانی نے اس کو ضعیف کہا ہے چنانچہ فرمایا کہ حدیث قلعین ثابت نہیں ہے۔ اور محمد بن اسماعیل بخاری کے

استاذ علی بن مدینی نے کہا لَمْ يَكُنْ حَدِيثُ الْقَلْعَيْنِ نِزَائِنَ مِثْلِ مِثْلِ رِضَى اللَّهِ تَعَالَى عَنْهُمْ نے ہر زمرہ کا پانی نکالنے کا حکم دیا جبکہ

اس میں ایک جہشی کر کر مر گیا۔ پس اگر حدیث قلعین صحیح ہوتی تو بقیہ صحابہ اور تابعین ان دونوں کے خلاف حدیث قلعین سے احتجاج کرتے۔

پس معلوم ہوا کہ حدیث قلعین کسی خاص واقعہ میں شاذ ہے لہذا حدیث بِمَاءٍ غَسَّ النَّارُ کی طرح حدیث قلعین کو بھی رد کر دیا جائیگا۔

پھر اس حدیث کے متن میں بھی اضطراب ہے چنانچہ بعض روایات میں ہے إِذَا بَلَغَ الْمَاءُ قَلْعَيْنِ أَوْ فَلَاحًا اور بعض ہے۔

أَرْبَعِينَ قَلْعًا اور بعض میں ہے أَرْبَعِينَ غُرْبًا اور بعض میں ہے أَرْبَعِينَ دَلْوًا۔

نیز دوسرا جز بعض روایات میں لَا يَنْجِئُ الْخَبَثُ ہے اور بعض میں ہے لَمْ يَنْجِسْ اور بعض میں ہے لَمْ يَنْجِسْهُ

خَبَثٌ اور بعض میں ہے لَمْ يَنْجِئْ خَبَثًا اور متن میں اضطراب موجب ضعف ہوتا ہے اگرچہ رجال کتنے ہی ثقہ ہوں درآنحالیکہ اس

حدیث کی سند میں بھی اضطراب ہے۔

نیز قلعہ فی نفسہ مجہول ہے کیونکہ قلعہ سے قامت رجل مراد ہوتا ہے اور کبھی راس جبل اور کبھی گھڑے کے معنی مراد ہوتے ہیں

اور کبھی ملک کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور جس طرح لَا يَنْجِئُ خَبَثًا کے وہ معنی ہیں جو امام شافعی نے مراد لئے یعنی اگر پانی دو قلعہ

ہو تو نجاست کو قبول نہیں کرتا بلکہ اس کو دور کرتا ہے اسی طرح یہ بھی معنی ہیں کہ وہ احتمال نجاست سے کمزور ہو جاتا ہے یعنی ناپاک ہو جاتا

ہے پس اتنے اضطرابات اور احتمالات کے رہتے ہوئے یہ حدیث قابل استدلال نہیں ہو سکتی۔

وَالْمَاءُ الْجَارِي إِذَا وَقَعَتْ فِيهِ نَجَاسَةٌ جَازَ الْوُضُوءُ بِهِ إِذَا لَمْ يُرْلَقْ أَثَرُ لَانْهَا لَا تَسْفِرُ مَعَ جَرَيَانِ الْمَاءِ وَالْأَثَرُ

هُوَ الطَّعْمُ أَوِ الرَّابِحَةُ أَوِ اللَّوْنُ وَالْجَارِي مَا لَا يَتَكَوَّرُ اسْتِعْمَالُهُ وَقِيلَ مَا يَلْهَبُ بَعْثَةً۔

اور بہت پانی جب اس میں نجاست گر جائے تو اس سے وضو جائز ہے۔ جبکہ اس نجاست کا کوئی اثر نہ دکھائی دے۔ کیونکہ نجاست پانی کے بہاؤ کے ساتھ

نہیں ٹھہرتی ہے اور اثر حرہ یا یویارنگ ہے۔ فوراً آب جاری وہ کھلتا ہے جس کا استعمال مکرر نہ ہو اور کھا گیا کہ آب جاری وہ ہے جو تنکا بہالے جاوے۔

## ماء جاری میں وقوع نجاست سے طہارت کا حکم

تشریح :- مسئلہ یہ ہے کہ اگر جاری پانی میں نجاست پڑ جائے تو اس سے وضو جائز ہے بشرطیکہ نجاست کا کوئی اثر معلوم نہ ہو خواہ نجاست مرئی ہو یا غیر مرئی ہو دلیل یہ ہے کہ نجاست پانی کے بہاؤ کے ساتھ ٹھہرتی نہیں ہے اس لئے نجاست گرنے کے باوجود آب جاری پاک ہی رہے گا اور نجاست کے اثر سے مراد اس کا مزہ یا بو یا رنگ ہے۔

آب جاری کی تعریف میں فقہاء کا اختلاف چنانچہ بعض فقہاء نے کہا کہ آب جاری وہ ہے جس کا استعمال مکرر نہ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ جب نہر سے پانی لے کر ہاتھ دھویا اور وہ پانی نہر میں گرا تو دوسری مرتبہ جب نہر سے پانی لیا جائے تو پہلے پانی میں سے کچھ نہ ہو بلکہ پہلا پانی بہہ کر آگے چلا گیا ہو۔

اور بعض کا خیال ہے کہ آب جاری وہ ہے جو خشک نکا بہا لے جائے۔ اور بعض نے کہا کہ آب جاری یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مرنا اپنا ہاتھ پانی میں رکھ دے تو پانی کا بہاؤ نہ رکے۔ اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ لوگ جس کو جاری شمار کریں وہ آب جاری ہوگا۔

فوائد :- امام محمدؒ نے کہا کہ اگر دریاے فرات میں کسی نے شراب کا مٹکا توڑ دیا اور اس سے میچے بہاؤ کی طرف کوئی شخص وضو کرتا ہے تو جب تک پانی میں شراب کا مزہ یا بو یا رنگ نہ محسوس کرے تو وضو جائز ہے۔ امام محمدؒ کی اس روایت سے بھی متن کے مسئلہ کی تائید ہوتی ہے۔ (فتح القدیر)

وَالْعَبِيرُ الْعَظِيمُ الَّذِي لَا يَتَحَرَّكُ أَحَدُ طَرَفَيْهِ بِتَحَرُّكِكَ الطَّرَفِ الْآخَرَ إِذَا وَقَعَتْ نَجَاسَةٌ فِي أَحَدِ جَانِبَيْهِ
اور ایسا بڑا اتالا ب کس کا ایک کنارہ دوسرے کنارے کو حرکت دینے سے متحرک نہ ہو جب اس کی ایک جانب میں نجاست پڑ جائے تو
جَازَ الْوُضُوءُ مِنَ الْجَانِبِ الْآخَرِ لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّ النِّجَاسَةَ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ إِذَا أَثَرُ التَّحَرُّكِ
دوسری جانب سے وضو جائز ہے کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ نجاست دوسری جانب تک نہیں پہنچی کیونکہ حرکت دینے کا اثر پھیل جانے میں بہ نسبت
فَوْقَ أَثَرِ النِّجَاسَةِ ثُمَّ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يُعْتَبَرُ التَّحَرُّكِ بِالْإِغْتِسَالِ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ
نجاست کے اثر کے بڑھا ہوا ہے۔ پھر ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ حرکت دینا وہ معتبر ہے جو نہانے سے ہو اور یہی ابو یوسفؒ کا قول ہے
وَعَنْهُ بِالتَّحَرُّكِ بِالْيَدِ وَعَنْ مُحَمَّدٍ بِالتَّوَضُّعِ
اور امام صاحبؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ ہاتھ سے حرکت دینا معتبر ہے۔ اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ وضو کرنے کے ساتھ (حرکت دینا) معتبر ہے

وَوَجْهَ الْأَوَّلِ أَنَّ الْحَاجَةَ إِلَيْهِ فِي الْحِيَاضِ أَشَدُّ مِنْهَا إِلَى التَّوَضُّعِ وَبَعْضُهُمْ قَدَّرُوا

اور قول اول کی وجہ یہ ہے کہ حوضوں میں غسل کی حاجت زیادہ ہے بہ نسبت وضو کی حاجت کے۔ اور بعض فقہاء نے لوگوں کو وسعت دینے کیلئے غدير عظیم کا

بِالْمَسَاحَةِ عَشْرًا فِي عَشْرِ بِلْدَانِ الْكَرْبَاسِ تَوْسِعةً لِلْأَمْرِ عَلَى النَّاسِ وَعَلَيْهِ الْقُتُوبُ وَالْمُعْتَبَرُ فِي الْعُمِّيِّ

مساحت سے اندازہ لگایا ہے (اور وہ) کپڑے کے گز سے وہ درودہ ہے۔ اور اسی قول پر فتویٰ ہے۔ اور گہرائی میں معبر

أَنْ يَكُونَ بِحَالٍ لَا يَنْحَسِرُ بِالْإِغْتِرَافِ هُوَ الصَّحِيحُ وَقَوْلُهُ فِي الْكِتَابِ جَازَ التَّوَضُّعُ مِنْ

یہ ہے کہ ایسی حالت میں ہو کہ جلو بھرنے سے (زمین) نہ کھلے یہی اصح ہے۔ اور قدوری میں صاحب قدوری کا یہ قول کہ دوسری جانب سے

الْجَانِبِ الْأُخَرِ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّهُ يَنْجَسُ مَوْضِعُ الْوُقُوعِ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ

وضو جائز ہے اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جس جانب نجاست گرے وہ نجاست کرنے کی جگہ ناپاک ہو جائیگی۔ اور ابو یوسف سے مروی ہے کہ

أَنَّهُ لَا يَنْجَسُ إِلَّا بِظُهُورِ النِّجَاسَةِ فِيهِ كَالْمَاءِ الْجَارِي

(نجاست کرنے کا مقام) بھی ناپاک نہ ہو گا مگر اس میں نجاست کے ظاہر ہونے کے ساتھ جیسے آب جاری (میں علم ہے)

بڑے تالاب کی حد بڑے تالاب میں نجاست گر جائے اس سے طہارت حاصل کرنے کا حکم

تشریح :- علماء احناف رحمہم اللہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر پانی کا ایک حصہ دوسرے حصہ تک پہنچ جائے تو وہ ماء قلیل ہے اور

اگر نہ پہنچے تو وہ ماء کثیر ہے مگر اس کو پہنچانے کے طریقہ میں اختلاف ہے۔ چنانچہ حنفی احناف نے کہا کہ اس کو حرکت دینے سے

معلوم کیا جائے گا۔ یعنی ایک کنارے کو حرکت دینے سے اگر دوسری جانب متحرک نہ ہو تو وہ بڑا تالاب اور ماء کثیر ہے اور اگر دوسری

جانب متحرک ہو جائے تو وہ ماء قلیل ہے اور متحرک ہونے سے مراد یہ ہے کہ حرکت دیتے وقت پانی اوپر نیچے ہوتا ہو۔ کیونکہ پانی اگر کثیر

ہو تو بلند ہو کر متحرک ہوتا ہے اور بلبلوں کا اعتبار نہیں ہے اس لئے کہ بلبلے تو تھوڑے پانی میں حرکت دینے سے بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ پھر

یہ حضرات حنفی تحریک کے سبب میں مختلف ہو گئے ہیں۔ پس امام ابو یوسفؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کیا ہے کہ غسل کرنے کی

حرکت معبر ہے یعنی اگر تالاب کے ایک کنارے پر کوئی شخص اوسط درجہ کا غسل کرے اور دوسری جانب متحرک نہ ہو تو یہ غدير عظیم (بڑا

تالاب) ہے اور اگر دوسری جانب متحرک ہو جائے تو یہ غدير عظیم نہیں ہوگا۔ امام ابو یوسفؒ نے اسی روایت کو اختیار کیا ہے اور امام

ابو یوسفؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ فقط تحریک بالید معبر ہے۔ اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ وضو کرنے کی حرکت معبر

ہے۔ پہلی روایت کی دلیل یہ ہے کہ حوضوں اور تالابوں میں غسل کرنے کی حاجت زیادہ پیش آتی ہے بہ نسبت وضو کے، کیونکہ وضو

بالعموم گھروں میں کیا جاتا ہے اور غسل حوضوں میں کیا جاتا ہے اس وجہ سے تحریک بالاغسال کا اعتبار کیا گیا ہے۔



دوسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ تحریک بالانقضائ بھی ہوتی ہے بالانقضائ بھی اور ہاتھ دھونے کی وجہ سے بھی، مگر ہاتھ دھونے سے جو حرکت ہوتی ہے وہ اخف ہے بہ نسبت دوسری دو تحریکوں کے اس لئے اس کا اعتبار کیا تاکہ لوگوں کے حق میں توسع ہو سکے۔ اور تیسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ اوسط درجہ کی حرکت کا اعتبار کیا گیا ہے اور اوسط درجہ کی حرکت وہ ہے جو وضو کی وجہ سے ہوتی ہے اس لئے تنہی نیک بالانقضائ کا اعتبار کیا گیا ہے۔

فقہاء احناف رحمہم اللہ میں سے متاخرین کی رائے یہ ہے کہ ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پانی کا پہنچنا حرکت دینے کے علاوہ دوسری چیز سے دریافت کیا جائے گا۔ چنانچہ بعض متاخرین کہتے ہیں کہ خیالاً پہنچتا ہوگا۔ یعنی اگر تالاب کے ایک کنارے غسل کیا اور اس سے پانی کا رنگ خیالاً ہو گیا پس اگر وہ خیالاً پہنچا دوسری جانب پہنچ گیا تو وہ آب قلیل ہے اور اگر نہ پہنچا تو وہ آب کثیر ہوگا۔ اور ابو حفص کبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا گیا ہے کہ رنگ کا اعتبار ہوگا یعنی تالاب کے ایک کنارے زعفران ڈالی جائے اگر زعفران کا اثر دوسرے کنارے پر پہنچ گیا تو وہ آب قلیل ہے ورنہ آب کثیر ہے۔ اور ابوسلیمان جوزجانی نے مساحت کا اعتبار کیا ہے یعنی اگر وہ درودہ (دس گز لمبا دس گز چوڑا) ہے تو وہ آب کثیر ہے اور اگر اس سے کم ہے تو وہ آب قلیل ہے۔

حضرت امام محمدؒ سے مروی ہے کہ آپ سے جب اس بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر حوض میری اس مسجد کے برابر ہے تو اس کا پانی کثیر ہے ورنہ قلیل ہے۔ پس جب امام محمدؒ کی اس مسجد کی پیمائش کی گئی تو ایک روایت کے مطابق وہ ہشت درہشت (آٹھ گز لمبی اور آٹھ گز چوڑی) تھی۔ اور دوسری روایت کے مطابق وہ درودہ تھی۔ اور بعض حضرات نے کہا کہ اندر کا حصہ ہشت درہشت تھا اور باہر سے جب پیمائش کی تو وہ درودہ تھا۔ بہر حال علامۃ المشائخ نے ابوسلیمان جوزجانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو اختیار کیا ہے۔ رہی یہ بات کہ کونسا ذراع معتبر ہوگا تو فتاویٰ قاضیان میں مساحت (پیمائش) کا ذراع معتبر ہوگا اور مساحت کا ذراع یہ ہے کہ سات مٹھی ہوں اور ہر مٹھی پر ایک کھڑی انگلی زائد ہو۔ اور مصنف نے کپڑے کے ذراع کا اعتبار کیا ہے اور کپڑے کا ذراع سات مٹھی کا ہوتا ہے اور مٹھی پر کھڑی انگلی زائد نہیں ہوتی۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ آب کثیر کی تحدید میں مساحت کا اعتبار لوگوں کی آسانی کیلئے کیا گیا ہے اور فتویٰ بھی اسی پر ہے۔ اور گہرائی کے بارے میں معتبر یہ ہے کہ صرف اتنا گہرا ہونا کافی ہے کہ چلو بھر لینے سے زمین نہ کھل جائے یہی صحیح ہے۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ کم از کم ایک ذراع ہونا ضروری ہے۔ اور بعض نے دو ذراع کی مقدار کا اعتبار کیا ہے۔ اور بعض نے ایک بالشت کا اعتبار کیا ہے۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ یہ جو قدوری میں کہا کہ غریب عظیم کی دوسری جانب وضو جائز ہے یہ اس طرف اشارہ ہے کہ جس جانب نجاست گرے وہ نجاست کرنے کی جگہ ناپاک ہو جائیگی خواہ نجاست مرئیہ ہو یا غیر مرئیہ ہو اور امام ابویوسفؒ سے روایت ہے کہ نجاست کرنے کا مقام بھی ناپاک نہ ہوگا مگر اس صورت میں کہ وہاں نجاست ظاہر ہو جیسے آب جاری میں حکم ہے۔

قَالَ وَمَوْتُ مَا لَيْسَ لَهُ نَفْسٌ سَائِلَةٌ فِي الْمَاءِ لَا يَنْجِسُهُ كَالْبَقِ وَالذَّبَابِ وَالزَّنَابِيرِ وَالْعُقْرَبِ وَلَحْوِهَا

فرمایا اور پانی میں ایسے جانور کا مرنا جس میں پہنے والا خون نہ ہو وہ اس کا ناپاک نہیں کرنا جیسے مچھر، بکھی، بھڑی، بچھو اور اس کے مانند

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ يُفْسِدُهُ لِأَنَّ التَّحْرِيمَ لَا يَطْرُقُ الْكَرَامَةَ آيَةً لِلنَّجَاسَةِ

اور امام شافعی نے کہا کہ (ایسے جانوروں کا مرنا بھی) پانی کو خراب کر دیتا ہے۔ کیونکہ وہ تحریم جو بطریق کرامت نہ ہو تو وہ نجاست کی علامت ہے

بِخِلَافِ ذُوِّ النِّخْلِ وَسُوسِ الثَّمَارِ لِأَنَّ فِيهِ ضَرُورَةً وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ

بخلاف شہد کی مکھوں اور پھلوں کے کیڑوں کے، کیونکہ اس میں ضرورت ہے۔ اور ہماری دلیل اس بارے میں حضور ﷺ

فِيهِ هَذَا هُوَ الْحَلَالُ أَكْلُهُ وَشُرْبُهُ وَالْوُضُوءُ مِنْهُ وَلِأَنَّ الْمُنَجَّسَ اخْتِلَاطُ الدِّمِ الْمَسْفُوحِ بِأَجْزَائِهِ

کا قول ہے کہ اس کا کھانا اور اس سے وضو کرنا حلال ہے۔ اور اس لئے کہ ناپاک کرنے والا (وہ) موت کے وقت دم مسفوح کا پانی کے اجزاء کے ساتھ ملتا ہے

عِنْدَ الْمَوْتِ حَتَّى يَحُلَّ الْمَذْشِيُّ لِإِنْعَادَامِ الدِّمِ فِيهِ وَلَا ذِمَّ فِيهَا

حتی کہ ذبح کیا ہوا حلال ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں خون نہیں ہوتا اور ان جانوروں میں خون ہی نہیں ہے

وَالْحُرْمَةُ لَيْسَتْ مِنْ ضَرُورَتِهَا النَّجَاسَةُ كَالطَّيْنِ

اور حرمت کیلئے نجاست ضروری نہیں ہے جیسے مٹی

## مچھر، بکھی، بھڑی اور بچھو جس پانی میں گر جائیں اس سے طہارت کا حکم

تشریح:- مسئلہ یہ ہے کہ اگر پانی میں ایسا جانور مر گیا جس میں پہنے والا خون نہ ہو تو اس کی موت سے پانی ناپاک نہیں ہوگا

مثلاً مچھر، بکھی، بھڑی اور بچھو وغیرہ۔ امام شافعی نے فرمایا کہ ایسے جانوروں کا مرنا بھی پانی کو ناپاک کرتا ہے۔ امام شافعی کی دلیل یہ

ہے کہ یہ جانور حرام ہیں کیونکہ ہاری تعالیٰ نے فرمایا حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ اور تحریم اگر بطریق کرامت اور بزرگی نہ ہو تو وہ نجاست

کی علامت ہے۔ لا یطریق الکرامة سے آدمی کو خارج کر دیا ہے۔ کیونکہ آدمی اگر جنبی نہ ہو اور وہ پانی میں مر گیا تو اس کی موت سے

پانی ناپاک نہیں ہوگا اس لئے کہ آدمی کی تحریم بطریق کرامت ہے۔ اور اگر شہد کی بکھی کے بچے شہد میں مر گئے یا پھلوں کے کیڑے پھلوں

میں مر گئے تو اس سے شہد اور پھل نجس نہیں ہوں گے۔ دلیل یہ ہے کہ قیاس کا مقتضی تو یہی تھا کہ یہ چیزیں بھی نجس ہوں لیکن ضرورت کی

وجہ سے ان کو پاک قرار دیا گیا ہے۔

ہماری دلیل حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے إِنَّ السَّبْيَ طَيِّبٌ سُبُلٌ عَنْ إِنَاءٍ فِيهِ طَعَامٌ أَوْ شَرَابٌ

يَمُوتُ فِيهِ مَا لَيْسَ لَهُ دَمٌ سَائِلٌ فَقَالَ هَذَا هُوَ الْحَلَالُ أَكْلُهُ وَشُرْبُهُ وَالْوُضُوءُ مِنْهُ (كِفَايَةُ) یعنی حضور ﷺ اس برتن

کے بارے میں دریافت کیا گیا جس میں کھانے پینے کی چیز ہو اور اس میں وہ جانور مر جائے جس میں بچے والا خون نہ ہو، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا کھانا حلال اور اس سے وضو کرنا جائز ہے۔

دارقطنی میں یہ حدیث اس طرح ہے۔ **يَا سَلْمَانَ كُلُّ طَعَامٍ وَشَرَابٍ وَقَعَتْ فِيهِ ذَابَّةٌ لَيْسَ لَهَا دَمٌ مَّائِلٌ فَمَاتَ فِيهِ فَهُوَ حَلَالٌ أَكَلُهُ وَشَرِبُهُ وَوَضُوْءُهُ** اے سلمان ہر چیز کھانے کی اور پینے کی جس میں کوئی ایسا جانور مر جاوے جس میں خون نہیں ہے پھر اس میں مر جاوے تو یہ چیز حلال ہے اس کا کھانا اور پینا اور اس سے وضو کرنا۔

دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو روایت کر کے کہا کہ کسی راوی نے اس کو مرفوع نہیں کہا ہے سوائے بقیہ کے سعید بن ابی سعید الزہری رحمۃ اللہ علیہ سے اور وہ ضعیف ہے۔ اور دلیل عقلی یہ ہے کہ پانی کو نجس کرنے والا جانور کی موت کے وقت دم مسلوح کا پانی کے اجزاء کے ساتھ ملتا ہے یہی وجہ ہے کہ ذبح کیا ہوا جانور طلال اور پاک ہے کیونکہ اس کے اندر دم مسلوح معدوم ہو گیا۔ اور یہ جانور جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ایسے ہیں کہ ان میں ایسا خون ہے یعنی ان جانوروں میں دم سائل نہیں ہے اور پانی نجس کرنے والا یہی دم سائل ہوتا ہے جو جانور کے پانی میں مرتے وقت پانی کے اجزاء سے مل جاتا ہے پس چونکہ ان جانوروں کے مرنے سے یہ خون پانی میں نہیں مل سکتا اس لئے پانی نجس نہ ہوا۔

**وَالْعَزْمَةُ لَيْسَتْ الْخَبَثُ** سے امام شافعی کا جواب ہے حاصل جواب یہ ہے کہ حرمت کے لوازم میں سے نجاست نہیں ہے یعنی جو چیز حرام ہو وہ نجس بھی ہو ضروری نہیں ہے مثلاً مٹی سکھیا اور کوئلہ وغیرہ کہ یہ سب حرام ہیں مگر ان میں کوئی ناپاک نہیں ہے۔

**وَمَوْتُ مَا يَعْيشُ فِي الْمَاءِ فِيهِ لَا يَفْسِدُهُ كَالسَّمَكِ وَالضَّفْدَعِ وَالسَّرُطَانِ وَقَالَ**

اور پانی میں ایسے جانور کا مرنا جو پانی میں زندگی گزارتا ہے پانی کو خراب نہیں کرے گا جیسے مچھلی اور مینڈک اور کیڑا۔ اور امام شافعی

**الشَّافِعِيُّ يَفْسِدُهُ إِلَّا السَّمَكَ لِغَاْمَرٍ وَلَنَا أَنَّهُ مَاتَ**

نے کہا کہ سوائے مچھلی کے (اور چیزیں) پانی کو خراب کرتی ہیں اسی دلیل کی وجہ سے جو گندہ مچھلی۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ وہ جانور اپنے

**فِي مَعْدِنِهِ فَلَا يُعْطَى لَهُ حُكْمُ النِّجَاسَةِ كَبَيْضَةِ خَالٍ مَعَهَا دَمًا وَلِأَنَّهُ**

معدن میں رہتا ہے تو اس کے حق میں نجاست کا حکم نہ دیا جائے گا۔ جیسے وہ انڈا کہ اس کی زردی خون میں تبدیل ہوگی ہو اور اس لئے کہ ان دریائی جانوروں

**لَا دَمَ فِيهَا إِذَا التَّمَوَّى لَا يَسْكُنُ فِي الْمَاءِ وَاللَّمْ هُوَ النَّجِسُ وَفِي غَيْرِ الْمَاءِ قَبْلَ غَيْرِ السَّمَكِ**

میں خون نہیں ہے کیونکہ خون والا جانور پانی میں نہیں رہتا اور خون عا ناپاک ہے۔ اور پانی کے علاوہ میں کہا گیا کہ مچھلی کے علاوہ

**يَفْسِدُهُ لِإِنْعَادَامِ الْمَعْدِنِ وَقِيلَ لَا يَفْسِدُهُ لِغَدَمِ اللَّحْمِ**

(دوسرے جانور) اس چیز کو نجس کر دیتے ہیں اس لئے کہ معدن معدوم ہے۔ اور کہا گیا کہ اس چیز کو نجس نہیں کرتے ہیں کیونکہ خون نہیں ہے

وَهُوَ الْأَصْحٰهُ وَالصِّفْدُ عِ الْبَحْرِىٰ وَالْبَرِّىٰ سَوَاءٌ وَقِيلَ الْبَرِّىٰ بِنَفْسِهِ

اور یہی اصح ہے۔ اور مینڈک آبى اور خشكى (دونوں اس حکم میں) برابر ہیں۔ اور کہا گیا کہ خشكى کا مینڈک (پانى کو) خراب کر دیتا ہے

لَوْ جُودَ الدَّمُ وَعَنَمَ الْمُعْدِنُ وَمَا يَعْشُ لِي الْمَاءِ مَا يَكُونُ تَوَالِدُهُ وَمَتَوَاتُ فِي الْمَاءِ

کیونکہ خون موجود ہے اور معدن معدوم ہے اور جو جانور پانى میں زندگی گزارتے ہیں وہ ہیں جن کی پیدائش اور ان کا ٹھکانا پانى میں ہو

وَمَائِي الْمَعَاشِ ذُوْن مَائِي الْمَوْلِدِ مُفَصِّلٌ

اور جو جانور کہ پانى میں زندگی گزارتا ہو (مکر) اس کے اٹھارے بچے ہونے کی جگہ نہ ہو تو وہ پانى کو خراب یعنی ناپاک کرنے والا ہے

## مچھلی، مینڈک اور کیکڑا کے پانى میں مرنے سے پانى نجس ہوگا یا نہیں

تشریح:- مسئلہ یہ ہے کہ اگر پانى کا جانور اور پانى ہی میں مرے تو پانى خفاہ قلیل ہو یا کثیر ہو اس کی موت سے ناپاک نہیں ہوتا ہے۔ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مچھلی کے علاوہ اور چیزوں کے مرنے سے پانى ناپاک ہو جاتا ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل دہی ہے جو سابق میں گذر چکی ہے کہ تحریم اگر بطریق کرامت نہ ہو تو وہ نجاست کی طہارت ہے اور چونکہ یہ جانور حرام ہیں اس لئے ان کی حرمت دلیل نجاست ہوگی۔ لیکن امام شافعیؒ پر یہ اشکال وارد ہوگا کہ بکتاب اللہناہج میں مذکور ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک مینڈک اور کیکڑے کا کھانا طلال ہے لہذا یہ دلیل کیسے جاری ہو سکتی ہے جواب دیا گیا کہ جو بکتاب اللہناہج میں مذکور ہے اس کو اصحاب شافعیؒ تسلیم نہیں کرتے ہیں چنانچہ امام نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جو جانور پانى میں زندگی بسر کرتا ہے اگر وہ ایسا ہے کہ کھایا جاتا ہے تو شک نہیں کہ وہ پانى کو نجس نہیں کرے گا اور جو جانور ایسا ہے کہ نہیں کھایا جاتا جیسے مینڈک وغیرہ تو جب وہ قلیل پانى یا کسی دوسری بہنے والی تلی چیز قلیل یا کثیر میں مرے تو اس کو نجس نہیں کرے گا یہی کیکڑے کے بارے میں تصریح ہے پس معلوم ہوا کہ امام شافعیؒ کے نزدیک مینڈک اور کیکڑے کا حرام ہونا رائج ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ آبى جانور اگر پانى میں مر گیا تو وہ اپنے معدن میں مرا ہے اور جو جانور اپنے معدن میں مرتا ہے تو اپنے معدن میں نجس ہوگا اور جو چیز اپنے معدن میں رہتے ہوئے نجس ہو تو اس کو نجاست کا حکم نہیں دیا جاتا۔ کیونکہ اگر نجاست کو اپنے معدن میں نجاست کا حکم دیا جائے تو کوئی آدمی پاک نہیں ہو سکتا اس لئے کہ سب کی رگوں میں خون بھرا ہے پس نجاست جب تک اپنے معدن میں ہے اس کو نجاست کا حکم نہیں ہوگا جیسے وہ اٹھ ا کہ اس کی زردی خون ہو گئی تو جب تک اندر ہے اٹھ انجس نہیں ہوگا حتیٰ کہ اگر ایسے اٹھ کو جیب میں لئے ہوئے نماز پڑھے تو اس کے ساتھ نماز جائز ہے۔ اس کے برخلاف اگر نجاست اپنے معدن میں نہ ہو تو اس کو نجاست کا حکم دیا جائے گا چنانچہ اگر شیشی میں خون بھر کر جیب میں رکھ کر نماز پڑھے تو نماز جائز نہیں ہے کیونکہ شیشی اس خون کا معدن نہیں ہے (عتابہ)

پس معلوم ہوا کہ آبی جانور اگر پانی میں مرے تو وہ نجس ہوگا کیونکہ پانی اس کا معدن ہے اور نجاست جب تک اپنے معدن میں ہے اس کو نجاست کا حکم نہیں دیا جاتا۔

دوسری دلیل کا حاصل یہ ہے کہ نجس دراصل بننے والا خون ہے اور خون کا مزاج گرم ہے اور پانی سرد ہے۔ دونوں میں تقابلیہ ہے لہذا جس جانور میں خون ہے وہ پانی کا رہنے والا نہیں ہے اور جو جانور آبی ہیں ان میں خون نہیں ہے۔ علاوہ ازیں خون دھوپ میں سیاہ پڑ جاتا ہے اور ان جانوروں میں جو چیز بہہ کر نکلتی ہے وہ دھوپ میں سفید پڑ جاتی ہے پس معلوم ہوا کہ ان جانوروں میں خون نہیں ہے اور نجس خون ہوتا ہے پس جب ان میں خون نہیں ہے تو ہمارے نزدیک بالاتفاق ان جانوروں کی موت سے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔ پانی تھوڑا ہو یا زیادہ۔ اور اگر ان آبی جانوروں میں سے کوئی پانی کے علاوہ کسی سیال چیز میں مر گیا مثلاً سرکہ، شیرہ، مدود وغیرہ میں تو اس میں اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض حضرات فقہاء کہتے ہیں کہ مچھلی کے علاوہ دوسرے آبی جانور اس چیز کو ناپاک کہتے ہیں کیونکہ معدن میں نہیں مرے ہیں۔ اور بعض کا خیال ہے کہ اس چیز کو ناک نہیں کرتے ہیں کیونکہ آبی جانوروں میں خون نہیں ہے۔ حالانکہ خون ہی نجس کرنے والا تھا۔ مصنف ہدایہ نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے اور فرمایا کہ مینڈک خشکی کا ہوا یا آبی مینڈک ہر دونوں اس حکم میں برابر ہیں یعنی دونوں کے مرنے سے پانی خراب نہیں ہوتا ہے۔

اور آبی مینڈک اور خشکی کے مینڈک کے درمیان فرق یہ ہے کہ آبی مینڈک کی انگلیوں کے درمیان ہڈ کی طرح مچھلی کا پردہ ہوتا ہے اور بری میں نہیں ہوتا (مناہیہ)

اور بعض فقہاء نے کہا کہ خشکی کے مینڈک کے پانی میں مرجانے سے پانی خراب ہو جاتا ہے کیونکہ خشکی کے مینڈک میں خون کا پایا جاتا تو علت نجاست ہے اور معدن نہ ہونا نجاست کا حکم ظاہر ہونے کیلئے ہے۔

ری یہ بات کہ آبی جانور کس کو کہتے ہیں سو مصنف ہدایہ نے فرمایا کہ آبی جانور میں دو صفتیں معتبر ہیں ایک یہ کہ اس کا مسکن پانی ہو، دوم یہ کہ اس کا والد پانی میں ہو یعنی اڑے بچے وہیں ہوں۔ اور وہ جانور کہ جس کا مسکن پانی ہو مگر اس کے والد کی وہ جگہ نہ ہو تو اس کی موت سے پانی نجس ہو جائیگا۔

قَالَ أَلْمَاءُ الْمُسْتَعْمَلُ لَا يُطَهَّرُ إِلَّا خِذَاتُ خِلَافًا لِمَالِكٍ وَالشَّافِعِيُّ هُمَا يَقُولَانِ إِنَّ الطُّهُورَ مَا يُطَهَّرُ
فرمایا کہ مستعمل پانی احداث کو پاک نہیں کرتا ہے بخلاف امام مالک اور امام شافعی کے۔ یہ دونوں کہتے ہیں کہ طہور وہ ہے جو
غَيْرُهُ مَرَّةً بَعْدَ أُخْرَى كَالْقَطُوعِ وَقَالَ زُفَرٌ وَهُوَ أَحَدُ قَوْلِي الشَّافِعِيِّ إِنْ كَانَ الْمُسْتَعْمَلُ مُتَوَضِّعًا
غیر کو ایک بار کے بعد دوسری بار پاک کرے جیسے قلعہ۔ اور امام زفرؒ نے کہا اور بھی امام شافعی کے دونوں میں سے ایک قول ہے کہ اگر استعمال کرنے والا
فَهُوَ طَهُورٌ وَإِنْ كَانَ مُجْدِلًا فَهُوَ طَاهِرٌ غَيْرُ طَهُورٍ لِأَنَّ الْعَضْوَ طَاهِرٌ حَقِيقَةً وَيَاغْتَابُهُ يَكُونُ الْمَاءُ طَاهِرًا لَكِنَّهُ نَجَسٌ حُكْمًا
بادھو ہو تو طہور ہے اور اگر بے وضو ہو تو طہور غیر مطہر ہے کیونکہ عضو حقیقتاً طہور ہے اور اس اعتبار سے پانی پاک ہوگا لیکن حکماً نجس ہے

وَبِاعْتِبَارِهِ يَكُونُ الْمَاءُ نَجَسًا فَقُلْنَا بِإِنْتِفَاءِ الطَّهُورِيَّةِ وَبَقَاءِ الطَّهَارَةِ عَمَلًا بِالشَّبْهِينِ

اور اس اعتبار سے پانی ناپاک ہوگا۔ جس ہم نے دونوں مشابہتوں پر عمل کرتے ہوئے طہوریت کے انتفاء کا اور طہارت کے باقی رہنے کا قول کیا

وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَهُوَ رَوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ هُوَ طَاهِرٌ غَيْرُ طَهُورٍ لِأَنَّهُ مُلَاقَاةُ الطَّاهِرِ الطَّاهِرِ لَا تُوجِبُ

اور امام محمدؒ نے کہا اور یہی ایک روایت امام عظیم رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ہے کہ مستعمل پانی طاہر غیر طہر ہے کیونکہ پاک کا پاک سے ملنا ناپاک ہو جانے

التَّجَسُّسِ إِلَّا أَنَّهُ أَقْبَمَتْ بِهِ قُرْبَةٌ فَتَغَيَّرَتْ بِهِ صِفَتُهُ كَمَالِ الصُّلْفَةِ وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ وَأَبُو يُوسُفَ

کا موجب نہیں ہے بلکہ اس سے قربت اور کی گئی تو اس سے اس کی صفت خیر ہو جائے گی جیسے مالِ صدقہ۔ اور ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ نے فرمایا

هُوَ نَجِسٌ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يُولُنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ وَلَا يَغْتَسِلَنَّ فِيهِ مِنَ الْجَنَابَةِ

کہ وہ نجس ہے اس لئے کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے اور نہ اس میں جنابت سے غسل کرے

وَلِأَنَّهُ مَاءٌ أَزْيَلْتُ بِهِ النِّجَاسَةَ الْحُكْمِيَّةَ فَيَعْتَبَرُ بِمَاءٍ أَزْيَلْتُ بِهِ النِّجَاسَةَ الْحَقِيقِيَّةَ

اور اس لئے کہ یہ ایسا پانی ہے کہ اس سے حکمی نجاست دور کی گئی ہے تو اس کو ایسے پانی پر قیاس کیا جائے گا جس سے حقیقی نجاست دور کی گئی ہو۔

ثُمَّ فِي رَوَايَةِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ نَجَاسَةٌ غَلِيظَةٌ إِعْتِبَارًا بِالْمُسْتَعْمَلِ فِي الْحَقِيقِيَّةِ

پھر ابو حنیفہؒ سے حسن کی روایت میں ہے کہ (آبِ مُسْتَعْمَلِ) نجاست غلیظہ ہے اس پانی پر قیاس کرتے ہوئے جو نجاستِ ہلکہ میں استعمال کیا گیا ہو

وَفِي رَوَايَةِ أَبِي يُوسُفَ عَنْهُ وَهُوَ قَوْلُهُ نَجَاسَةٌ خَفِيفَةٌ لِمَكَانِ الْأَخْتِلَافِ

اور ابو یوسفؒ سے روایت میں ہے اور یہ ابو یوسفؒ کا قول بھی ہے کہ وہ (نجس) نجاستِ خفیفہ ہے کیونکہ اس میں اختلاف ہے

## ماءِ مستعمل سے طہارت حاصل کرنے کا حکم اور اقوال فقہاء

تشریح:- فاضل مصنفؒ نے آبِ مستعمل میں تین بخشیں کی ہیں (۱) آبِ مستعمل کے حکم میں (۲) اس کے سبب کے

بیان میں (۳) اس کے وقت کے بیان میں۔ مصنفؒ نے آبِ مستعمل کے حکم میں کلام اس لئے مقدم کیا کہ یہی مقصود ہے بہر حال پہلی

بحث کا حاصل یہ ہے کہ آبِ مستعمل تین قسم پر ہے:-

ایک یہ کہ پاک چیزیں دھونے کے لئے استعمال کیا گیا ہو مثلاً غلہ جات، بنریوں اور پاک کپڑوں کا دھون، یہ بالاتفاق

پاک ہے۔

دوم یہ کہ نجاستِ حقیقیہ دور کرنے کیلئے استعمال کیا گیا ہو جیسے شنبے کا پانی اور نجس کپڑوں کا دھون، اور یہ بالاتفاق نجس ہے۔



سوم یہ کہ نجاست حکمی دور کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہو۔ یا قربت اور ثواب کے ارادے سے کیا گیا ہو تو اس میں اختلاف ہے چنانچہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ وہ طاہر مطہر ہے یعنی خود بھی پاک ہے اور دوسرے کو پاک کرنے والا ہے۔ اور امام زفرؒ نے کہا کہ اگر آپ مطلق استعمال کرنے والا با وضو ہے پھر اس نے وضو پر وضو کیا تو یہ مستعمل پانی طاہر و مطہر ہے یعنی خود پاک اور دوسرے کو پاک کرنے والا ہے۔ اور اگر بے وضو ہو تو آپ مستعمل طاہر غیر مطہر ہے یعنی خود پاک ہے مگر دوسرے کو پاک کرنے والا نہیں ہے۔ اور یہی ایک قول امام شافعیؒ کا ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا ہے اور یہی روایت امام اعظم ابو حنیفہؒ سے ہے کہ آپ مستعمل طاہر غیر مطہر ہے۔

اور شیخین رحمہما اللہ نے فرمایا کہ نجس ہے۔ پھر حسن بن زیاد رحمۃ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ آپ مستعمل نجس، نجاست غلیظہ ہے اور اس کو امام ابو حنیفہؒ سے روایت کیا ہے اور امام ابو یوسفؒ کا مذہب یہ ہے کہ یہ نجس، نجاست خفیفہ ہے اور یہ بھی ابو حنیفہؒ سے ایک روایت ہے۔

حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے کلام میں ماء مطلق کو طہور فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ **أَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا** اور طہور فعل کے وزن پر مبالغہ کا معنی ہے معنی ہوں گے بار بار پاک کرنا جیسے قطع کے معنی بار بار کاٹنا۔ پس لفظ طہور اس بات کا ناکدہ دے گا کہ پانی ایک بار استعمال کرنے کے بعد دوسری بار پاک کرے گا اور تیسری بار پاک کرے گا۔ پس معلوم ہوا کہ آپ مستعمل مطہر (پاک کر دینا والا) ہے اور جو مطہر ہو گا وہ طاہر ضرور ہو گا۔ پس ثابت ہوا کہ آپ مستعمل طاہر و مطہر دونوں ہے۔

علامۃ الہند مولانا عبدالحی نے شروع ہدایہ کی روشنی میں اس کے چند جوابات نقل کئے ہیں:-

پہلا جواب یہ ہے کہ ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ فعل مبالغہ کے معنی میں ہے بلکہ طہور (بم وزن فعل) مصدر ہے طہارت کے معنی میں جیسے حدیث میں ہے **لَا صَلَوةَ إِلَّا بِطَهْوَرٍ** یعنی بِطَهَارَةٍ اور حدیث **مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطَّهْوَرُ** یعنی الطَّهَارَةُ اور **وَسَقَاهُمْ دُرَّتَهُمْ فَسَرَّاهَا طَهْرًا** یعنی سر اہا طہرۃ نحو سیبویہ، خلیل، میرزا، صمدی اور ابن السکیت رحمہم اللہ نے بھی اسکی تصریح کی ہے پس جب طہور مصدر ہے تو اس کے معنی بار بار پاک کرنے کے نہیں ہوں گے۔ اور جب بار بار پاک کرنے کے معنی نہیں ہوئے تو آپ مستعمل کا مطہر ہونا بھی ثابت نہیں ہوا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ طہور اس چیز کا نام ہے جس سے طہارت حاصل کی جائے جیسے مسخورد وہ کھانا جو صبح سے کچھ پہلے کھایا جائے پس اس صورت میں بھی پانی کے بار بار مطہر ہونے پر دلالت نہیں ہوئی۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ ہمیں تسلیم ہے کہ قُتُول کا وزن مبالغہ کیلئے ہے لیکن طہور، طہر لازم سے مشتق ہے نہ کہ طہر متعدی

سے۔ پس اس صورت میں طہوؤر کے معنی ہوں گے بہت پاک۔ حاصل یہ کہ مبالغہ کا صیغہ اگر فعل لازم سے ماخوذ ہو تو وہ مبالغہ فی  
الفاعل کے لئے ہوگا اور اس کے ساتھ مفعول کا کوئی تعلق نہیں ہوگا اور اگر فعل متعدی سے ماخوذ ہے جیسے قَطُوْع تو مفعول میں مبالغہ اور  
اضافہ ہوگا۔ پس اس صورت میں بھی پانی کا خوب پاک ہونا تو ثابت ہو جاتا ہے لیکن بار بار پاک کرنا والا ہونا ثابت نہیں ہوتا (سعاہ)۔  
امام زکریٰ کی دلیل یہ ہے کہ محدث کے اعضاء حقیقتاً تو پاک ہیں کیونکہ ظاہری اعضاء پر کوئی نجاست نہیں ہے البتہ حکم شرع کی  
رو سے نجس ہیں کیونکہ شریعت اسلام نے محدث پر وضو کرنا فرض کیا ہے پس آپ مستعمل اول کے اعتبار سے پاک ہے اور ثانی کے  
اعتبار سے نجس ہے اور دونوں پر عمل کرنا اولیٰ ہے بہ نسبت اس کے کہ ایک پر عمل ہو اور دوسرے کو چھوڑ دیا جائے۔ پس ہم نے دونوں  
مشابہتوں پر عمل کرتے ہوئے کہا کہ آپ مستعمل ظاہر غیر مطہر ہے یعنی حقیقت اعضاء پر نظر کرتے ہوئے اس کو ظاہر کہا گیا اور حکم شرع  
پر نظر کرتے ہوئے اس کو غیر مطہر کہا گیا ہے اس لئے یہ مستعمل پانی خود تو پاک ہوگا مگر دوسرے کو پاک کرنے والا نہیں ہوگا۔

حضرت امام محمدؒ کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ اعضاء وضو بھی پاک ہیں اور پانی بھی پاک ہے۔ اور پاک چیز کا پاک چیز سے ملنا  
ناپاک ہونے کا موجب نہیں ہوتا البتہ اگر پانی کے استعمال سے قربت اور عبادت ادا کی گئی ہو تو اس کی وجہ سے پانی کا وصف خفیہ ہو جاتا ہے  
جیسے صدقہ اور زکوٰۃ کا مال ہے کیونکہ مال فی نفسہ مطہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا پس  
جس مال کے ساتھ زکوٰۃ ادا کی گئی ہے شریعت نے اس کی میل کچیل قرار دیا ہے چنانچہ زکوٰۃ کا مال حضور ﷺ اور آپ کی اولاد پر شرعاً  
حرام ہے۔ پس ایسے ہی آپ مستعمل جبکہ اس سے قربت ادا کی گئی ہو یا محدث رائل کیا گیا ہو تو وہ نجاست حکمیہ کی وجہ سے میل ہو جاتا  
ہے اور اپنے اصلی مرتبہ سے گر جائے گا۔ اس وجہ سے اس کو مطہر ہونے سے خارج کیا اگرچہ طہارت پر باقی ہے پس ثابت ہوا کہ آپ  
مستعمل ظاہر غیر مطہر ہے نجس نہیں ہے، یہ بات بھی صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ حضور ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے آب  
مستعمل کو لینے کیلئے دوڑتے اور اس کو اپنے چہرے پر ملتے پس اگر آپ مستعمل نجس ہوتا تو حضور ﷺ حضرات صحابہ کو ضرور منع فرماتے  
جیسا کہ ابو طیبہ حجام کو اپنے بدن سے نکلے ہوئے خون کو پینے سے منع کیا ہے۔ (عنایہ)۔

نیز آب مستعمل کے مطہر نہ ہونے پر یہ بھی دلیل ہے کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کو بہت سے اسفار میں پانی کی  
ضرورت پیش آئی مگر آپ ﷺ نے دوبارہ استعمال کیلئے آپ مستعمل کو جمع کرنے کا حکم بھی نہیں فرمایا۔

آپ مستعمل کے نجس ہونے پر شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں جس طرح نجاست  
ہیقیہ یعنی پیشاب کرنے سے منع کیا ہے اس طرح نجاست حکمیہ یعنی غسل کرنے سے منع کیا پس ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل کرنا ایسا  
ہے جیسا پیشاب کرنا لہذا ثابت ہوا کہ جس طرح پیشاب مامرا کہ کو نجس کر دیتا ہے اسی طرح غسل کرنا بھی اس کو نجس کر دیتا۔ اور دوسری  
دلیل یہ ہے کہ آپ مستعمل دو پانی ہے جس سے نجاست حکمیہ دور کی گئی ہے پس اس کو اس پانی پر قیاس کیا جائے گا جس سے نجاست

حقیقی دور کی گئی ہو اور جس پانی سے نجاست حقیقی دور کی گئی ہے وہ ناپاک ہوتا ہے اس لئے آب مستعمل بھی ناپاک ہوگا۔

حضرت مولانا عبدالحقؒ نے فرمایا کہ مسافر اگر بیابان کا اندیشہ رکھتا ہو اور اس کے پاس پانی بھی ہو تو اس کے واسطے ختم حلال ہے پس اگر وضو کیلئے استعمال کیا ہو پانی پاک ہوتا تو اس کو اس بات کی اجازت ہوتی کہ پانی سے وضو کرے اور آب مستعمل کو پینے کیلئے جمع کرے۔ نیز احادیث میں ہے کہ غسل میں حضور ﷺ نے پاؤں کے دھونے کو مؤخر کیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ تاخیر اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ آب مستعمل جو اس جگہ میں جمع ہے وہ نجس ہو کیونکہ اگر یہ پاک ہو تو مؤخر کرنے کے کوئی معنی نہ ہوتے۔

واضح ہو کہ امام حسن بن زیادؒ نے آب مستعمل کے نجاست غلیظ ہونے پر قیاس سے استدلال کیا ہے یعنی وہ پانی جس کو نجاست ظہیرہ میں استعمال کیا گیا ہے جس طرح یہ نجاست غلیظ کے حکم میں ہے اسی طرح آب مستعمل جس کو نجاست حکمیرہ میں استعمال کیا گیا ہو وہ بھی نجاست غلیظ کے حکم میں ہوگا۔

اور امام ابو یوسفؒ نجاست خفیفہ ہونے پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ آب مستعمل کی طہارت اور نجاست میں علماء کا اختلاف ہے اور اختلاف علماء تخفیف پیدا کر دیتا ہے لہذا آب مستعمل نجاست خفیفہ کے حکم میں ہوگا نہ کہ نجاست غلیظ کے، واللہ اعلم۔ جمیل۔

وَالْمَاءُ الْمُسْتَعْمَلُ هُوَ مَاءٌ أُزِيلَ بِهِ حَدَثٌ أَوْ امْتُعِمَلَ فِيهِ الْبَدَنُ عَلَى وَجْهِ الْقُرْبَةِ قَالَ هَذَا

اور آب مستعمل وہ پانی ہے کہ جس سے کوئی حدث دور کیا گیا ہو یا وہ بطور تقرب کے بدن میں استعمال کیا گیا ہو۔ مصنفؒ نے کہا کہ یہ

عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَقِيلَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ أَيْضًا وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَا يَصِيرُ مُسْتَعْمَلًا إِلَّا بِإِقَامَةِ

ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے اور کہا گیا کہ یہ ابو حنیفہؒ کا قول بھی ہے۔ اور امام محمدؒ نے کہا کہ وہ مستعمل نہ ہوگا مگر تقرب پورا کرنے سے

الْقُرْبَةِ لِأَنَّ الْأَسْتِعْمَالَ بِإِتْقَالِ نَجَاسَةٍ إِلَّا قَامَ إِلَيْهِ وَإِنَّهَا تُزَالُ بِالْقُرْبَةِ

کیونکہ استعمال تو گناہوں کی نجاست کے اس کی طرف منتقل ہونے سے (حق) ہوتا ہے۔ اور یہ نجاست صرف تقرب سے زائل کی جاتی ہے

وَأَبُو يُوسُفَ يَقُولُ اسْقَاطُ الْفَرْضِ مُؤَثِّرٌ أَيْضًا فَيُجِبُ الْفَسَادَ بِالْأَمْرَيْنِ

اور ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ فرض ساقط کرنا بھی موثر ہے تو فساد دونوں باتوں سے ثابت ہوگا

## ماءِ مستعمل کی حقیقت اور اس کا سبب

تشریح:- اس عبارت میں دوسری بحث یعنی آب مستعمل کی حقیقت اور اس کے سبب کے بارے میں کلام ہے چنانچہ

شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک پانی کے مستعمل ہونے کا سبب دو چیزیں ہیں (۱) حدث دور کرنا (۲) قربت اور ثواب کی نیت کرنا۔ یہ

دونوں باتیں پانی جائیں یا دونوں میں سے ایک پانی جائے دونوں صورتوں میں پانی مستعمل ہو جائے گا۔

اور امام محمدؒ کے نزدیک آبِ مستعمل ہونے کا سبب فقط نیتِ قربت ہے۔ اور امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک پانی کے مستعمل ہونے کا سبب فقط حدتِ زائل کرنا ہے پس اگر کسی محدث (بے وضو) نے قربت اور ثواب کے ارادے سے وضو کیا ہو تو بالاتفاق پانی مستعمل ہو جائے گا اور اگر کسی با وضو آدمی نے ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے وضو کیا ہو تو بالاتفاق پانی مستعمل نہیں ہوگا۔ اور اگر محدث نے ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے وضو کیا ہو تو شیخین رحمہما اللہ اور امام زفرؒ کے نزدیک پانی مستعمل ہو جائے گا اور امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مستعمل نہیں ہوگا۔ امام محمدؒ کے نزدیک تو اس لئے کہ قربت اور ثواب کا ارادہ نہیں پایا گیا، اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس لئے کہ بغیر نیت کے حدتِ زائل نہیں ہوا۔ اور اگر کسی با وضو آدمی نے قربت اور ثواب کی نیت سے وضو پر وضو کیا ہو تو امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک پانی مستعمل ہو جائیگا۔ اور امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مستعمل نہیں ہوگا۔ (مناہ)۔

امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ استعمال تو گناہوں کی نجاست اس کی طرف نخل ہونے سے ہوتا ہے اور یہ نجاست صرف قربت اور ثواب کی نیت سے زائل کی جاتی ہے پس معلوم ہوا کہ پانی بغیر قربت کی نیت کے مستعمل نہیں ہوگا۔ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ فرض ساقط کرنا یعنی حدتِ زائل کرنا بھی مؤثر ہے۔ حاصل یہ کہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک پانی کا وصف اس وقت متغیر ہوگا جبکہ نجاست حکمِ محل سے زائل ہو کر پانی کی طرف نخل ہو جائے اور نجاست حکمِ دونوں صورتوں میں پانی کی طرف نخل ہو جاتی ہے۔ لہذا فسادِ ماء یعنی پانی کا مستعمل ہونا دونوں باتوں سے ثابت ہو جائیگا۔

وَمَنْ يَصِيرُ الْمَاءُ مُسْتَعْمَلًا الصَّبِيحُ أَنَّهُ كَمَا زَالَ عَنِ الْغُضُوِّ حَارٌّ مُسْتَعْمَلًا لِأَنَّ سَقُوطَ حُكْمِ

اور پانی کب مستعمل ہو جاتا ہے تو صحیح یہ ہے کہ جوں ہی وہ عضو سے جدا ہوا تو مستعمل ہو گیا کیونکہ (عضو سے) جدا ہونے سے

الْإِسْتِعْمَالُ قَبْلَ الْإِنْفِصَالِ لِلضَّرُورَةِ وَلَا ضَرُورَةَ بَعْدَهُ

پہلے استعمال کے حکم کا ساقط ہونا ضرورت کی وجہ سے ہے اور اس کے بعد کوئی ضرورت نہیں رہی

## ماءِ مستعمل کب مستعمل ہوتا ہے

تشریح: اس عبارت میں تیسری بحث آبِ مستعمل کے وقت کے متعلق کی گئی ہے حاصل اس کا یہ ہے کہ علمائے احناف رحمہم اللہ اس پر تو متفق ہیں کہ پانی جب تک عضو پر ہے اس کو استعمال کا حکم نہیں دیا جائے گا البتہ جب عضو سے جدا ہو گیا لیکن کسی مکان یا برتن میں ٹھہرا نہیں تو اس کے مستعمل ہونے میں اختلاف ہے چنانچہ سفیان ثوریؒ، ابوداؤد حقیؒ، اور بعض مشائخ طبع رحمہم اللہ نے کہا کہ مستعمل نہیں ہوگا تا وقتیکہ بدن سے جدا ہو کر کسی جگہ نہ ٹھہر جائے۔ اسی قول کو امام طحاویؒ نے اختیار کیا ہے۔

اور احناف کا مذہب یہ ہے کہ پانی جوں ہی بدن سے جدا ہوا تو وہ مستعمل ہو گیا اس کا کسی جگہ جمع ہونا مستعمل ہونے کیلئے

شرط نہیں ہے حتیٰ کہ اگر بدن سے جدا ہو کر پانی کپڑے پر لگ گیا تو کپڑا نجسین کے نزدیک ناپاک ہو جائے گا۔ اور فقہاء احناف نے کہا کہ اگر کوئی شخص اپنے سر کا مسح کرنا بھول گیا، پھر اس نے اپنی داڑھی سے تری لٹکر سر کا مسح کیا تو یہ جائز نہیں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ بدن سے جدا ہونے سے پہلے پانی کو استعمال کا حکم ضرورت کی وجہ سے نہیں دیا گیا لیکن جدا ہونے کے بعد کوئی ضرورت نہیں رہی اس لئے بدن سے جدا ہوتے ہی استعمال کا حکم دیا جائیگا۔

وَالْجُنُبُ إِذَا انْفَسَ فِي الْبُيْرِ لَطْلُبِ الدَّلْوِ فَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ الرَّجُلُ بِخَالِهِ لَعَلَّم

اور جنبی جب ڈول نکالنے کے لئے کنویں کے اندر غوطہ مارے تو ابو یوسفؒ کے نزدیک وہ مرد اپنے حال پر (جنبی) ہے کیونکہ (پانی کا بدن پر)

الضَّبِّ وَهُوَ فَرَطٌ عِنْدَهُ لَا سَقَاطُ الْفَرَضِ وَالْمَاءُ بِخَالِهِ

بہانا (موجود) نہیں ہے، حالانکہ یہ فرض ساقط کرنے کے لئے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک شرط ہے اور پانی بھی اپنے حال پر (پاک) ہے

لَعَلَّم الْأَمْرَيْنِ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ كِلَاهُمَا طَاهِرَانِ الرَّجُلُ لَعَلَّمِ اشْتِرَاطِ الضَّبِّ وَالْمَاءُ لَعَلَّمِ نِيَّةَ الْقُرْبَةِ

کیونکہ دونوں باتیں نہیں ہیں۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک دونوں پاک ہیں مرد اور پانی اس لئے کہ قربت کی نیت نہیں ہے

وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ كِلَاهُمَا نَجَسَانِ الْمَاءُ لَا سَقَاطُ الْفَرَضِ غَنِ الْبَعْضِ بِأَوَّلِ الْمَلَأَةِ وَالرَّجُلُ لِبَقَاءِ

اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دونوں ناپاک ہیں۔ پانی تو اول ملاقات میں بعض اعضاء سے فرض سے ساقط کر دینے کی وجہ سے اور مرد اس لئے کہ

الْحَدِيثُ فِي بَقِيَّةِ الْأَعْضَاءِ وَقِيلَ عِنْدَهُ نَجَاسَةُ الرَّجُلِ بِنَجَاسَةِ الْمَاءِ الْمُسْتَعْمَلِ

باقی اعضاء میں حدیث باقی ہے۔ اور کہا گیا کہ امام صاحبؒ کے نزدیک مرد کی نجاست آب مستعمل کے نجس ہونے کی وجہ سے ہے

وَعَنْهُ أَنَّ الرَّجُلَ طَاهِرًا لِأَنَّ الْمَاءَ لَا يُعْطَى لَهُ حُكْمُ الْأَسْتِعْمَالِ قَبْلَ الْإِنْفِصَالِ

اور امام صاحبؒ ہی سے (مردی ہے) کہ مرد پاک ہے اس لئے کہ جدا ہونے سے پہلے پانی کو استعمال کا حکم نہیں دیا جاتا ہے

وَهُوَ أَوْفَى الرَّوَايَاتِ عَنْهُ

امام صاحبؒ سے یہ روایت سب روایتوں میں سے زیادہ موافق ہے

جنبی نے جب ڈول نکالنے کیلئے کنویں میں غوطہ مارا تو کنویں اور مرد کی پاکی کا کیا حکم ہے

تشریح:- جنبی سے مراد یہ ہے کہ اس کے بدن پر کوئی حقیقی نجاست نہ ہو اور کنویں سے مراد وہ درودہ سے کم ہے اب صورت یہ ہوگی ایک جنبی نے ڈول نکالنے کیلئے یا شُذُک حاصل کرنے کے لئے کنویں میں غوطہ مارا لیکن بدن پر پانی نہیں ملا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مرد اپنے حال پر جنبی ہے اور پانی اپنے حال پر پاک ہے۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک مرد اور پانی دونوں پاک ہیں اور

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مرد اور پانی دونوں ناپاک ہیں۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ بدن پر پانی بہانا فرض ساقط کرنے کے لئے شرط ہے اور وہ یہاں پایا نہیں گیا اس لئے اس جنبی کا فرض ساقط نہیں ہوا، اور جب فرض ساقط نہیں ہوا تو مرد علیٰ حالہ جنبی رہا اور پانی اس لئے پاک ہے کہ ابو یوسفؒ کے نزدیک پانی کے مستعمل ہونے کے دو سبب ہیں (۱) حدث دور کرنا (۲) قربت اور ثواب کی نیت ان کے علاوہ اور کوئی سبب نہیں ہے پس جب دونوں سبب نہیں پائے گئے تو پانی مستعمل نہ ہوگا بلکہ سابقہ حالت پر پاک رہے گا۔

امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ پانی بہانا فرض ساقط کرنے کے لئے شرط نہیں ہے لہذا بغیر پانی بہائے محض غوطہ لگانے سے اس کا فرض جنابت ساقط ہو گیا اور وہ پاک ہو گیا اور پانی اس وجہ سے پاک ہے کہ اس نے قربت اور ثواب کی نیت نہیں کی۔ اس لئے کہ امام محمدؒ کے نزدیک پانی مستعمل ہونے کے لئے قربت کی نیت کرنا شرط ہے بغیر نیت قربت کے ان کے نزدیک پانی مستعمل نہیں ہوتا۔ اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ پانی تو اس وجہ سے ناپاک ہے کہ اس جنبی کے بعض اعضاء جب پانی سے ملے تو ان بعض اعضاء سے فرج ساقط ہو گیا اور اس کی وجہ سے پانی مستعمل ہو گیا اگرچہ نیت نہیں پائی گئی کیونکہ فرض جنابت ساقط کرنے کے لئے نیت شرط نہیں ہے اور مرد اس لئے ناپاک ہے کہ اس کے بعض اعضاء میں حدث باقی ہے کیونکہ باقی اعضاء ناپاک پانی سے پاک نہیں ہوئے اور کہا گیا کہ مرد اس لئے ناپاک ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک فرض ساقط ہونے کے لئے نیت شرط نہیں ہے لہذا فرض محض تو بغیر نیت کے ساقط ہو گیا لیکن آپ مستعمل کی وجہ سے اس کا بدن ناپاک ہو گیا اس قول کی بناء پر اس کے واسطے قراءت قرآن تو جائز ہے مگر نماز نہیں پڑھ سکتا۔ اور امام صاحبؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ مرد پاک ہو گیا کیونکہ پانی کو بدن سے جدا ہونے سے پہلے مستعمل ہونے کا حکم نہیں دیا جاتا ہے۔ پس جب وہ محض پانی سے جدا ہوا تب وہ پانی مستعمل قرار پایا۔ اور اس کے بعد وہ پانی میں نہیں گھسا تو یہ مرد پاک رہا۔ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ روایت امام صاحبؒ کے اصول سے زیادہ مستند تھی ہے اس لئے یہ روایت مانع ہوگی۔

قَالَ وَكُلُّ إِهَابٍ ذُبِيعٍ فَقَدْ طَهَّرَ جَازَتْ الصَّلَاةُ لَهُ وَالْوُضُوءُ مِنْهُ

فرمایا اور ہر کچی کھال جس کو دباغت دی گئی وہ پاک ہو گئی اور اس (دباغت دی ہوئی کھال) میں نماز جائز ہے اور اس سے وضو جائز ہے

إِلَّا جِلْدَ الْخِنْزِيرِ وَالْأَدَمِيِّ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَيُّهَا إِهَابُ ذُبِيعٍ فَقَدْ طَهَّرَ وَهُوَ بِعُمُومِهِ

سوائے سور اور آدمی کی کھال کے اس لئے کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ جس کھال کو دباغت دی جائے وہ پاک ہو جاتی ہے اور یہ حدیث اپنے عموم کی وجہ سے

حُجَّةٌ عَلَى مَا لَكَ فِي جِلْدِ الْمَيْتَةِ وَلَا يُعَارِضُ بِالنَّهْيِ الْوَارِدِ عَنِ الْإِنْقَاعِ مِنْ

مردار کی کھال کے حق میں امام مالکؒ کے خلاف حجت ہے اور یہ حدیث اس نمی کے معارض نہیں ہے جو مردار سے نفع اٹھانے کے بارے میں

الْمَيْتَةِ وَهُوَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا تَتَغَفَرُوا مِنَ الْمَيْتَةِ بِإِهَابٍ لِأَنَّهُ إِسْمٌ لِغَيْرِ الْمَعْدِ بُوَغ

وارد ہوئی ہے اور وہ حضور ﷺ کا قول لَا تَتَغَفَرُوا مِنَ الْمَيْتَةِ بِإِهَابٍ ہے اس لئے کہ اہاب تو بغیر دباغت کی ہوئی کھال کا نام ہے



وَحُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ فِي جِلْدِ الْكَلْبِ وَلَيْسَ الْكَلْبُ نَجَسٌ الْعَيْنُ إِلَّا تَرَى أَنَّهُ يُنْتَفَعُ بِهِ

اور کہنے کی کمال کے حق میں امام شافعی کے خلاف بحث ہے حالانکہ سن نہیں لیکن یہاں یہ بھی دیکھتے کہ کہتے سے نگہبانی اور شکار پکڑنے کے طور پر قطع لیا جاتا ہے

حِرَاسَةٌ وَاصْطِيَادًا بِخِلَافِ الْحَنْزَلِيِّ لِأَنَّهُ نَجَسٌ الْعَيْنُ إِذَا الْهَاءُ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى فَإِنَّهُ رَجَسٌ مُنْصَرَفٌ

بخلاف سور کے کیونکہ سور نہیں لیکن یہاں اس لئے کہ باری تعالیٰ کے قول فَإِنَّهُ رَجَسٌ میں ضمیر خزیر کی

إِلَيْهِ لِقُرْبِهِ وَخُرُومَةُ الْإِنْتِفَاعِ بِأَجْزَاءِ الْأَذْيَمِيِّ لِكِرَامَتِهِ فَخَرَجَا

طرف خارج ہے کیونکہ یہی قریب ہے اور آدمی کے اجزاء کا حرام ہونا اس کی کرامت کی وجہ سے ہے پس یہ دونوں کمال میں خارج ہو گئیں

عَمَّا رَوَيْنَاهُ ثُمَّ مَا يَمْعُ النَّتْنِ وَالْفَسَادُ لَهُوَ دِبَاغٌ وَإِنْ كَانَ تَشْمِيسًا أَوْ تَتْرِيثًا

اس حدیث سے جو ہم نے روایت کی پھر جو چیز بدبو ہو جانے اور بگڑ جانے کو دیتی ہے وہی دباغت ہے اگر چہ دھوپ میں سکھانا یا مٹی لگانا ہو

لِأَنَّ الْمَقْصُودَ بِهٖ فَلَا مَعْنَى لِأَشْرَاطِ غَيْرِهِ ثُمَّ مَا يَطْهَرُ جِلْدُهُ

کیونکہ مقصود (تو اس قدر سے) حاصل ہو جاتا ہے لہذا اس کے غیر کی شرط لگانے کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ پھر جس جانور کی کمال دباغت

بِالدِّبَاغِ يَطْهَرُ بِالدِّبَاغِ لِأَنَّهُ يَعْمَلُ عَمَلُ الدِّبَاغِ فِي إِزَالَةِ الرُّطُوبَاتِ النَّجَسَةِ وَكَذَلِكَ

سے پاک ہو جاتی ہے وہ دباغ سے (بھی) پاک ہو جاتی ہے کیونکہ دباغ کرنا رطوبت مجسمہ کو دور کرنے میں دباغت کا کام دیتا ہے اور اسی طرح

يَطْهَرُ لِحَمِّهِ وَهُوَ الصَّحِيحُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَا كُنْوَ لَا

اس کا گوشت پاک ہو جاتا ہے اور یہی مذہب صحیح ہے اگر چہ وہ جانور ماکول اللحم نہ ہو

دباغت سے چمڑا پاک ہو جاتا ہے، چمڑے کا مصلیٰ بنا کر نماز پڑھنا اور مشکیزہ بنا کر

اس سے وضو کرنے کا حکم

تشریح:- اہاب ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے اس کی جمع اہب اور اُہب ہے صاحب بتایہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا

ہے دباغت کے بعد کمال کو اہیم کہتے ہیں اور دباغت سے پہلے اہاب کہتے ہیں اور لفظ جلد دونوں کو عام ہے۔ صاحب بتایہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ کمال کو دباغت دینے کے ساتھ تین مسئلے متعلق ہوتے ہیں:-

ایک تو خود اس کمال کا پاک ہونا دوم اس کا لباس بنا کر پہننا اور اس کو مصلیٰ بنانا سوم اس کا مشکیزہ بنا کر اس سے وضو کرنا۔

اول کا تعلق کتاب الصيد کے ساتھ ہے ثانی کا کتاب الصلوٰۃ کے ساتھ اور ثالث کا تعلق اس باب کے ساتھ ہے۔

شیخ قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وَالصَّلٰوةُ عَلَيْهِ یعنی وباغت کی ہوئی کھال کا لباس پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے اور یہ نہیں کہا وَالصَّلٰوةُ عَلَيْهِ یعنی اس کا مصلی بنا کر اس پر نماز پڑھنا جائز ہے اگرچہ دونوں کا حکم یکساں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لباس کی طہارت منصوص علیہ ہے اس لئے کہ باری تعالیٰ کا قول وَبِكَ فَطَقْنَا اَیْمُنًا اور مکان صلوٰۃ کی طہارت دلالت النص سے ثابت ہے۔ عہادت میں خنزیر کو آدمی پر مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ مقام، مقام اہانت ہے کیونکہ یہاں نجاست کا بیان ہے اور موضع اہانت میں مؤخر کرنے میں تعظیم ہوتی ہے نہ کہ مقدم کرنے میں جیسے باری تعالیٰ کے قول لَقَدْ مَنَّاْ عَلٰی اٰیْمُنًا وَوَصَّیْہُمْ وَاٰیْمُنًا وَوَصَّیْہُمْ وَاٰیْمُنًا میں مساجد کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے۔

مساجد کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے۔  
 صورت مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک خنزیر اور آدمی کی کھال کے علاوہ ہر کھال دباغت کرنے سے پاک ہو جاتی ہے۔ دباغت  
 خواہ کسی قسم کی ہو پس دباغت شدہ کھال کا لباس پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے اور اس کے مشکیزہ میں پانی لٹکراس سے وضو کرنا جائز ہے۔  
 امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مردار کی کھال دباغت سے پاک نہیں ہوتی ہے اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ کتے کی کھال دباغت  
 کرنے سے پاک نہیں ہوتی ہے۔ مبسوط میں مذکور ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک غیر ماکول اللحم کی کھال دباغت سے پاک نہیں ہوتی  
 امام شافعیؒ کی دلیل قیاس ہے یعنی جس طرح خنزیر کی کھال دباغت سے پاک نہیں ہوتی اسی طرح کتے کی کھال یا مبسوط کے بیان کے  
 مطابق غیر ماکول اللحم کی کھال بھی دباغت سے پاک نہیں ہوتی۔

امام مالک کی دلیل یہ حدیث ہے عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُكَيْمٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ كَتَبَ إِلَى جُهَيْنَةَ لَمَّا قُتِلَ مَوْجِبَ بِشَهْرِ أَنْ لَا تَنْتَفِعُوا مِنَ الْمَيْتَةِ بِإِهَابٍ وَلَا غَضَبٍ یعنی حضور ﷺ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی وفات سے ایک ماہ و شتر جہینہ کو لکھا کہ تم مردار کی کھال اور پٹھے کے ساتھ نفع مت اٹھاؤ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردار کی کھال ناپاک ہے اور ہماری دلیل حضور ﷺ کا قول اِنَّمَا اِهَابُ دُبْعٍ لَقَدْ طَهُرَ ہے یعنی جو کھال و بافت کی گئی وہ پاک ہوگئی ہے۔

اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے قَالَ أَرَادَ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَتَوَضَّأَ مِنْ سِقَاءٍ لَقِيَ لَهُ إِنَّهُ مَيْتَةٌ فَقَالَ دَبَاغُهُ يُزِيلُ خَبَثَهُ أَوْ لَحْمَتُهُ أَوْ رِجْلَتُهُ یعنی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے ایک مشکیزہ سے وضو کرنا چاہا تو آپ ﷺ سے کہا گیا یہ مردار ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو دباغت کرنا اس کے خُبث کو یا اس کی نجاست کو یا اس کی گندگی کو دور کر دیتا ہے۔ اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ مردار کی کھال دباغت کرنے سے پاک ہو جاتی ہے۔

اور صحیحین میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے قَالَ تَصْلِقُ عَلَى مَوْلَاكِ لِمِمْوَلَةٍ بِشَاءٍ فَمَاتَتْ فَمَرَبَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ هَلَّا أَخَذْتُمْ إِيَّاهَا فَتَبْتِغُمُوهُ فَانْتَفَعْتُمْ بِهِ فَقَالُوا إِنَّهَا مَوْتَةٌ قَالَ إِنَّمَا حُرِّمَ أَكْلُهَا.

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے کہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آزاد کردہ باندی کو ایک بکری صدقہ دی گئی تھی وہ مرگئی تو حضور ﷺ اس بکری کی طرف گزرے اور فرمایا کہ تم نے اس کی کھال لے کر دباغت کیوں نہ کر لی کہ اس سے نفع اٹھاتی۔ پس لوگوں نے کہا کہ یہ تو مردار ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا صرف کھانا حرام ہے۔

اور ایک روایت میں ہے اِنَّمَا حُرِّمَ عَلَيْكُمْ لَحْمَهَا وَرُغَصَ لَكُمْ لِيْنِ مَسْكِيهَا اس کا صرف تم پر گوشت حرام ہے اور تمہارے لئے اس کی کھال میں اجازت ہے۔ اور ایک روایت میں ہے اِنْ جَبَاغَةُ طَهُوْرٌ يَعْنِي اس کو دباغت کرنا اس کو پاک کر دینا۔ ہمارے مذہب کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو امام بخاری نے حضور ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا: قَالَتْ مَا كُنْتُ لَنَا خَاةً فَلَدْنَاهَا مَسْكِيهَا ثُمَّ مَا زِلْنَا نَبْدُ فِيْهِ حَتَّى صَارَ شَنَا يَعْنِي حضرت ام المومنین سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ ہماری ایک بکری مرگئی پس ہم نے اس کی کھال کو دباغت کر لیا پھر ہم اس میں برابر نیزہ قمر بٹاتے رہے یہاں تک کہ وہ پرانی ہو گئی۔ ان دونوں حدیثوں سے بھی مردار کی کھال کا دباغت کرنے سے پاک ہونا ثابت ہوتا ہے۔

امام شافعی کے قیاس کا جواب یہ ہے کہ کتے کی کھال کو خنزیر کی کھال پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ کتاب صحت قول کی بنا پر نجس الحین نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ گھبانی اور شکار کرنے کیلئے کتا اپنے پاس رکھنا جائز ہے۔ پس اگر کتا نجس الحین ہوتا تو اس سے نفع لینا شرعاً ممنوع ہوتا لیکن اگر یہ اشکال کیا جائے کہ نفع لینا تو نجس الحین سے بھی جائز ہے مثلاً گوبر نجس الحین ہے مگر اس کو آگ جلانے کے کام میں اور کھید کو تعویذ دینے کے لئے کھاد کے طور پر استعمال کی جاتا ہے پس کتے سے نفع لینا نجس الحین نہ ہونے کی دلیل کیسے ہو سکتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ گوبر سے نفع لیا جاتا ہے مگر اس کو ہلاک کر کے اور نجس الحین میں یہ بات جائز ہے کہ اس کو ہلاک کر کے اس سے نفع کیا جائے۔ بہر حال یہ بات ثابت ہو گئی کہ کتا نجس الحین نہیں ہے اور درہا خنزیر تو وہ نجس الحین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: قُلْ لَا يَحِلُّ لِيْ مَا اَوْحِيَ رَّبِّيْ فَمِمَّا عَلٰى صُدُوْعِهِمْ نَحْمُهُ اِلَّا اَنْ يَكُوْنُ مَيْتَةً اَوْ مِمَّا قُتِلَتْ اَوْ مِمَّا قُتِلَتْ اَوْ مِمَّا قُتِلَتْ اَوْ مِمَّا قُتِلَتْ رَجُلٌ۔

یعنی آپ کہہ دیجئے کہ جو احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے ہیں ان میں تو میں کوئی حرام غذا پاتا نہیں کسی کھانے والے کے لئے جو اس کو کھائے مگر یہ کہ وہ مردار (جانور) ہو یا بہتا ہو یا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ بالکل ناپاک ہے (تھانوی) اس آیت سے استدلال اس طور پر ہوگا کہ فہانہ کی ضمیر کے مرجع میں اگرچہ دو احتمال ہیں ایک یہ کہ مرجع لحم ہو دوم یہ کہ معتز ہو مرجع ہو۔ لیکن اقرب ہونے کی وجہ سے خنزیر کو مرجع قرار دینا اولیٰ ہے۔ پس اس صورت میں معنی ہوں گے کہ خنزیر ناپاک اور نجس ہے۔

لیکن اگر یہ اشکال کیا جائے کہ آیت میں خنزیر مضاف الیہ ہے اور مضاف الیہ غیر مقصود ہوتا ہے لہذا ضمیر کا مرجع خنزیر نہ ہوتا



سیب کی طرح خوشبودار کڑوے حرے کے پھل کا ایک درخت جس میں کانٹے نہیں ہوتے اور اس کے پتوں کو پھڑے کی دباغت میں استعمال کرتے ہیں) اور بازو کے درخت کی شرط لگائی ہے۔

واضح ہو کہ جس جانور کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے وہ ذبح سے پاک ہو جاتی ہے بشرطیکہ یہ ذبح کرنا ایسے شخص سے ہو جو ذبح کا اہل ہو چنانچہ مجوسی کا ذبح کرنا اس کو پاک نہیں کرے گا۔ دلیل یہ ہے کہ ذبح کرنا دباغت کا کام دیتا ہے اس بارے میں کہ نجس رطوبات کو زائل کر دیتا ہے اور اسی طرح ذبح کرنا اس جانور کے گوشت کو بھی پاک کر دیتا ہے اور خون کے علاوہ تمام اجزاء کو پاک کرتا ہے یہی صحیح مذہب ہے اگرچہ وہ جانور ایسا ہو جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا یعنی ذبح کرنے سے غیر ماکول اللحم کا گوشت بھی پاک ہو جاتا ہے، واللہ اعلم۔

وَشَعْرُ الْمَيْتَةِ وَعَظْمُهَا طَاهِرٌ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ نَجِسٌ لِأَنَّهُ مِنْ أَجْزَاءِ الْمَيْتَةِ

اور مردار کے بال اور اس کی ہڈی پاک ہیں۔ اور امام شافعی نے کہا کہ نجس ہیں کیونکہ یہ مردار کے اجزاء میں سے ہیں

وَلَنَا أَنَّهُ لَا حَيَوَةَ فِيهِمَا وَلِهَذَا لَا يَتَأَلَّمُ بِقَطْعِهِمَا فَلَا يَحُلُهُمَا

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ان دونوں میں حیات نہیں ہے اور اسی وجہ سے ان کے کاٹے جانے سے وہ تکلیف محسوس نہیں کرتا پس ان میں موت

الْمَوْتُ إِذَا الْمَوْتُ زَوَالَ الْحَيَوَةِ وَشَعْرُ الْإِنْسَانِ وَعَظْمُهُ طَاهِرٌ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ

بھی حلول نہیں کرے گی۔ اس لئے کہ موت تو حیات کا زوال ہے اور انسان کے بال اور اس کی ہڈی پاک ہیں۔ اور امام شافعی نے کہا

نَجِسٌ لِأَنَّهُ لَا يُنْتَفَعُ بِهِ وَلَا يَجُوزُ بَيْعُهُ وَلَنَا أَنَّ عِلْمَ الْإِنْتِفَاعِ وَالْبَيْعِ

کرنا پاک ہیں کیونکہ اس سے نفع نہیں لیا جاتا اور اس کی بیع جائز نہیں ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ انتفاع اور بیع کا نہ ہونا

لِكُرَامَتِهِ فَلَا يَذُلُّ عَلَى نَجَاسَتِهِ

آدمی کی کرامت کی وجہ سے ہے لہذا ایسا اس کی نجاست پر دلیل نہ ہوگی۔

## مردار کے بال اور ہڈیاں پاک ہیں یا نہیں

تشریح :- مسئلہ یہ ہے کہ مردار کے بال اور اس کی ہڈی پاک ہیں یعنی اگر پانی میں گر جائے تو اس سے وضو کرنا جائز ہے اور یہی حکم پٹھے، کھر، سم، سینک، اون، پر، ناخن اور چونچ کا ہے امام شافعی نے فرمایا کہ یہ تمام چیزیں ناپاک ہیں۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ یہ چیزیں مردار کے اجزاء میں سے ہیں اور مردار تمام اجزاء کے ساتھ ناپاک ہوتا ہے لہذا یہ تمام چیزیں ناپاک ہوں گی۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مردار کے تمام اجزاء ناپاک نہیں ہوتے ہیں بلکہ صرف وہ اجزاء ناپاک ہیں جن میں حیات ہو اور موت کی وجہ سے زائل ہو جائے۔ اور یہ چیزیں جو لو پر مذکور ہوئیں ان میں حیات نہیں ہوتی کیونکہ ان میں سے اگر کسی چیز کو کاٹا جائے تو جانور تکلیف

محسوس نہیں کرتا ہے۔ پس جب ان میں حیات نہیں تو موت بھی طویل نہیں کرے گی کیونکہ موت تو حیات کے ذائل ہونے کا نام ہے۔ چونکہ اس جگہ موت و حیات کا ذکر آگیا ہے اس لئے ان دونوں کے بارے میں تھوڑا سا کلام کیا جاتا ہے صاحب عنایہ رحمۃ اللہ علیہ نے موت کی دو تعریفیں کی ہیں:-

ایک زوالِ حیات زندگی کا فنا ہو جانا یعنی اس شخص سے زندگی کا معدوم ہو جانا جس کی شان ہی زعمہ ہونا ہو۔ اس تعریف میں موت ایک عدمی شے ہے اور اس کے اور حیات کے درمیان عدم و ملکہ کا تقابل ہے۔

دوسری تعریف یہ ہے کہ موت ایک صفت اور حالت ہے جو ممانی حیات ہے اس تعریف سے موت کا وجودی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ پس موت و حیات باہم ضدین ہوئے اور ضدین وہ دو امر وجودی ہیں جو مکمل واحد پر علی سبیل التعاقب وارد ہوں پس موت ایک وجودی شے ہوگی اور اس کے اور حیات کے درمیان تقابل تضاد کا ہوگا۔

دوسرے قول کی دلیل ارشاد باری خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ ہے آیت میں خلق کا مفعول موت کو قرار دیا گیا ہے اور خلق کا مفعول وجودی شے عی بن سکتی ہے کیوں کہ خلق بمعنی ایجاد ہے پس خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ کے معنی ہوں گے، موت و حیات کو موجود بنادیا۔ اس استدلال کو صاحب عنایہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح رد کر دیا کہ خلق ایجاد کے معنی میں نہیں، بلکہ تقدیر اور اعزازہ کرنے کے معنی میں ہے اور اعزازہ جس طرح وجودی اشیاء کا ہوتا ہے اسی طرح عدمی کا بھی، کیونکہ موجودات و معدومات سب اللہ کے اعزازے میں ہیں۔

ہمارے شعرائے اُردو نے بھی بڑے باجمہ فلسفیانہ اعزاز میں موت و حیات کے راز کو سمجھایا ہے۔ چکھسٹ کہتا ہے:-

ہم زندگی کیا ہے عناصر کا ظہور ترتیب      ہم موت کیا ہے انہیں اجزاء کا پریشاں ہونا

ذوق نے یوں دقیقہ رسی دکھائی ہے ۔

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے      اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

شاکی کی گل افشانی ملاحظہ ہو۔

ہم حیات و موت قیدیں ارے میری توبہ      ہم غرض عذاب دو عالم میں مبتلا ہوں میں

شیخ قدوریؒ نے دوسرا مسئلہ یہ بیان کیا ہے کہ انسان کے بال اور ہڈی پاک ہیں۔ اور امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ سینا پاک ہیں۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ آدمی کے بال اور ہڈی نہ قابل انتفاع ہیں اور نہ ان کی بیع جائز ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں ناپاک ہیں۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ان دونوں سے انتفاع اور بیع کا حرام ہونا آدمی کی کرامت کی وجہ سے ہے نہ کہ نجاست کی وجہ سے، نیز صحت کے ساتھ یہ بات بھی ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے سر کے بالوں کا طلق کرایا اور صحابہؓ کے درمیان تقسیم فرمایا۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی پاک ہونے کی دلیل ہے، واللہ اعلم۔ جمیل احمد غنی عنہ۔



## فصل فی البیر

(یہ فصل کنویں (کے احکام کے بیان) میں ہے

وَإِذَا وَقَعَتْ فِي الْبَيْرِ نَجَاسَةٌ نَزَحَتْ وَكَانَ نَزْحُ مَا فِيهَا مِنَ الْمَاءِ

اور جب کنویں میں کوئی نجاست گر جائے تو کنویں (کا پانی) نکالا جائے۔ اور اس پانی کا نکالنا جو کنویں میں ہے

طَهَارَةٌ لَهَا بِاجْتِمَاعِ السَّلَفِ وَمَسَائِلِ الْبَيْرِ مَبْنِيَّةٌ عَلَى اتِّبَاعِ الْأَقَارِذُونَ الْقِيَاسِ

اسلاف کے اجتماع کی وجہ سے اس کنویں کے لئے طہارت ہوگا، اور کنویں کے مسائل اتباع آثار پر مبنی ہیں نہ کہ قیاس پر

### کنویں کے مسائل، آبِ قلیل نجاست کے گرنے سے ناپاک ہو جاتا ہے

تشریح :- سابق میں بیان کیا گیا ہے کہ آبِ قلیل میں اگر نجاست گر جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا اور پورا پانی بہا دیا جائیگا لیکن اس پر نقص وارد ہوگا کہ کنویں میں اگر نجاست گر جائے تو بعض صورتوں میں پورا پانی نہیں نکالا جاتا ہے۔ پس چونکہ کنوؤں کے بعض احکام سابق سے مختلف ہیں اس لئے ان کی علیحدہ فصل کر دی۔ فرمایا کہ اگر کنویں میں جانور کے علاوہ کوئی نجاست گر جائے مثلاً پیشاب، شراب، خون یا خنزیر اور یہ نجاست تھوڑی ہو یا زیادہ تو کنویں کا پورا پانی نکالنا ضروری ہے۔ اور پورا پانی نکالنا کنویں کے واسطے بھی طہارت ہے یعنی کنویں کی دیواروں کا دھونا واجب نہیں ہے محض پانی نکالنے سے پورا کنواں پاک ہو گیا۔ دلیل صحابہ اور تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اجتماع ہے۔

مصنف ہدایہ نے فرمایا کہ کنویں کے مسائل اتباع آثار پر مبنی ہیں۔ قیاس کو کوئی دخل نہیں ہے چنانچہ قیاس پر پانی کی کوئی مقدار نہیں نکالی جائے گی۔ اور قیاس اس باب میں اس لئے بھی مستحضر نہیں کہ کنویں کے پانی میں دو قیاس متضاد ہیں۔ کیونکہ ایک قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ پانی ناپاک ہی نہ ہو۔ اس لئے کہ کنویں میں نیچے سے برابر پانی نکلتا رہتا ہے لہذا کنویں کا پانی آبِ جاری کا حکم میں ہوگا اور آبِ جاری نجاست گرنے سے ناپاک نہیں ہوتا ہے۔

اور دوسرا قیاس یہ ہے کہ پانی پاک ہی نہ ہو کیونکہ نجاست کے کنویں میں پڑنے سے پانی ناپاک ہوا کنویں کی دیواریں ناپاک ہوتیں اور اس کی کچھڑا پاک ہوئی اور حال یہ کہ جس قدر پانی نکالا جائے گا اسی قدر نیچے سے کنویں میں نکل آئے گا اور وہ ناپاک پانی، ناپاک کچھڑا اور ناپاک دیواروں سے مل کر خود بھی ناپاک ہو جائے گا۔ پس یہ سلسلہ قیامت تک بھی چلا رہے تو کنویں کا پانی پاک نہیں ہو سکتا۔

فَإِنْ وَقَعَتْ فِيهَا بَعْرَةٌ أَوْ بَعْرَتَانِ مِنْ بَعْرِ الْإِبِلِ أَوْ الْغَنَمِ لَمْ تُفْسِدِ الْمَاءَ اسْتِحْسَانًا وَالْقِيَاسُ

پھر اگر کنویں میں بکری یا اونٹ کی ایک میٹھی یا دو میٹھیاں گر پڑیں تو بدلیل استحسان پانی کو خراب نہیں کرے گا اور قیاس یہ چاہتا ہے

أَنْ تُفْسِدَهُ لَوْ قُوِيَ النَّجَاسَةُ فِي الْمَاءِ الْقَلِيلِ وَوَجْهُ الْإِسْحَاحِ أَنَّ بَارَ الْقَلَوَاتِ لَيْسَتْ لَهَا رُءُوسٌ

کہ پانی کو گندہ کر دے کیونکہ آبِ قلیل میں نجاست پڑ گئی۔ اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ جنگلوں کے کنوؤں کے لئے کوئی روکنے والی

حاجزۃ وَالْمَوَاضِیُ تَبْعَرُ حَوْلَهَا فَتُلْقِيهَا الرِّيحُ فِيهَا فَجُعِلَ الْقَلِيلُ عَفْوًا لِلضَّرُورَةِ

من نہیں ہوتی ہے اور مویشی ان کے گرد جھکیا کرتے ہیں۔ پس ہوا ان جگہوں کو کنویں میں ڈالتی ہے تو ضرورت کی وجہ سے قلیل کو معاف کیا گیا

وَلَا ضَرُورَةُ فِي الْكَثِيرِ وَهُوَ مَا يَسْتَكْثِرُهُ النَّاطِرُ إِلَيْهِ فِي الْمَرْوِيِّ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ

اور کثیر میں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور کثیر وہ ہے کہ جس کو اس کی طرف نظر کرنے والا کثیر جانے اس قول میں جواباً ضیفہ سے مروی ہے

وَعَلَيْهِ الْإِعْتِمَادُ وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الرُّطْبِ وَالْيَابِسِ وَالصَّحِيجِ وَالْمُنْكَسِرِ وَالرُّوثِ وَالْعِثْفِ وَالْبَغْرِ

اور اسی قول پر اعتماد ہے۔ اور تر اور خشک کے درمیان اور سالم اور ٹوٹی ہوئی میں، اور لید اور گوبر اور میٹگی میں کوئی فرق نہیں،

لِأَنَّ الضَّرُورَةَ تَشْمَلُ الْكُلَّ وَفِي شَاةٍ تَبْعَرُ فِي الْمَحَلِّ بِغَرَةٍ أَوْ بَعْرَتَيْنِ قَالُوا

کیونکہ ضرورت تو سب کو شامل ہے اور (ایسی صورت میں کہ) بکری نے دودھ دوہنے کے برتن میں ایک یا دو میٹگی کر دی تو مشائخ نے کہا

يُرْمَى الْبَغْرَةُ وَيُشْرَبُ اللَّبَنُ لِمَكَانِ الضَّرُورَةِ وَلَا يُغْفَى الْقَلِيلُ فِي الْإِنَاءِ

کہ میٹگی پھینک دی جائے اور دودھ پیا جائے ضرورت کی وجہ سے اور برتن کی صورت میں قلیل معاف نہیں کی جائے گی

عَلَى مَا قِيلَ لِعَدَمِ الضَّرُورَةِ وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ كَالْبِيرِ فِي حَقِّ الْبَغْرَةِ وَالْبَعْرَتَيْنِ

اس بنا پر کہ کہا گیا عدم ضرورت کی وجہ سے، اور ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ برتن بھی ایک دو میٹگی کے حق میں کنویں کی مانند ہے

کنویں میں اونٹ یا بکری کی ایک میٹگی یا دو میٹگیاں، خشک یا تر، سالم یا ٹوٹی ہوئی

لید اور گوبر گر جائیں تو کنواں پاک ہوگا

تشریح:- مسئلہ یہ ہے کہ اگر کنویں میں اونٹ یا بکری کی ایک میٹگی یا دو میٹگیاں گر پڑیں تو استحساناً پانی ناپاک نہیں ہوگا اور

قیاساً ناپاک ہو جائے گا ایک دو میٹگیوں سے مراد مقدار قلیل ہے۔

قیاس کی دلیل یہ ہے کہ آبِ قلیل میں نجاست گر گئی ہے اور سابق میں گذر چکا ہے کہ آبِ قلیل نجاست پڑ جانے سے ناپاک

ہو جاتا ہے۔ نجاست خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو اور یہاں وہ کنواں مراد ہے جو وہ درودہ سے کم ہو۔

اور استحسان کی دو وجہیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ جنگلوں اور بیابانوں کے کنوؤں کے سروں پر کوئی چیز روکنے والی نہیں ہوتی ہے یعنی ان کی من وغیرہ نہیں ہوتی ہے۔ اور جانور ان کے ارد گرد بیگنیاں کرتے ہیں پھر ہوا ان بیگنیوں کو کنویں میں ڈالتی ہے اس لئے ضرورت کی وجہ سے مقدار قلیل کو معاف کر دیا گیا۔ اور چونکہ کثیر میں کوئی ضرورت نہیں اس لئے اس کو معاف نہیں کیا گیا۔

رہی یہ بات کہ قلیل و کثیر کی حد کیا ہے تو اس بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ پس بعض نے کہا کہ کثیر یہ ہے کہ اتنی بیگنیاں ہوں کہ چوتھائی پانی پر چھا جائے اور کہا گیا کہ تھائی پانی تک چھائی ہوں اور کہا گیا کہ اکثر پانی تک چھائی ہوں اور بعض نے کہا کہ بیگنیاں پورا پانی گھیر لیں۔ اور بعض نے کہا کہ کوئی ڈول بغیر میٹھی کے نہ نکلے، اور بعض نے کہا کہ اگر تین میٹھی ہوں تو کثیر ہیں۔

اور امام ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ مختلی بہ اگر ان کو کثیر جانے تو کثیر ہے ورنہ قلیل ہے اور اسی قول پر اعتماد ہے کیونکہ امام ابو حنیفہ ایسے مسائل میں جو فقہ پر اور اندازہ کے محتاج ہوتے ہیں اسی شخص پر حوالہ کرتے ہیں جس کے حق میں وہ مسائل پیش آویں۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس وجہ استحسان کی بناء پر تر میٹھی، خشک، سالم اور ٹوٹی ہوئی سب برابر ہیں اس طرح لید، گوبر اور میٹھی سب کا حکم یکساں ہے کیونکہ ضرورت سب کو شامل ہے۔ جس طرح ان کنوؤں کے گرد بکریاں لانے کی ضرورت ہے اسی طرح اونٹ، گھوڑے، گائیں اور بھینسیں لانے کی ضرورت ہے اور ان کا گوبر لید بھی گرتا ہے اس وجہ کی بنیاد پر جنگلوں اور شہروں کے کنوؤں کے درمیان فرق ہوگا اس لئے کہ اگرچہ جنگلوں کے کنوؤں کے سروں پر کوئی چیز روکنے والی نہیں ہوتی مگر شہروں اور آبادیوں کے کنوؤں کی من ہوتی ہے جو کوڑا وغیرہ گرنے سے روکتی ہے اس لئے جنگلوں کے کنوؤں میں نجاست کی مقدار قلیل کو معاف کرنے کی ضرورت ہے مگر آبادیوں کے کنوؤں میں معاف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (مناہ)

دوسری وجہ استحسان صاحب مناہ رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ میٹھی ایک سخت چیز ہے اور اس پر آنکھوں کی رطوبت لگی رہتی ہے اس لئے پانی میٹھی کے اندر داخل نہیں ہو سکتا اور جب پانی اندر داخل نہیں ہوگا تو نجاست کا اثر بھی پانی میں نہیں ہوگا۔ اس لئے مقدار قلیل کو معاف کر دیا۔

اس وجہ کی بناء پر شہروں اور جنگلوں کے کنوؤں میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ کیونکہ ٹوٹی ہوئی کی صورت میں نجاست کے اجزاء پانی میں داخل ہو کر پانی کو ناپاک کر دیں گے۔

اسی طرح میٹھی اور لید و گوبر میں بھی فرق ہوگا۔ کیونکہ لید اور گوبر کے سخت نہ ہونے کی وجہ سے پانی ان کے اجزاء میں داخل ہو کر ناپاک ہو جائے گا۔

صاحب ہدایہ نے یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ اگر دودھ دوہنے کے وقت بکری ایک دو میٹھی دوہنے کے برتن میں کر دے تو میٹھی نکال کر پینک دی جائے اور دودھ پی لیا جائے کیونکہ اس میں ضرورت ہے اس لئے کہ بکریوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ دوہنے کے وقت میٹھی کرتی ہیں۔ اور اگر رکھے ہوئے برتن میں میٹھی کر دی تو مقدار قلیل بھی معاف نہیں کی جائے گی۔

کیونکہ یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ برتن کو ڈھک دینا ممکن ہے پس برتن میں اگر اس قدر نجاست پڑ جاوے جس

کو دیکھنے والا قلیل کہے تو پانی نجس ہو جائے گا۔

اور امام ابو حنیفہ سے روایت ہے کہ برتن بھی ایک دو میٹھی کے حق میں کنویں کے مانند ہے یعنی جس طرح ایک دو میٹھی سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا برتن بھی ناپاک نہ ہوگا۔

لَإِنْ وَقَعَ فِيهَا خُرْعُ الْحَمَامِ أَوْ الْغُصْفُورِ لَا يَفْسِدُهُ عِلَاقًا لِلشَّافِعِيِّ لَهُ أَنَّهُ اسْتَحَالَ إِلَى نَتْنٍ
پس اگر کنویں میں کبوتر یا چڑیا کی بیٹ گر جائے تو کنویں کو خراب نہیں کرے گی بخلاف امام شافعی کے اس کی دلیل یہ ہے کہ بیٹ بدبو اور فساد کی طرف
وَفَسَادٍ فَاشِبَةٌ خُرْعُ الذَّجَاجَةِ وَلَنَا إِجْمَاعُ الْمُسْلِمِينَ عَلَى اقْتِنَاءِ الْحَمَامَاتِ فِي الْمَسَاجِدِ
مستعمل ہوگی پس مرغی کی بیٹ کے مشابہ ہوگی۔ اور ہماری دلیل مسجدوں میں کبوتروں کے رکھنے پر مومنین (صحابہ و تابعین) کا اجماع کرنا ہے باوجودیکہ مسجدوں
مَعَ وَرُودِ الْأَمْرِ بِتَطْهِيرِهَا وَاسْتِحْضَائِهَا لَا إِلَى نَتْنٍ رَائِحَةٍ فَاشِبَةٍ الْحَمَامَةِ
کو پاک رکھنے کا حکم وارد ہے اور اس کا استحوالہ بدبو کی طرف نہیں ہے پس پانی کی تہ کی سیاہ مٹی (کچھڑ) کے مشابہ ہے

### کبوتر اور چڑیا کی بیٹ کا گرنا

تشریح :- کبوتر اور گوریے کی بیٹ میں علماء کا اختلاف ہے چنانچہ ہمارے نزدیک پاک ہے اگر کنویں میں پڑ جائے تو کنواں ناپاک نہیں ہوگا۔ اور امام شافعی کے نزدیک ناپاک ہے اس کے گرنے سے کنواں ناپاک ہو جائے گا اور قیاس بھی اس کا مقتضی ہے۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ غذا کا اپنی حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہو جانا دو طرح کا ہوتا ہے ایک یہ کہ بدبو اور فساد کی طرف منتقل ہو جائے جیسے میثاب پاخانہ، اور یہ بالاتفاق نجس ہے۔ اور دوم یہ کہ صلاح اور صحت کی طرف منتقل ہو جائے جیسے اظہاء، دودھ اور شہد اور یہ بالاتفاق پاک ہے۔ پس کبوتر وغیرہ کی بیٹ قسم اول سے ہے لہذا یہ مرغی کی بیٹ کے مشابہ ہوگی اور مرغی کی بیٹ بالاتفاق ناپاک ہے اس لئے کبوتر وغیرہ کی بیٹ بھی ناپاک ہوگی۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ صحابہؓ اور تابعین نے مسجدوں میں کبوتروں کے رکھنے پر اجماع کیا ہے باوجودیکہ مسجدوں کے پاک رکھنے کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اَنْ طَهَّرَا بَيْنِيْ وَمِمْرَے گھر یعنی مسجد کو پاک رکھو اور حضور ﷺ نے فرمایا بَجِبُوا مَسَاجِدَكُمْ صَبِيَانَكُمْ۔ یعنی بچوں کو مسجدوں سے دور رکھو، چونکہ بچوں کی وجہ سے مسجدوں کے گندہ ہونے کا امکان تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ نے اس امکانی دروازے کو بھی بند فرما دیا۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِنَاءِ الْمَسَاجِدِ فِي الدُّوْرِ وَأَنْ تُنْظَفَ وَتُطَيَّبَ۔ (رواہ ابن حبان فی صحیحہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے گھروں میں مسجدیں بنانے اور ان کے پاکیزہ اور سترار رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اور ابو داؤد کی روایت ہے: عَنْ مَسْرُورَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّهَا كَتَبَتْ إِلَى بَنِيهِ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ النَّبِيَّ

ﷺ كَانَ يَا مُؤْنَا أَنْ تَصْنَعَ الْمَسَاجِدَ فِي دُورِنَا وَتُصْلِحَ صُنْعَهَا وَتُطَهِّرَهَا حضرت سرورِ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو لکھا کہ ہم کو حضور ﷺ اپنے گھروں میں مسجد میں بنانے اور ان کو پاک رکھنے کا حکم دیتے تھے۔

ان دونوں حدیثوں سے بھی ثابت ہوا کہ مساجد کو پاک رکھنا ضروری ہے۔ اور اس مسئلہ کی اصل حضرت ابو امامہ باہلی کی حدیث ہے: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ فَكَّرَ الْعَمَلَةَ وَقَالَ إِنَّهَا أَوْ تَكْرَثُ عَلَى بَابِ الْغَارِ حَتَّى سَلِمْتُ لَعَجَازِهَا اللَّهُ تَعَالَى بِأَنْ جَعَلَ الْمَسَاجِدَ مَأْوَاهَا یعنی حضور ﷺ نے کبوتر کا شکار ادا کیا اور فرمایا کہ اس نے غار کے دروازے پر گھونسلایا جس کی وجہ سے میں سلامت رہا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ بدلہ دیا کہ مساجد کو اس کا ٹھکانا بنا دیا۔ حاصل یہ کہ صحابہؓ بغیر نگیر کے کبوتروں کو مسجد میں رہنے دیتے تھے حتیٰ کہ مسجد الحرام میں کبوتروں کا اجتماع رہتا تھا اور کبوتروں سے جو بیٹ ہوتی ہے اس کو بھی سب جانتے تھے پس صحابہؓ کا بالا جماع مساجد میں کبوتروں کو رکھنے کی اجازت دینا اس بات کی دلیل ہے کہ کبوتروں کی بیٹ پاک ہے۔

اور امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ ناپاک ہونے کا سبب دو چیزیں ہیں۔ ایک بدیو، دوم فساد اور کبوتر وغیرہ کی بیٹ میں بدیو موجود نہیں ہوتی اور اتفاقاً جو مستلزم ہوتا ہے انتہاء کل کو، یعنی نجاست کے سبب کا ایک جز منطی ہونے سے پورا سبب منطی ہو گیا اور جب سبب نجاست منطی ہو گیا تو کبوتر کی بیٹ نجس نہیں ہوگی۔ اور اگر امام شافعیؒ کی طرف سے یہ اعتراض کیا جائے کہ نجا فساد بھی موجب نجس ہے تو ہم جواب دیں گے کہ معنی فساد عقدا ہے مگر امام شافعیؒ معنی کے پاک ہونے کے قائل ہیں اور اسی طرح کھانے کی تمام چیزیں زیادہ دیر گزرنے کی وجہ سے فاسد (خراب) ہو جاتی ہیں مگر ناپاک نہیں ہوتیں پس معلوم ہوا کہ موجب نجس نہیں ہے۔ حاصل یہ کہ کبوتر وغیرہ کی بیٹ زمین کی، سیاہ مٹی کے مشابہ ہوگی اور زمین کی مٹی سیاہ مٹی بالاتفاق نجس نہیں ہے اس لئے کبوتر وغیرہ کی بیٹ بھی نجس نہیں ہوگی۔

لَإِنْ بَالَتْ فِيهَا شَاةٌ نَزَحَ الْمَاءُ كُلُّهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ

پھر اگر کنویں میں بکری چیشاب کر دے تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تمام پانی نکالا جائے۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ

لَا يَنْزَحُ إِلَّا إِذَا غَلَبَ عَلَى الْمَاءِ فَيَخْرُجُ مِنْ أَنْ يَكُونَ طَهُورًا وَأَصْلُهُ

(کچھ پانی) نہ نکالا جائے مگر جبکہ چیشاب پانی پر غالب آجائے تو پانی مطہر (پاک کر دینا) ہونے سے نکل جائے گا۔ اور اس اختلاف کی اصل

أَنْ يُولَ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ طَاهِرٌ عِنْدَهُ نَجَسٌ عِنْدَهُمَا

یہ ہے کہ ماکول اللحم جانور کا چیشاب امام محمدؒ کے نزدیک پاک ہے اور شیخین کے نزدیک ناپاک ہے

لَهُ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَمَرَ الْعَرَبِيَّ بِشَرْبِ آبِ الْإِبِلِ وَالْبَاقِيَا وَلَهُمَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ

امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے عربیوں کو اونٹ کے چیشاب اور ان کے دودھ پینے کا حکم کیا اور شیخین کی دلیل حضور ﷺ کا یہ فرمان ہے

اِسْتَنْزَهُوا عَنِ الْهَوْلِ لَإِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ مِنْ غَيْرِ فَضْلٍ وَلَا أَنَّهُ يَسْتَحِيلُ

کہ پیشاب سے بچو کیونکہ اکثر عذاب قبر اس سے ہے بغیر تفصیل کے اور اس لئے کہ ماکول اللحم جانور کا پیشاب بدبو اور فساد

إِلَى ثَنِي وَفَسَادٍ فَصَارَ كَقَبُولِ مَا لَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ وَتَأْوِيلُ مَا رَوَى

کی جانب مستحیل ہو جاتا ہے پس وہ غیر ماکول اللحم کے پیشاب کے مانند ہو گیا۔ اور اس حدیث کی تاویل جو امام محمدؒ نے روایت کی

أَنَّهُ عَرَفَ شِفَاءَهُمْ وَخَبَأَهُمْ عِنْدَ أَبِي خَنِيفَةَ لَا يَحِلُّ شُرْبُهُ لِلتَّداوِي

یہ ہے کہ حضور ﷺ نے مرینہ والوں کی شفاء بذریعہ وحی معلوم کی پھر امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ماکول اللحم جانور کا پیشاب بطور دوا

لَآ أَنَّهُ لَا يَتَقَيَّنُ بِالشِّفَاءِ فِيهِ فَلَا يُعْرَضُ عَنِ الْحُرْمَةِ وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ

ہونا بھی حلال نہیں ہے کیونکہ اس پیشاب میں شفا یقینی نہیں ہے۔ لہذا حرمت سے عرض نہیں کیا جائے گا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مرینہ کی قصہ کی وجہ سے

يَحِلُّ لِلتَّداوِي لِلْقَصَّةِ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ يَحِلُّ لِلتَّداوِي وَغَيْرِهِ لِبَطْهَارِيَّتِهِ عِنْدَهُ

دوا کیلئے (پینا) حلال ہے۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک دوا اور غیر دوا دونوں کیلئے (پینا) حلال ہے کیونکہ وہ امام محمدؒ کے نزدیک پاک ہے

## کنویں میں ماکول اللحم یعنی بکری وغیرہ پیشاب کر دے تو کیا حکم ہے

تشریح:- صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کنویں میں بکری نے پیشاب کیا تو شیخین کے نزدیک کنویں کا پورا پانی نکالا جائے گا۔ اور

امام محمدؒ نے فرمایا کہ پانی نکالنا ضروری نہیں البتہ اگر پیشاب پانی پر غالب ہو گیا تو پانی مطہر (پاک کرنا والا) نہیں رہے گا البتہ ظاہر ہوگا۔

اس اختلاف کی اصل یہ ہے کہ جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کا پیشاب امام محمدؒ کے نزدیک پاک ہے۔ اگر آپ قلیل

میں پڑ جائے تو اس کو ناپاک نہیں کرے گا بلکہ اس سے وضو کرنا جائز ہے۔ ہاں اگر پیشاب پانی پر غالب ہو گیا تو وہ ظاہر غیر مطہر ہوگا اور

شیخین کے نزدیک ماکول اللحم کا پیشاب ناپاک ہے، اگر ایک قطرہ پیشاب پانی میں گر گیا تو پانی خراب ہو جائیگا۔

امام محمدؒ کی دلیل حدیث عزیمین ہے عزیمینہ تغیر ہے عزیہ کی اور عزیہ عرفات کے قریب ایک وادی کا نام ہے اس کی طرف

نسبت کر کے ان لوگوں کو عزیمین کہا جاتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ عزیمینہ کے لوگ مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے لیکن ان کو مدینہ ک آب و ہوا موافق نہیں آئی

حتیٰ کہ ان کے رنگ زرد ہو گئے اور پیٹ پھول گئے۔ پس آنحضرت ﷺ نے ان کو حکم کیا کہ صدقہ کے اونٹوں کا پیشاب اور دودھ نوش

کریں ان لوگوں نے ایسا ہی کیا پس یہ تندرست ہو گئے پھر یہ مرتد ہو گئے اور چرواہوں کو قتل کر کے اونٹوں کو ہٹا کر لے گئے۔ پس حضور

ﷺ نے صحابہؓ کی ایک جماعت بھیجی اور ان کو راستے سے گرفتار کرایا، پھر ان کے ہاتھوں اور حیدروں کو کٹوایا اور ان کی آنکھوں میں



سلائی گرم کر کے ڈلوائی اور تھقی ہوئی ریت پر ان کو لٹایا یہاں تک کہ یہ سب مر گئے۔

اس حدیث سے استدلال اس طور پر ہوگا کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو پیشاب پینے کا حکم کیا ہے اگر ماکول اللحم جانور کا پیشاب ناپاک ہوتا تو ان لوگوں کو اس کے پینے کا حکم نہ کیا جاتا کیونکہ نجس ہونے کی صورت میں وہ حرام ہوتا اور حرام کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے: **إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَمْ يَجْعَلْ شِفَاءَ كُمْ فِيهَا حَرَمٌ عَلَيْهِمْ** یعنی اللہ تعالیٰ نے حرام چیزوں میں تمہاری شفاء نہیں رکھی ہے۔

شیخین کی دلیل حضور ﷺ کا قول **إِسْتَنْزَهِوا مِنَ الْهَوْلِ فَإِنَّهُ غَامَةُ عَذَابِ الْقَبْرِ** ہے یعنی پیشاب سے بچو کیونکہ اکثر عذاب قرب اسی سے ہوتا ہے۔ اس حدیث میں مطلقاً پیشاب سے بچنے کا حکم کیا گیا ہے پیشاب خواہ ماکول اللحم کا ہو یا غیر ماکول اللحم کا ہو۔

حدیث میں صیغہ امر ہے اور امر وجوب کیلئے ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ پیشاب ناپاک ہے ورنہ اس سے بچنے کا حکم نہ دیا جاتا۔ اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے: **إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فُتِحَ جَنَازَةُ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ وَكَانَ يَمْشِي عَلَى رُءُوسِ أَصَابِعِهِ مِنْ رِخَامِ الْمَلَائِكَةِ الَّتِي خَضَرَتْ الصَّلَاةَ عَلَيْهِ فَلَمَّا وُجِعَ فِي الْقَبْرِ ضَغْطَتُهُ الْأَرْضَ ضَغْطَةً كَثَارَتْ تَغْلِيفُ أَضْلَاعِهِ فُسِيلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ مَسِيرِهِ فَقَالَ إِنَّهُ كَانَ لَا يَسْتَنْزَهُ مِنَ الْهَوْلِ**۔

روایت ہے کہ حضور ﷺ سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازہ کے ہمراہ چل رہے تھے اور آپ ﷺ طائفہ جو نماز جنازہ میں شرکت کیلئے حاضر ہوئے تھے ان کی بھیڑ کی وجہ سے اپنی انگلیوں کے پاروؤں پر چل رہے تھے پس جب سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قبر میں رکھا گیا تو زمین نے ان کو بھینچا قریب تھا کہ پسلیاں گتہ جائیں۔ حضور ﷺ سے اس کا سبب دریافت کیا گیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیشاب سے احتیاط نہیں کرتے تھے۔

یہ حدیث نقل کر کے صاحب عتایہ نے لکھا ہے کہ حدیث میں اپنا خود پیشاب مراد نہیں ہے کیونکہ جو شخص اپنے پیشاب سے نہیں بچتا اس کی نماز جائز ہی نہیں ہوتی بلکہ اونٹ کا پیشاب مراد ہے یعنی سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اونٹوں کی دیکھ کر کھرتے وقت پیشاب سے احتیاط نہیں کرتے تھے جس کی وجہ سے ان کو قبر کی سختی میں مبتلا کیا گیا۔ یہ واقعہ بھی اس بات پر شاہد ہے کہ ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب ناپاک ہے۔

شیخین کی عقلی دلیل یہ ہے کہ ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب بھی بدبودار فساد کی جانب مستعمل ہوتا ہے لہذا یہ بھی غیر ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب کے مشابہ ہو گیا۔ پس جس طرح غیر ماکول اللحم کا پیشاب نجس ہے اسی طرح ماکول اللحم کا پیشاب بھی نجس ہوگا۔

حضرت امام محمدؒ کی پیش کردہ حدیث کا ایک جواب تو وہ ہے جو صاحب ہدایہ نے دیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو بذریعہ وحی

معلوم ہو گیا تھا کہ ان لوگوں کی شفاء پیشاب میں ہے اس وجہ سے ان کو پیشاب پینے کا حکم کیا گیا اور چونکہ اب یہ بات معلوم نہیں ہو سکتی اس لئے اب اس سے دوا بھی نہیں ہو سکتی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں اقوال کا لفظ نہیں ہے بلکہ صرف الکبان کا ہے یعنی آپ ﷺ نے ان لوگوں کو دودھ پینے کا حکم کیا تھا نہ کہ پیشاب پینے کا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے، لہذا اب یہ حدیث قابل استدلال نہیں ہوگی۔

پھر واضح ہو کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک پیشاب عین دوا کے طور پر بھی جائز نہیں ہے کیونکہ اب پیشاب میں شفاء کا ہونا یقینی نہیں ہے لہذا اس کو حرام سمجھنے سے اعراض نہ کرے۔ اور امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ دوا کے طور پر پیشاب عینا جائز ہے اور دلیل قصہ مرثیہؒ ہے۔ اور امام محمدؒ چونکہ ماکول اللحم کے پیشاب کی طہارت کے قائل ہیں اس لئے انہوں نے کہا کہ مطلقاً جائز ہے دوا کے طور پر بھی اور بغیر دوا کے بھی واللہ اعلم بالصواب۔

وَإِنْ مَاتَتْ فِيهَا قَارَةٌ أَوْ عُصْفُورَةٌ أَوْ سَوْدَانِيَّةٌ أَوْ صَعْوَةٌ أَوْ سَامٌ أَوْ رَحَى

اور اگر کنویں میں چوہا یا چڑیا یا بھگیا یا مولایا یا دی چھٹکی مر جائے

يُنَزَّحُ مِنْهَا عَشْرُونَ ذَلُولًا إِلَى ثَلَاثِينَ بِحَسَبِ كِبَرِ الذَّلُولِ وَصِغَرِهَا

تو پڑے اور پھوٹے ذول کے اعتبار سے کنویں سے تیس (۲۰) سے تیس (۳۰) ذول تک نکالے جاویں

يَعْنِي بَعْدَ إِخْرَاجِ الْقَارَةِ لِخَلْقِ النَّسِ أَنَّهُ قَالَ فِي الْقَارَةِ إِذَا مَاتَتْ فِي الْبَيْتِ وَأُخْرِجَتْ مِنْ مَسَاحِيقِهِ

یعنی چوہا (وغیرہ) نکالنے کے بعد حدیث النس کی وجہ سے کہ انہوں نے ایسے چوہے کی صورت میں جو کنویں میں (گر کر) مرے اور اسی وقت نکال لیا

يُنَزَّحُ مِنْهَا عَشْرُونَ ذَلُولًا وَالْعُصْفُورَةُ وَنَحْوُهَا تُعَادِلُ الْقَارَةَ فِي الْجَنَّةِ فَأُخْرِجَتْ حُكْمُهَا

فرمایا کہ کنویں میں سے تیس ذول نکالے جاویں اور چڑیا اور اس کے مانند جانور جو چوہے کے برابر ہیں تو انہوں نے بھی چوہے کا حکم پایا

وَالْعَشْرُونَ بِطَرِيقِ الْإِنْتِجَابِ وَالْثَلَاثُونَ بِطَرِيقِ الْإِسْتِجَابِ

پھر تیس (۲۰) ذول نکالنا بطور انتجاب ہے اور تیس (۳۰) بطور استجاب ہیں

کون کون سے جانور کنویں میں گر کر مر جائیں تو تیس ذول وجوباً اور تیس ذول استحباباً نکالے جائیں

تشریح: ان مسائل کا حاصل یہ ہے کہ جو جانور کنویں میں گر گیا اس کی سات صورتیں ہیں کیونکہ وہ جانور یا تو چوہا اور اس

کے مانند ہوگا یا مرغی اور اس کے مانند ہوگا یا بکری اور اس کے مانند ہوگا۔ پھر ان میں سے ہر ایک زعمہ نکالا گیا ہوگا یا مردہ۔ اگر مردہ ہے

تو پھر دو صورتیں ہیں۔ پھول پھٹ گیا ہوگا یا نہیں، پس اگر وہ جانور زعمہ نکال لیا گیا تو کنواں ناپاک نہیں ہوگا علاوہ اس کے کہ سور گر گیا

ہو، کیونکہ سور بالاتفاق نجس الحین ہے لہذا اس صورت میں کنواں ناپاک ہو جائے گا اگرچہ اس کو زعمہ ہی کیوں نہ نکالا ہو۔ اور جو حضرات

کہتے کہ نجس الحین کہتے ہیں ان کے نزدیک کتابھی سور کے حکم میں ہوگا۔

اور اگر اس جانور کو مردہ نکالا گیا ہے تو پہلی صورت میں یعنی جبکہ مردار چھ پایا اس کے مانند کوئی جانور ہو تو حکم یہ ہے کہ اس مردار کو نکالنے کے بعد بیس ڈول نکالنا واجب ہے اور تیس کا نکالنا مستحب ہے۔ یعنی حکم ایک چھ ہے سے لے کر چار تک کا ہے۔ اور پانچ سے نو تک چالیس ڈول نکالنا واجب ہے اور دس چھ ہوں میں پورا پانی نکالنا واجب ہوگا۔

دلیل یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ جب ایک مرتبہ کنویں میں چھ ہا کر کر مر گیا اور اس کو اسی وقت نکال دیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بیس ڈول پانی نکالا جائے۔

اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے تیس ڈول نکالنے کا حکم کیا پس دونوں حدیثوں میں توفیق کے پیش نظر حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وجوب پر محمول کیا گیا اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اثر کو استحباب پر محمول کیا گیا۔

اور یہاں اوسط درجہ کا ڈول مراد ہے۔ اوسط درجہ کا ڈول یہ ہے کہ جس کو شہر میں عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ یا اس کنویں پر عام طریقہ سے استعمال کیا جاتا ہے پس اگر بڑے ڈول سے پانی نکالا گیا تو اسی حساب سے بیس ڈول سے کم نکالے جائیں اور اگر چھوٹے ڈول سے پانی نکالا گیا تو اسی حساب سے بیس پر اضافہ کر دیا جائے۔

فَإِنْ مَاتَتْ فِيهَا خِمَامَةٌ أَوْ نَحْوُهَا كَالْجَاذِجَةِ وَالْبُسُودِ نَزَخَ مِنْهَا مَا بَيْنَ أَرْبَعِينَ ذَلْوًا إِلَى سِتِّينَ
پھر اگر کنویں میں کبوتر یا اس کے مانند جیسے مرغی اور ملی مر جائے تو کنویں سے چالیس ڈول سے ساٹھ تک نکالے جائیں
وَلِيَّ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ أَرْبَعُونَ أَوْ خَمْسُونَ وَهُوَ الْأَكْثَرُ لِمَا رَوَى عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَالتَّحْلُوفِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ لِيَّ الدَّجَاجَةُ
اور جامع صغیر میں ہے چالیس یا پچاس ڈول۔ اور یہی قول ائمہ ہے کیونکہ ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ انہوں نے مرغی کے بارے میں فرمایا
إِذَا مَاتَتْ فِي الْبَيْرِ نَزَخَ مِنْهَا أَرْبَعُونَ ذَلْوًا هَذَا لِتَبَيُّانِ الْإِنْبَابِ وَالْخَمْسُونَ بِطَرِيقِ الْأُسْتَحْبَابِ
کہ جب وہ کنویں میں مر جائے تو اس سے چالیس ڈول نکالے جائیں۔ یہ مقدار بیان انبیا کے واسطے ہے اور پچاس ڈول کا حکم بطریق استحباب ہے
ثُمَّ الْمُغْتَبَرُ فِي كُلِّ بَيْرٍ ذَلْوُهَا الَّذِي يُسْقَى بِهِ مِنْهَا وَيَقْتَلُ ذَلْوٌ يَسَعُ فِيهِ صَاعٌ
پھر معتبر ہر کنویں (کے پاک کرنے) میں ہی کنویں کا ڈول ہے جس سے پانی نکالا جاتا ہے اور کہا گیا کہ ایسا ڈول (مستمر) ہے جس میں ایک صاع (پانی) سما جائے
وَلَوْ نَزَخَ مِنْهَا بِذَلْوٍ عَظِيمٍ مَرَّةً مِقْدَارَ عَشْرِينَ ذَلْوًا جَازَ لِحَصُولِ الْمَقْصُودِ
اور اگر کنویں سے بڑے ڈول کے ذریعہ بیس ڈول کے برابر ایک ہی مرتبہ نکال دیا جائے تو جائز ہے کیونکہ مقصود حاصل ہو گیا

کون کون سے جانور کنویں میں گر کر مر جائیں تو چالیس ڈول وجوہاً

اور پچاس ڈول استحباباً نکالے جائیں گے

تشریح :- دوسری صورت یہ ہے کہ کنویں میں کبوتر یا اس کے مانند کوئی جانور مر گیا مثلاً مرغی یا ملی تو اس کا حکم یہ ہے کہ

کنویں سے چالیس ڈول سے ساٹھ تک نکالے جائیں یعنی چالیس کا نکالنا واجب ہے اور ساٹھ کا نکالنا مستحب ہے۔

اور امام محمدؒ نے جامع صغیر میں بیان کیا ہے کہ چالیس یا پچاس یعنی چالیس واجب ہیں اور پچاس مستحب۔ صاحب ہدایہ نے اسی قول کو اظہر کہا ہے کیونکہ جامع صغیر امام محمدؒ کی آخری تصنیف ہے لہذا اس میں جو کہا گیا ہے وہ امام محمدؒ کا قول مرجوح الیہ ہوگا۔  
 دلیل یہ ہے کہ ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے اس مرغی کے بارے میں فرمایا جو کنویں میں گر گئی کہ اس کنویں سے چالیس ڈول نکالے جائیں پھر واضح ہو کہ ہر کنویں میں اسی کا ڈول مستحب ہے۔ یعنی جس ڈول سے پانی نکالا جاتا ہو کنواں پاک کرنے میں اسی کا اعتبار کیا جائے گا۔

اور ایک قول ضعیف یہ ہے کہ وہ ڈول مستحب ہے جس میں ایک صاع پانی آجائے صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کنواں پاک کرنے میں ڈول کا عدد مستحب نہیں بلکہ اتنی مقدار پانی نکالنا مستحب ہے چنانچہ اگر کسی نے کنویں میں سے بڑے ڈول کے ذریعہ ایک ہی مرجہ میں ڈول کے بقدر پانی نکال دیا تو جائز ہے کیونکہ مقصود حاصل ہو گیا اس لئے کہ جو مقدار مقدس تھی وہ نکال دی گئی۔

وَإِنْ مَاتَ فِيهَا خَافَةٌ أَوْ أَدْمِيٌّ أَوْ كَلْبٌ نَزَعَ جَمِيعَ مَا فِيهَا مِنَ الْمَاءِ لِأَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَابْنَ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا

لَوْ أَنَّ كُنُوزَ مِثْلِهِ بَكَرِيٍّ أَوْ دَمِيٍّ أَوْ كَلْبٍ نَزَعَ جَمِيعَ مَا فِيهَا مِنَ الْمَاءِ لَأَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَابْنَ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا

أَلْقَتْهَا بِنَزْحِ الْمَاءِ كُلِّهِ جَمْعٌ مَاتَ زَنْجِيٌّ لِي بَشِيرٍ زَمُومٌ

پورا پانی نکالنے کا فتویٰ دیا جب زمزم کے کنویں میں ایک حبشی گر کر مر گیا

بکری یا آدمی یا کتا کنویں میں گر کر مر جائے تو پورا پانی نکالا جائے گا

تشریح: تیسری صورت یہ ہے کہ اگر کنویں میں بکری مرغی یا آدمی یا کتا کنویں کا پورا پانی نکالنا واجب ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ

جب ایک حبشی ہر زمزم میں گر کر مر گیا تو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پورا پانی نکالنے کا فتویٰ صادر فرمایا تھا۔

فَإِنْ انْتَفَخَ الْحَيَوَانُ فِيهَا أَوْ تَفْسَخَ نَزَعَ جَمِيعَ مَا فِيهَا صَغِيرَ الْحَيَوَانِ أَوْ كَبِيرَ

مُحَرَّرٍ أَوْ كَبِيرٍ نَزَعَ جَمِيعَ مَا فِيهَا صَغِيرَ الْحَيَوَانِ أَوْ كَبِيرَ

لَا يُتَشَارُ الْبَلَّةُ لِي أَجْزَاءِ الْمَاءِ

کیونکہ (نا پاک) تری تمام اجزاء آب میں پھیل گئی ہے

جانور کنویں میں گر کر مر جائے اور پھول پھٹ جائے تو تمام پانی نکالا جائے گا

تشریح:- مسئلہ یہ ہے کہ کنویں میں کوئی جانور گر کر مر گیا اور پھول گیا یا پھٹ کر بڑا بڑا ہو گیا۔ پس اگر ممکن ہو تو کنویں

کا تمام پانی نکالا جائے، جانور خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو۔ مکمل یہ ہے کہ پھول پھٹ کر جانور کے ناپاک اجزاء کی تری پانی میں پھیل گئی ہے اس لئے پورا پانی ناپاک ہوگا۔ جیسا کہ پانی میں خون کا یا شراب کا ایک قطرہ اگر پڑ جائے تو پورے پانی میں پھیل کر اس کو ناپاک کر دیتا ہے۔

وَإِنْ كَانَتْ الْبِيرُ مَعِينَةً بِحَيْثُ لَا يُمَكِّنُ نَزْحُهَا أَخْرَجُوا بِمِقْدَارِ مَا كَانَ فِيهَا مِنَ الْمَاءِ

اور اگر کنواں چشمہ دار ہو یاں طور کہ اس کا تمام پانی نکالنا ممکن نہ ہو جو پانی اس میں (گرنے کے وقت موجود ہو) اس کی مقدار نکال دیا جائے

وَحَرِيقُ مَقَرِّهِ أَنْ تُحْفَرَ حَفْرٌ مِثْلَ مَوْضِعِ الْمَاءِ مِنَ الْبِيرِ وَ يُصَبَّ فِيهَا

اور اس کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ کنویں میں موجود پانی کی جگہ کے مثل ایک گڑھا کھودا جائے اور جو پانی کنویں سے نکالا جاتا ہے

مَا يُنْزَخُ مِنْهَا إِلَى أَنْ تَمْتَلِئَ أَوْ تُرْمَلَ فِيهَا قَصْبَةٌ وَتُجْعَلَ لِمَبْلَغِ الْمَاءِ عَلَامَةٌ

وہ اس میں ڈالا جائے یہاں تک کہ وہ گڑھا بھر جائے، یا یہ کہ کنویں میں ایک ہانس ڈالا جائے اور پانی جہاں تک پہنچا وہاں نشان کر دیا جائے

ثُمَّ يُنْزَخُ مِنْهَا مَثَلًا عَشْرَ دِلَآءٍ ثُمَّ تَعَادُ الْقَصْبَةُ فَتُنْظَرُ كَمْ انْتَقَصَ

پھر کنویں میں سے مثلاً دس ڈول نکالے جائیں پھر وہ ہانس دوبارہ (کنویں میں ڈال کر) دیکھا جائے کہ کتنا (پانی) کم ہوا

فَيُنْزَخُ لِكُلِّ قَلْبَرٍ مِنْهَا عَشْرُ دِلَآءٍ وَ هَذَا مِنْ أَبِي يُوسُفَ وَعَنْ مُحَمَّدٍ

پس ہر مقدار کیلئے اس میں سے دس ڈول نکالے جائیں اور یہ دونوں طریقے ابو یوسف سے مروی ہیں۔ اور امام محمد سے مروی ہے

نُزَخَ مِائَتًا دَلْوًا إِلَى ثَلَاثِ مِائَةٍ فَكَانَتْ بَنِي قَوْلَهُ عَلَى مَا ضَاهَدَ فِي بَلَدِهِ وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ فِي الْجَمَاعِ الصَّغِيرِ

کہ دسویں تین سو ڈول تک نکالے جائیں۔ پس شاید امام محمد نے اپنے شہر میں جو مشاہدہ کیا اسی پر اپنا قول مبنی کیا۔ اور امام ابو حنیفہ سے جامع صغیر میں

فِي مِثْلِهِ يُنْزَخُ حَتَّى يَغْلِبَهُمُ الْمَاءُ وَلَمْ يُقَلِّدِ الْقَلْبَةَ بِشَيْءٍ

ایسے چشمہ دار کنویں کے بارے میں مروی ہے کہ پانی نکال دیا جائے یہاں تک کہ پانی ان پر غالب آجائے اور غلبہ کی کوئی مقدار کسی چیز سے مقرر نہیں کی

كَمَا هُوَ ذَاهِبٌ وَقِيلَ يُؤْخَذُ بِقَوْلِ رَجُلَيْنِ لَهُمَا بَصَارَةٌ لِي أَمْرِ الْمَاءِ وَهَذَا أَشْبَهُ بِالْفِقْهِ

جیسا کہ امام صاحب کا دستور ہے۔ اور کہا گیا کہ دوسرا عادل کا قول لیا جائے جن کو پانی کے معاملہ میں بصارت ہو اور یہ قول فقہ کے زیادہ مشابہ ہے

## جاری کنویں کے پاک کرنے کا حکم

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کنواں چشمہ دار ہو یعنی اس کا پانی منقطع نہیں ہوتا تو ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ وقوع نجاست

کے وقت اس میں جس قدر پانی موجود ہو اس کو نکال دیں۔ اور پانی کی موجودہ مقدار کی شناخت کے دو طریقے حضرت امام ابو یوسف

(۱) یہ کہ کنویں میں جہاں تک پانی ہے لمبائی، چوڑائی اور گہرائی کے اعتبار سے اسی کے مثل ایک گڑھا کھودا جائے اور کنویں سے پانی نکال کر اس گڑھے میں ڈالا جائے پس جب وہ گڑھا بھر جائے تو سمجھا جائے گا کہ کنویں کا پورا پانی نکل گیا اور کنواں پاک ہو گیا۔

(۲) یہ کہ کنویں میں ایک ہانس ڈالا جائے یا بھاری پتھر باندھ کر رسی کا سرانٹکا یا جائے پس جب وہ تھ پر بیٹھ جائے تو کھینچ کر دیکھیں کہ پانی کہاں تک پہنچا وہاں نشان کر دیں، پھر کنویں میں سے بیک وقت ۱۰ ڈول نکال کر پھینک دیں پھر اس ہانس یا رسی کو دوبارہ کنویں میں ڈال کر دیکھا جائے کہ کتنا پانی گھٹا، مثلاً کنویں میں دس فٹ پانی ہے اور یکبارگی ۱۰ ڈول نکالنے سے ایک فٹ پانی کم ہو گیا تو معلوم ہوا کہ کل پانی ۱۰۰ ڈول ہیں لہذا ۹۰ ڈول اور نکال دیجئے تاکہ پورے ۱۰۰ ڈول ہو جائیں پس ۱۰۰ ڈول نکال کر سمجھا جائے گا کہ نجاست گرتے وقت جس قدر پانی کنویں میں تھا وہ سب نکل گیا۔ امام محمد سے روایت ہے کہ کنویں میں سے دوسو سے تین سو سے ڈول تک نکالے جائیں۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ امام محمد کے قول کی بنیاد ان کے مشاہدہ پر ہے کیونکہ امام محمد کے شہر (بغداد) کے کنوؤں کا پانی بالعموم ۲۰۰ اور ۳۰۰ ڈول کہ درمیان ہوتا تھا لیکن اس اندازہ کا ہر جگہ ٹھیک ہونا ضروری نہیں ہے کیونکہ جن مقامات میں کثرت سے پانی ہوتا ہے وہاں اسی کی مقدار میں کل پانی نکلے گا۔

اور جامع صغیر میں امام ابو حنیفہ سے ایسے چشمہ دار کنویں کے بارے میں مروی ہے کہ نجس کنویں کو پاک کرنے کے لئے اس قدر پانی نکالا جائے کہ پانی ان کو تھکا کر مغلوب کر دے اور اپنی عادت کے مطابق حضرت امام اعظم نے غلبہ کی کوئی مقدار مقرر نہیں کی ہے یعنی امام الہمام کی عادت ہے کہ وہ ایسی صورتوں میں مبتلی بہ کی رائے پر چھوڑ دیتے ہیں۔

اور بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ جن کو پانی کی مقدار کا اندازہ لگانے میں مہارت ہو ایسے دو عادل مردوں کے قول پر عمل کیا جائے اگر وہ ۲۰۰ ڈول کا اندازہ لگائیں تو کنواں پاک ہونے کیلئے ۲۰۰ ڈول نکالنا واجب ہوگا اور اگر اس سے کم یا زیادہ کا اندازہ لگائیں تو اس کا نکالنا ضروری ہوگا۔

فاضل معنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ قول فقہ سے زیادہ مشابہ ہے۔ فقہ سے مراد وہ معنی ہیں جو کتاب و سنت سے مستنبط ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حکام کی قیمت کا اندازہ لگانے میں دو عادل مردوں کا اعتبار کیا ہے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے قُلْ أَزِيدُ قِشْلُ مَا قُتِلَ مِنَ النَّعْمِ بِكُمْ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ وَ شَہَادَاتُ كَيْفَانٍ مِّنْ هُوَ وَ كَيْفَانُ أَذْنَىٰ عَدْلٍ فَنُكْفَرُ اور پانی کے بارے میں بصارت اور تجربہ کی شرط اس لئے لگائی کہ احکام صاحب علم سے ہی مستفاد ہوتے ہیں۔ اللہ رب العزت کا قول ہے فَسَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔

وَإِنْ وَجَدُوا فِي الْبُيْرِ قَارَةً أَوْ غَيْرَهَا وَلَا يُنْزِلُ مَتًى وَقَعَتْ وَلَمْ تَنْفُخْ أَعَادُوا

اور اگر لوگ کنویں میں چھ لپا کوئی اور جانور (مردہ) پائیں اور یہ معلوم نہ ہو کہ کب گرا ہے اور وہ ابھی تک پھولا نہ ہو تو یہ لوگ اپنے ایک دن



صَلَاةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ إِذَا كَانُوا تَوَضُّؤًا مِنْهَا وَغَسَلُوا كُلَّ شَيْءٍ أَصَابَهُ مَآؤُهَا

رات کی نمازیں لوٹائیں جبکہ اسی پانی سے وضو کر کے (پڑھی ہوں) اور ہر اس چیز کو دھوئیں جس کو اس کنویں کا پانی پہنچا ہو

وَإِنْ كَانَتْ قَدْ انْتَضَحَتْ أَوْ تَفَسَّخَتْ أَعَادُوا صَلَاةَ لَيْلَةٍ أَيْامٍ وَلَيَالِيهَا وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ لَا لَوْسَ عَلَيْهِمْ

اور اگر وہ جانور پھول یا پھٹ گیا ہو تو تین دن رات کی نمازیں لوٹائیں اور یہ حکم ابو حنیفہ کے نزدیک ہے۔ اور صاحبین نے کہا کہ ان پر

إِعَادَةُ شَيْءٍ حَتَّى يَتَحَقَّقُوا أَنَّهَا مَنَى وَقَعَتْ لِأَنَّ الْيَقِينَ لَا يَزُولُ بِالشَّكِّ وَصَارَ كَمَنْ

کسی چیز کا اعادہ واجب نہیں یہاں تک کہ ان کو تحقق ہو کہ یہ کب گرا ہے کیونکہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔ اور یہ ایسا ہو گیا جسے کسی نے اپنے

رَأَى فِي نَوْبِهِ النَّجَاسَةَ وَلَا يَلْبِثُ مَتَى أَصَابَتْهُ وَلَا يَبْثُرُ حَنِيفَةَ أَنَّ لِلْمَوْتِ سَبَبًا ظَاهِرًا

کھڑے میں نجاست دیکھی اور اس کو یہ معلوم نہیں کہ یہ نجاست کب لگی ہے۔ اور ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ موت کیلئے ایک ظاہری سبب ہے

وَهُوَ الْوُقُوعُ فِي الْمَاءِ فَيَحَالُ بِهِ عَلَيْهِ إِلَّا أَنْ الْإِنْفِخَاحَ دَلِيلُ التَّقَادُّمِ فَيَقْدَرُ بِالثَّلَاثِ

اور وہ پانی میں گرنا ہے تو اسی سبب پر اسے محول کیا جائے گا مگر یہ کہ پھول جانا پرانا ہونے کی دلیل ہے پس تین دن کے ساتھ اعادہ لگایا جائے گا

وَعَلِمُ الْإِنْفِخَاحَ وَالتَّفَسُّخَ دَلِيلُ قُرْبِ الْعَهْدِ فَيَقْدَرُ نَاهِ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ لِأَنَّ مَا دُونَ ذَلِكَ مَسَاعِدَاتٌ

اور نہ پھولنا اور نہ پھٹنا نزدیکی زمانہ کی دلیل ہے پس ہم نے اس کا ایک دن رات کے ساتھ اعادہ لگایا کیونکہ اس سے کم تو ساعات ہیں

لَا يُمَكِّنُ حَبْطُهَا وَأَمَّا مَسْأَلَةُ النَّجَاسَةِ فَقَدْ قَالِ الْمَعْلَى هِيَ عَلَى الْخِلَافِ فَيَقْدَرُ بِالثَّلَاثِ فِي الْبَالِي

جن کا ضبط ممکن نہیں ہے اور رہا (کھڑے کی) نجاست کا مسئلہ تو معلوم ہے کہ یہ بھی اختلافی ہے۔ پس پرانی نجاست میں تین دن کے ساتھ

وَيَوْمٍ وَلَيْلَةٍ فِي الطَّرِيقِ وَلَوْ مُلِمًا

اور تازہ نجاست میں ایک دن رات کے ساتھ مقدار مقرر کی جائے گی۔ اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ (اس میں اختلاف نہیں)

فَالثُّوْبُ بِمَرَأَى عَيْنِهِ وَالْبَيْرُ غَائِبَةٌ عَنْ بَصَرِهِ فَيُفْتَرَقَانِ

تو کپڑا اس کی نظر گاہ میں ہے اور کنواں اس کی نظر سے غائب ہے تو دونوں صورتوں میں فرق ہو گیا

کنویں میں مرا ہوا جانور دیکھا تو اس پانی سے طہارت کر کے پڑھی ہوئی نمازوں کا حکم

شریح :- مسئلہ یہ ہے کہ اگر لوگوں نے کسی کنویں میں مرا ہوا جانور دیکھا اور یہ دریافت نہیں ہو سکا کہ کب گرا ہے اور ابھی

تک پھولا پھٹا بھی نہیں تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ اگر اس کنویں کے پانی سے وضو کر کے نمازیں پڑھی ہوں تو ایک دن ایک رات کی

نمازیں لوٹائے اور جس چیز کو اس کنویں کا پانی لگا ہوا اس کو دھو ڈالے اور اگر وہ جانور پھول گیا یا پھٹ کر پاش پاش ہو گیا تو تین دن تین

رات کی نمازوں کا اعادہ کرے یہ حکم حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک ہے۔ اور صاحبینؒ کا مذہب یہ ہے کہ ان لوگوں پر کسی چیز کا اعادہ واجب نہیں ہے یہاں تک کہ تحقیق ثابت ہو جائے کہ یہ جانور کب گرا ہے۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ کنویں کا پانی بالیقین پاک تھا مگر اس میں مراد جانور پانے کی وجہ سے گزشتہ ایام میں اس کے ناپاک ہونے میں شک واقع ہو گیا کیونکہ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ جانور کنویں میں ابھی کچھ پہلے گرا ہوا اور ابھی تک اس کا پانی استعمال نہیں کیا۔

اور یہ بھی امکان ہے کہ چند یوم پہلے گرا ہوا اور اس پانی سے وضو کر کے نمازیں پڑھی ہوں بہر حال گزشتہ ایام میں اس کے ناپاک ہونے میں شک واقع ہو گیا اور یقین شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوتا لہذا جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ یہ جانور کب گرا ہے گزشتہ ایام میں اس کے ناپاک ہونے کا حکم نہیں کیا جائے گا ہاں اگر اس کے گرنے کا وقت معلوم ہو گیا تو گرنے کے وقت سے ناپاک ہو جائے گا کیونکہ ایک یقین دوسرے یقین سے زائل ہو جاتا ہے اور یہ حکم ایسا ہے جیسے کسی نے اپنے کپڑے پر نجاست دیکھی اور یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ نجاست کب لگی ہے تو اس شخص پر نماز وغیرہ کا اعادہ واجب نہیں ہوتا۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ جانور کا پانی میں گرنا اس کی موت کا ظاہری سبب ہے اور قاعدہ ہے کہ مسبب اگر غشی ہو تو ظاہری سبب پر حکم لگانا واجب ہوتا ہے لہذا اس جانور کی موت کو پانی میں گرنے کی طرف منسوب کیا جائے گا یعنی یہ کہا جائے گا کہ یہ جانور پانی ہی میں مرا ہے۔ اگرچہ احتمال یہ بھی ہے کہ کسی اور سبب سے مر کر پانی میں گرا ہو لیکن یہ احتمال موہوم ہے اور موہوم چیز ظاہر کے مقابلہ میں مستبر نہیں ہوتی اس وجہ سے یہ احتمال بھی ناقابل اعتبار ہو گا۔ اور یہ ایسا ہے جیسے کسی شخص نے کسی کو زخم لگایا، وہ اس کی وجہ سے صاحب فراش ہو گیا حتیٰ کہ مر گیا تو یہی کہا جائے گا اس کی موت اُس زخم کی وجہ سے واقع ہوئی ہے اگرچہ احتمال اس کے علاوہ کا بھی ہے لیکن اس جانور کا پھول پھٹ جانا اس بات کی دلیل ہے کہ اس جانور کو مرے دی ہو گئی ہے اور تقادم اور دیری کی ادنیٰ مدت تین دن ہیں چنانچہ اگر کسی شخص کو بغیر نماز جنازہ دفن کر دیا گیا تو اس کی قبر پر تین دن تک نماز پڑھی جاسکتی ہے اور تین دن کے بعد قبر پر نماز پڑھنا درست نہیں کیونکہ تین دن کی مدت میں نش پھول پھٹ جاتی ہے، اس وجہ سے دیری کی ادنیٰ مدت تین دن کے ساتھ مقدر کی گئی ہے۔

اور جس صورت میں پھولنا، پھٹنا نہیں پایا گیا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ جانور نزدیکی زمانہ میں گر کر مرا ہے اور مقادیری کم از کم مدت ایک دن ایک رات ہے۔ کیونکہ اس سے کم ساتھیں ہیں جن کا ضبط کرنا ممکن نہیں ہے اس وجہ سے ہم نے اس کی مقدار ایک دن رات مقرر کی ہے۔

وَأَمَّا مَسْئَلَةُ النِّجَاسَةِ سے صاحبین رحمہما اللہ کے قیاس کا جواب ہے مصنف ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے دو جواب دیئے ہیں اول تو یہ کہ کپڑے پر نجاست لگ جانے کا مسئلہ بھی اتفاقی نہیں ہے بلکہ مختلف فیہ ہے چنانچہ فقیر مصر اور محدث بے مثل معلیٰ بن منصور رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ مسئلہ بھی اختلافی ہے لہذا امام صاحبؒ کے نزدیک پرانی نجاست کی صورت میں تین رات دن کی مقدار سے اور تازہ نجاست کی صورت میں ایک دن ایک رات سے مقدار مقرر کی جائے گی حتیٰ کہ اگر اسی ناپاک کپڑے میں نمازیں پڑھی

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ یہ مسئلہ اتفاق ہے اس میں اختلاف نہیں تو بھی نجاست لگے ہوئے کپڑے پر قیاس کرنا درست نہیں کیونکہ کپڑا بدن پر ہونے کی وجہ سے ہمہ وقت اس کی نظروں کے سامنے رہتا ہے اگر نجاست پہلے سے لگی ہوتی تو اسی وقت دیکھ لی ہوتی، پس اس وقت دیکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ ابھی لگی ہے اور کتواں اس کی نظر سے غائب رہتا ہے ہو سکتا ہے کہ جانور پہلے سے مرا ہو مگر اس کو علم نہیں ہوا۔ حاصل یہ کہ ان دونوں صورتوں میں فرق ہے اس وجہ سے کنویں کے مسئلہ کو کپڑے کے مسئلہ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کیونکہ قیاس مع الفارق درست نہیں۔ واللہ اعلم۔ جمیل۔

☆☆☆☆☆☆

## فصل فی الآسار وغیرہا

ترجمہ:- (یہ) فصل آسار وغیرہ (کے بیان) میں ہے۔

تشریح:- جب مصنف ہدایہ پانی کے اعداد جانوروں کے گرنے کی وجہ سے پانی کے ناپاک ہونے اور نہ ہونے کے بیان سے فارغ ہو گئے تو اب اس فصل میں پانی کے ساتھ لعاب کے مل جانے کی وجہ سے اس کے پاک اور ناپاک ہونے کو بیان فرمائیں۔ آسار سُور کی جمع ہے معنی ہیں بچا ہوا کھانا یا پانی وغیرہ جس کو عرف میں جوٹھا کہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک سُور کی چار قسمیں ہیں (۱) پاک جیسے آدمی اور ماکول اللحم کا جوٹھا (۲) مکروہ جیسے بلی کا جوٹھا (۳) ناپاک جیسے خنزیر اور درندوں کا جوٹھا (۴) مفلوک یہ جیسے گدھے اور ٹھکر کا جوٹھا۔

وَعَرَقِي كُلَّ حَيٍّ مُغْتَبَرٍ بِسُورِهِ لِأَنَّهُمَا يَتَوَلَّدَانِ مِنْ لَحْمِهِمَا فَأَخَذَ أَخَذَ هُمَا حُكْمَ صَاحِبِهِ.

ترجمہ:- اور ہر جاندار کا پسینہ اس کے جوٹھے کے لحاظ سے محترم ہے کیونکہ لعاب اور پسینہ دونوں اس کے گوشت سے پیدا ہوتے ہیں پس ایک نے دوسرے کا حکم لے لیا۔

## جاندار کے پسینے کا حکم

تشریح:- شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ مناسب یہ ہے کہ مصنف فرماتے وَسُورٌ كُلُّ حَيٍّ مُغْتَبَرٍ بِعَرَقِهِ کیونکہ کلام سُور کے بیان میں ہے نہ کہ عرق (پسینہ) کے بیان میں صاحب محتایہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ صحیح نہیں کیونکہ مصنف آسار کے ضمن میں عرق (پسینہ) کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔ اگر مصنف وَسُورٌ كُلُّ حَيٍّ مُغْتَبَرٍ بِعَرَقِهِ فرماتے تو اس کے بعد یہ کہنا واجب تھا عَرَقِي الْكَلْبَ كَلًّا وَغَيْرِهِ تو اس صورت میں یہ فصل بیان عرق کے لئے ہوگی نہ کہ بیان سُور کیلئے حالانکہ یہ فصل سُور (جوٹھا) کو بیان کرنے کے لئے منعقد کی گئی ہے نہ کہ عرق کو بیان کرنے کیلئے۔

بہر حال مسئلہ یہ ہے کہ ہر جاندار کے پسینہ کو اس کے سُور پر قیاس کیا جائے گا یعنی جو حکم سُور کا ہو گا وہی اس کے پسینہ کا ہوگا۔

دلیل یہ ہے کہ پینہ اور سوز یعنی لعاب دونوں گوشت سے پیدا ہوتے ہیں لہذا دونوں کا حکم یکساں ہوگا لیکن اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ گدھے کا جوشھا مشکوک ہے حالانکہ اس کا پینہ پاک ہے تو قیاس کہاں ہوا۔

جواب یہ ہے کہ پاک ہونے میں شک نہیں بلکہ پاک کرنے والا ہونے میں شک ہے یعنی اس میں شک ہے کہ گدھے کا جوشھا پانی اس لائق رہتا ہے کہ اس سے طہارت حاصل کی جائے یا نہیں اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ بذات خود پاک ہے لہذا اس کا پینہ بھی پاک ہوگا۔

وَسُورُ الْأَذْمِيِّ وَمَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ طَاهِرٌ لِأَنَّ الْمُخْتَلَطَ بِهِ اللَّعَابُ وَقَدْ تَوَلَّدَ
اور آدمی کا اور ماکول اللحم جانور کا پس خوردہ پاک ہے کیونکہ اس (جوشھے) میں ملی ہوئی چیز لعاب ہے اور لعاب
مِنْ لَحْمٍ طَاهِرٍ فَيَكُونُ طَاهِرًا وَيَدْخُلُ فِي هَذَا الْجَوَابِ الْجُنُبُ وَالْحَائِضُ وَالْكَافِرُ
پاک گوشت سے پیدا ہوتا ہے لہذا وہ پاک ہوگا اور جنسی حائضہ اور کافر اس حکم میں داخل ہوگا

## آدمی، ماکول اللحم جانور، جنسی، حائضہ اور کافر کے جوشھے کا حکم

تشریح :- اس مہار میں سوز (جوشھے پانی) کی چار قسموں میں سے پہلی قسم کا بیان ہے یعنی آدمی کا جوشھا پاک ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر، جنسی ہو یا حائضہ۔ اسی طرح ان جانوروں کا جوشھا پاک ہے جن کا گوشت کھایا جاتا ہے جیسے گائے، بکری اونٹ وغیرہ۔ دلیل یہ ہے کہ پانی، لعاب دہن لٹنے کی وجہ سے جوشھا ہوتا ہے اور لعاب پیدا ہوتا ہے گوشت سے، اور ان جانوروں کا گوشت پاک ہے لہذا لعاب بھی پاک ہوگا اور جب لعاب پاک ہے تو جس چیز میں ان کا لعاب مخلوط ہوگا وہ چیز بھی پاک ہوگی۔

سور آدمی کے پاک ہونے پر حدیث رسول اللہ ﷺ شاہد عدل ہے: **إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَيُّ بِقَدَحٍ مِنْ لَبَنٍ فَشَرِبَ وَنَاولَ النَّبِيَّ أَغْرَابًا كَانَ مِنْ بَعْثِهِ فَشَرِبَهُ ثُمَّ نَاولَ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فَشَرِبَهُ** حضور ﷺ کی خدمت میں دودھ کا ایک پیالہ پیش کیا گیا اور آپ ﷺ نے پیا اور باقی ایک امرابی کو دیدیا، جو آپ ﷺ کی داہنی طرف تھا، اس نے پیا پھر اس نے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیدیا انہوں نے بھی پیا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آدمی کا جوشھا پاک ہے۔ اور عقلی بات یہ ہے کہ آدمی کی ذات پاک ہے لہذا اس کا جوشھا بھی پاک ہوگا۔ رہی یہ بات کہ اس کا گوشت نہیں کھایا جاتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ آدمی کے گوشت کا نہ کھایا جاتا اس کی کرامت کی وجہ سے ہے نہ کہ اس کی نجاست کی وجہ سے جنسی آدمی کے جوشھے پانی کا پاک ہونا بھی حدیث سے ثابت ہے: **إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَفِي حُلَيْفَةٍ لَمَذَ يَذُّهُ لِيَصْلِحَهُ فَقَبَضَ يَدَهُ وَقَالَ إِنِّي جُنُبٌ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ لَا يَنْجَسُ**۔

روایت ہے کہ حضور ﷺ کی حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ آپ ﷺ نے مصافحہ کے واسطے اپنا ہاتھ بڑھایا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا ہاتھ یکسر لیا اور کہا کہ (اللہ کے پاک رسول) میں جنبی ہوں (شریعت اسلام کے بانی اعظم ﷺ) نے فرمایا کہ مومن ناپاک نہیں ہوتا ہے۔ اور سؤرہ انقض کے پاک ہونے پر حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے استدلال کیا گیا ہے۔ اِنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا خَرَبَتْ مِنْ اِنَاءٍ لِّیْ حَالٍ خَوَّضَهَا فَوَضَعَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَمَّةً عَلٰی مَوْجِعٍ لِّیْهَا وَخَرَبَتْ۔

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حالت حیض میں ایک برتن سے پانی پیا پس حضور ﷺ نے اسی جگہ اپنا منہ رکھ کر پانی پیا جس جگہ سے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پیا تھا۔ پس عائشہ کا جوٹھا اگر ناپاک ہوتا تو حضور ﷺ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جوٹھا پانی کیوں نوش فرماتے درآنحالیکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حالت حیض میں تھیں۔

اور کافر کا پاک ہونا بھی حدیث سے ثابت ہے: رَوَى أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أُنْزِلَ وَلَهُدْ ثَقِيفٌ فِي الْمَسْجِدِ وَكَانُوا مُشْرِكِينَ.

روایت کیا گیا ہے کہ ثقیف کا ایک وفد مسجد میں آکر ٹھہرا حالانکہ وہ لوگ مشرک تھے پس اگر عین مشرک نجس ہوتا تو آنحضرت ﷺ ان لوگوں کو مسجد میں قیام کی اجازت نہ دیتے۔ اور رہا باری تعالیٰ کا قول **إِنَّمَا الْمَشْرِكُونَ نَجَسٌ** تو اس سے مراد اعتقادی نجاست ہے نہ کہ ظاہر بدن کا نجس ہونا۔

وَسُورُ الْكُلْبِ نَجَسٌ وَيُغَسَّلُ الْإِنَاءُ مِنْ وَلَوْغِهِ ثَلَاثًا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يُغَسَّلُ الْإِنَاءُ

اور کہتے کا جو ٹھکانا پاک ہے اور اس کے منڈا لےنے کی وجہ سے برتن عین مرتد ہو جائے گا کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ کہتے کے منہ

مِنْ وَلَوْغِ الْكَلْبِ لَنَا وَلِلسَّانِ يَلْهَى الْمَاءُ دُونَ الْإِنَاءِ فَلَمَّا تَنَجَّسَ الْإِنَاءُ

ڈالنے سے برتن تین بار دھویا جائے اور (پچے وقت) کتے کی زبان پانی سے متصل ہوتی ہے نہ کہ برتن سے پس جب برتن ناپاک ہو گیا

فَالْمَاءُ أَوْلَىٰ وَهَذَا يُفْقِدُ النِّجَاسَةَ وَالْعِدَّةَ فِي الْغُسْلِ وَهُوَ

تو پانی بدرجہ اولیٰ (ناپاک ہوگا)۔ اور یہ حدیث (پانی کے) ناپاک ہونے کا اور دھونے میں (نہیں گے) عدد کا قائلہ دیتی ہے اور یہ (حدیث)

## وَالْأَمْرُ الْوَارِدُ بِالسَّبْعِ مَحْمُولٌ عَلَى ابْتِدَاءِ الْإِسْلَامِ

اور سات کے عدد پر وارد ہونے والا امر سودہ ابتدائے اسلام پر محمول ہے

### کتے کے جوٹھے کا حکم

تشریح:- اس عبارت میں کتے کے جوٹھے پانی کا حکم مذکور ہے۔ حضرت امام مالکؒ کے علاوہ تمام کے نزدیک کتے کا جوٹھا ناپاک ہے۔ اگر کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے تو اس برتن کا تین بار دھونا واجب ہے۔ البتہ امام مالکؒ سؤر کلب کی طہارت کے قائل ہیں۔ حاصل یہ کہ یہاں دو باتیں ہیں۔

(۱) کتے کے جوٹھے کی نجاست (۲) اس کے منہ ڈالنے سے برتن کا تین بار دھونا اس پر حضور ﷺ کے قول سے

استدلال کیا جاتا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کتا برتن میں منہ ڈال دے تو اس برتن کو تین بار دھویا جائے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ کتے کی زبان پانی سے ملتی ہے نہ کہ برتن سے پس جب کتے کے برتن میں منہ ڈالنے سے برتن ناپاک ہو گیا تو پانی بدرجہ اولیٰ ناپاک ہو جائے گا۔ بعض حضرات نے اعتراض کیا کہ ممکن ہے کہ حدیث میں دلوغ کے معنی چاشنا ہو اس صورت میں زبان برتن کے ساتھ متصل ہوگی نہ کہ پانی کے ساتھ لہذا اس حدیث سے استدلال بالاولویت تام نہیں ہوگا۔

جواب یہ ہے کہ دلوغ کے حقیقی معنی کتے کا نوک زبان سے پانی وغیرہ مٹنا ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب تک معنی حقیقی کے خلاف قرینہ نہ پایا جائے تو حقیقی معنی ہی مراد ہوں گے۔ بہر حال حدیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں، ایک یہ کہ کتے کا لعاب ناپاک ہے۔ دوم یہ کہ دھونے کی تعداد میں تین مرتبہ ہے۔ یہ حدیث امام شافعیؒ کے خلاف حجت ہے۔ کیونکہ امام شافعیؒ سات بار دھونا ضروری قرار دیتے ہیں۔ اور دلیل عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث اِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ اِذَا وَلَعَ الْكَلْبُ فِيْ اِيَابِكُمْ فَاغْسِلُوْهُ سَبْعًا وَغَفِرُوْهُ النَّامَةَ بِالتَّوَابِ ہے یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر تمہارے برتن میں کتا منہ ڈال دے تو تم اس کو سات بار دھوؤ اور آٹھویں بار اس کو مٹی سے مانجھو۔

لیکن ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں دلوغ کلب سے سات مرتبہ دھونے کا حکم تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ اور بات دراصل یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں حضور ﷺ نے کتوں کے بارے میں لوگوں پر سختی کر دی تھی تاکہ کتوں کے جمع کرنے سے باز رہیں پھر جب عادت جاتی رہی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعیؒ پر حجت الزامی پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ جس چیز کو کتے کا پیشاب لگے وہ تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جاتی ہے تو جس چیز کو اس کا جوٹھا لگ جائے حالانکہ وہ اس کے پیشاب سے کمتر ہے تو بدرجہ اولیٰ تین مرتبہ



دھونے سے پاک ہو جائے گی۔ کتے کے جوٹھے کو اس کے پیشاب سے کم اس لئے کہا کہ کتے کے پیشاب کی طہارت کا کوئی قائل نہیں ہے اور اس کے جوٹھے کو امام مالک طاہر کہتے ہیں، واللہ اعلم۔

وَسُورُ الْخَنَازِيرِ نَجِسٌ لِأَنَّهُ نَجِسٌ الْعَوْنُ عَلَى مَا مَرَّ

اور خنزیر کا جوٹھا نا پاک ہے کیونکہ خنزیر نجس العین ہے جیسا کہ گذر چکا

وَسُورُ مِثْبَاقِ الْبَهَائِمِ نَجِسٌ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ فِيمَا مِثْوَى الْكَلْبِ وَالْخَنَازِيرِ

اور بہائم درندوں کا جوٹھا نا پاک ہے کتے اور خنزیر کے علاوہ میں امام شافعی نے اختلاف کیا ہے

لِأَنَّ لَحْمَهُمَا نَجِسٌ وَمِنْهُ يَتَوَلَّدُ اللَّعَابُ وَهُوَ الْمُعْتَبَرُ فِي الْبَابِ

کیوں کہ ان (درندوں) کا گوشت نا پاک ہے اور لعاب اسی (گوشت) سے پیدا ہوتا ہے۔ اور یہی (گوشت ہی) اس باب میں معتبر ہے

## خنزیر اور دوسرے درندوں کے پس خوردہ کا حکم

تشریح:- مسئلہ ہمارے نزدیک درندوں (شیر، بھینسا، بھیریا، ہاتھی وغیرہ) کا جوٹھا نا پاک ہے۔ اور امام شافعی نے کہا کہ کتے اور خنزیر کے علاوہ تمام درندوں کا جوٹھا نا پاک ہے، امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ سے ان حوضوں کے بارے میں میں دریافت کیا گیا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان میں ہیں آپ ﷺ سے یہ بھی کہہ دیا گیا کہ کتے اور درندے وہاں پانی پینے کے واسطے آتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لَهَا مَا أَخَذَتْ فِي يَدَيْهَا وَلَهَا مَا بَقِيَ خِرَابٌ وَطَهُورٌ۔ یعنی جوانہوں نے اپنے پیٹ میں لے لیا وہ ان کیلئے ہے اور جو باقی رہ گیا وہ ہمارے پینے کیلئے ہے اور پاک ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے اَنْتَوُضَا بِمَا الْفَضْلُ الْخَمْرُ فَقَالَ نَعَمْ وَبِمَا الْفَضْلُ السِّبَاعُ كُلُّهَا كَمَا هُمْ كَدَمُونَ کے بچے ہوئے پانی سے وضو کر لیا کریں، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اور درندوں کے بچے ہوئے سے بھی ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ درندوں کا جوٹھا نا پاک ہے۔

ہماری دلیل یہ حدیث ہے اِنْ غَمَرَ وَغَمَرُ وَبَنَ الْعَاصِ رَجَى اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا وَرَدَا حَوْضًا فَقَالَ غَمَرُوْنِ الْعَاصِ يَا صَاحِبَ الْحَوْضِ اَقْرُبِ السِّبَاعَ مَا نَكَ هَذَا فَقَالَ غَمَرُ يَا صَاحِبَ الْحَوْضِ لَا تُغْبِرُنَا فَلَوْلَا اَنَّهُ كَانَ اِذَا اُنْغَبِرَ يُوْرُوْدُ السِّبَاعَ يَتَعَلَّزُ عَلَيْنَا اِسْتِعْمَالُهُ لِمَا نَهَاهُ عَنْ ذَلِكَ۔ حضرت عمر اور عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں حضرات ایک حوض کے پاس تشریف لے گئے عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اے مالک حوض کیا تیرے اس پانی پر درندے آتے ہیں (اس کے جواب دینے سے پہلے) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اے حوض کے مالک ہم کو خبر نہ دینا کیونکہ اگر درندوں کی آمد کی خبر دی گئی تو ہم دونوں پر اس کا استعمال محذور ہو جائے گا کیونکہ حضور ﷺ نے اس سے منع کیا ہے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ درعدوں کا جوٹھا ناپاک ہے۔ ہماری طرف سے عقلی دلیل یہ ہے کہ درعدوں کا گوشت ناپاک ہے اور لعاب اسی سے پیدا ہوتا ہے اور لعاب کے پاک اور ناپاک ہونے میں گوشت ہی معتبر ہے یعنی اگر گوشت ناپاک ہے تو اس کا لعاب بھی ناپاک ہوگا اور اگر گوشت پاک ہے تو اس کا لعاب بھی پاک ہوگا۔ حضرت امام شافعیؒ کی پیش کردہ احادیث کا جواب یہ ہے کہ درعدوں کے جوٹھے پانی کے پاک ہونے کا حکم ابتدائے اسلام میں ان کے گوشت کی تحریم سے پہلے تھا، پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ سوال بڑے حوضوں کے بارے میں تھا اور اس کے ہم بھی قائل ہیں کہ بڑا حوض ناپاک نہیں ہوتا ہے۔

وَسُوْرُ الْهَرَّةِ طَاهِرٌ مَّكْرُوْرَةٌ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ غَيْرُ مَكْرُوْرٍ لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يُصِغِي لَهَا الْإِنَاءَ

اور بلی کا جوٹھا پاک ہے (مکر) مکروہ ہے اور ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ وہ غیر مکروہ ہے اس لئے کہ حضور ﷺ بلی کے سامنے برتن جھکا دیتے

فَتَشْرَبُ مِنْهُ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ مِنْهُ وَلَهُمَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْهَرَّةُ سَبْعٌ وَالْمُرَادُ بِهَا الْحَكَمُ

پس وہ اس سے پی لیتی پھر آپ ﷺ اس سے وضو فرماتے اور طرفین کی دلیل حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ بلی درعدہ ہے اور مقصد حکم کو بیان کرنا ہے

إِلَّا أَنَّهُ سَقَطَتِ النَّجَاسَةُ لِعِلَّةِ الطَّوَابِ فَبَقِيَتْ الْكَرَاهَةُ وَمَا رَوَاهُ مَحْمُوْلٌ عَلَى مَا قَبْلَ التَّحْرِيمِ

مگر طواف کی وجہ سے نجاست ساقط ہوگئی اور کراہت باقی رہ گئی۔ اور وہ روایت جس کو ابو یوسفؒ نے روایت کیا ہے وہ مائل التحريم پر محمول ہے

ثُمَّ قِيلَ كَرَاهَتُهُ لِحُرْمَةِ اللَّحْمِ وَقِيلَ لَعَلَّمْ تَحَامِيْهَا النَّجَاسَةُ

پھر کہا گیا کہ اس کی کراہت، گوشت کے حرام ہونے کی وجہ سے ہے اور کہا گیا کہ نجاست سے اس کے پرہیز نہ کرنے کی وجہ سے ہے

وَهَذَا يُشِيرُ إِلَى التَّزْوِهِ وَالْأَوَّلُ إِلَى الْقُرْبِ مِنَ التَّحْرِيمِ

اور یہ (نجاست سے بد پرہیزی) مکروہ تنزیہی کی طرف مشیر ہے اور قول اول مکروہ تحریمی کے قریب ہونے کی طرف (مشیر) ہے

## بلی کے جوٹھے کا حکم

تشریح :- بلی کے جوٹھے میں فقہاء احناف کا اختلاف ہے چنانچہ طرفین رحمہما اللہ نے کہا کہ بلی کا جوٹھا پاک ہے مگر مکروہ ہے پھر امام طحاویؒ کراہت تحریمی کے قائل ہیں اور امام کرہیؒ کراہت تنزیہی کے قائل ہیں۔ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ بلی کا جوٹھا غیر مکروہ ہے اور یہی قول امام شافعیؒ کا ہے۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضور ﷺ بلی کے سامنے پانی کا برتن جھکا دیتے وہ اس سے پانی پی لیتی پھر آپ ﷺ اس سے وضو کر لیتے۔ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد ابو یوسفؒ نے کہا کَتَبْتُ أَكْرَهُ مَعَ هَذَا الْحَدِيثِ . اس حدیث کے رچے ہوئے بلی کے جوٹھے کو کیسے مکروہ قرار دوں۔

ایک اور حدیث ہے عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ أَلُوْحًا أَمَا وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي إِيَّائِي وَاجِدٌ لَدَى أَصَابَتِ مِنْهُ الْهَرَّةُ قَبْلَ ذَلِكَ.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور رسول اکرم ﷺ ایک برتن میں وضو کرتے حالانکہ اس سے پہلے مٹی اس میں سے پی چکی تھی۔ اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ مٹی کا جو ٹھانڈا کراہت پاک ہے۔ اور طرفین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: الْيَهُودُ صَبَّحَ لِيْ اَيْکَ دَرْعِهِ ہے اس قول سے اللہ کے رسول کا مقصد مٹی کی پیدائش اور صورت بیان کرنا نہیں ہے بلکہ حکم بیان کرنا مقصود ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت احکام و شرائع بیان کرنے کے لئے ہوئی ہے نہ کہ خلقت اور صورت بیان کرنے کے لئے۔ پس جب مٹی کا حکم وہ ہے جو درعدہ کا ہے تو درعدہ کے مانند اس کا جو ٹھانڈا پاک ہے ہونا چاہیے تھا حالانکہ آپ اس کی نجاست کے قائل نہیں ہیں۔

صاحب ہدایہ نے جواب میں فرمایا کہ قیاس کا تقاضا تو یہی تھا لیکن علت طواف کی وجہ سے ملی کے جوٹھے کی نجاست ساقط ہوگئی اور کراہت باقی رہ گئی۔ علت طواف سے یا تو ضرورت مراد ہے یعنی ضرورت کی وجہ سے نجاست ساقط ہوگئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر اجازت طلب کرنا واجب کیا ہے جو کسی کے گھر میں داخل ہونے کا ارادہ کرے لیکن ضرورت کی وجہ سے مملوکین اور نابالغ بچوں سے اوقات طلع (نماز صبح سے پہلے، دوپہر بوقت قیلو، عشا کی نماز کے بعد) کے علاوہ میں اس حکم کو ساقط کر دیا گیا چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَذِهِ السُّبُلَ الَّتِي كَفَرُوا بِهَا وَكُفِّرُوا بَعْدَ ذَلِكَ بِهَا وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ

وَجِئْنَا تَضَعُونَ شَيْءًا بَيْنَ يَدَيْهِ وَمِنْ بَعْدِ صَلَوةِ الْغُضُوفِ وَكَانَ لَكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ

أَبْدُ مِنْ طَوَافُوتٍ عَلَيْكُمْ بَطْشُكُمْ عَلَى بَعْضٍ۔

اسے ایمان والو! تمہارے پاس آنے کیلئے تمہارے مملوکوں اور تم میں سے جو حد بلوغ کو نہیں پہنچے ان کو عین وقتوں میں اجازت لینا چاہیے (ایک تو نماز صبح سے پہلے اور (دوسرے) جب (سوتے کیلئے) دوسرا کو اپنے (بعض) کپڑے اتار دیا کرتے ہو اور (تیسرے) نماز عشاء کے بعد یہ تین وقت تمہارے پردوں کے (وقت) ہیں اور ان اوقات کے سوا نہ تم پر کوئی الزام ہے اور نہ (بلا اجازت چلے آنے میں) ان پر کوئی الزام ہے کیونکہ وہ بکثرت تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں کوئی کسی کے پاس اور کوئی کسی کے پاس۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ علت طواف سے حدیث عائشہ کی طرف اشارہ ہو۔ حدیث یہ ہے: عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ  
تَعَالَى عَنْهَا أَنَّهَا كَانَتْ تُصَلِّيُ وَ لِي بِبَيْتِهَا قُضْعَةٌ مِنْ هَرِيرٍ فَجَاءَتْ هِرَّةٌ وَأَكَلَتْ مِنْهَا فَلَمَّا فَرَغَتْ  
مِنْ صَلَاتِهَا دَعَتْ جَارَاتِ لَهَا فَكُنَّ يَتَحَامَيْنَ مِنْ مَوْضِعٍ لَيْسَ فِيهَا لَعْنَةٌ يَلْبَسُهَا وَأَخَذَتْ مَوْضِعَ لَيْسَ فِيهَا  
وَأَكَلَتْ وَقَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ الْهَرَّةُ لَيْسَتْ بِنَجَسٍ إِنَّمَا هِيَ مِنَ الطَّوَائِفِ  
وَالطَّوَائِفُ عَلَيْكُمْ لَعْنٌ لَا تَأْكُلْنَ.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ وہ نماز پڑھ رہی تھیں اور ان کے گھر میں ہریسہ (ایک قسم کا کھانا جو

گوشت اور گندم ملا کر تیار کیا جاتا ہے) ایک پیالہ میں رکھا تھا پس ملی آکر اس میں سے کھانے لگی پس جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نماز سے فارغ ہوئیں تو اپنے پڑوس کی عورتوں کو بلایا وہ اس جگہ سے پرہیز کرنے لگیں جہاں ملی نے منہ مارا تھا، پس حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا ہاتھ بڑھا کر اسی جگہ سے لیا اور کھالیا اور کھا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ ملی ناپاک نہیں ہے وہ تمہارے پاس چکر لگاتی رہتی ہے تمہیں کیا ہو گیا تم کیوں نہیں کھاتی ہو۔

حاصل یہ ہے کہ مقتضی قیاس تو یہی تھا کہ ملی کا جوٹھا ناپاک ہو مگر اس حدیث کی وجہ سے اس کی نجاست ساقط ہو گئی ہے البتہ کراہت باقی رہی۔ اور امام ابو یوسفؒ کی پیش کردہ حدیث مائل التحريم پر محمول ہے۔ پھر امام طحاوی کی دلیل اس بات پر کہ ملی کا جوٹھا مکروہ تحریمی ہے یہ ہے کہ ملی کے جوٹھے پانی میں کراہت اس کے گوشت کے حرام ہونے کی وجہ سے آئی ہے اور ظاہر ہے کہ تحریم کی وجہ سے جو کراہت ہوگی وہ کراہت تحریمی ہوگی نہ کہ کراہت تنزیہی۔ اور کراہت تنزیہی پر امام کرچی کی دلیل یہ ہے کہ ملی کے جوٹھے میں کراہت اس لئے پیدا ہوئی کہ وہ نجاست سے احتیاط نہیں کرتی ہے اور ظاہر ہے کہ عدم احتیاط سے جو کراہت پیدا ہوگی وہ تنزیہی ہوگی نہ کہ تحریمی۔

وَلَوْ أَكَلْتَ الْفَارَةَ ثُمَّ شَرِبْتَ عَلَى فُورِهِ الْمَاءَ يَتَجَسَّسُ إِلَّا إِذَا مَكَثَتْ سَاعَةً يَغْسِلُهَا فَمَهَا

اور اگر ملی نے چوہا کھا کر پھر اسی وقت پانی پی لیا تو پانی ناپاک ہو جائے گا مگر جبکہ تھوڑی دیر ٹھہری رہی (تو پانی ناپاک نہیں ہوگا) اس لئے کہ ملی نے اپنا منہ اپنے

بلعابہا وَلَا سِتْنَاءَ عَلَى مَذْهَبِ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَيَسْقُطُ إِعْتِبَارُ الصَّبِّ لِلضَّرُورَةِ

لحباب سے دھو ڈالا۔ اور استثناء ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے مذہب پر ہے اور ضرورت کی وجہ سے بہانے کا اعتبار ساقط ہو جائے گا

ملی نے چوہا کھا کر فوراً پانی میں منہ ڈال دیا یا تھوڑی دیر ٹھہر کر پانی میں منہ ڈالا تو پانی کا کیا حکم ہے

تشریح :- مسئلہ یہ ہے کہ ملی نے چوہا کھا کر بلا توقف برتن میں منہ ڈال کر پانی پی لیا تو یہ پانی ناپاک ہو جائیگا ہاں اگر تھوڑی دیر توقف کیا پھر پانی پیا تو شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک پانی ناپاک نہیں ہوگا۔ البتہ امام محمدؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی ناپاک ہو جائے گا۔ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ان کے نزدیک بہنے والی پاک چیزوں سے نجاست کا زائل کرنا جائز ہے لہذا ملی نے جب چوہا کھا کر توقف کیا تو اس نے اپنی زبان سے ہونٹوں کی نجاست صاف کر دی اور اس کو نگل گئی، پھر اس کے بعد برتن میں منہ ڈالا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کی نزدیک عضو پاک کرنے کیلئے بہانا شرط ہے اور وہ یہاں پایا نہیں گیا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ضرورت کی وجہ سے بہانے کا اعتبار ساقط ہو گیا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک چونکہ بغیر پانی کے نجاست

زائل نہیں ہوتی اس لئے ایسی ملی کا جوٹھا ہر حال میں ناپاک ہوگا خواہ اس نے لعاب سے اپنا منہ صاف کیا ہو یا صاف نہ کیا ہو۔

وَسُورُ الدِّجَاجَةِ الْمُخْلَاةِ مَكْرُورَةٌ لِأَنَّهَا تُخَالِطُ النَّجَاسَةَ وَلَوْ كَانَتْ مَحْبُوسَةً بِحَيْثُ لَا يَصِلُ مِنْقَارُهَا

اور ہاہر پھرنے والی مرغی کا جوٹھا مکروہ ہے کیونکہ وہ (مخلات مرغی) نجاست سے تھڑ جاتی ہے اور اگر مرغی اس طرح محبوس ہو کہ اس کی چونچ

إِلَى مَا نَحَتْ فَلَنَمِيهَا لَا يُكْرَهُ لَوْ قُوعَ الْأَمْنِ عَنِ الْمُخَالَطَةِ وَكَذَا سُورُ مِبَاعِ الطَّيْرِ

اس کے بچوں کے نیچے تک نہ پہنچے تو اختلاط نجاست سے امن واقع ہونے کی وجہ سے مکروہ نہیں ہوگا اور اسی طرح شکاری پرندوں کا جوٹھا (مکروہ) ہے۔

لَآئِهَا تَأْكُلُ الْمَيْتَاتِ فَآثِبَةُ الذَّجَاجَةِ الْمُخَلَّاءَةِ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهَا إِذَا كَانَتْ مَحْبُوسَةً

کیونکہ یہ شکاری پرندے مردار جانور کھاتے ہیں تو تخللات مرغی کے مشابہ ہو گئے۔ اور ابو یوسف سے مروی ہے کہ یہ (شکاری پرندے) اگر قید ہوں

يَعْلَمُ صَاحِبُهَا أَنَّهُ لَا قَلْبَرَ عَلَى مِتْقَارِهَا لَا يُكْرَهُ لَوْ قُوعَ الْأَمْنِ عَنِ الْمُخَالَطَةِ

ان کا مالک جانتا ہے کہ ان کی چونچ پر نجاست نہیں تو (ان کا جوٹھا نجاست سے) مخالط سے امن واقع ہونے کی وجہ سے مکروہ نہ ہوگا

وَأَمْتَحَسَنَ الْمَشَائِخِ هَذِهِ الرِّوَايَةُ

اور مشائخ نے اس روایت کو مستحسن کہا ہے

## مرغی کے جوٹھے کا حکم

تشریح :- مسئلہ نجاستوں اور غلاظتوں پر بھرنے والی مرغی کا جوٹھا بھی مکروہ ہے دلیل یہ ہے کہ تخللات مرغی نجاست سے غلط رہتی ہے اس لئے اس کا جوٹھا کراہت سے خالی نہیں ہوگا اور اگر مرغی کو بھرے وغیرہ میں قید کر لیا گیا ایسے طور پر کہ اس کی چونچ اس کے بچوں تک نہ پہنچے تو اس کا جوٹھا مکروہ نہیں ہوگا۔

دلیل یہ ہے کہ کراہت، اختلاط نجاست کی وجہ سے تھی اور قید کرنے کی وجہ سے اختلاط سے مامون ہو گئی اس لئے اس کا جوٹھا مکروہ نہیں ہوگا۔ یہی حکم شکاری پرندوں کے جوٹھے کا ہے یعنی شکاری پرندوں کا جوٹھا بھی مکروہ ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ شکاری پرندے مردار جانور کھاتے ہیں لہذا یہ بھی تخللات مرغی کے مشابہ ہو گئے۔

صاحب حنائیہ نے لکھا ہے کہ درندوں کے جوٹھے پر قیاس کا تقاضا تو یہی تھا کہ شکاری پرندوں کا جوٹھا بھی ناپاک ہو مگر احتساباً اس کو ناپاک نہیں کہا اور وجہ احتساب یہ ہے کہ پرندے اپنی چونچ سے پیٹتے ہیں اور وہ خشک ہڈی ہے اس کے برخلاف درندے کہ وہ اپنی زبان سے پیٹتے ہیں اور وہ لعاب کی وجہ سے تر ہوتی ہے پس درندے جب اپنا منہ پانی میں ڈالیں گے تو ان کے منہ کا ناپاک لعاب پانی کے ساتھ مخلوط ہوگا اور اس کی وجہ سے پانی ناپاک ہو جائے گا۔

اور امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ اگر شکاری پرندہ قید کر لیا گیا اور اس کے مالک کو یقین ہے کہ اس کی چونچ پر گندگی نہیں ہے تو اس کا جوٹھا بھی مکروہ نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں اختلاط نجاست سے امن واقع ہو گیا۔ مشائخ نے اس روایت کو مستحسن قرار دیا اور اسی پر فتویٰ دیا ہے۔

فقیر ابو الیث رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم سے روایت کیا ہے کہ یہ پرندہ اگر مردار نہ

کھاتا ہو تو اس کے جوٹھے پانی سے وضو کرنا مکروہ نہیں ہے۔

وَسُورُ مَا يَسْكُنُ الْبَيُوتَ كَالْحَيَّةِ وَالْفَارَةِ مَكْرُوهٌ لِأَنَّ حُرْمَةَ اللَّحْمِ

اور ان جانوروں کا جوٹھا جو گھروں میں رہتے ہیں جیسے سانپ، چوہا، مکروہ ہے اس لئے کہ (ان کے) گوشت کا حرام ہونا (ان کے)

أَوْجَبَتْ نَجَاسَةَ السُّورِ إِلَّا أَنَّهُ مَقَطَتِ النِّجَاسَةَ لِعِلَّةِ الطَّوَافِ فَيَقِيبُ الْكِرَامَةَ وَالْقَبِيحَةَ عَلَى الْعِلَّةِ فِي الْهَرَّةِ

جوٹھے کے بغیر ہونے کو واجب کرتا ہے لیکن طواف کی وجہ سے یہ نجاست ساقط ہوگئی اور کرامت باقی رہی اور ملی کے مسئلہ میں طاعت پر حبیہ موجود ہے

## گھروں میں رہنے والے جانوروں کے جوٹھے کا حکم

تشریح:- مسئلہ گھر میں رہنے والے جانوروں مثلاً سانپ، چوہا وغیرہ کا جوٹھا پانی بھی مکروہ ہے۔ دلیل یہ ہے کہ ان کے گوشت کا حرام ہونا تو اس بات کا مقتضی تھا کہ ان کا جوٹھا ناپاک ہو لیکن طواف (گھومنے) کی وجہ سے نجاست ساقط ہوگئی البتہ کرامت باقی رہی۔ وَالْقَبِيحَةُ عَلَى الْعِلَّةِ سے سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ سَوَائِكُنَ الْبَيُوتِ کے جوٹھے سے سطوہ نجاست کی طاعت، طواف کا ہونا کیسے معلوم ہوا۔

جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے سورہ ہرہ سے نجاست ساقط ہونے کی طاعت طواف بیان فرمائی ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: إِنَّهَا مِنْ الطَّوَائِفِ عَلَيْكُمْ وَالطَّوَائِفَاتِ اور یہ طاعت سَوَائِكُنَ الْبَيُوتِ میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے کیونکہ گھر کے رشتہ دار اور دوسرے شکاف بند کر دینے سے ملی کا داخل ہونا ممکن نہیں رہے گا اور سَوَائِكُنَ الْبَيُوتِ سانپ، چوہا وغیرہ کو چکر لگانے سے روکنا ممکن نہیں ہے۔ پس جب طاعت طواف کی وجہ سے ملی کے جوٹھے سے نجاست ساقط ہوگئی تو سَوَائِكُنَ الْبَيُوتِ سے بدرجہ اولیٰ نجاست ساقط ہو جائیگی۔

وَسُورُ الْحِمَارِ وَالْبَغْلِ مَشْكُوكٌ فِيهِ قِيلَ الشَّكُّ فِي طَهَارَتِهِ لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ طَاهِرًا لَكَانَ طَهُورًا

اور گدھے اور بچر کا جوٹھا مشکوک ہے کہا گیا کہ شک اس کی طہارت میں ہے اس لئے کہ اگر پاک ہوتا تو جب تک لعاب پانی پر غالب نہ ہو

مَا لَمْ يَغْلِبِ اللَّعَابُ عَلَى الْمَاءِ وَقِيلَ الشَّكُّ فِي طَهَارَتِهِ لِأَنَّهُ لَوْ وَجَدَ الْمَاءُ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ غَسْلُ رَأْسِهِ

تو پاک کرنے والا بھی ہوتا اور کہا گیا کہ شک اس کے مطہر ہونے میں ہے اس لئے کہ اگر پانی پائے تو اس پر اپنے سر کا دھونا واجب نہیں ہے

وَكَمَّا لَبَنُهُ طَاهِرٌ وَعَرَفَهُ لَا يَمْنَعُ جَوَازَ الصَّلَاةِ وَإِنْ فَحَشَ فَكَذَا سُورَةُ وَهُوَ الْأَصَحُّ

اور ایسے ہی اس کا دودھ پاک ہے اور اس کا پینہ جواز صلوٰۃ کیلئے مانع نہیں اگرچہ کثیر ہو، پس ایسے ہی اس کا جوٹھا ہے اور زیادہ صحیح ہے

وَيُرْوَى نَصٌّ مُخْتَصَرٌ عَلَى طَهَارَتِهِ وَنَسَبُ الشَّكِّ تَعَارُضُ الْأَدِلَّةِ فِي إِبَاحَتِهِ وَحُرْمَتِهِ

اور اسکی طہارت پر امام محمدؒ کی تصریح مروی ہے اور شک کا سبب اس کے مباح ہونے اور اس کے حرام ہونے میں دلائل کا باہم تعارض ہونا ہے



أَوْ اخْتِلَافِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ لِي نَجَاسَتِهِ وَطَهَارَتِهِ وَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ نَجَسَ

یا (شک کا سبب) اس کے پاک ہونے اور ناپاک ہونے میں صحابہ کا اختلاف ہے۔ اور امام ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ گدھے کا جوٹھا ناپاک ہے

تَوَجَّعًا لِلْحُرْمَةِ وَالنَّجَاسَةِ وَالْبُغْلُ مِنَ نَسْلِ الْحِمَارِ فَيَكُونُ بِمَنْزِلَتِهِ

(اس لئے) کہ حرمت اور نجاست داغ ہے اور ٹخمر گدھے کی نسل سے ہے لہذا وہ بھی گدھے کے مرتبہ میں ہوگا

## گدھے اور ٹخمر کا جوٹھا مشکوک ہے

تشریح: عبارت میں گدھے پالتو گدھا مراد ہے اور ٹخمر سے وہ ٹخمر مراد ہے جس کی ماں گدھی ہو۔ چنانچہ اگر اس کی ماں گھوڑی یا گائے ہو تو اس کا جوٹھا پاک ہے (شرح نقایہ)۔ اب حاصل مسئلہ یہ ہے کہ پالتو گدھا اور ٹخمر جو گدھی کے پیٹ سے پیدا ہوا ان دونوں کا جوٹھا مشکوک ہے یہ حکم اکثر مشائخ کے نزدیک ہے ورنہ شیخ ابو طاہر دہاسی نے اس کا انکار کیا اور کہا کہ احکام خداوندی میں سے کوئی حکم مشکوک نہیں پس شیخ ابو طاہر کے نزدیک گدھے کا جوٹھا پاک ہے اگر اس میں کپڑا ڈوب جائے تو اس کپڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے البتہ اس میں احتیاط کی جائے گی چنانچہ فرمایا کہ اگر اس کے علاوہ دوسرا پانی نہ ہو تو وضو اور تیمم دونوں کو جمع کرے۔

حضرت امام شافعی نے فرمایا کہ یہ طاہر و مطہر دونوں ہے اور دلیل میں کہا کہ جس جانور کی کھال قابل انتفاع ہے اس کا جوٹھا پاک ہے۔ یہ بات کہ اکثر مشائخ کے نزدیک شک اس پانی کی طہارت (پاک ہونے میں) ہے یا مطہر (پاک کرنے والا) ہونے میں سو اس بارے میں اختلاف ہے بعض مشائخ نے کہا کہ گدھے کے لعاب کی طہارت میں شک ہے یعنی اس کا لعاب پاک ہے یا نہیں۔ دلیل یہ ہے کہ اگر سور حمار پاک ہوتا تو جس پانی میں وہ ملتا وہ پانی مطہر بھی ہوتا رہتا تاہم لکھنا لعاب پانی پر غالب ہو جائے جیسا کہ پانی کے اندر پاک چیزوں کے ملنے کا حکم ہے لہذا لکھنا بغیر غلبہ کے اس سے طہارت حاصل کرنا کافی نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ شک اس کے پاک ہونے میں ہے۔

اور بعض حضرات مشائخ رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ گدھے کے لعاب کے مطہر اور طہور ہونے میں شک ہے یعنی لعاب حمار خود تو پاک ہے لیکن اس میں شک ہے کہ پاک کرنے والا ہے یا نہیں۔ دلیل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے پہلے گدھے کے جوٹھے سے سر کا مسح کیا تھا پھر آب مطلق دستیاب ہو گیا تو اس پر اپنا سر کا دھونا واجب نہیں، اگر گدھے کے جوٹھے کی طہارت میں شک ہوتا تو اس شخص پر سر کا دھونا واجب ہوتا پس معلوم ہوا کہ گدھے کا جوٹھا بذات خود تو پاک ہے مگر دوسری چیز کو پاک کر سکتا ہے یا نہیں اس میں شک ہے۔

مصنف ہدایہ نے کہا کہ گدھی کا دودھ بھی پاک ہے، لیکن یہ حکم ظاہر الروایۃ کے مطابق نہیں ہے لکھنا امام محمد سے روایت ہے اور ظاہر الروایۃ میں کہا ہے کہ گدھی کا دودھ ناپاک ہے۔ اور گدھے کے پینے میں حضرت امام اعظم سے تین روایات ہیں (۱) یہ کہ پاک ہے گدھے کا پینے جواز مصلوۃ کے لئے مانع نہیں ہے (۲) یہ کہ نجاست خفیہ ہے (۳) نجاست غلیظہ ہے۔ لیکن روایات مشہورہ کے مطابق پاک ہے لہذا ایسے ہی اس کا جوٹھا بھی پاک ہوگا کیونکہ پینے اور لعاب دونوں گوشت سے پیدا ہوتے ہیں لہذا دونوں کا حکم یکساں ہوگا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ یہی صحیح ہے کہ شک سورحمار کی طہارت میں ہے نہ کہ اس کی طہارت میں، حضرت امام محمدؒ نے بھی سورحمار کی طہارت پر صراحت فرمائی ہے چنانچہ امام محمدؒ سے مروی ہے کہ چار چیزوں میں اگر کپڑا ڈوب جائے تو ناپاک نہیں ہوگا اور وہ چار چیزیں یہ ہیں (۱) سورحمار (۲) آپ مستعمل (۳) گدھے کا دودھ (۴) ماکول للہم جانوروں کا پیشاب۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ گدھے کے جوٹھے میں شک کے دو سبب ہیں ایک تو یہ کہ اس کے مباح ہونے اور حرام ہونے میں دلائل مختلف ہیں چنانچہ مروی ہے۔ **إِنَّ غَالِبَ بَنِ الْبَجَرِ سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَقَالَ لَمْ يَتَّقِ لِي مَالٌ إِلَّا خَمِيرَاتٍ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كُلُّ مَنْ مَبْنُونٍ مَالِكَ**۔ غالب ابن ابجر رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کیا اور کہا کہ میرے پاس گدھوں کے سوا کچھ باقی نہیں رہا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے مال میں سے جو مولے تازے ہیں ان کو کھالے۔ یہ حدیث گدھے سے گوشت کی حلت پر دلالت کرتی ہے۔

اور روایت کیا گیا کہ **إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ حَرَّمَ لُحُومَ الْخَمْرِ الْأَهْلِيَّةِ يَوْمَ خَيْبَرَ** یعنی خیر کے دن حضور ﷺ نے پالتو گدھوں کے گوشت کو حرام کر دیا ہے۔ اس حدیث سے بھراحت ثابت ہوا کہ گدھوں کا گوشت حرام ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ گدھے کے جوٹھے کے پاک اور ناپاک ہونے میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اختلاف ہے چنانچہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کا ناپاک ہونا مستقول ہے اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کا پاک ہونا مروی ہے۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ گدھے کا گوشت بغیر کسی شک کے حرام ہے اور اس کا جوٹھا نجس ہے کیونکہ یہاں مَحْزُومٌ اور مُبْتِئٌ دونوں جمع ہو گئے اور یہی صورت میں مَحْزُومٌ کو مُبْتِئٌ پر ترجیح دی جاتی ہے جیسے ایک عادل آدمی نے خبر دی کہ یہ گوشت نجس کا ذبیحہ ہے اور دوسرے نے کہا کہ مسلمان کا ذبیحہ ہے تو اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ سے بھی ایک روایت یہ ہے کہ گدھے کا جوٹھا ناپاک ہے کیونکہ حرمت اور نجاست رائج ہے اور غیر چونکہ گدھے کی نسل سے ہے اس لئے غیر کا حکم وہی ہوگا جو گدھے کا ہے۔

**فَإِنْ لَمْ يَجِدْ غَيْرَهُمَا يَتَوَضَّأُ بِهِمَا وَيَتَيَمَّمُ وَيَجُوزُ أَيُّهُمَا قَلَمَ**

پھر اگر (متوضی) ان دونوں کے علاوہ نہ پائے تو ان دونوں سے وضو کرے اور تیمم کرے اور جائز ہے کہ ان دونوں میں سے جس کو چاہے مقدم کرے

**وَقَالَ زُفَرٌ لَا يَجُوزُ إِلَّا أَنْ يُقَدِّمَ الْوَضُوءَ لِأَنَّهُ مَاءٌ وَاجِبُ الْإِسْتِعْمَالِ لِأَنَّهُ الْمَاءُ الْمَطْلُوقُ**

اور امام زفرؒ نے کہا کہ جائز نہیں مگر یہ کہ وضو کو مقدم کرے، کیونکہ وہ واجب الاستعمال پانی ہے وہ آپ مطلق کے مشابہ ہو گیا

**وَلَنَا أَنَّ الْمُطَهَّرَ أَخْلَاهُمَا فَيُفِيدُ الْجَمْعَ فَوْنُ التَّرْتِيبِ وَسُورَةُ الْقُرْآنِ**

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ایک پاک کرنے والا ہے پس یہ مفید جمع ہوگا نہ کہ مفید ترتیب۔ اور گھوڑے کا جوٹھا

ظَاهِرٌ عِنْدَهُمَا لِأَنَّ لَحْمَهُ مَا كُوِلَ وَكَلَدَا عِنْدَهُ

صاحبین کے نزدیک پاک ہے کیونکہ (صاحبین کے نزدیک) گھوڑے کا گوشت کھایا جاتا ہے اور ایسا ہی ہے امام صاحب کے نزدیک صحیح

لِي الصَّحِيحِ لِأَنَّ الْكَرَاهَةَ لِإِظْهَارِ ضَرْفِهِ

روایت میں کیونکہ (اس کے گوشت کی) کراہت اس کی شرافت کو ظاہر کرنے کیلئے ہے

## آبِ مَسْکُوک کے علاوہ دوسرا پانی نہ ہو تو طہارت کا حکم

**تشریح:-** مسئلہ یہ ہے کہ اگر متوضی کے پاس آبِ مَسْکُوک کے علاوہ دوسرا پانی نہ ہو تو حکم یہ ہے کہ آبِ مَسْکُوک سے وضو کرے اور جیم کرے اور دونوں میں سے جس کو چاہے مقدم کرے اور جس کو چاہے مؤخر کرے۔ امام زفرؒ نے کہا ہے کہ صرف وضو مقدم کرنا جائز ہے۔ امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ آبِ مَسْکُوک واجب الاستعمال ہے لہذا یہ آبِ مطلق کے مشابہ ہو گیا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ آبِ مَسْکُوک سے وضو کرنا اور جیم کرنا دونوں چیزوں میں سے ایک چیز پاک کرنے والی ہے یعنی دونوں میں سے ایک سے طہارت تحقق ہوگی پس اگر آبِ مَسْکُوک سے طہارت تحقق ہوگئی تو مثلی استعمال کرنے میں کوئی فائدہ نہیں خواہ مقدم کرے یا مؤخر کرے اور اگر پاک کرنے والی مثلی ہے تو تقدیم و تاخیر کوئی معر نہیں۔ حاصل یہ ہے کہ جب دونوں میں سے ایک مطہر ہے تو ان دونوں کو جمع کرنا مفید ہوگا ترتیب مفید نہیں ہوگی۔ اور گھوڑا نہ ہو یا مادہ اس کا جوٹھا صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک پاک ہے کیونکہ اس کا گوشت ماکول ہے اور جس کا گوشت ماکول ہوا اس کا جوٹھا پاک ہوتا ہے۔ اور امام اعظم ابو حنیفہؒ سے چار روایات ہیں (۱) یہ کہ اس کے علاوہ دوسرے پانی سے وضو کرنا پسندیدہ ہے (۲) یہ کہ اس کے گوشت کی طرح اس کا جوٹھا بھی مکروہ ہے (۳) یہ کہ سور حمار کی طرح مَسْکُوک ہے (۴) یہ کہ پاک ہے اور یہی صحیح مذہب ہے۔ رہی یہ بات کہ امام صاحب کے نزدیک گھوڑے کا گوشت مکروہ ہے لہذا اس کا جوٹھا پاک کیسے ہو سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ گھوڑے کے گوشت کی کراہت اس کی کرامت اور شرافت کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ جہاد کا آلہ ہے نجاست کی وجہ سے نہیں ہے اس وجہ سے اس کے گوشت کی کراہت اس کے جوٹھے میں مؤثر نہیں ہوگی۔

فَإِنْ لَمْ يَجِدْ إِلَّا نَبِيذَ التَّمْرِ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ يَتَوَضَّأُ بِهِ وَلَا يَتَيَمَّمُ لِحَدِيثِ لَيْلَةَ الْجَنِّ

پھر اگر (متوضی) سوائے نبیذ تمر کے کوئی پانی نہ پائے تو ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ اس سے وضو کرے اور جیم نہ کرے حدیث لیلۃ الجن کی وجہ سے

فَإِنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ تَوَضَّأَ بِهِ حِينَ لَمْ يَجِدْ الْمَاءَ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ يَتَيَمَّمُ وَلَا يَتَوَضَّأُ بِهِ وَهُوَ رَوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ

کہ حضور ﷺ نے جب پانی نہ پایا تو اس (نبیذ تمر) سے وضو کیا اور ابو یوسفؒ نے کہا کہ جیم کرے اور اس سے وضو نہ کرے اور یہی ایک روایت ابو حنیفہؒ سے ہے

وَبِهِ قَالَ الشَّافِعِيُّ عَمَلًا بِأَيَّةِ التَّيَمُّمِ لِأَنَّهَا أَقْوَى أَوْ هُوَ مَنْسُوخٌ بِهَا

اور اسی کے امام شافعیؒ قائل ہیں آیت جیم پر عمل کرنے کی وجہ سے کیونکہ آیت زیادہ قوی ہے یا حدیث مذکور اس آیت سے منسوخ ہے

لَآئِهَآ مَدْنِيَّةٌ وَلَيْلَةُ الْجَنِّ كَانَتْ بِمَكَّةَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ يَتَوَضَّأُ بِهِ وَيَتِمِّمُ لَآئِنَ فِي الْحَدِيثِ اضْطِرَابًا وَ

کیونکہ آیت تہتم مدنی ہے اور لیلۃ الجن کا واقعہ مکہ میں ہوا اور امام محمدؒ نے کہا کہ نیتہ تہتم سے وضو کرے اور تہتم (بھی) کرے کیونکہ حدیث میں اضطراب ہے

فِي التَّارِيخِ جَهَالَةً فَوَجِبَ الْجَمْعُ اِحْتِيَاظًا قُلْنَا لَيْلَةُ الْجَنِّ كَانَتْ غَيْرَ وَاحِدَةٍ فَلَا يَصِحُّ دَعْوَى النَّسْخِ

اور تاریخ میں جہالت ہے پس احتیاطاً دونوں کو جمع کرنا واجب ہوا۔ ہم نے (جواباً) کہا کہ لیلۃ الجن متعدد ہیں لہذا نسخ کا دعویٰ صحیح نہیں

وَالْحَدِيثُ مَشْهُورٌ عَمِلْتُ بِهِ الصَّحَابَةُ وَبِمِثْلِهِ يُزَادُ عَلَى الْكِتَابِ وَأَمَّا الْاِغْتِسَالُ بِهِ

اور حدیث مشہور ہے صحابہ نے اس پر عمل کیا ہے اور ایسی مشہور حدیث سے کتاب اللہ پر زیادتی کی جاتی ہے۔ رہا نیتہ تہتم سے غسل کرنا

فَقَدْ قِيلَ يَجُوزُ عِنْدَهُ اِغْتِبَارًا بِالْوُضُوءِ وَقِيلَ لَا يَجُوزُ لِأَنَّهُ فَوْقَهُ

تو کہا گیا کہ امام صاحب کے نزدیک وضو پر قیاس کر کے جائز ہے اور کہا گیا کہ غسل جائز نہیں کیونکہ غسل وضو سے بڑھ کر ہے

## نیتہ تہتم سے وضو اور غسل کا حکم، اقوال فقہاء و دلائل

تشریح:- مسئلہ یہ ہے کہ اگر نیتہ تہتم کے علاوہ دوسرا کوئی پانی موجود نہ ہو تو حضرت امام ابو حنیفہؒ سے اس بارے میں تین

روایات منقول ہیں (۱) جامع صغیر اور زیادات میں مذکور ہے کہ نیتہ تہتم سے وضو کرے اور تہتم نہ کرے (۲) امام صاحبؒ نے فرمایا کہ

میرے نزدیک نیتہ تہتم سے وضو کرنا اور مٹی سے تہتم کرنا زیادہ پسندیدہ ہے۔ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس قول میں اس

طرف اشارہ ہے کہ اگر صرف نیتہ تہتم سے وضو کیا اور تہتم نہیں کیا تو جائز نہیں، البتہ دونوں کا جمع کرنا

مستحب ہے (۳) لوح ابن ابی مریم اور حسن بن زیاد رحمہما اللہ نے روایت کیا کہ تہتم کر لے اور نیتہ تہتم سے وضو نہ کرے۔ اسی قول کو امام

ابو یوسفؒ نے اختیار کیا ہے اور یہی قول امام شافعیؒ کا ہے۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ نیتہ تہتم سے وضو بھی کرے اور تہتم بھی کرے۔

امام ابو حنیفہؒ کی پہلی روایت کی وجہ حدیث لیلۃ الجن ہے وہ یہ ہے عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ

النَّبِيَّ ﷺ خَطَبَ ذَاتَ لَيْلَةٍ ثُمَّ قَالَ لِيَتَمِّمَ مَعِيَ مَنْ لَمْ يَكُنْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبَرٍ فَقَامَ ابْنُ مَسْعُودٍ

رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فَحَمَلَهُ أَيُّ أَخِيذَةٍ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَعَ نَفْسِهِ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ

تَعَالَى عَنْهُ خَرَجْنَا مِنْ مَكَّةَ وَخَطَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَوْلِي غَطًّا وَقَالَ لَا تَخْرُجْ عَنْ هَذَا الْغَطِّ فَإِنَّكَ إِنْ

خَرَجْتَ عَنْهُ لَمْ يَلْقَيْنِي إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ ثُمَّ ذَهَبَ يَدْعُو الْجِنَّ إِلَى الْإِيمَانِ وَيَقْرَأُ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنَ حَتَّى طَلَعَ

الْفَجْرُ ثُمَّ رَجَعَ بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ وَقَالَ لِي هَلْ بَقِيَ مَعَكَ مَاءٌ اتَّوَضَّأُ بِهِ فَقُلْتُ لَا إِلَّا لَيْلَتِي التَّمْرِ فِي أَذَاوَةِ

فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تَمْرَةٌ طَيِّبَةٌ وَمَاءٌ طَهُورٌ وَأَخَذَهُ وَتَوَضَّأَ بِهِ وَصَلَّى الْفَجْرَ. (عناہ)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک رات حضور ﷺ نے خطبہ دیا پھر فرمایا کہ میرے ساتھ (چلے کیلئے) وہ شخص کھڑا ہو جس کے دل میں ایک ذرہ براہ کبر نہ ہو پس ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان کو اپنے ساتھ لیا چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم مکہ سے نکل گئے اور حضور ﷺ نے میرے گرد ایک خط کھینچا اور فرمایا کہ اس خط سے نہ لکنا اس لئے کہ اگر تو اس خط سے باہر نکل گیا تو قیامت تک مجھ کو نہیں پاسکو گے۔ پھر آپ ﷺ جنات کو ایمان کی دعوت دینے لگے اور ان کے سامنے قرآن پڑھنے لگے حتیٰ کہ فجر طلوع ہو گئی پھر آپ ﷺ طلوع فجر کے بعد واپس تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا کہ کیا کچھ بچا ہوا پانی ہے کہ میں اس سے وضو کروں، میں نے کہا کہ نہیں مگر برتن میں نیند تر ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بھور پاکیزہ اور پانی طہور ہے۔ پھر اس کو لے کر آپ ﷺ نے وضو کیا اور فجر کی نماز ادا کی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر نیند تر کے سوا آپ مطلق نہ ہو تو نیند تر سے وضو کیا جائے اور حتم کرنے کی ضرورت نہیں جیسا کہ اللہ کے پاک رسول ﷺ نے کیا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف اور امام شافعی کے قول کی وجہ یہ ہے کہ آیت حتم فَلَمَّا عَزَا مَاءٌ فَتَيَمَّمُوا صَوْنًا طَيِّبًا میں طہیر کا حکم مٹی کی طرف آب مطلق نہ ہونے کی صورت میں منتقل کیا گیا ہے اور نیند تر آب مطلق نہیں ہے لہذا یہ حدیث آیت حتم کی وجہ سے مردود ہوگی کیونکہ آیت حدیث کے مقابلہ میں اقویٰ ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ حدیث لیلۃ الجن آیت حتم سے منسوخ ہے کیونکہ آیت حتم مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے اور لیلۃ الجن کا واقعہ مکہ میں رہتے ہوئے پیش آیا ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ بعد والا حکم، حکم سابق کے واسطے مانع ہوتا ہے لہذا نیند تر سے وضو کرنے کا حکم آیت حتم سے منسوخ ہوگا۔

حضرت امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ حدیث لیلۃ الجن میں اضطراب ہے چنانچہ بعض احادیث دلالت کرتی ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کے ساتھ لیلۃ الجن میں موجود تھے اور بعض احادیث دلالت کرتی ہیں کہ ابن مسعود اس رات میں اللہ کے رسول کے ساتھ موجود نہیں تھے نیز واقعہ لیلۃ الجن کی تاریخ میں جہالت ہے صحیح معلوم نہیں کہ یہ واقعہ کب پیش آیا لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ دونوں پر عمل کیا جائے یعنی نیند تر سے وضو بھی کیا جائے اور حتم بھی کر لیا جائے۔

امام ابو یوسفؒ کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ لیلۃ الجن صرف ایک نہیں بلکہ متعدد تھیں۔ صاحب عناہ رحمۃ اللہ علیہ نے تیسیر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جنات دو دفعہ حضور ﷺ کے پاس آئے تو بہت ممکن ہے کہ دوسری بار مدینہ میں آیت حتم کے بعد آئے ہوں۔

نیز صاحب فتح القدیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ظاہر احادیث میں جو اس بارے میں وارد ہوئیں چھ مرتبہ کا ذکر ہے ایک مرتبہ یقع الغرقہ میں یہ واقعہ پیش آیا اس بار ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ تھے اور دوسرے مرتبہ مکہ المکرمہ میں اور چوتھی بار مدینہ سے باہر اس بار زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ پس جب لیلۃ الجن کا واقعہ متعدد بار پیش آیا تو ہو سکتا ہے کہ جس واقعہ میں نیند تر سے وضو کرنے کا ذکر ہے وہ مدینہ منورہ میں آیت حتم کے نازل ہونے کے بعد کا ہو لہذا ایسی صورت

میں آیت و تہم سے اس حدیث کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کیسے درست ہو سکتا ہے۔

صاحب ہدایہ کی طرف سے دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث مشہور ہے اور صحابہؓ کی ایک جماعت کا اس پر عمل رہا ہے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا: **الْوُضُوءُ بِبَيِّدِ الثَّمَرِ وَضُوءٌ مَنْ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ** یعنی نیزہ تر سے وضو وہ شخص کرے گا جس کو آب مطلق دستیاب نہ ہو۔ اور مختلف طریقوں سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ **إِنَّهُ كَانَ لَا يَرَى نَاسًا بِالْوُضُوءِ بِبَيِّدِ الثَّمَرِ خَالَ عِلْمِ الْمَاءِ** یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پانی نہ ہونے کی صورت میں نیزہ تر سے وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

اور مکرّمہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا **إِنَّهُ قَالَ تَوَضَّؤُوا بِبَيِّدِ الثَّمَرِ وَلَا تَتَوَضَّؤُوا بِاللَّيْنِ** ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ نیزہ تر سے وضو کرو اور دودھ سے وضو نہ کرو۔ بہر حال یہ حدیث مشہور بھی ہے اور کہاں صحابہ کی معمول بہا بھی۔ اور کتاب اللہ پر حدیث مشہور کے ساتھ زیادتی کی جاسکتی ہے۔

یعنی یہ بات کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نیزہ تر سے غسل کرنا جائز ہے یا ناجائز ہے تو اس بارے میں علماء احناف کا اختلاف ہے چنانچہ بعض حضرات نے کہا کہ وضو پر قیاس کر کے امام صاحب کے نزدیک غسل کرنا بھی جائز ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ نیزہ تر سے غسل کرنا جائز نہیں کیونکہ جنابت کا حدث وضو کے حدث سے بڑھ کر ہے۔ اس لئے وضو پر غسل کا قیاس نہیں ہو سکتا۔

**وَالْبَيِّدُ الْمُخْتَلَفُ فِيهِ أَنْ يَكُونَ خُلُوعًا رَقِيقًا يَسِيلُ عَلَى الْأَعْضَاءِ كَالْمَاءِ وَمَا اشْتَدَّ مِنْهَا صَارَ حَرَامًا**

اور وہ نیزہ جس میں اختلاف ہوا ہے کہ وہ ٹٹھا (اور) اتنا پتلا ہو کہ اعضا پر پانی کی طرح بہتا ہو اور جو نیزہ ایسا ہو کہ گاڑھا ہو گیا ہو تو وہ حرام ہے

**لَا يَجُوزُ التَّوَضُّؤُ بِهِ وَإِنْ غَيَّرْتَهُ النَّارَ فَمَا دَامَ خُلُوعًا فَهُوَ عَلَى الْخِلَافِ وَإِنْ اشْتَدَّ فَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ**

اس سے وضو جائز نہیں ہے اور اگر نیزہ کو آگ نے خنیر کیا تو جب تک شیریں ہے تو وہ مختلف ہے اور اگر گاڑھا ہو جائے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک

**يَجُوزُ التَّوَضُّؤُ بِهِ لِأَنَّهُ يَحِلُّ شُرْبُهُ عِنْدَهُ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ لَا يَتَوَضَّأُ بِهِ لِحُرْمَةِ**

اس سے وضو کرنا جائز ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس کا پینا حلال ہے۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس سے وضو نہ کرے کیونکہ اس کے نزدیک

**شُرْبُهُ عِنْدَهُ وَلَا يَجُوزُ التَّوَضُّؤُ بِمَا سِوَاهُ مِنَ الْأَنْبِذَةِ جَرِيًّا عَلَى قَضِيَةِ الْقِيَاسِ**

اس کا پینا حرام ہے اور اس (نیزہ تر) کے علاوہ دوسری نیزہوں سے وضو کرنا جائز نہیں ہے مقتضی قیاس پر جاری کرتے ہوئے

**نیزہ کی حقیقت جس میں امام صاحب اور صاحبین رحمہم اللہ کا اختلاف ہے**

تشریح:- اس عبارت میں جس نیزہ میں امام صاحب اور صاحبین رحمہم اللہ کا اختلاف ہے اس کی حقیقت بیان کی گئی

ہے۔ امام محمدؒ نے نوادر میں ذکر کیا کہ جس نیزہ سے وضو کے چواڑ اور عدم جواز میں ائمہ ثلاثہ کا اختلاف ہے وہ یہ ہے کہ پانی میں کھجوریں



ڈال دی جائیں یہاں تک کہ پانی شیریں اور پتلا ہو کر اعضاء پر پانی کی طرح بہہ جائے۔ نہ گاڑھا ہو اور نہ نشہ آوے۔

اور اگر وہ گاڑھی اور کڑوی ہوگئی تو اس سے بالاجماع وضو کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ نشہ آور اور حرام ہے اور اگر اس کو آگ سے پکالیا گیا تو جب تک وہ شیریں اور رقیق ہے، اعضاء پر پانی کی طرح بہتی ہے تو وہ امام صاحب اور صاحبین رحمہم اللہ کے درمیان مختلف فیہ ہے۔ اور اگر پکانے سے گاڑھی ہوگئی تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس سے وضو کرنا جائز ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس کا پینا حلال ہے اور امام محمد کے نزدیک چونکہ اس کا پینا حرام ہے اس لئے اس سے وضو کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ نیز تمر کے علاوہ دوسری نیزوں سے وضو کرنا جائز نہیں ہے مثلاً کشمش اور انجیر کی نیز۔ دلیل یہ ہے کہ نیز تمر سے وضو کرنا خلاف قیاس حدیث سے ثابت ہے لہذا دوسرے نیزیں موجب قیاس پر باقی رہیں گی۔ یعنی ان سے وضو کرنا ناجائز ہوگا۔

**فوائد:-** امام قدوری نے شرح قدوری میں علمائے احناف سے نقل کیا ہے کہ تیمم کی طرح نیز تمر سے وضو کیلئے بھی نہی شرط ہے۔ کیونکہ نیز تمر پانی کا بدل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آب مطلق ہوتے ہوئے نیز تمر سے وضو کرنا جائز نہیں ہے اور اگر نیز سے وضو کیا پھر آب مطلق دستیاب ہو گیا تو سابقہ وضو باطل ہو جائے گا جیسا کہ پانی میسر آنے کی صورت میں تیمم باطل ہو جاتا ہے، جلیل احمد غنی عنہ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

## بَابُ التَّيْمُمِ

(یہ) باب تیمم کے (بیان میں) ہے

**تشریح:-** چونکہ پانی سے طہارت حاصل کرنا اصل ہے اور مٹی سے طہارت حاصل کرنا اس کا خلیفہ ہے اور خلیفہ اصل کے بعد ہوتا ہے اس لئے مصنف ہدایہ نے باب تیمم کو وضو کے بعد ذکر کیا۔ اس ترتیب کی دوسری وجہ قرآن پاک کا اتباع ہے۔ کیونکہ قرآن پاک کی آیت **إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا رُءُوسَكُمْ وَمِيَازِدْكُمْ** میں وضو غسل اور تیمم کو اسی ترتیب کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

تیمم کے لغوی معنی مطلقاً ارادہ کرنا، اور حج کے لغوی معنی کسی معتمد اور بڑی چیز کا ارادہ کرنا ہے۔ اور اصطلاح شرع میں تیمم کے معنی ہیں طہارت حاصل کرنے کے لئے پاک مٹی کا ارادہ کرنا۔

حضرت شیخ الادب نے حاشیہ شرح نقایہ میں علامہ ابن الہمام کے حوالہ سے لکھا ہے کہ تیمم کی شرعی تعریف، پھرے اور دونوں ہاتھوں کا پاک مٹی سے مسح کرنا ہے۔ اور تیمم کا ثبوت کتاب و سنت دونوں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **فَلَمْ يَجِدْ أَمَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا** اور حضور ﷺ سے روایت کی گئی ہے۔ **إِنَّهُ لَأَنْ يَجْعَلَ لِي الْأَرْضَ مَسْجِدًا وَطَهُورًا** **أَيُّمَا أَذَرَ كَتَبْتُ الصَّلَاةَ تَيَمَّمْتُ وَصَلْتُ** یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ زمین کو میرے لئے مسجد اور طہور بنا دیا گیا جہاں بھی

نماز کا وقت آیا تیمم کر کے نماز پڑھ لیتا ہوں۔ اور دوسری حدیث ہے اَلْتَرَابُ طَهُورُ الْمُسْلِمِ وَلَوْ اَلِیْ عَشْرِ حَجَجٍ مَا لَمْ یَجِدِ الْخِمْءَ مِثْلَیْ سُلْمَانَ کُوْطَاکُ کَرْنِیْ وَ اَلِیْ ہِیْ اَمْرٌ چھ دس سال گزر جائیں جب تک کہ پانی دستیاب نہ ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قصہ جس میں آیت تیمم نازل ہوئی اس کی جگہ اور وقت میں اختلاف ہے۔ چنانچہ وقت کے بارے میں تین قول ہیں (۱) ۵ھ (۲) ۵ھ (۳) ۶ھ۔ اور جگہ کے بارے میں دو قول ہیں (۱) غزوہ مریض جس کو غزوہ بنی مصطلق بھی کہتے ہیں (۲) غزوہ ذات الرقاع:-

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہارم ہونے کا قصہ متعدد احادیث میں مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے خادم آپ کی دلچسپی کیلئے ایک حدیث مع ترجمہ نقل کرتا ہے۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالْبَيْدَاءِ أَوْبَدَاتِ الْجَبِشِ انْقَطَعَ عِقْدٌ لِي فَأَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى الْتِمَامِهِ وَأَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ وَلَيَسُوا عَلَى مَاءٍ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ فَأَتَى النَّاسُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فَقَالُوا لَا تَرَى مَا صَنَعَتْ عَائِشَةُ أَقَامَتْ بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَبِالنَّاسِ وَلَيَسُوا عَلَى مَاءٍ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ فَجَاءَ أَبُو بَكْرٍ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَاصْبَحَ رَأْسُهُ عَلَى فِخْدِي قَدْ نَامَ فَقَالَ حَبَسَتْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَالنَّاسُ وَلَيَسُوا عَلَى مَاءٍ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا فَعَانَبَنِي أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ وَقَالَ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَقُولَ وَجَعَلَ يَطْعَنُنِي بِيَدِهِ فِي خَاصِرَتِي وَلَا يَمْنَعُنِي مِنَ التَّحَرُّكِ إِلَّا مَكَانَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَلَى فِخْدِي فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَتَّى أَصْبَحَ عَلَى غَيْرِ مَاءٍ فَأَنْزَلَ اللَّهُ آيَةَ التِّيمُّمِ فَقَالَ أُمَيْدُ بْنُ حُصَيْنٍ مَا هِيَ بِأَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا أبا بَكْرٍ قَالَتْ فَبَعَثْنَا الْبَعِيرَ الَّذِي كُنْتُ عَلَيْهِ فَإِذَا الْعِقْدُ نَحْتَهُ. (بخاری، ج ۲)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوجہ النبی ﷺ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ سفر کو گئی جب ہم مقام بیدا یا مقام ذات الجبش میں پہنچے تو میرا ہارم ہو گیا پس رسول اللہ ﷺ اسی جگہ ٹھہر گئے اور لوگ ہار ڈھونڈنے لگے، اور یہاں پانی نہیں تھا اور ان کے ساتھ بھی پانی موجود نہ تھا۔ کچھ لوگ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آ کر کہنے لگے کہ یہ عجیب بات ہوئی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ اور دوسرے لوگوں کو روکنا پڑا ہے اور نہ وہ پانی پر ہیں اور نہ ہی ان کے پاس پانی ہے اس وقت رسول اللہ ﷺ میری ران پر سر رکھے ہوئے سو رہے تھے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور کہنے لگے کہ اے عائشہ تم نے رسول اللہ ﷺ کو اور تمام لوگوں کو ایسی جگہ روک دیا ہے کہ جہاں پانی بھی دستیاب نہیں ہے اور نہ ہی ان کے پاس پانی موجود ہے اور انہوں نے مجھے سخت ست کہا۔ میں اس لئے خاموش رہی کہ رسول

اللہ ﷺ میری رائے پر سر رکھے ہوئے سو رہے تھے حالانکہ انہوں نے میری کوکھ میں نوچ بھی لیا تھا، آخر صبح کو رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے مگر پانی موجود نہیں تھا اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت (یعنی آیت تیمم) نازل فرمائی حضرت اسید بن خیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اس آیت کے نزول کا سبب حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد کی بزرگی اور کرامت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب ہم نے یونٹ کو اٹھایا تو ہمارا اس کے نیچے سے برآمد ہوا اور مجھے مل گیا۔

وَمَنْ لَّمْ يَجِدِ الْمَاءَ وَهُوَ مُسَافِرٌ أَوْ خَارِجٌ الْمِصْرِ بَيْتَهُ وَبَيْنَ الْمِصْرِ مِيلٌ أَوْ أَكْثَرُ

اور جو شخص پانی نہ پائے درانحالیکہ وہ شخص مسافر ہو یا شہر سے اتنا باہر ہو کہ اس کے اور شہر کے درمیان ایک میل یا زیادہ فاصلہ ہو

يَتَيَمَّمُ بِالضَّعِيفِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا

تو (ایسے شخص کیلئے جائز ہے کہ) پاک مٹی سے تیمم کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: پھر اگر تم پانی نہ پاؤ تو تم تیمم کرو پاک مٹی سے

وَقَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ طَهُورُ الْمُسْلِمِ وَلَوْ إِلَى عَشْرِ حَجَجٍ مَا لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ وَالْجَمَلُ هُوَ الْمُخْتَارُ فِي الْقَدَارِ

اور (اس لئے کہ) حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ مٹی مسلمان کے واسطے طہر ہے اگرچہ دس سال تک ہو جب تک کہ پانی نہ پاوے اور ایک میل مقدار کے حق میں مختار ہے

لِأَنَّهُ يَلْحَقُهُ الْخُرُوجُ بِذُخُولِ الْمِصْرِ وَالْمَاءُ مَعْلُومٌ حَقِيقَةً

کیونکہ اس کے شہر جانے میں خروج لاحق ہوگا اور پانی درحقیقت معدوم ہے

وَالْمُعْتَبَرُ الْمَسَافَةُ دُونَ خَوْفِ الْفَوْتِ لِأَنَّ التَّفْرِيطَ يَأْتِي مِنْ قِبَلِهِ

اور معتبر مسافت ہے نہ کہ (نماز کے) فوت ہونے کا خوف کیونکہ کوتاہی اسی کی جانب سے آئی ہے

مسافر پانی نہ پائے یا مسافر اور شہر کے درمیان میل یا زیادہ کی مسافت ہو تو تیمم کا حکم

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ جس شخص کے پاس اتنا پانی نہ ہو جو رفع حدت کے لئے کافی ہو درانحالیکہ وہ شخص مسافر ہے یا مسافر نہ ہو لیکن شہر سے باہر ہے اور اس کے اور شہر کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہے یا ایک میل سے زیادہ کا تو ایسے شخص کیلئے جائز ہے کہ وہ پاک مٹی سے تیمم کرے۔ اس کی دو دلیلیں ہیں۔ اول باری تعالیٰ کا قول فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا یعنی اگر پانی موجود نہ ہو تو پاک مٹی سے تیمم کرو۔ اور دوسری دلیل حضور ﷺ کا قول یعنی مٹی مسلمان کو پاک کرنے والی ہے اگرچہ دس سال تک ہو جب تک پانی کے استعمال پر قادر نہ ہو۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ سفر کر کے اپنے اہل کے یہاں جاتے اور ان کو حدت جنابت لاحق ہوتا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کو خبر دی پس آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: الضَّعِيفُ الطَّيِّبُ وَضَوْءُ الْمُسْلِمِ وَلَوْ إِلَى

عَشْرٍ مِثْرَيْنِ مَا لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ فَاِذَا وَجَدَ الْمَاءَ فَلْيُجِئْهُ بِشَوْءٍ . یعنی پاکیزہ زمین مسلمان کا وضو ہے اگر چہ وہ دس سال تک پانی نہ پاوے پھر جب پانی پاوے تو اپنے ظاہری بدن پر پہنچا دے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ ایک میل دور ہونا بھی قول مقدار کے حق میں مختار ہے کیونکہ شہر سے ایک میل دور جانے کے بعد اس کو شہر واپس لوٹنے میں حرج لاحق ہوگا اور تیمم کا مشروع ہونا حرج دور کرنے کیلئے ہے چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَا جَعَلَ عَلَيْكَ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ۔

وَالْمَاءُ مَقْدُومٌ حَقِيقَةٌ ایک اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ آیت مطلق ہے اس میں کوئی مسافت مقرر نہیں ہے اور آپ نے ایک میل کی قید لگائی پس یہ مطلق کتاب کو رائے سے مقید کرنا ہوا حالانکہ یہ جائز نہیں ہے۔

جواب یہ ہے کہ آیت میں یہ منصوص ہے کہ پانی ہیئتہ معدوم ہو تو تیمم جائز ہے لیکن ہمیں یقین کے ساتھ یہ بات معلوم ہے کہ اگر پانی معدوم ہو مگر بغیر حرج کے اس پر قادر ہے مثلاً دروازے پر آدمی کے پاس پانی نہ ہو اور گھر میں ہو تو اس سے تیمم جائز نہیں ہوگا حتیٰ کہ سوچا اس قدم تک ہونے سے تیمم جائز نہیں ہو سکتا، بلکہ اس قدر دور ہو کہ وہاں جانے میں حرج لاحق ہو تو اس سے جواز تیمم ہے اور اب درحقیقت پانی معدوم ہے اور اس کا اعجاز مذہب مختار کی بناء پر ایک میل ہے۔

اور امام محمد سے مروی ہے کہ تیمم اس وقت جائز ہوگا جب پانی دو میل کی دوری پر ہو اور فقہ ابو بکر محمد بن فضل نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ امام کرختی نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایسی جگہ ہو کہ پانی والوں کی آواز سن لیتا ہے تو وہ قریب شمار ہوگا اس کے واسطے تیمم جائز نہیں ہے اور اگر ان کی آواز نہیں سن سکتا تو وہ بعید ہے اکثر مشائخ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

اور حسن بن زیاد نے کہا کہ اگر پانی جانب سفر یعنی آگے کی جانب ہے تو دو میل کا اعتبار کیا جائے گا اور اگر دائیں جانب یا بائیں جانب یا پیچھے کی جانب ہے تو ایک میل مستحب ہوگا، تاکہ آدھ وقت کی وجہ سے دو میل ہو جائیں (کفایہ)

حضرت امام زفرؒ نے فرمایا کہ اگر نماز فوت ہونے کا خوف ہو تو تیمم جائز ہے اگرچہ پانی ایک میل سے کم دوری پر ہو۔

صاحب ہدایہ نے اس قول کو رد کیا اور کہا کہ اعتبار مسافت کا ہے نہ کہ نماز فوت ہونے کا خوف کیونکہ اس قدر وقت تنگ کرنے کی کوئی ایسی جانب سے آئی ہے لہذا پانی قریب ہونے کی صورت میں تیمم کرنے میں معذور نہ ہوگا۔

فائدہ:- صاحب حنابلہ نے لکھا ہے کہ ایک میل تین فرسخ کا ہوتا ہے اور ایک فرسخ بارہ ہزار قدم کا۔ اور ابن شجاع نے کہا

کہ میل ساڑھے تین ہزار گز سے چار ہزار گز تک کا ہوتا ہے واللہ اعلم۔

وَلَوْ كَانَ يَجِدُ الْمَاءَ إِلَّا أَنَّهُ مَرِيضٌ فَخَافَ إِنْ اسْتَعْمَلَ الْمَاءَ اشْتَدَّ مَرَضُهُ يَتَيَمَّمُ

اور اگر اس نے پانی تو پایا لیکن وہ بیمار ہے پس اسے خوف ہوا کہ اگر وہ پانی استعمال کرے گا تو اس کا مرض بڑھ جائے گا تو وہ تیمم کرے



إِذَا كَانَ خَارِجَ الْمَضْرِ لِمَا بَيْنَا وَلَوْ كَانَ فِي الْمَضْرِ فَكَذَلِكَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ

اس وقت ہے کہ جب وہ شہر سے باہر ہو جو اس دلیل کے جوہم نے بیان کی اور اگر شہر میں ہو تو بھی امام ابو حنیفہ کے نزدیک اسی طرح (حکم) ہے

خِلَافًا لَهُمَا هُمَا يَقُولَانِ إِنَّ تَحَقُّقَ هَذِهِ الْحَالَةِ نَادِرٌ فِي الْمَضْرِ فَلَا يُعْتَبَرُ

بخلاف صاحبین کے، صاحبین فرماتے ہیں کہ شہر میں اس حالت کا تحقق ہونا کم یاب ہے لہذا اس کا اعتبار نہیں ہوگا

وَلَهُ أَنَّ الْعِجْزَ ثَابِتٌ حَقِيقَةٌ فَلَا بُدَّ مِنْ إِعْتِبَارِهِ

اور امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ عجز حقیقہ ثابت ہے لہذا اس کا اعتبار کرنا ضروری ہے

### اندیشہ ہلاکت کی صورت میں جنبی کیلئے تیمم کا حکم

**تشریح:-** مسئلہ یہ ہے کہ جنبی آدمی کو اگر یہ خوف ہو کہ غسل کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو جائے گا یا بیمار پڑ جائے گا تو اس کے واسطے تیمم کرنا جائز ہے صاحب ہدایہ نے کہا کہ اگر یہ واقعہ شہر کے باہر پیش آیا تو بالاتفاق تیمم کی اجازت ہے دلیل سابق میں گذر چکی کہ شہر میں واپس جانے میں حرج لاحق ہوگا۔ اور اگر جنبی کو شہر میں رہتے ہوئے یہ خوف لاحق ہو تو بھی حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک بھی حکم ہے یعنی اس کے واسطے تیمم جائز ہے اور صاحبین کہتے ہیں کہ شہر میں اگر یہ خوف لاحق ہو تو تیمم جائز نہیں ہے۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ شہر میں ایسی حالت کا تحقق ہونا نادر ہے لہذا اس کا اعتبار نہ ہوگا یعنی شہر میں گرم پانی اور سردی سے حفاظت ممکن ہے اس لئے ہلاک ہونے یا مرض لاحق ہونے کا اعتبار غیر معتبر ہے۔ چنانچہ اگر شہر میں تیمم کی اجازت دے دی جائے تو محام تھوڑی سی سردی میں اس کو حیلہ کر لیں گے۔

اور امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ ایسے خائف جنبی کے حق میں غسل کرنے سے عاجزی درحقیقت ثابت ہے اس لئے اس

کا اعتبار کرنا ضروری ہے۔

وَالْتِيْمُ ضَرْبَتَانِ يَمْسَحُ بِأَخْذِهِمَا وَجْهَهُ وَبِالْأُخْرَى يَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ

اور تیمم دو ضرب ہیں ایک ضرب سے اپنے چہرہ کا اور دوسری ضرب سے اپنے دونوں ہاتھوں کا کہیں سمیت مسح کرے

لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ التِيْمُ ضَرْبَتَانِ ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَضَرْبَةٌ لِلْيَدَيْنِ

اس لئے کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ تیمم دو ضرب ہیں ایک ضرب چہرے کیلئے اور ایک ضرب دونوں ہاتھوں کے لئے

وَيَنْقُضُ يَدَيْهِ بِقَلْبِهِ مَا يَتَنَازَرُ التُّرَابُ كَيْلًا يَصِيرُ مَثَلَهُ

اور اپنے دونوں ہاتھ اس قدر جھاڑے کہ مٹی جھڑ جائے تاکہ مثلاً نہ ہو جائے



## تیمم کا طریقہ

**تشریح:** اس عبارت میں تیمم کی کیفیت کا ذکر ہے چنانچہ فرمایا کہ تیمم دو ضرب ہیں ایک ضرب سے چہرے کا مسح کرے اور دوسری سے دونوں ہاتھوں کا کہیں تک مسح کرے۔ امام زہریؒ نے کہا کہ بغل تک مسح کرے اور یہی ایک روایت امام مالکؒ سے ہے۔ اور حسن بن زیادؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کیا کہ دونوں ہاتھوں کا گٹھن تک مسح کرے۔

اور ابن سیرینؒ کے نزدیک تین ضرب ہیں ایک ضرب چہرے کیلئے ایک دونوں ہتھیلیوں کے لئے اور ایک ذرا سین کیلئے۔ اور بعض حضرات نے کہا کہ ایک ضرب چہرے کیلئے ایک ذرا سین کے لئے اور ایک دونوں کے واسطے ہے۔

۱۔ ہب بخاری کی دلیل حضور ﷺ کا قول اَلْتَّيْمُ ضَرْبَتَانِ ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَضَرْبَةٌ لِلْيَدَيْنِ ہے۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ زمین پر دونوں ہاتھ مار کر اس قدر جھاڑے کہ ان کی مٹی جھڑ جائے تاکہ مثلاً (بدھل) نہ ہو جائے یعنی جس طرح مثلاً بدھل ہو جاتا ہے اسی طرح مٹی لٹنے کی وجہ سے بد صورت نہ ہو جائے۔

اور عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ ضَرَبَ بِمِخْطُوهِ الْاَرْضِ وَلَفَّخَ فِيْهِمَا ثُمَّ مَسَحَ بِهِنَّمَا وَجْهَهُ وَكُفَيْهِ۔ یعنی حضور ﷺ نے اپنے دلوں ہاتھوں کو زمین پر مارا اور ان پر پھونک ماری پھر ان سے اپنے چہرے اور اپنے ہاتھوں کا مسح کیا۔

اور ابن عمر اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور ﷺ کا تیمم نقل کیا ہے فرمایا کہ اس کی کیفیت یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے پھر ان کو اس قدر جھاڑے کہ مٹی جھڑ جائے پھر ان سے اپنے چہرے کا مسح کرے پھر دوسری بار زمین پر مارے اور ان کو جھاڑے اور اپنے ہاتھیں ہاتھ کی چار انگلیوں کے باطن سے اپنے دائیں ہاتھ کے ظاہر کا اس طرح مسح کرے کہ انگلیوں کے پوروں سے شروع کر کے کہیں پر تمام کرے پھر اپنے بائیں ہتھیلی کے باطن سے اپنے دائیں ہاتھ کے باطن کا گٹھن تک مسح کرے اور اپنے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے باطن کو اپنے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے ظاہر پر پھیرے پھر اسی طرح بائیں ہاتھ کا مسح کرے۔

وَلَا بُدَّ مِنَ الْاِسْتِيعَابِ فِي ظَاهِرِ الرَّوَايَةِ لِقِيَامِهِ مَقَامَ الْوُضُوءِ

اور ظاہر الروایۃ کے مطابق استیعاب یعنی پورے وضو کا مسح کرنا ضروری ہے کیونکہ تیمم وضو کے قائم مقام ہے

وَلِهَذَا قَالُوا يُخَلَّلُ الْاَصَابِعُ وَيَنْزَعُ النِّعَاتِمَ لِيَتِمَّ الْمَسْحُ

اور اسی لئے فقہاء نے کہا کہ انگلیوں میں خلال کرے اور انگوٹھی کو اتار دے تاکہ مسح پورا ہو جائے

## تیمم میں استیعاب کا حکم

**تشریح:** تیمم میں استیعاب شرط ہے چنانچہ اگر بغیر مسح کے کچھ بھی رہ گیا تو تیمم نہیں ہوگا جیسا کہ وضو میں ہے یہ حکم

ظاہر الروایۃ کے مطابق ہے۔ اور حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا کہ اکثر کل کے قائم مقام ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ مسوحات میں استیعاب شرط نہیں ہے جیسے کہ موزے اور سر کے مسح میں استیعاب شرط نہیں ہے۔ اور ظاہر الروایۃ کی وجہ یہ ہے کہ تیمم وضو کا قائم مقام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے کہا کہ اٹھکھوں میں خلال کرے اور اگر اٹھکھی ہو تو اس کو نکال دے تاکہ مسح بھرپور ہو جائے۔

اور وضو میں استیعاب شرط ہے لہذا جو اس کے قائم مقام ہے یعنی تیمم اس میں بھی استیعاب شرط ہوگا چنانچہ تیمم اگر وضو کا خلیفہ نہ ہوتا تو مسح کندھوں تک واجب ہوتا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آیۃ تیمم میں **فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَارْجُلَيْكُمْ مِّنْ مَّاءٍ** بغیر غایت کے ذکر کیا ہے۔

<b>وَالْحَدَّثُ وَالْجَنَابَةُ فِيهِ سَوَاءٌ وَكَانَ الْحَيْضُ وَالنِّفَاسُ لِمَا رَوَى أَنَّ قَوْمًا جَاءُوا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ</b>
اور حدت اور جنابت تیمم میں برابر ہیں اور اسی طرح حیض و نفاس ہیں کیونکہ روایت کی گئی کہ ایک قوم رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی
<b>وَقَالُوا إِنَّا قَوْمٌ نَسْكُنُ هَذِهِ الرِّمَالِ وَلَا نَجِدُ الْمَاءَ شَهْرًا أَوْ شَهْرَيْنِ وَلِنَا الْجُنُبُ</b>
اور کہا کہ ہم ایسی قوم ہیں کہ اس ریگستان میں رہتے ہیں اور ایک یا دو ماہ تک پانی نہیں پاتے ہیں حائضہ ہم میں جنبی
<b>وَالْحَائِضُ وَالنِّفَاسُ فَقَالَ عَلَيْهِمْ بَارِئُكُمْ</b>
اور حیض اور نفاس والی عورتیں بھی ہوتی ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم پر اپنی زمین لازم ہے

## حدت، جنابت، حیض و نفاس میں تیمم ایک ہی ہے

تشریح:- امام تہوریؒ نے کہا کہ جواز تیمم، کیفیت تیمم اور آلہ تیمم میں حدت (بے وضو ہونا) اور جنابت دونوں برابر ہیں یعنی جس طرح حدت اصغر میں تیمم شروع ہے اسی طرح حدت اکبر میں بھی شروع ہے اور جو کیفیت حدت اصغر کے تیمم کی ہے وہی کیفیت حدت اکبر کے تیمم کی ہے اور یہی حکم حائضہ اور نفاس والی عورت کا ہے۔

بعض حضرات کی رائے ہے کہ تیمم فقط حدت اصغر کے لئے مشروع کیا گیا ہے جنبی حائضہ اور نفاس والی محدث کے لئے تیمم مشروع نہیں ہے۔ یہی حضرت عمرؓ، ابن مسعودؓ، ابن عمرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے۔ فقہاء اختلاف آیت تیمم **وَأَن لَّسْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُم مِّنَ الْمَاءِ** کے تحت **فَلَمْ يَجِدْ مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا** میں **أَوْ لَمْ تَجِدُوا الْمَاءَ** ہے یعنی ملاست نہام سے کیا مراد ہے۔ قول اول کے قائلین کہتے ہیں کہ اس سے مراد جماع ہے اور دوسرے قول والے کہتے ہیں کہ اس سے مراد مس بالید ہے۔ قول ثانی کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مَحْدُث کے لئے تیمم مشروع کیا ہے اس لئے جنبی کیلئے مباح نہیں ہوگا اور جنبی کو مَحْدُث پر قیاس بھی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ مَحْدُث کیلئے تیمم کی مشروعیت خلاف قیاس ہے اور جنبی کو مَحْدُث کے ساتھ لاحق بھی نہیں کیا جاسکتا ہے اس لئے کہ جنبی کا حدت مَحْدُث کے حدت سے بہت بڑھ کر ہے حالانکہ الحاق کے لئے ہماری شرط ہے۔

اور قول اول والوں کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں ملامت سے مجازاً جماع کے معنی مراد ہیں اور قرینہ آیت کا سیاق ہے اس کی تقریر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت وضو میں حدث اور جنابت دونوں کا حکم بیان کیا ہے۔ ارشاد **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ** یہاں تک حدث اصغر کا حکم مذکور ہے پھر فرمایا **لَنْ تَنَظُّوا مِنْهَا شَيْئًا فَاظْهَرُوا** اس جملہ میں جنابت یعنی حدث اکبر کا بیان ہے۔ پھر پانی نہ ہونے کی صورت میں حکم مٹی کی طرف منتقل کیا گیا ہے۔ اور **لَوْ جَاءَ أَحَدُكُمْ مِنَ الْغَائِطِ مِنْ الْقَائِلِطِ** میں حدث اصغر کا ذکر ہے پس مناسب یہ ہے کہ **لَا مَسْتَمِعُ** کو حدث اکبر (جنابت) پر محمول کیا جائے تاکہ آیت وضو کی طرح آیت تیمم میں بھی دو طہارتیں اور دو حدث مذکور ہو جائیں اور تاکہ تکرار لازم نہ آئے اس لئے کہ باری تعالیٰ کے قول **لَوْ جَاءَ أَحَدُكُمْ مِنَ الْغَائِطِ مِنْ الْقَائِلِطِ** میں تیمم کے حق میں حدث اصغر مذکور ہے۔ پس اگر **لَا مَسْتَمِعُ** کو بھی اسی معنی پر محمول کیا گیا تو خواہ مخواہ آیت میں تکرار ہوگا۔ اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف منہ حدث کیلئے تیمم مشروع کیا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے جنسی کیلئے بھی مشروع کیا ہے۔

چنانچہ مروی ہے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں کچھ لوگ حاضر ہو کر کہنے لگے کہ ہم اس ریگستان میں رہتے ہیں اور ایک دو ماہ تک پانی میسر نہیں ہوتا حالانکہ ہم میں جنسی بھی ہوتے ہیں اور حیض و نفاس والی عورتیں بھی یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: **عَلَيْكُمْ بِالْأَرْضِ** تم پر تہری زمین لازم ہے یعنی تم مٹی سے تیمم کر لیا کرو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حدث اکبر کیلئے بھی تیمم مشروع ہے۔ اور عمران بن الحصین کی سند کے ساتھ صحیح بخاری میں ہے **إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ رَأَى رَجُلًا مُعْتَرِلًا لَمْ يُصَلِّ فِي الْقَوْمِ فَقَالَ يَا هَذَا مَا مَنَعَكَ أَنْ تُصَلِّيَ فِي الْقَوْمِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَصَابَتْنِي جَنَابَةٌ وَلَا مَاءَ فَقَالَ ﷺ عَلَيْكَ بِالصُّعِيدِ فَإِنَّهُ يَكْفِيكَ** یعنی حضور ﷺ نے ایک آدمی کو الگ دیکھا کہ وہ لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھ رہا ہے۔ آپ ﷺ نے کہا کہ اے فلاں تمہ کو لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے روکا ہے۔ اس نے کہا اے اللہ کے رسول! مجھے جنابت لاحق ہوگئی ہے اور پانی موجود نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہ پر مٹی لازم ہے اس لئے کہ وہ تمہ کو کافی ہے۔ یہ حدیث بھی تین دلیل ہے کہ جنسی کے واسطے تیمم جائز ہے۔

**وَيَجُوزُ التُّمُّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمَعْمَدٍ بِكُلِّ مَا كَانَ مِنْ جَنَسِ الْأَرْضِ كَالْتُّرَابِ وَالرَّمْلِ وَالْحَبَرِ وَالْبَصِ وَالنُّورَةِ وَالْكُحْلِ**

اور امام ابو حنیفہ و امام محمد کے نزدیک تیمم ہر اس چیز کے ساتھ جائز ہے جو زمین کی جنس سے ہو جیسے مٹی، ریت، پتھر، گچ، چونہ، سرمہ

**وَالزَّرْدِيخِ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ لَا يَجُوزُ إِلَّا بِالتُّرَابِ وَالرَّمْلِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا يَجُوزُ إِلَّا بِالتُّرَابِ الْمُنْبَتِ**

اور ہرنال، اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ تیمم صرف مٹی اور ریت سے جائز ہے اور امام شافعی نے فرمایا کہ صرف اگانے والی مٹی سے جائز ہے

**وَهُوَ دِرَايَةٌ عَنْ أَبِي يُوسُفَ لِقَوْلِهِ تَعَالَى فَيَمْسَحُوا بِصُعِيدٍ طَيِّبٍ أَيْ تُرَابًا مُنْبَتًا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ**

اور یہی ایک روایت ابو یوسف سے ہے اس لئے کہ باری تعالیٰ کا فرمان ہے کہ صعیب طیب یعنی اگانے والی مٹی سے تیمم کرو۔ ابن عباس نے بھی یہی فرمایا ہے

غَيْرَ أَنَّ أَبَا يُوسُفَ زَادَ عَلَيْهِ الرُّمْلَ بِالْحَدِيثِ الَّذِي رَوَيْنَاهُ وَلَهُمَا أَنَّ الصَّعِيدَ اسْمٌ لَوْجِهِ الْأَرْضِ

مگر ابو یوسف نے اس پر ریت کو اس حدیث کی وجہ سے زیادہ کیا ہے جسے ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ صعید روئے زمین کا نام ہے،

سَمِيَ بِهِ لِصُعُودِهِ وَالطَّبِيبُ يَحْتَمِلُ الظَّاهِرَ فَحَمِلَ عَلَيْهِ

اس کا نام صعید اس کے اوجھے ہونے کی وجہ سے رکھا گیا اور طبیب پاک کا احتمال رکھتا ہے لہذا اسی پر محمول کیا جائے گا

لِأَنَّهُ الْبَقِ يَمُوضِعُ الظَّهَارَةَ أَوْ هُوَ مُرَادٌ بِالْإِجْمَاعِ

کیونکہ یہ معنی مقام طہارت کے زیادہ مناسب ہے یا (یکہ) یہ (معنی) بالاجماع مراد ہیں

## کن اشیاء پر تیمم جائز ہے اور کن پر جائز نہیں، اقوال فقہاء

تشریح:- یہاں سے مَا يَجُوزُ بِهِ التَّيْمُمُ کا بیان ہے چنانچہ فرمایا کہ ہر وہ چیز جو زمین کی جنس سے ہو اس کے ساتھ تیمم

کرنا جائز ہے اور زمین کی جنس ہونے کی شناخت یہ ہے کہ جو چیز جل کر ماکھ ہو جائے جیسے درخت اور جو پتھر جل کر نرم اور ٹپھے کے قابل

ہو جائے جیسے لوہا، تو یہ زمین کی جنس سے نہیں ہے اس کے علاوہ چیزیں زمین کی جنس سے ہیں جیسے مٹی، ریت، پتھر، گچ (چونہ) قلعی کا

چونہ، سرمہ، ہڑتال پھاڑی نمک، یا قوت، زمرود، زبرجد، وغیرہ یہ مذہب طرفین کا ہے حضرت امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ صرف مٹی اور

ریت سے تیمم کرنا جائز ہے اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ فقط اگانے والی مٹی سے جائز ہے اور یہی امام ابو یوسفؒ کا قول مرجوح الیہ ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل باری تعالیٰ کا قول صَعِيدًا طَيِّبًا ہے اس طرح پر کہ صعید کے معنی مٹی اور طیب کا معنی نبت (اگانے والی)

کے ہیں۔ یہی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کی ہے پس یہ تفسیر اس بات کی مقتضی ہے کہ تیمم فقط مٹی سے جائز ہو لیکن امام

ابو یوسفؒ نے اس پر ریت کا اضافہ کیا ہے اس حدیث سے جو سابق میں گذر چکی یعنی عَلَيْهِمُ بِالْأَرْضِ۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ صعید نام ہے روئے زمین یعنی زمین کے بالائی حصہ کا، اور چونکہ بالائی حصہ بلند اور اونچا ہے اس

لئے اس کا نام صعید رکھا گیا ہے۔ حاصل یہ کہ ہر وہ چیز جو صعید ہو یعنی زمین کی جنس سے ہو اس کے ساتھ تیمم کرنا جائز ہے۔

صعید کے یہی معنی ظلیل نحوی سے مروی ہیں۔ اور زحمری نے زجاج سے روایت کرتے ہوئے کشاف میں فرمایا کہ صعید

روئے زمین کا نام ہے۔ اور معانی القرآن میں زجاج نے کہا کہ میرے علم کے مطابق اس معنی میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اور صحاح

میں بھی یہی معنی بیان کئے گئے ہیں اور رسی یہ بات کہ طیب کے معنی نبت کے ہیں۔ سو ہم کہتے ہیں کہ طیب طاہر کے معنی کا احتمال بھی

رکھتا ہے چنانچہ باری تعالیٰ کے قول حَلَالًا طَيِّبًا میں طیب بمعنی پاک ہے پس یہاں طیب اسی معنی پر محمول ہوگا کیونکہ یہ مقام، مقام

طہارت ہے اور یہ معنی مقام طہارت کے زیادہ مناسب ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ لفظ طیب، طاہر اور نیت دونوں کے درمیان مشترک ہے اور طاہر بالا جماع مراد ہے اس وجہ سے نیت کا معنی مراد نہیں ہوں گے کیونکہ ہمارے نزدیک عموم مشترک جائز نہیں ہے۔

ثُمَّ لَا يَشْتَرِطُ أَنْ يَكُونَ عَلَيْهِ غُبَارٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ لِإِطْلَاقِ مَا تَلَوْنَا

پھر امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ شرط نہیں کہ اس زمین پر غبار ہو اس آیت کے مطلق ہونے کی وجہ سے جو ہم نے تلاوت کی ہے

وَكَمَلًا يَجُوزُ بِالْغُبَارِ مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَى الصَّعِيدِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ لِأَنَّهُ تَرَابٌ رَقِيقٌ

اور اسی طرح طرفین کے نزدیک تیمم غبار کے ساتھ جائز ہے باوجودیکہ وہ مٹی پر قادر ہو، اس لئے کہ غبار تراب رقیق ہے

## مٹی پر غبار ہونا شرط ہے یا نہیں

**تشریح:** فرمایا کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک مٹی پر غبار کا ہونا شرط نہیں ہے کیونکہ قرآن پاک میں صَوِّبُوا طَهْرًا مطلق ہے غبار ہونے اور نہ ہونے کی کوئی تفصیل نہیں ہے لہذا مطلق مٹی سے تیمم کرنا جائز ہوگا خواہ اس پر غبار ہو یا نہ ہو۔ اور امام محمد کے نزدیک غبار کا ہونا شرط ہے۔ اور یہی قول امام ابو یوسف اور امام شافعی کا ہے اور اسی کا قائل امام احمد بن حنبل ہیں۔ ان حضرات کی دلیل ہاری تعالیٰ کا قول **فَاَمْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَبِأَيْدِيْكُمْ مِّنْ تُرَابٍ** ہے یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کر مٹی سے کچھ لے کر حاصل یہ کہ **وَمِنْهُ** میں من جعفیہ ہے اور اس پر عمل اسی وقت ممکن ہوگا جبکہ غبار ہو لیکن جواب اس کا یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ **وَمِنْهُ** کی ضمیر حدث کی طرف راجع ہو اور تراب کی طرف راجع نہ ہو۔ اب ترجمہ یہ ہوگا کہ اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو حدث سے یعنی حدیث کی وجہ سے اور یہ بھی احتمال ہے کہ من ابتداء یہ ہو یعنی تیمم کی ابتداء مٹی سے ہوگی۔

یہی حکم طرفین کے نزدیک اس وقت ہے جبکہ مٹی پر قدرت کے باوجود غبار سے تیمم کرے اس کی صورت یہ ہوگی کہ کسی شخص نے اپنے غبار آلود کپڑے جھاڑے اور گرد و غبار اس کے چہرے اور ہاتھوں کو لگ گیا، پھر اس نے تیمم کی نیت سے ہاتھ پھیرا تو اس کا تیمم ہو گیا کیونکہ غبار بھی رقیق مٹی ہے پس جس طرح کثیف مٹی سے تیمم جائز ہے اسی طرح رقیق مٹی سے بھی جائز ہے۔

اور امام ابو یوسف قدرت علی الصعید کی صورت میں غبار کے ساتھ تیمم کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ اور دلیل یہ بیان کی کہ غبار خالص مٹی نہیں ہے بلکہ من وجہ مٹی ہے۔ اور ماہور ب تیمم بالصعید ہے اس وجہ سے قدرت علی الصعید کے ہوتے ہوئے اس سے عدول کرنا جائز نہیں ہے البتہ عجز عن الصعید کے وقت اس سے تیمم کرنا جائز ہے جیسا کہ عجز عن الركوع واسجود کے وقت اشارے سے نماز پڑھنا جائز ہے۔

وَالنِّيَّةُ فَرَضٌ فِي التَّيْمُمِ وَقَالَ زُفَرٌ لَّيْسَ بِفَرَضٍ لِأَنَّهُ خَلْفَ عَنِ الْوُضُوءِ فَلَا يُخَالِفُهُ لِي وَصْفِهِ

اور تیمم میں نیت فرض ہے۔ اور امام زفر نے کہا کہ نیت فرض نہیں ہے کیونکہ تیمم وضو کا خلیفہ ہے لہذا وصف وصحت میں تیمم وضو کا مخالف نہیں ہوگا۔

وَلَمَّا أَنَّهُ يُنْبِئُ عَنِ الْقَصْدِ فَلَا يَتَحَقَّقُ ذُوْنَهُ أَوْ يُجْعَلَ طَهُوْرًا فِي حَالَةٍ مَخْصُوصَةٍ

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ تیمم قصد کی خبر دیتا ہے پس تیمم بغیر قصد کے تحقق نہیں ہوگا یا (ہماری دلیل یہ ہے کہ) مٹی کو حالت مخصوصہ میں طہور قرار دیا گیا ہے

وَالْمَاءُ طَهُوْرٌ بِنَفْسِهِ عَلَى مَا مَرَّ

اور پانی بنفسہ طہور ہے جیسا کہ گذرا

## تیمم میں نیت فرض ہے

تشریح :- ہمارے نزدیک تیمم کے لئے نیت فرض ہے اور امام زفرؒ کے نزدیک فرض نہیں ہے۔ امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے تیمم وضو کا خلیفہ ہے اور خلیفہ وصف صحت میں اصل کے مخالف نہیں ہوتا، پس جب وضو بغیر نیت کے درست ہے تو تیمم بھی بغیر نیت کے درست ہوگا اس لئے کہا کہ تیمم بغیر نیت درست نہ ہو تو خلیفہ کا اصل کے مخالف ہونا لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ تیمم کے معنی لغت میں قصد اور ارادے کے آنے ہیں اور قصد نام ہے نیت کا، اور قاعدہ ہے کہ اسمائے شریعہ میں معانی لغویہ کا اظہار کیا جاتا ہے، اس لئے ہم نے کہا کہ تیمم میں نیت کرنا ضروری ہے۔ اور تیمم میں نیت کی تفسیر یہ ہے کہ طہارت کی نیت کرے یا حدث دور کرنے کی یا جنابت دور کرنے کی یا اباحت صلوٰۃ طلب کرنے کی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ مٹی دو شرطوں کے ساتھ طہور ہے (۱) پانی نہ ہونے کے وقت (۲) یہ کہ تیمم نماز کے واسطے ہو کیونکہ باری تعالیٰ نے فرمایا فَتَيَمَّمُوا اور یہ قول جی ہے باری تعالیٰ کے قول لَإِذَا تَوَلَّى السُّلُوكَ وَالْمُؤَلَّاتِ فَغَسِّلُوا وَجُوهَكُمْ پر اور اس سے مراد فَغَسِّلُوا لِلصَّلَاةِ ہے لہذا وہاں بھی فَتَيَمَّمُوا لِلصَّلَاةِ مراد ہوگا پس جس طرح وجود آب کے وقت تیمم مفید طہارت نہیں اسی طرح عدم نیت کی صورت میں بھی مفید طہارت نہیں ہوگا۔

وَالْمَاءُ طَهُوْرٌ سے سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آیت میں پانی بھی مخصوص حالت (حالت صلوٰۃ) میں طہور قرار دیا گیا ہے لہذا وضو میں نیت کرنا شرط ہونا چاہیے۔

جواب یہ ہے کہ پانی بنفسہ طہور ہے یعنی اپنی طبیعت کے اعتبار سے عامل ہے اس لئے نیت کا محتاج نہیں ہوگا جیسا کہ نجاست عینہ کو دور کرنے کے واسطے نیت شرط نہیں ہے۔

ثُمَّ إِذَا نَوَى الطَّهَارَةَ أَوْ اسْتِباحَةَ الصَّلَاةِ أَجْزَاؤُهُ وَلَا يَشْتَرُطُ نِيَّةُ التَّيَمُّمِ لِلْحَدَثِ

پھر جب (تیمم کرنے والا) طہارت کی یا استباحہ صلوٰۃ کی نیت کرے تو کافی ہوگا اور حدث یا جنابت کے واسطے تیمم کی نیت کرنا

أَوَّلُ الْجَنَابَةِ هُوَ الصَّحِيحُ مِنَ الْمَذْهَبِ

شرط نہیں ہے بلکہ صحیح مذہب ہے



## تیمم میں طہارت یا اباحت صلوٰۃ کی نیت بھی کافی ہے

**تشریح:-** مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے طہارت حاصل کرنے کی نیت کی یا اباحت صلوٰۃ طلب کرنے کی نیت کی تو یہ کافی ہوگا اور حدیث یا جنابت دور کرنے کی نیت کرنا تیمم کے لئے شرط نہیں ہے بلکہ صحیح مذہب ہے۔

اور امام ابو بکر رازیؒ نے کہا کہ حدیث یا جنابت دور کرنے کی نیت کرنا تیمم کے واسطے شرط ہے کیونکہ ان دونوں کے واسطے ایک ہی صفت کے ساتھ تیمم کیا جاتا ہے لہذا دونوں میں سے ایک بغیر نیت کے ممتاز نہیں ہوگا جیسے فرض نماز کو نفل نماز سے ممتاز کرنے کیلئے نیت کی جاتی ہے اور مذہب صحیح کی دلیل یہ ہے کہ تیمم ایک طہارت ہے لہذا اس کے اسباب کی نیت کرنا لازم نہیں ہوگا جیسے وضو میں ہے۔

فَإِنْ تَيَمَّمَ نَصْرَانِيٌّ يُرِيدُ بِهِ الْإِسْلَامَ ثُمَّ أَسْلَمَ ثُمَّ يَكُنْ مُتَيَمِّمًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَ مُحَمَّدٍ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ

پس اگر نصرانی اسلام لانے کے ارادے سے تیمم کرے پھر اسلام لائے تو طرفین کے نزدیک وہ متمم نہیں ہوگا۔ اور امام ابو یوسفؒ نے کہا

هُوَ مُتَيَمِّمٌ لِأَنَّهُ نَوَى قُرْبَةً مَقْصُودَةً بِخِلَافِ التَّيَمُّمِ لِدُخُولِ الْمَسْجِدِ وَمَسِّ الْمَصْحَفِ

کہ وہ متمم ہے کیونکہ اس نے قربت مقصودہ کی نیت کی ہے بخلاف اس تیمم کے جو دخول مسجد اور قرآن چھونے کی نیت سے ہو

لِأَنَّهُ لَيْسَ بِقُرْبَةٍ مَقْصُودَةٍ وَلَهُمَا أَنَّ التَّرَابَ مَا جُعِلَ طَهُورًا إِلَّا لِبِي حَالِ إِرَادَةِ قُرْبَةٍ مَقْصُودَةٍ

اس لئے کہ وہ قربت مقصودہ نہیں ہے۔ اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ مٹی کو طہور نہیں بنایا گیا مگر ایسی قربت مقصودہ کے ارادے کے وقت

لَا تَصِحُّ بِذَوْنِ الطَّهَارَةِ وَالْإِسْلَامِ قُرْبَةً مَقْصُودَةً يَصِحُّ بِذَوْلِهَا بِخِلَافِ سَجْدَةِ التَّلَاوَةِ

جو بغیر طہارت کے صحیح نہ ہوتی ہو۔ اور اسلام ایسی قربت مقصودہ ہے جو بغیر طہارت کے صحیح ہو جاتی ہے بخلاف سجدہ تلاوت کے

لِأَنَّهَا قُرْبَةٌ مَقْصُودَةٌ لَا تَصِحُّ بِذَوْنِ الطَّهَارَةِ

کیونکہ سجدہ تلاوت ایسی قربت مقصودہ ہے جو بغیر طہارت کے صحیح نہیں ہوتی

## نصرانی نے تیمم کیا پھر اسلام لایا یہ تیمم کافی ہے یا نہیں؟ اقوال فقہاء

**تشریح:-** مسئلہ یہ ہے کہ نصرانی نے اسلام لانے کے ارادے سے تیمم کیا پھر مسلمان ہو گیا تو طرفین کے نزدیک اس کا یہ تیمم معتبر نہیں ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ معتبر ہے۔ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس شخص نے قربت مقصودہ کی نیت کی ہے کیونکہ اسلام سب سے بڑی قربت ہے۔ اور مقصود اس لئے ہے کہ کسی دوسرے کے ضمن میں نہیں۔ اور قربت مقصودہ کی نیت سے جو تیمم کیا جاتا ہے وہ شرعاً معتبر ہوتا ہے لہذا اسلام لانے کے ارادے سے جو تیمم کیا گیا ہے وہ معتبر ہے۔ اگر اسلام لانے کے بعد اس سے نماز پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر مسلمان نے مسجد میں داخل ہونے کے ارادے سے یا کلام پاک چھونے کے

ارادے سے جیم کیا ہو تو یہ شرعاً معتبر نہیں چنانچہ اس جیم سے اگر نماز پڑھنا چاہے تو نماز نہیں پڑھ سکتا کیونکہ مسجد میں داخل ہونا یا قرآن پاک پھونکا قربت مقصودہ نہیں ہے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ مٹی بذاتہ مطہر نہیں ہے بلکہ اس وقت مطہر ہے جبکہ ایسی قربت مقصودہ کا ارادہ کیا گیا ہو جو بغیر طہارت کے صحیح نہیں ہوتی، اور اسلام ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ بغیر طہارت کے صحیح ہو جاتا ہے۔ اس کے برخلاف سجدہ تلاوت ہے کیونکہ سجدہ تلاوت ایسی قربت مقصودہ ہے جو بغیر طہارت کے صحیح نہیں ہوتا ہے لہذا سجدہ تلاوت کے ارادے سے اگر جیم کیا گیا تو اس سے نماز پڑھنا جائز ہے۔

صاحب نہایت نے صاحب ہدایت کی پیش کردہ طرفین کی دلیل پر نقص وارد کیا ہے۔ نقص کا حاصل یہ ہے کہ اگر کافر نے نماز ادا کرنے کے لئے جیم کیا اور پھر مسلمان ہو گیا تو اس جیم سے نماز پڑھنا جائز ہونا چاہیے کیونکہ کہ نماز ایسی عبادت مقصودہ ہے جو بغیر طہارت صحیح نہیں ہوتی، حالانکہ اس جیم سے اس کا نماز پڑھنا جائز نہیں ہے لہذا طرفین کا یہ کہنا کہ مٹی اس حال میں طہور قرار دی گئی ہے جبکہ اس سے ایسی عبادت مقصودہ کا ارادہ کیا گیا ہو جو بغیر طہارت صحیح نہیں ہوتی، غلط ہے، زیادہ بہتر دلیل یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ کافر نیت کا اہل نہیں ہے کیونکہ نیت کرنا عبادت ہے اور جیم بغیر نیت کے صحیح نہیں ہوتا اس لئے کافر کا جیم صحیح نہیں ہے۔

وَإِنْ تَوَضَّأَ لَا يُرِيدُ بِهِ إِلَّا سَلَامَ ثُمَّ أَسْلَمَ فَهُوَ مُتَوَضِّئٌ خِلَافًا لِلْمَشَافِعِيِّ بِنَاءً عَلَى اشْتِرَاطِ النِّيَّةِ

اور اگر وہ (کافر) وضو کرے حالانکہ وہ اسلام کا ارادہ نہیں کرتا پھر مسلمان ہو جائے تو وہ ہادضو ہے۔ بخلاف امام شافعی کے (اور اس اختلاف کی بنیاد اشتراط نیت پر ہے)

## نصرانی نے وضو کیا پھر مسلمان ہو گیا با وضو شمار ہو گا یا نہیں؟ اقوال فقہاء

تشریح: اگر نصرانی نے وضو کیا حالانکہ اس سے اس کا ارادہ اسلام لانے کا نہیں ہے پھر مسلمان ہو گیا تو ہمارے نزدیک یہ شخص ہادضو ہے اگر اس سے نماز پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے کیونکہ ہمارے نزدیک وضو میں نیت شرط نہیں ہے لہذا اس کا اہل نہ ہونا معتبر نہیں ہو گا اور امام شافعی کے نزدیک اس کا وضو معتبر نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک وضو میں نیت شرط ہے اور نصرانی نیت کا اہل نہیں ہے اور لفظ بناء سے امام شافعی کی دلیل بیان کی گئی ہے البتہ ہماری دلیل بھی اسی سے مفہوم ہے۔

فَإِنْ تَيَمَّمَ مُسْلِمٌ ثُمَّ ارْتَدَّ وَالْعِيَاذُ بِاللَّهِ ثُمَّ أَسْلَمَ فَهُوَ عَلَى تَيَمُّمِهِ وَقَالَ زُفَرٌ يَبْطُلُ تَيَمُّمُهُ

پس اگر مسلمان جیم کرے پھر العیاذ باللہ وہ مرتد ہو جائے پھر وہ مسلمان ہو جائے تو وہ اپنے جیم پر باقی ہے۔ اور امام زفر نے فرمایا کہ اس کا جیم باطل ہو جائے گا

لَا يَنْفِي الْكُفْرَ يُنَافِيهِ فَيَسْتَوِي فِيهِ الْإِبْتِدَاءُ وَالْإِنْتِهَاءُ كَالْمَحْرَمِيَّةِ فِي النِّكَاحِ وَلَنَا

کیونکہ کفر جیم کے منافی ہے پس اس میں ابتداء اور انتہاء برابر ہوگی، (یہ) نکاح میں محرمیت کی طرح ہے اور ہماری دلیل یہ ہے

أَنَّ الْبَاقِيَ بَعْدَ التَّيَمُّمِ صِفَةٌ كَوْنُهُ طَاهِرًا فَلَا يَنْفِيهِ كَمَا لَوْ اِغْتَرَضَ عَلَى الْوُضُوءِ

کہ جیم کے بعد باقی نہ جانے والی چیز اس کے پاک ہونے کی صفت ہے چنانچہ اس پر کفر کا طہارے اس کے منافی نہیں ہے جیسا کہ اگر کفر وضو پر طہارے ہو گیا (تو وضو باقی رہتا ہے)

وَأَنَّمَا لَا يَصِحُّ مِنَ الْكَافِرِ ابْتِدَاءُ لِعَدَمِ النِّيَّةِ مِنْهُ

اور کافر سے ابتداء اس لئے صحیح نہیں کہ اس سے نیت نہیں ہو سکتی ہے

مسلمان نے تیمم کیا پھر العیاذ باللہ مرتد ہو گیا پہلا تیمم برقرار رہے گا یا نہیں؟ اقوال فقہاء  
تشریح:- مسئلہ ایک شخص نے بحالت اسلام تیمم کیا پھر وہ مرتد ہو گیا پھر اسلام میں داخل ہو گیا تو یہ شخص اپنے تیمم پر باقی  
ہے کفر اختیار کرنے کی وجہ سے اس کا تیمم باطل نہیں ہوا۔ اور حضرت امام زفرؒ نے فرمایا کہ اس کا تیمم باطل ہو گیا امام زفرؒ کی دلیل یہ  
ہے کہ کفر تیمم کے منافی ہے لہذا اس میں ابتداء اور انتہا دونوں برابر ہوں گی یعنی جس طرح ابتداء کفر تیمم کا منافی ہے اسی طرح انتہاء اور  
بقاء بھی منافی ہے لہذا جب ابتداء کافر کا تیمم معتبر نہیں ہے تو بقاء بھی کافر کا تیمم معتبر نہیں ہوگا۔

اور یہ ایسا ہے جیسے نکاح میں حریمت یعنی اگر عورت مرد میں پہلے سے حرمت ابدیہ ہو تو ان کا نکاح صحیح نہیں ہوگا۔  
اسی طرح اگر نکاح کے بعد حرمت پیدا ہو گئی تو یہ نکاح باقی نہ رہے گا مثلاً دودھ پیتے دو بچوں کا نکاح ان کے باپ نے بحیثیت  
ولی کیا، پھر کسی عورت نے ان دونوں کو اپنا دودھ پلایا تو یہ نکاح باطل ہو گیا کیونکہ بقاء حریمت پائی گئی اگرچہ ابتداء حریمت نہیں تھی یا مثلاً  
زوجین بالغ تھے پھر بیوی نے اپنے شوہر کے بیٹے کو اپنے اوپر قدرت دی تو ان کا نکاح باطل ہو گیا کیونکہ بقاء حریمت پائی گئی ہے۔  
امام زفرؒ کے مذہب پر ایک سوال کیا جاسکتا ہے وہ یہ کفر تیمم کے منافی اس لئے ہے کہ وہ عبادت ہے اور عبادت بغیر نیت متحقق  
نہیں ہوتی ہے۔ حالانکہ امام زفرؒ کے نزدیک تیمم کے حق میں نیت شرط نہیں ہے پس کفر کا تیمم پر طاری ہونا ایسا ہے جیسے کفر کا وضو پر طاری  
ہونا لہذا جس طرح کفر پیش آ جانے کی وجہ سے وضو باطل نہیں ہوتا اسی طرح تیمم بھی باطل نہ ہونا چاہیے..... حجاب یہ ہے کہ  
مذہب عسکری بناء پر امام زفرؒ کے نزدیک تیمم کے لئے نیت شرط ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ کفر اور تیمم کے درمیان منافات اس لئے ہے کہ کافر میں اہلیت معدوم ہے کیونکہ تیمم کی مشروعیت نماز  
کیلئے ہے اور کافر نماز کا اہل نہیں لہذا کافر کا تیمم باطل ہوگا نیت کرے یا نہ کرے اور اس میں ابتداء اور بقاء دونوں برابر ہیں۔  
اور ہماری دلیل یہ ہے کہ تیمم کر لینے کے بعد فی نفسہ تیمم باقی نہیں رہا بلکہ وہ طہارت باقی ہے جو تیمم سے حاصل ہوئی تھی اور  
کفر کا طہارت پر طاری ہونا اس کے منافی نہیں جیسا کہ وضو کرنے کے بعد اگر یہ شخص کافر ہو گیا تو اس کا وضو باقی رہتا ہے۔ یہی بات  
کہ ابتداء کافر کا تیمم کیوں معتبر نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ کافر نیت کا اہل نہیں اور تیمم کیلئے نیت شرط ہے اس لئے کافر کا  
ابتداء تیمم کرنا شرعاً معتبر نہیں ہے لیکن اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ مرتد ہونا اعمال کو اکارت اور باطل کرتا ہے جیسا کہ ہاری تعالیٰ کا قول  
ہے: لَیْسَ الْاِسْلَامُ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُکَ اور مَنْ يَكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُکَ اور وضو اور تیمم بھی منجملہ اعمال ہیں لہذا مرتد ہونے سے ان کو بھی  
اکارت ہو جانا چاہیے تھا۔ جواب: مرتد ہونا اعمال کا ثواب باطل کرتا ہے نہ کہ نفس اعمال جیسے ایک شخص نے ریا کاری کے طور پر وضو کیا  
تو اس سے حدت زائل ہو جاتا ہے اگرچہ اس وضو پر ثواب مرتب نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم (مناہیہ) جمیل۔

وَيَنْقُضُ التَّيْمَمَ كُلُّ شَيْءٍ يَنْقُضُ الْوُضُوءَ لِأَنَّهُ خَلَفَ عَنْهُ فَأَخَذَ حُكْمَهُ

اور تیمم کو ہر وہ چیز توڑ دیتی ہے جو وضو کو توڑتی ہے کیونکہ یہ وضو کا خلیفہ ہے پس اس نے تیمم کا حکم لے لیا

## نواقض تیمم

تشریح:- شیخ قدوریؒ نے کہا کہ جو چیز ناقض وضو ہے وہ ناقض تیمم بھی ہے دلیل یہ ہے کہ تیمم وضو کا خلیفہ ہے اور اس میں شک نہیں کہ اصل بہ نسبت خلیفہ کے اقویٰ ہوتا ہے پس جو چیز اقویٰ کے واسطے ناقض ہوگی وہ اضعف کیلئے بدرجہ اولیٰ ناقض ہوگی لہذا ہر وہ چیز جو ناقض وضو ہے ناقض تیمم ضرور ہوگی۔

وَيَنْقُضُهُ أَيضًا رُوَيْتُهُ الْمَاءَ إِذَا قَدَّرَ عَلَى اسْتِعْمَالِهِ لِأَنَّ الْقَلْبَ هِيَ الْمُرَادُ بِالْوُجُودِ الَّذِي هُوَ غَايَةُ لَطَهُورِيَّةِ التَّرَابِ

اور پانی کا دیکھنا بھی تیمم کو توڑ دیتا ہے بشرطیکہ وہ پانی کے استعمال پر قادر ہو کیونکہ اس وجود سے قدرت ہی مراد ہے جو طہوریت تراب کی غایت ہے

وَعَائِفُ السَّبْعِ وَالْعَدُوُّ وَالْمَعْطَشُ عَاجِزٌ حُكْمًا وَالنَّائِمُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ قَادِرٌ تَقْدِيرًا حَتَّى لَوْ مَرَّ

اور درمے، دشمن اور پیاس سے ڈرنے والا حکماً عاجز ہے۔ اور سونے والا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حکماً قادر ہے حتیٰ کہ اگر سو یا ہوا تیمم

النَّائِمُ الْمُتَيَمِّمُ عَلَى الْمَاءِ بَطْلٌ تَيَمُّمُهُ عِنْدَهُ وَالْمُرَادُ مَا يَكْفِي لِلْوُضُوءِ

پانی کے پاس سے گذرنا تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس کا تیمم باطل ہو گیا اور پانی سے مراد اتنی مقدار ہے جو وضو کیلئے کافی ہو

لِأَنَّهُ لَا مُعْتَبَرَ بِمَا دُونَهُ إِبْتِدَاءً لِهَذَا الْتِهَاءِ

اس لئے کہ اس سے کم ابتداء مستبر نہیں پس اسی طرح انتہاء بھی مستبر نہیں ہوگا

## پانی کو دیکھنے والا جب قادر علی الماء ہو، ناقض وضو ہے

تشریح:- صاحب قدوریؒ نے فرمایا کہ بعض چیزیں ایسی ہیں جن سے وضو نہیں ٹوٹتا البتہ تیمم ٹوٹ جاتا ہے چنانچہ تیمم نے اگر پانی دیکھا اور وہ اس کے استعمال پر قادر بھی ہے تو یہ پانی اس کے تیمم کے لئے ناقض ہوگا۔ اور استعمال پر قدرت کی شرط اس لئے لگائی کہ آیت اُولَئِكَ السَّاعَةُ فَلَمَّا جُذِيَ اسَاءَ اور حدیث التَّرَابِ طَهُورُ الْمُسْلِمِ وَلَوْلَايَ عَشْرُ حَجَجٍ مَا لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ میں وجود ماء سے مراد قدرت علی استعمال الماء ہے۔

صاحب ہدایہؒ نے کہا کہ اگر پانی موجود ہو مگر درمے کا خوف ہے یعنی یہ خوف ہے کہ اگر پانی پر گیا تو درمہ ہلاک کر دے گا یا دشمن کا خوف ہے کہ اگر پانی پر گیا تو دشمن اس کو ہلاک کر دے گا یا اس کے مال کو ہلاک کر دے گا اور یا یہ کہ پانی اس قدر کم ہے کہ اگر اس نے وضو کر لیا تو یہ یا سارہ جائیگا تو ان تمام صورتوں میں اس شخص کو پانی کے استعمال سے عاجز قرار دیا جائے گا اور اس کے واسطے تیمم کرنا جائز ہوگا۔

مصنف ہدایہ نے کہا کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک سویا ہوا آدمی پانی پر قادر شمار ہوگا۔ چنانچہ اگر تیمم سوتا ہوا پانی سے گزر گیا تو اس کا تیمم باطل ہوگا کیونکہ یہ شخص پانی کے استعمال سے ایسے عذر کی وجہ سے عاجز ہوا جو خود اس کی جانب سے پیدا ہوا ہے یعنی نیند اس لئے اس کو معذور نہیں سمجھا جائے گا۔

صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ جس پانی کو دیکھنے سے تیمم ٹوٹ جاتا ہے اس سے پانی کی اتنی مقدار مراد ہے جو وضو کیلئے کافی ہو کیونکہ جب ابتداء اس سے کم مقدار پانی کا اعتبار نہیں کیا گیا تو ایسے ہی انتہاء اور بقاء بھی اس سے کم مقدار معتبر نہیں ہوگی۔

وَلَا يَتِمُّ إِلَّا بِصَعِيدٍ طَاهِرٍ لَّانَ الطَّيِّبُ أُرِيدَ بِهِ الطَّاهِرُ وَلَآئِنَّ أَلَّ التَّطَهِيرِ

اور نہ تیمم کرے مگر پاک مٹی سے کیونکہ طیب سے طاہر ہی مراد ہے اور اس لئے کہ صعيد پاک کرنے کا آلہ ہے

فَلَا بُدَّ مِنْ طَهَارَتِهِ فِي نَفْسِهِ كَالْمَاءِ.

لہذا پانی کی طرح خود اس کا پاک ہونا ضروری ہے۔

## تیمم پاک مٹی سے جائز ہے

تشریح :- مسئلہ تیمم صرف پاک مٹی سے جائز ہے کیونکہ آیت فَيَتِمُّوا صُعِيدًا طَيِّبًا میں طیب سے مراد ہالا جماع طاہر ہے اس لئے جس سے تیمم کرے گا اس کا پاک ہونا ضروری ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ مٹی پاک کرنے کا آلہ ہے اس لئے اس کا خود بھی پاک ہونا ضروری ہے جیسے پانی کا پاک ہونا ضروری ہے۔

وَيُسْتَحَبُّ لِعَادِمِ الْمَاءِ وَهُوَ يَرْجُوهُ أَنْ يُؤَخَّرَ الصَّلَاةُ إِلَى آخِرِ الْوَلْتِ فَإِنْ وَجَدَ الْمَاءَ

اور پانی نہ پانے والے کے لئے مستحب ہے درآنحالیکہ وہ پانی کی امید رکھتا ہے یہ کہ نماز کو آخر وقت تک مؤخر کر دے، پس اگر وہ پانی پالے

يَتَوَضَّأُ وَلَا تَيَمُّمَ وَصَلَّى لِيَقَعَ الْأَذَاءُ بِاتِّكْمَلِ الطَّهَارَتَيْنِ لِمَصَارِ كَالطَّمَعِ فِي الْجَمَاعَةِ

تو وضو کر لے اور نہ تیمم کر کے نماز پڑھے لے تاکہ ماعدنوں طہارتوں میں سے مکمل طہارت کے ساتھ واقع ہوئیں یا یہاں تک جیسے طاعت کا طمع کرنے والا (کس کیلئے بھی تاخیر مستحب ہے)

وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ فِي غَيْرِ رَوَايَةِ الْأُصُولِ أَنَّ التَّأَخُّرَ حَتْمٌ لَّانَ غَالِبَ الرَّأْيِ كَالْمُتَحَقِّقِ

اور شیخین سے اصول کی کتابوں کے علاوہ میں مروی ہے کہ مؤخر کرنا لازم ہے کیونکہ غالب رائے متحقق کی طرح ہے

وَوَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّ الْعَجْزَ ثَابِتٌ حَقِيقَةٌ فَلَا يَزُولُ حُكْمُهُ إِلَّا بِبَيِّنٍ مِثْلِهِ

اور ظاہر الروایۃ کی وجہ یہ ہے کہ عجز حقیقہ ثابت ہے لہذا اس کا حکم زائل نہیں ہوگا مگر اسی جیسے یقین کے ساتھ

## پانی ملنے کی امید ہو تو نماز کو آخر وقت تک مؤخر کرنا مستحب ہے

تشریح :- مسئلہ اگر پانی موجود نہ ہو اور یہ امید ہو کہ نماز کے آخر وقت تک پانی دستیاب ہو جائے گا تو اس صورت میں نماز

کو آخر وقت مستحب تک مؤخر کرنا مستحب ہے اور اگر یہ اُمید نہ ہو تو خواہ مخواہ نماز مؤخر نہ کرے۔ پس اگر اس کو پانی مل گیا تو وضو کر کے نماز ادا کرے اور اگر نہیں ملا تو تیمم کر کے نماز پڑھ لے۔ اور پانی ملنے کی اُمید کی صورت میں نماز کو مؤخر کرنا اس لئے مستحب ہے تاکہ وہ طہارتوں میں سے اکمل طہارت یعنی وضو کے ساتھ نماز ادا کی جاسکے۔ پس یہ ایسا ہے جیسے جماعت کی طمع کرنے والا انتظار کرتا ہے اور انتظار کرنا مستحب ہے اور روایت اصول کے علاوہ میں شیخین سے مروی ہے کہ پانی ملنے کی اُمید پر نماز کا مؤخر کرنا لازم ہے کیونکہ ظن غالب تحقق کے مانند ہوتا ہے لہذا جس طرح وجوہ آب کی صورت میں تیمم جائز نہیں اسی طرح اگر پانی ملنے کا غالب گمان ہو تو بھی تیمم نہ کرے بلکہ نماز کو آخر وقت تک مؤخر کر دے۔ اگر وقت کے امداد اور پانی مل گیا تو فیہا ورنہ تیمم کر کے نماز ادا کرے۔

اور ظاہر الروایۃ کی دلیل یہ ہے کہ پانی چونکہ موجود نہیں اس لئے ہیئتہ بجز ثابت ہے اور اس مجز کا حکم جواز تیمم ہے پس اس مجز کا حکم یعنی جواز تیمم اسی وقت زائل ہوگا جبکہ پانی موجود ہونے کا یقین ہو اور چونکہ پانی موجود ہونے کا یقین پایا نہیں گیا اس لئے نماز کو مؤخر کرنا بھی واجب نہیں ہوگا۔

وَيُصَلِّي بِتَيْمُمِهِ مَا شَاءَ مِنَ الْفَرَائِضِ وَالنَّوَافِلِ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَجَعَهُ اللَّهُ تَعَالَى يَتِمُّمُ لِكُلِّ فَرَضٍ لِأَنَّهُ  
اور اپنے تیمم سے فرائض و نوافل میں سے جو نماز چاہے پڑھے اور امام شافعی کے نزدیک ہر فرض نماز کے لئے تیمم کرے کیونکہ تیمم  
طَهَارَةٌ ضَرُورِيَّةٌ وَلَنَا أَنَّهُ طَهُورٌ حَالَ عِلْمِ الْخَاءِ فَيَعْمَلُ عَمَلَهُ مَا بَقِيَ فَرُوطُهُ  
طہارت ضروریہ ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مٹی پانی کے نہ ہونے کے وقت طہور ہے پس وہ اپنا کام کرتی رہے گی جب تک اس کی شرط باقی ہے

## تیمم سے فرائض اور نوافل پڑھنے کا حکم

تشریح: مسئلہ ہمارے نزدیک ایک تیمم سے متعدد نمازیں ادا کر سکتا ہے خواہ وہ نمازیں فرض ہوں یا نفل ہوں ایک وقت میں ادا کرے یا متعدد اوقات میں، تا وقتیکہ ناقض تیمم نہ پایا جائے۔ اور امام شافعی کے نزدیک ایک تیمم سے ایک فرض نماز ادا کر سکتا ہے اور دوسرا فرض ادا کرنے کے لئے دوبارہ تیمم کرنا ضروری ہوگا البتہ ایک تیمم سے نوافل متعدد ادا کئے جاسکتے ہیں۔

حضرت امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ تیمم طہارت ضروریہ ہے کیونکہ مٹی فی نفسہ طوٹ ہے نہ کہ مطہر لیکن تیمم کے ساتھ ضرورت کی وجہ سے نماز مباح کی گئی ہے پس جب ایک فرض ادا کیا تو ضرورت پوری ہوگئی۔ اور اب یہ ضرورت اس وقت لوٹے گی جب کہ دوسرا وقت آجائے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مٹی کا بشرط عدم ماہ طہور ہونا نص سے ثابت ہے چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے اَلنَّوَافِلُ طَهُورٌ الْمُسْلِمِ اور فرمایا جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا اور جو چیز کسی شرط کے ساتھ طہور ہو تو وہ اپنا عمل کرتی رہے گی جب تک شرط باقی رہے پس جب تک عدم وجدان ماہ کی شرط پائی جائے گی مٹی طہور رہے گی۔

وَيَتِمُّمُ الصَّحِيحُ فِي الْمَضَرِّ إِذَا حَضَرَتْ جَنَازَةٌ وَالْوَلِيُّ غَيْرُهُ فَخَافَ أَنْ اشْتَغَلَ بِالطَّهَارَةِ

اور مکرر مست آدمی شہر میں تیمم کرے جب کہ جنازہ حاضر ہو جائے اور ولی اس کے علاوہ ہو، پس اسے خوف ہو کہ اگر وہ وضو میں مشغول ہو



أَنَّ تَقْوَتَهُ الصَّلَاةُ لِأَنَّهَا لَا تُقْضَىٰ فَيَتَحَقَّقُ الْعَجْزُ وَكَذَٰلِكَ مَنْ حَضَرَ الْعِيدَ

تو اس سے نماز فوت ہو جائیگی کیونکہ نماز جنازہ قضا نہیں کی جاتی پس عجز تحقق ہو جائیگا۔ اور اسی طرح جو شخص عید کی نماز کیلئے حاضر ہو

فَخَافَ إِنْ اشْتَغَلَ بِالطَّهَارَةِ أَنْ يَفُوتَهُ الْعِيدُ يَتِمُّ لِأَنَّهَا لَا تُعَادُ

اور اسے خوف ہو کہ اگر وضو میں مشغول ہوا تو عید کی نماز فوت ہو جائیگی تو یہ شخص تیمم کرے کیونکہ عید کی نماز نہیں لوٹائی جاتی

وَقَوْلُهُ وَالْوَلِيُّ غَيْرُهُ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّهُ لَا يَجُوزُ لِلْوَلِيِّ وَهُوَ رِوَايَةُ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ هُوَ الصَّحِيحُ

اور اس کے قول وَالْوَلِيُّ غَيْرُهُ سے اس طرح اشارہ ہے کہ یہ (تیمم) دلی کے لئے جائز نہیں ہے اور یہ امام ابو حنیفہ سے حسن کی روایت ہے یہی صحیح ہے

لِأَنَّ لِلْوَلِيَّ حَقَّ الْإِعَادَةِ فَلَا قَوَاتَ فِي حَقِّهِ

کیونکہ دلی کیلئے اعادہ کا حق ہے پس اس کے حق میں فوت ہونا نہیں (پایا گیا)

## نماز جنازہ اور نماز عید کے لئے تیمم کا حکم

تشریح مسئلہ:- ایک تندرست آدمی شہر میں تیمم کر سکتا ہے اگر جنازہ حاضر ہوا ورنہ اس کے سوا دوسرا آدمی ہے۔ پس اس کو یہ اندیشہ ہو کہ اگر وضو کرنے میں لگ گیا تو نماز جنازہ فوت ہو جائے گی اور اسی طرح نماز عید پڑھنے کیلئے آیا اور یہ خوف کیا کہ اگر وضو کے ساتھ مشغول ہوا تو عید کی نماز فوت ہو جائے گی تو یہ شخص تیمم کر کے نماز میں شریک ہو جائے۔

صاحب عنائیہ نے فرمایا کہ ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ نماز جو لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فوت ہوتی ہو تو پانی موجود ہونے کے باوجود تیمم کے ساتھ اس کا ادا کرنا جائز ہے اور ہمارے نزدیک نماز جنازہ ایسی ہی ہے کیونکہ اس کی قضا نہیں کی جاتی۔ اور اسی طرح عید کی نماز کی قضا نہیں ہے۔ مصنف نے صحیح کی قید لگا کر مریض سے احتراز کیا ہے کیونکہ مریض کے لئے تیمم جائز ہے شہر میں ہو یا غیر شہر میں، دلی ہو یا غیر دلی ہو، فوت کا خوف ہو یا فوت کا خوف نہ ہو۔ اور مصر کی قید سے جنگل سے احتراز کیا گیا ہے کیونکہ جنگل میں تیمم جائز ہے۔ دلی ہو یا غیر دلی اس لئے کہ جنگل میں پانی بالعموم دستیاب نہیں ہوتا۔

اور قدوریؒ نے یہ جو کہا کہ دلی اس کے علاوہ ہو تو اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دلی کے واسطے نماز جنازہ کیلئے تیمم کرنا جائز نہیں ہے۔ اور یہی امام ابو حنیفہؒ سے حسن بن زیادؒ نے روایت کیا ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ دلی کو یہ حق حاصل ہے کہ نماز جنازہ کا اعادہ کرے لہذا اس کے حق میں فوت ہونے کا خوف نہیں ہے۔

اور طاہر الروایۃ میں ہے کہ دلی کیلئے بھی تیمم جائز ہے کیونکہ جنازہ میں انتظار مکروہ ہے اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ قَالَ إِذَا فَجَأَتْكَ جَنَازَةٌ وَأَنْتَ عَلَىٰ غَيْرِ وَضُوءٍ فَتَيَمَّمْ وَصَلَّ عَلَيْهَا فَرَمَا بِهَا کہ اگر اچانک جنازہ آجائے اور تو بے وضو ہو تو تیمم کر اور نماز جنازہ پڑھ لے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے دلی اور غیر دلی کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی ہے۔

پس ثابت ہوا کہ ایسی حالت میں مطلقاً تیمم جائز ہے ولی ہو یا غیر ولی ہو۔

وَإِنْ أَخَذَ الْإِمَامُ أَوِ الْمُقْتَدِي فِي صَلَاةِ الْعِيدِ تَيْمُمَ وَبَنَى عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ

اور اگر نماز عید میں امام یا مقتدی کو حدث ہو جائے تو وہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک تیمم کر کے بنا کرے۔ اور صاحبین نے کہا

لَا يَتَيَمَّمُ لِأَنَّ الْاِخْتِلافَ بَعْدَ فَرَاغِ الْإِمَامِ فَلَا يُخَافُ الْفَوْتُ

کہ تیمم نہ کرے اس لئے کہ لاحق امام کے فارغ ہونے کے بعد بھی نماز پوری کر سکتا ہے لہذا فوت ہونے کا خوف نہ ہوا

وَلَهُ أَنَّ الْخَوْفَ بَاقٍ لِأَنَّهُ يَوْمَ زَحْمَةٍ فَيُعْتَرِيهِ عَارِضٌ يَفْسُدُ عَلَيْهِ صَلَاتُهُ

اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ خوف باقی ہے اس لئے کہ یہ دن ازدحام (یعنی بھیڑ) کا ہے شاید کوئی اسر یا عارض ہو کہ اس کی نماز فاسد ہو جائے

وَالْخِلَافُ فِيمَا إِذَا شَرَعَ بِالْوُضُوءِ وَلَوْ شَرَعَ بِالتَّيْمُمِ تَيْمُمَ وَبَنَى

اور اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ اس نے نماز وضو کے ساتھ شروع کی ہو، اور اگر تیمم کے ساتھ شروع کی تھی تو بالا اتفاق تیمم کر کے بنا کرے

بِالْإِتِّفَاقِ لِأَنَّا لَوْ أَوْجَبْنَا الْوُضُوءَ يَكُونُ وَاجِبًا لِلْمَاءِ فِي صَلَاتِهِ فَيَفْسُدُ

اسلئے کہ اگر ہم نے وضو واجب کیا تو وہ اپنی نماز میں پانی پانے والا ہوگا پس نماز فاسد ہو جائے گی

## امام اور مقتدی کو عید کی نماز میں حدث لاحق ہو جائے تو تیمم کا حکم

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ عید کی نماز میں اگر امام یا مقتدی کو حدث ہو گیا اور اس نے نماز وضو کے ساتھ شروع کی ہے تو ایسی

صورت میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک تیمم کر کے بنا کرے۔ اور صاحبین نے فرمایا کہ تیمم نہیں کرے گا بلکہ وضو کر کے اپنی نماز پوری کرے۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ یہ شخص لاحق ہے اور لاحق اپنی نماز امام کے فارغ ہونے کے بعد بھی پوری کر سکتا ہے لہذا اس

کے حق میں نماز فوت ہونے کا احتمال باقی نہیں رہا۔ اور جس شخص کو نماز لا الی ہللی فوت ہونے کا خوف نہ ہو اس کو پانی کے موجود

رہتے ہوئے تیمم کی اجازت نہیں ہے۔

اور امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ فوت ہونے کا خوف اب بھی باقی ہے کیونکہ عید کا دن ازدحام کا دن ہے اس لئے ہو سکتا

ہے کہ کوئی مفسد صلوٰۃ عارض پیش آ جائے مثلاً کوئی شخص اس کو سلام کرے اور یہ جواب دیدے۔ یا کوئی اس کو مبارکباد پیش کرے اور یہ

اس کو قبول کر لے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور عید کی نماز کی قضاء بھی نہیں ہے کیونکہ عید کی نماز جماعت کے ساتھ شروع کی گئی

ہے لہذا فوت ہونے کا خوف باقی رہا۔

صاحبوہدایہ نے فرمایا کہ امام صاحب اور صاحبین کے درمیان یہ اختلاف اس وقت ہے جبکہ نماز وضو کے ساتھ شروع کی

گئی ہو اور اگر تیمم کے ساتھ شروع کی تھی تو اب بالاتفاق تیمم کر کے بنا کرے کیونکہ اگر ہم اس پر وضو واجب کرتے ہیں تو اس نے نماز

میں پانی پایا پس نماز ہی قاسد ہو جائے گی۔

وَلَا يَتِمُّمُ لِلْجُمُعَةِ وَإِنْ خَافَ الْفَوْتُ لَوْ تَوَضَّأَ فَإِنْ أَثْرَكَ الْجُمُعَةُ

اور جمعہ کی نماز کیلئے تیمم نہ کرے اور اگر جمعہ فوت ہونے کا خوف ہونے کا خوف ہو اگر وضو میں مشغول ہوگا پس اگر (وضو کر کے) وہ جمعہ پالے

صَلَّاهَا وَلَا صَلَّى الظُّهْرَ أَرْبَعًا لِأَنَّهَا تَفُوتُ إِلَى خَلْفٍ وَهُوَ الظُّهْرُ بِخِلَافِ الْعِيدِ

تو اس کو پڑھ لے ورنہ ظہر کی چار رکعتیں پڑھ لے کیونکہ جمعہ اپنا خلیفہ چھوڑ کر فوت ہوتا ہے اور وہ ظہر ہے بخلاف نماز عید کے

## جمعہ کیلئے تیمم کا حکم

**تشریح:-** مسئلہ یہ ہے کہ اگر وضو کے ساتھ مشغول ہونے میں جمعہ کی نماز فوت ہونے کا خوف ہو تو بھی جمعہ کے لئے تیمم کی اجازت نہیں ہے بلکہ اس پر وضو کرنا ضروری ہے۔ پس اگر اس نے وضو کر کے جمعہ پالیا تو الحمد للہ، جمعہ کی نماز ادا کرے اور اگر جمعہ نہیں ملا تو ظہر ادا کرے۔ دلیل یہ ہے کہ جمعہ اگرچہ فوت ہو گیا لیکن اس کا خلیفہ یعنی ظہر موجود ہے اس لئے پانی کے رچے ہوئے محل فوت ہونے کے خوف سے تیمم کے ساتھ اس کا ادا کرنا جائز نہیں ہے۔

اس کے برخلاف عید کی نماز ہے کہ اگر اس کے فوت ہونے کا خوف ہو تو تیمم کر کے ادا کر لے کیونکہ عید کی نماز لا الی خلف فوت ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ عید کی نماز کی قضا نہیں ہوتی۔

**فوائد:-** صاحب ہدایہ نے ظہر کو جمعہ کا خلیفہ کیا ہے۔ حالانکہ شیخین کے نزدیک وقت کا فرض ظہر ہے اور جمعہ اس کا خلیفہ ہے۔ جواب:- صاحب ہدایہ نے اس طرف اشارہ کیا کہ امام محمدؒ کا مذہب مختار ہے اور ان کے نزدیک جمعہ کے دن جمعہ اصل ہے اور ظہر اس کا خلیفہ ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ جمعہ کے دن ظہر کی نماز سورۃ خلیفہ ہے اس لئے کہ جب جمعہ فوت ہو جاتا ہے تو ظہر پڑھی جاتی ہے نہ کہ برعکس اس وجہ سے صاحب ہدایہ نے ظہر کو جمعہ کا خلیفہ کہا ہے۔ واللہ اعلم (مناہ)

وَكَذَا إِذَا خَافَ فَوْتُ الْوَقْتِ لَوْ تَوَضَّأَ لَمْ يَتِمِّمْ وَيَتَوَضَّأُ وَيَقْضِي مَا فَاتَهُ

اور اسی طرح اگر وقتی نماز فوت ہونے کا خوف کرے اگر وضو میں مشغول ہو تو تیمم نہ کرے (بلکہ) وضو کرے اور فوت شدہ نماز کی قضا کرے

لِأَنَّ الْفَوَاتَ إِلَى خَلْفٍ وَهُوَ الْقَضَاءُ

کیونکہ (یہ) فوات الی خلف ہے اور وہ قضا ہے

## وقتی نماز کے فوت ہونے کے خوف سے تیمم کرنے کا حکم

**تشریح:-** مسئلہ اگر وضو میں مشغول ہونے کی وجہ سے وقت کے فوت ہونے کا خوف ہو تو بھی تیمم نہ کرے بلکہ وضو کرے اور فوت شدہ نماز کی قضا کریگا۔ کیونکہ وہیہ کا فوت ہونا فوت الی خلف ہے۔ اور سابق میں گذر چکا کہ اگر فوت الی خلف کا خوف ہو تو

تیم کے ساتھ اس کا ادا کرنا جائز نہیں ہے۔

حضرات نے اس عبارت پر تکرار کا اعتراض کیا ہے یعنی یہ حکم بول باب میں ان الفاظ کے ساتھ بیان ہو چکا والمعبر المسافۃ دون خوف الفوت اس کا جواب یہ ہے کہ بول باب میں صاحب ہدایہ کا قول ہے اور یہاں قدوری کا قول ہے لہذا اب کوئی تکرار نہیں رہا۔

وَالْمُسَافِرُ إِذَا نَسِيَ الْمَاءَ فِي رَحْلِهِ فَتَيَمَّمْ وَصَلَّى ثُمَّ ذَكَرَ الْمَاءَ لَمْ يُعَلِّمًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ

اور جب مسافر اپنے کجاوے میں پانی بھول جائے پھر وہ تیمم کر کے نماز پڑھے پھر اسے پانی یاد آئے تو طرفین کے نزدیک نماز کا اعادہ نہ کرے

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ يُعَلِّمًا وَإِذَا وَضَعَهُ بِنَفْسِهِ أَوْ وَضَعَهُ غَيْرُهُ بِأَمْرِهِ

اور امام ابو یوسف نے کہا کہ نماز کا اعادہ کرے اور اختلاف اس صحت میں ہے جب کہ اس نے خود پانی رکھا ہو یا اس کے حکم سے دوسرے نے پانی رکھا ہو

وَذِكْرُهُ فِي الْوَقْتِ وَبَعْدَهُ سَوَاءٌ لَهُ أَنَّهُ وَاجِدٌ لِلْمَاءِ

اور اس کا وقت میں اور وقت کے بعد یاد کرنا برابر ہے۔ ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ یہ شخص پانی پانے والا ہے

فَصَارَ كَمَا إِذَا كَانَ فِي رَحْلِهِ ثَوْبٌ فَنَسِيَهِ وَلَآنَ رَحَلَ الْمُسَافِرُ مَعْدِنٌ لِلْمَاءِ عَادَةً فَيَقْتَرِضُ الطَّلَبُ

پس ایسا ہو گیا جیسے اس کے کجاوے میں کپڑا ہو پھر وہ اس کو بھول گیا ہو اور اس لئے کہ مسافر کا کجاوہ عادتاً پانی کا معدن ہوتا ہے پس طلب کرنا فرض ہوگا

وَلَهُمَا أَنَّهُ لَا قَلَرَةَ بِثَبُوتِ الْعِلْمِ وَهِيَ الْمُرَادُ بِالْوُجُودِ وَمَاءُ الرَّحْلِ مَعْدِنٌ لِلشَّرْبِ

اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ بغیر علم کے قدرت حاصل نہیں ہوتی ہے اور وجود سے قدرت ہی مراد ہے اور کجاوہ کا پانی پینے کے لئے رکھا جاتا ہے

لَا لِلِاسْتِعْمَالِ وَمَسْأَلَةُ الثَّوْبِ عَلَى الْإِخْلَافِ وَلَوْ كَانَ عَلَى الْإِيفَاقِ فَقَرَضُ الشَّرْبِ يَقُوتُ لَا إِلَى خَلْفِ

نہ کہ استعمال کیلئے اور کپڑے کا مسئلہ (خود) خلف فیہ ہے اور اگر متعلق علیہ ہو تو ستر کا فرض بلائی خلف فوت ہوگا

وَالطَّهَارَةُ بِالْمَاءِ تَقُوتُ إِلَى خَلْفٍ وَهُوَ التَّيَمُّمُ

اور پانی سے طہارت حاصل کرنا الی خلف فوت ہوگا اور وہ تیمم ہے

## مسافر کجاوے میں پانی بھول کر تیمم سے نماز پڑھ لے پھر پانی یاد آ جائے

### تو نماز کا اعادہ لازم ہے یا نہیں؟ اقوال فقہاء

تشریح :- مسئلہ یہ ہے کہ اگر مسافر نے تیمم کے ساتھ نماز پڑھی حالانکہ اس کے کجاوے میں پانی موجود تھا اس کی دو

صورتمیں ہیں یا تو اس کی پانی کا علم تھا یا اس طور کہ اس نے بذات خود پانی رکھا تھا یا دوسرے نے اس کے حکم سے رکھا تھا اور یا اس کو پانی

کا علم نہیں تھا یا اس طور کہ دوسرے نے بغیر اس کے حکم کے رکھ دیا تھا۔ پس اگر ثانی ہے تو بالاتفاق اس پر نماز کا اعادہ واجب نہیں ہے

کیونکہ انسان دوسرے کے فعل کی وجہ سے کسی حکم کا مخاطب نہیں ہوتا۔ اور اگر پہلی صورت ہے اور یہ گمان کر کے کہ میرے کجاوے میں پانی نہیں، تیمم کرے نماز پڑھ لی حالانکہ اس کے کجاوے میں پانی تھا تو اس صورت میں بالاجماع تیمم جائز نہیں ہوا اور اس پر وضو کر کے نماز کا اعادہ واجب ہوگا، کیونکہ اس صورت میں کوتاہی اسی کی طرف سے آئی ہے۔

اور اگر یہ شخص پانی کجاوے میں رکھ کر بھول گیا اور تیمم کے ساتھ نماز پڑھی پھر یاد آیا تو طریقین کے نزدیک اس پر نماز کا اعادہ واجب نہیں ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اس پر اعادہ واجب ہے پانی خواہ وقت میں یاد آیا ہو یا وقت کے بعد یہی قول امام شافعیؒ کا ہے امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ مسافر شخص پانی کا پانے والا ہے اور تیمم شروع کیا گیا ہے اس شخص کیلئے جس کے پاس پانی نہ ہو اس لئے اس کا تیمم جائز نہیں ہوگا۔ اور یہ ایسا ہے جیسے کسی کے کجاوے میں پاک کپڑا موجود ہو لیکن بھول گیا اور نماز پڑھنے ہو کر ادا کی یا ناپاک کپڑے میں تو پاک کپڑا یاد آنے کے بعد اس شخص پر نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ مسافر کا کجاوہ عادی پانی کا معدن ہوتا ہے یعنی عام طور سے کجاوہ میں پانی رکھا جاتا ہے اس لئے اس پر کجاوہ میں پانی تلاش کرنا واجب تھا پس جب اس نے تلاش نہیں کیا تو معذور نہ ہوگا اور اس پر اعادہ واجب ہوگا۔ اور طریقین کی دلیل یہ ہے کہ پانی پر قادر ہونا بغیر علم نہیں ہو سکتا، اور پانی کے حاصل ہونے سے یہی مراد ہے کہ پانی پر اس کو قدرت ہو پس جب اس کو معلوم ہی نہیں تو قدرت نہ ہوئی اور جب قدرت نہ ہوئی تو اس کو پانی حاصل نہیں ہوا۔ اور پانی حاصل نہ ہونے کی صورت میں تیمم جائز اور نماز صحیح ہوگی۔

اور رہا یہ کہنا کہ مسافر کا کجاوہ پانی کا معدن ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کجاوہ میں بالعموم پینے کا پانی رکھا جاتا ہے نہ کہ وضو اور غسل کے واسطے۔

وَمَسْئَلَةُ الْقَوْبِ سے امام ابو یوسفؒ کے قیاس کا جواب ہے۔ حاصل جواب یہ ہے کہ کپڑے کا مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے یعنی طریقین کے نزدیک جب پاک کپڑا بھول گیا تو نماز نیکے یا ناپاک کپڑے میں صحیح ہوگئی۔ پاک کپڑا یاد آنے پر نماز کا اعادہ واجب نہیں ہوگا۔ اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ کپڑے کا مسئلہ متفق علیہ ہے تب بھی پانی کے مسئلہ کو کپڑے کے مسئلہ پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ ان دونوں کے درمیان فرق ہے۔ فرق یہ ہے کہ بدن کا چھپانا فرض ہے پس اگر یہ فرض ستر فوط ہو جائے تو اس کا کوئی خلیفہ نہیں ہوتا۔ اور اگر پانی کے ساتھ طہارت حاصل ہونا فوط ہو جائے تو اس کا خلیفہ یعنی تیمم موجود ہے۔

وَلَيْسَ عَلَى الْمُتَيَمِّمِ طَلَبُ الْمَاءِ إِذَا لَمْ يَغْلِبْ عَلَى ظَنِّهِ أَنْ يَقْرُبَهُ مَاءٌ لِأَنَّ الْغَالِبَ عِلْمُ الْمَاءِ

اور تیمم پر پانی تلاش کرنا واجب نہیں جبکہ اس کے گمان پر غالب نہ ہو کہ اس کے قریب پانی ہے کیونکہ میدانوں میں غالب

فِي الْقَلَوَاتِ وَلَا دَلِيلَ عَلَى الْوُجُودِ فَلَمْ يَكُنْ وَاجِدًا وَإِنْ غَلَبَ عَلَى ظَنِّهِ أَنَّ هُنَاكَ مَاءٌ لَمْ يَجُزْ لَهُ

پانی کا نہ ہونا ہے اور ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے تو وہ پانی کا پانے والا نہ ہوا اور اگر اس کے گمان پر غالب ہو کہ وہاں پانی ہے تو اس کیلئے تیمم کرنا





کی جگہ کے درمیان کا قاضی غلو ہے۔ اور بعض حضرات نے کہا کہ تین سو گز سے چار سو گز تک کا قاضی غلو ہے۔ جمیل۔

وَإِنْ كَانَ مَعَ رَفِيقِهِ مَاءٌ طَلَبَ مِنْهُ قَبْلَ أَنْ يَتِمَّ لِعَلِّمِ الْمَنَعَ غَالِبًا

اور اگر اس کے رفیق (سفر) کے پاس پانی ہو تو تیمم کرنے سے پہلے اس سے مانگ لے کیونکہ عام طور سے پانی سے انکار نہیں کیا جاتا

فَإِنْ مَنَعَهُ مِنْهُ يَتِمُّ لِحَقِّقِ الْعَجْزِ وَلَوْ تِمَّ قَبْلَ الطَّلَبِ أَجْزَأُهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ

پس اگر اس کو پانی سے روک دے تو عجز کے تحقق ہونے کی وجہ سے تیمم کر لے۔ اور اگر طلب کرنے سے پہلے تیمم کیا تو ابو حنیفہ کے نزدیک (تیمم) اسے کافی ہوگا

لَا تَنَالُهُ لَا يُلْزَمُ الطَّلَبُ مِنْ مَلِكٍ الْغَيْرِ وَقَالَا لَا يُجْزِئُهُ لَأَنَّ الْمَاءَ مَبْدُولٌ عَادَةً وَلَوْ آتَى أَنْ يُعْطِيَهُ

کیونکہ غیر کی ملک سے مانگنا لازم نہیں اور صاحبین نے کہا کہ کافی نہیں ہوگا کیونکہ پانی عادیہ مبدول عادیہ ہے۔ اور اگر اسے پانی دینے سے انکار کر دیا

إِلَّا بِشَمَنِ الْمِثْلِ وَعِنْدَهُ ثَمَنُهُ لَا يُجْزِئُهُ التَّمَمُّ لِحَقِّقِ الْقُدْرَةَ

مگر شمن مثل کے عوض اور اس کے پاس شمن مثل ہو تو اس کیلئے تیمم کرنا کافی نہ ہوگا

وَلَا يُلْزَمُهُ تَحْمِلُ الْغَنِيِّ الْفَاحِشِ لَأَنَّ الضَّرَرَ مُسْقَطٌ وَاللَّهُ أَعْلَمُ

اور غنیم فاحش کا برداشت کرنا اس کو لازم نہیں ہے اس لئے کہ ضرر ساقط کیا گیا ہے، واللہ اعلم

## رفیق سفر کے پاس پانی ہو تو تیمم سے پہلے مطالبہ کرے

تشریح:- مسئلہ اگر رفیق سفر کے پاس پانی ہو تو حکم یہ ہے کہ تیمم کرنے سے پہلے اس سے پانی مانگے اگر اس نے پانی دیدیا تو وضو کر کے نماز پڑھے ورنہ تیمم کر لے۔ دلیل یہ ہے کہ پانی سے بالعموم منع نہیں کیا جاتا، بلکہ مانگتے پر دے دیا جاتا ہے۔ اس لئے تیمم کرنے سے پہلے مانگنا مناسب ہے اور چونکہ انکار کی صورت میں عجز ہیئت پایا گیا اسلئے اس صورت میں تیمم کرے گا۔

بعض حضرات کا مذہب یہ ہے کہ اگر اس کو اس بات کا غالب گمان ہو کہ پانی مانگتے پر دیدیا جائے گا تو اس پر اپنے ساتھی سے پانی مانگنا واجب ہے۔ ورنہ نہیں (کتابیہ)

اور اگر اپنے ساتھی سے پانی مانگتے سے پہلے ہی تیمم کر لیا تو حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک یہ تیمم کافی ہوگا۔ اور صاحبین نے فرمایا کہ کافی نہیں ہوگا۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ پانی ایسی چیز ہے جس سے عام طور پر انکار نہیں کیا جاتا اس لئے ساتھی کے پاس ہونے سے اس کو بھی قادر سمجھا جائیگا اور امام اعظمؒ کی دلیل یہ ہے کہ دوسرے کی ملک میں سے کچھ مانگنا اس پر لازم نہیں ہے نیز سوال میں ذلت بھی ہے اس لئے بھی اس کو اپنے ساتھی سے پانی طلب کرنا لازم نہیں ہوگا۔

اور اگر اس کا ساتھی قہر پانی دیتا ہے اور یہ شخص قہر پانی لینے پر قادر بھی ہے تو اس کی تین صورتیں ہیں (۱) یہ کہ وہ مثل قیمت

کے عوض فروخت کرتا ہے (۲) یہ کہ غنیمت لیسر کے ساتھ فروخت کرتا ہے (۳) یہ کہ غنیمت قاحل کے ساتھ فروخت کرتا ہے۔ پہلی اور دوسری صورت میں تیمم جائز نہیں ہے کیونکہ ان دونوں صورتوں میں پانی پر قدرت پائی گئی اس لئے کہ پانی کی قیمت پر قادر ہونا پانی پر قادر ہونا ہے اس وجہ سے جواز تیمم ممتنع ہوگا۔

اور تیسری صورت میں اس کے لئے تیمم جائز ہے کیونکہ غنیمت قاحل برداشت کرنے میں اس کو ضرر لاحق ہوگا حالانکہ ضرر ساقط کر دیا گیا ہے اس لئے کہ مسلمان کا مال اسی طرح قابل احترام ہے جیسا کہ اس کی جان قابل احترام ہے اور جان کے سلسلہ میں ضرر ساقط ہے لہذا مال کا ضرر بھی ساقط ہوگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

## بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ

(یہ) باب موزوں پر مسح کرنے کے (احکام کے بیان میں) ہے

تشریح: مصنف نے تیمم کے بعد حصلاً مسح علی الخفین کے احکام چند وجوہ سے ذکر فرمائے ہیں

(۱) ان دونوں میں سے ہر ایک طہارت مسح ہے۔

(۲) ان دونوں میں سے ہر ایک بدل ہے تیمم وضو کا بدل ہے اور مسح علی الخفین غسل رجلین کا بدل ہے۔

(۳) تیمم اور مسح دونوں رخصت موقتہ ہیں۔

(۴) ان دونوں میں سے ہر ایک عارض ہے کیونکہ اصل غسل ہے۔

(۵) تیمم اور مسح علی الخفین میں سے ہر ایک میں بعض اعضاء وضو پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

رہی یہ بات کہ تیمم کو مسح علی الخفین پر کیوں مقدم کیا گیا ہے سو اس کی چند وجوہ ہیں:-

(۱) یہ کہ تیمم کا ثبوت کتاب سے ہے اور مسح کا ثبوت سنت سے ہے اس لئے تیمم اقویٰ اور مستحق تقدیم ہے۔

(۲) یہ کہ تیمم بدلیت میں کامل ہے کیونکہ تیمم تمام افعال وضو کا قائم مقام ہے اور مسح ایسا نہیں ہے بلکہ ایک مضموع یعنی غسل

رجلین کا قائم مقام ہے اس لئے بھی تیمم تقدیم کا زیادہ مستحق ہے۔

(۳) تیمم کا محل ہاتھ و چہرہ ہے اور مسح کا محل دونوں پیر ہیں اور پیر غسل میں ہاتھوں اور چہرے سے مؤخر ہیں اس وجہ سے بھی

تیمم کو مقدم کرنا اور مسح کو مؤخر کرنا مناسب ہے۔

(۴) تیمم اور مسح ان دونوں میں سے ہر ایک حدث کو زائل کرتا ہے لیکن تیمم حدث اصغر اور حدث اکبر دونوں کو زائل کرتا ہے

اور مسح فقط حدث اصغر کو زائل کرتا ہے نہ کہ حدث اکبر کو پس تیمم ازالہ حدث میں اقویٰ ہوا اور مسح اس کے مقابلہ میں اضعف ہوا، اور

ظاہر ہے کہ اقویٰ غیر اقویٰ پر مقدم ہوتا ہے اس لئے تیمم کو مقدم کیا گیا اور مسح علی الخنین کو مؤخر کیا گیا۔

(۵) پانی پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں تیمم وضو کی طرح فرض ہے اور مسح موزے پہننے کی حالت میں فرض نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ شیء مفروض غیر مفروض پر مقدم ہوتی ہے اس لئے تیمم کو مقدم کیا گیا اور مسح کو مؤخر کیا گیا۔

”مسح علی الخنین“ کی مشروعیت احادیث مشہورہ سے ثابت ہے اس سلسلہ میں قولی اور فعلی دونوں طرح کی احادیث مروی ہیں۔

فعلی حدیث یہ ہے کہ حضرت ابو بکر، عمر، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن مسعود اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک کثیر جماعت نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے دونوں موزوں پر مسح کیا ہے۔

اور قولی حدیث یہ ہے کہ حضرت عمر، علی اور صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت نے روایت کی ہے اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ يَمْسَحُ الْمُقِيمُ يَوْمًا وَلَيْلَةً وَالْمَسَافِرُ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ وَلَيْلَاتِهَا يَمْسَحُ نِيَّ ﷺ نے فرمایا کہ مقیم ایک دن رات مسح کرے اور مسافر تین دن اور تین رات۔

وَقَالَ الْمُصَلِّيُّ بْنُ خُفَيْهٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ تَوَضَّأَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي سَفَرٍ وَكُنْتُ أَصْبُ الْمَاءَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ خَامِيَةٌ حَبِيقَةٌ الْكُمَيْنِ فَأَخْرَجَ بَلَدِيهِ مِنْ تَحْتِ ذِيْلِهِ وَمَسَحَ عَلَى خُفَيْهِ فَقُلْتُ أَلَيْسَتْ خُفَايَا الْقَلَمَيْنِ فَقَالَ بِهَذَا أَقْرَبُ رَأْيِي.

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے کسی سفر میں وضو کیا اور میں آپ ﷺ پر پانی ڈال رہا تھا اور اس وقت آپ ﷺ شامی جبہ پہنے ہوئے تھے جس کی آستینیں جگ قمیص آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ دامن کے نیچے سے نکال کر اپنے موزوں پر مسح کیا میں نے کہا کیا آپ ﷺ قدموں کا دھونا بھول گئے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پروردگار نے مجھ کو اسی کا حکم دیا ہے۔

اور حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَأْمُرُنَا إِذَا كُنَّا سَفَرًا أَيْ مَسَافِرِينَ أَنْ لَا نَتَزَعَّ خُفَايَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيْلَاتِهَا إِلَّا عَنْ جَنَابَةٍ وَلَكِنْ مِنْ غَائِبٍ وَهَوٍ وَتَوَمُّ

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم سفر میں ہوتے تو حضور ﷺ ہم کو حکم فرماتے کہ ہم اپنے موزے نہ نکالیں تین دن اور تین رات نہ کہ جنابت کی وجہ سے لیکن پیشاب پاخانہ اور نیند کی وجہ سے۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ میں نے ستر صحابہ کو پایا تمام کے تمام مسح علی الخنین کو جائز سمجھتے تھے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ العمان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَا قُلْتُ بِالْمَسْحِ حَتَّى جَاءَ فِيهِ مِثْلُ حَوْبِ النَّهَارِ مِنْ مَسْحِ عَلَيِ الْخَنِينِ كَمَا قَالُوا اس وقت تک نہیں ہوا جب تک کہ احادیث دن کے اُجالے کی طرح مجھ تک نہ پہنچ گئیں۔ اور امام صاحبؒ سے روایت ہے کہ جو شخص مسح علی الخنین کے جواز کا معتقد نہیں وہ مبتدع ہے۔

اور امام کرختی نے فرمایا کہ مجھے اس کے کافر ہونے کا اندیشہ ہے کیونکہ وہ احادیث جو علیؑ کے بارے میں وارد ہوئی ہیں حد تو اتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔

اور مروی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ سے اہل سنت والجماعت کے مذہب کے بارے میں دریافت کیا گیا آپؒ نے فرمایا تھو اَنْ یُقَصِّلَ الشُّخَّیْنِ یَعْنِیْ اَبَا بَكْرٍ وَعُمَرُو عَلٰی سَابِیْرِ الصَّحَابَةِ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ وَاَنْ یُّحِبَّ الْخَتَمَ یَعْنِیْ عُثْمَانَ وَعَلِیًّا رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا وَاَنْ یَّرٰی الْمَسْحَ عَلٰی الْخُفَّیْنِ یعنی ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو تمام صحابہؓ پر فضیلت دینا اور حضور ﷺ کے دونوں دامادوں یعنی حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے محبت کرنا اور مسح علیؑ کو جائز سمجھنا۔

صاحب کفایہؒ نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کا یہ مقولہ حضرت انسؓ کے قول سے ماخوذ ہے حضرت انسؓ نے فرمایا کہ اِنْ مِنْ اَلْهِنَةِ اَنْ تُفَضِّلَ الشُّخَّیْنِ وَتُحِبَّ الْخَتَمَ وَتَرٰی الْمَسْحَ عَلٰی الْخُفَّیْنِ یعنی سنت یہ ہے کہ تو شیخین کو فضیلت دے اور دونوں دامادوں سے محبت کرے اور موزوں پر مسح کو جائز سمجھے۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ مسح علیؑ الخنین کتاب اللہ سے بھی ثابت ہے ہاں طور کہ آیت وضو میں ار جلمکم، رؤسکم پر معطوف ہونے کی وجہ سے مجرور ہے اور چونکہ معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے اس لئے یروں کا حکم وہ ہوگا جو سر کا حکم ہے اور سابق میں گذر چکا کہ سر کا مسح کرنا فرض ہے لہذا یروں پر بھی مسح کرنا فرض ہونا چاہیے تھا۔

لیکن چونکہ جر کی قراءت، نصب کی قراءت کے معارض ہے اس لئے دونوں قراءتوں پر عمل کرنے کیلئے کہا گیا کہ ان دو قراءتوں کو دو حالتوں میں محمول کیا جائے گا۔ یعنی جب موزے نہ ہوں تو قراءت نصب پر عمل ہوگا یعنی یروں کا دو نما فرض ہوگا۔ اور جب موزے پہنے ہوں تو قراءت جر پر عمل ہوگا یعنی موزوں پر مسح کرنا ثابت ہوگا۔

صاحب کفایہؒ نے کہا کہ یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ آیت میں الی الخنین کی قید ہے حالانکہ مسح بالاجماع اس مقدار کے ساتھ مقدر نہیں ہے پس اس آیت سے مسح علیؑ الخنین پر استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ جمل۔

الْمَسْحُ عَلٰی الْخُفَّیْنِ جَائِزٌ بِالسُّنَّةِ وَالْاَخْبَارِ فِیْهِ مُسْتَفِیْضَةٌ حَتّٰی قِیلَ اِنْ مِنْ

دونوں موزوں پر مسح کرنا سنت سے جائز و ثابت ہے اور اس بارے میں اخبار پھیلی ہوئی اور مشہور ہیں حتیٰ کہ کہا گیا کہ جس نے مسح علیؑ الخنین کو

لَمْ یَرَهُ كَانَ مُتَّبِعًا لِّکُنْ مَنْ رَاَهُ ثُمَّ لَمْ یَمْسَحْ اَخْلَا بِالْعَزِیْمَةِ کَانَ مَا جُورًا

جائز نہ جانا وہ (دین میں) بدعتی ہے لیکن جس نے اس کو جائز جانا پھر اس نے عزیمت کو اختیار کرتے ہوئے مسح نہ کیا تو اسے ثواب ہوگا

## موزوں پر مسح کی شرعی حیثیت

تشریح:- شیخ قدوریؒ نے کہا کہ مسح علیؑ الخنین کا جواز سنت سے ثابت ہے اور اس بارے میں قولی اور فعلی بہت سی احادیث مشہور ہیں چنانچہ اگر کوئی شخص مسح علیؑ الخنین کے جواز کا اعتقاد نہ رکھتا ہو تو وہ بدعتی ہوگا البتہ اگر کسی نے مسح علیؑ الخنین کو جائز تو جانا مگر عزیمت پر عمل کرنے کی وجہ سے مسح نہ کیا تو یہ شخص عند اللہ ماجور اور مستحق اجر و ثواب ہوگا۔

میں الہدایہ میں لکھا ہے کہ اگر مسح نہ کرنے میں اس کی طرف خارجی یا رافضی ہونے کا شبہ جاتا ہو تو اس کو مسح کرنا افضل ہے۔

وَيَجُوزُ مِنْ كُلِّ حَدَثٍ مُوجِبٍ لِلْوُضُوءِ إِذَا لَبَسَهُمَا عَلَى طَهَارَةٍ كَامِلَةٍ ثُمَّ أَحَدَتْ

اور (مسح علی الخفین) ہر اس حدت سے جائز ہے جو موجب وضوء ہو جبکہ دونوں موزوں کو پوری طہارت پر پہنا ہو پھر (اس کے بعد) اس کو حدت ہو اور

خَصَّةٌ بِحَدَثٍ مُوجِبٍ لِلْوُضُوءِ لِأَنَّهُ لَا مَسْحَ مِنَ الْجَنَابَةِ عَلَى مَا

صاحب قدوری نے اس کا یہ حدت کے ساتھ خاص کیا جس سے فقط وضوء واجب ہو کیونکہ جنابت (کی صورت میں) مسح کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ ہم اس کو

نَبِّينُ إِنَّ شَاءَ اللَّهُ وَبِحَدَثٍ مُتَأَخِّرٍ لِأَنَّ الْخُفَّ عَهْدٌ مَا بَعْدَ

انشاء اللہ بیان کریں گے اور ایسے حدت کے ساتھ (خاص کیا) جو (طہارت کاملہ پر پہننے کے) بعد واقع ہو کیونکہ موزہ مائع عن الحدت ہو کر معلوم ہوا ہے

وَلَوْ جَوَزْنَا بِحَدَثٍ سَابِقٍ كَالْمُسْتَعَاذَةِ إِذَا لَبَسَتْ ثُمَّ خَرَجَ الْوَلْتُ وَالْمُتَبَيِّمُ إِذَا لَبَسَ ثُمَّ رَأَى الْمَاءَ

اور اگر ہم حدت سابق پر اسے جائز قرار دیں جیسے مستأذہ کہ جب وہ موزہ پہنے پھر وقت نکل جائے اور (جیسے) متمم جب وہ (موزہ) پہنے پھر پانی پائے

كَانَ رَافِعًا وَقَوْلُهُ إِذَا لَبَسَهُمَا عَلَى طَهَارَةٍ كَامِلَةٍ لَا يَقْبَلُ إِشْعْرَاطَ الْكَمَالِ وَلَيْسَ

تو موزہ رافع (حدت) ہو گا۔ اور اس کا قول ”کہ دونوں موزوں کو طہارت کاملہ پر پہنا ہو“ پہننے کے وقت کمال طہارت کی شرط کا فائدہ نہیں دیتا

بَلْ وَلَيْسَ الْحَدَثُ وَهَذَا الْمَلْهَبُ عِنْدَنَا حَتَّى لَوْ غَسَلَ رِجْلَيْهِ وَلَبَسَ خُفَّيْهِ ثُمَّ اكْتَمَلَ الطَّهَارَةَ

بلکہ حدت کے وقت کمال طہارت کی شرط کا فائدہ دیتا ہے اور یہی ہمارا موقف ہے حتیٰ کہ اگر اس نے پہلے دونوں پاؤں دھوئے پھر دونوں موزے پہنے پھر طہارت پوری کی

ثُمَّ أَحَدَتْ يُجْزِئُهُ الْمَسْحُ وَهَذَا لِأَنَّ الْخُفَّ مَانِعٌ خُلُولِ الْحَدَثِ بِالْقَدَمِ

پھر اسے حدت ہوا تو اس کو موزوں پر مسح کرنا کافی ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ موزہ قدم میں طول حدت کیلئے مانع ہے

فَيَرَاعَى كَمَالَ الطَّهَارَةِ وَلَيْسَ الْمَنْعُ حَتَّى لَوْ كَانَتْ نَاقِصَةً عِنْدَ ذَلِكَ كَانَ الْخُفُّ رَافِعًا

پس منع کے وقت کمال طہارت کی رعایت کی جائے گی حتیٰ کہ اگر طہارت اس وقت ناقص ہوئی تو موزہ رافع حدت ہو گا

## مُحَدَّثٌ كَيْلَيْهِ مَوْزَةٌ بِرُحٍّ كَرْنَا جَائِزٌ هِيَ جَنْبِي كَيْلَيْهِ جَائِزٌ نَحْنُ

تشریح :- مسئلہ یہ ہے کہ موزوں پر مسح کرنا مُحَدَّثٌ کیلئے جائز ہے محدث خواہ مرد ہو یا عورت جبکہ دونوں کو پوری طہارت پر پہنا ہوا۔ اور جس شخص پر غسل واجب ہے اس کے لئے موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔

صاحب قدوری نے مسح علی الخفین کے جواز کو دو باتوں کے ساتھ خاص کیا ہے ایک تو یہ کہ حدت موجب للوضوء ہو کیونکہ اگر طہارت کو کاملہ پر موزے پہنے پھر ایسا حدت عیش آیا جو غسل واجب کرتا ہے تو اس صورت میں مسح علی الخفین جائز نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حدت وضوء کرنے کے بعد عیش آیا ہو کیونکہ موزہ حدت مراعات کرنے سے روکتا ہے حدت کو دور نہیں کرتا اور اگر حدت سابق پر





اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسافر کے حق میں کوئی مدت مقرر نہیں ہے۔ اور ہماری دلیل حدیث مشہورہ ہے یعنی حضور ﷺ کا قول بِمَسْحِ الْمُقِيمِ يَوْمًا وَلَيْلَةً وَالْمَسَافِرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا اور علمائے العلماء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو حضرت صفوان بن عسال الرادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ لِي مَا جَاءَ بِكَ فَقُلْتُ طَلَبُ الْعِلْمِ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَضَعُ أَجْنِحَتَهَا لِطَالِبِ الْعِلْمِ رِضًا بِمَا يَصْنَعُ لِمَاذَا جِئْتَ فَسَلْ قَالَ فَسَأَلْتُهُ عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقَالَ لِلْمُقِيمِ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ وَلِلْمَسَافِرِ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا. (کفایہ)۔

حضرت صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تجھ کو کیا چیز لے کر آئی ہے میں نے کہا کہ طلب علم، آپ ﷺ نے فرمایا کہ طالب علم کے کام سے راضی ہو کر فرشتے اس کیلئے پر بجاتے ہیں پس جس مقصد کیلئے آئے ہو دریافت کرو حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ سے مسح علی الخفین کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مقیم کے واسطے ایک دن ایک رات ہے اور مسافر کے واسطے تین دن اور تین راتیں ہیں۔ حضرت امام مالک کی طرف سے پیش کردہ حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے بارے میں امام بخاری نے فرمایا کہ یہ حدیث مجہول ہے۔ امام احمد بن حنبل نے کہا کہ اس کے رجال غیر معروف ہیں۔ امام ابو داؤد نے کہا کہ اس کی سند میں اختلاف ہے اور قوی نہیں ہے۔ دارقطنی نے کہا اس کی سند غیر ثابت ہے۔ اور یحییٰ بن معین نے کہا کہ اس کی سند میں اضطراب ہے۔ پس اس شاذ حدیث کی وجہ سے احادیث مشہورہ کو ترک نہیں کیا جاسکتا۔ علاوہ ازیں اس حدیث سے حضور ﷺ کی مراد یہ ہے کہ مسح مؤبد ہے یعنی غیر منسوخ ہے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس مدت میں موزے نہ نکالے۔

اور امام مالک کا یہ کہنا کہ مقیم کے حق میں مسح علی الخفین کی ضرورت نہیں حالانکہ مسح علی الخفین ضرورت کی وجہ سے مشروع کیا گیا ہے۔ ہمیں یہ تسلیم نہیں بلکہ مقیم کے حق میں بھی ضرورت ثابت ہے اس لئے کہ مقیم جب صبح کے وقت موزے پہن کر اپنی ضرورت کیلئے گھر سے باہر جائے گا تو شام کو گھر کی طرف لوٹ کر آنے سے پہلے اس پر موزوں کا ٹالنا شاق ہوگا، پس اس ضرورت کے پیش نظر اس کے حق میں بھی مسح مشروع کیا گیا ہے۔

قَالَ وَابْتَدَأُهَا عَقِيبَ الْحَدِيثِ لِأَنَّ الْخُفَّ مَانِعٌ سِرَآيَةَ الْحَدِيثِ فَتُتَعَبَرُ الْمُدَّةُ مِنْ وَقْتِ الْمَنْعِ

فرمایا اور مسح کی ابتداء حدیث کے بعد سے ہے کیونکہ موزہ تو حدیث کے سرایت کرنے سے مانع ہے پس منع کے وقت سے مدت معتبر ہوگی۔

## مدت مسح کی ابتداء کب سے شروع ہوگی

تشریح:- مدت مسح کی ابتداء کب سے ہوگی اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے چنانچہ علمائے العلماء کا مذہب یہ ہے کہ

مدت مسح کی ابتدا حدث کے وقت سے ہوگی۔ اور بعض کے نزدیک موزہ پہننے کے وقت سے ابتدا ہوگی اسی کے قائل حسن بھریٰ ہیں۔ اور بعض کے نزدیک مسح کے وقت سے ابتدا ہوگی یہی قول امام اوزاعیؒ، ابو ثورؒ اور امام احمدؒ کا ہے۔ ثمرۃ اختلاف اس مثال میں ظاہر ہوگا کہ ایک شخص نے طلوع فجر کے وقت وضو کر کے موزہ پہنا، پھر طلوع شمس کے بعد حدث ہوا۔ پھر زوال کے بعد وضو کر کے موزوں پر مسح کیا۔ تو عامۃ العلماء کے مذہب پر معیم اگلے دن طلوع شمس کے بعد تک مسح کرے گا۔ اور حسن بھریٰ کے مذہب پر اگلے دن کی طلوع فجر تک مسح کرے، اور امام اوزاعیؒ کے مذہب پر اگلے دن زوال کے بعد تک مسح کرے۔

حسن بھریٰ کی دلیل یہ ہے کہ مسح کا جواز موزہ پہننے کی وجہ سے ہے لہذا مدت مسح کی ابتدا بھی موزہ پہننے کے وقت سے ہوگی اور امام اوزاعیؒ وغیرہ کی دلیل یہ ہے کہ مسح کی مدت کی مقدار مسح کی وجہ سے ہے اس لئے مدت مسح کی ابتدا مسح کرنے کے وقت سے معتبر ہوگی۔ اور عامۃ العلماء کی دلیل یہ ہے کہ موزہ حدث سرایت کرنے سے مانع ہے پس مدت کا اعتبار اسی وقت سے ہوگا جس وقت سے اس نے حدث سرایت کرنے سے روکا ہے اور یہ حدث کے بعد سے شروع ہے کیونکہ اس سے پہلے وضو کی طہارت تھی اس لئے مدت مسح کی ابتدا حدث کے بعد سے معتبر ہوگی۔

### وَالْمَسْحُ عَلَى ظَاهِرِهِمَا خَطْوًا بِالْأَصَابِعِ يَبْدَأُ مِنْ قَبْلِ الْأَصَابِعِ

اور مسح دونوں موزوں کے ظاہری رخ پر ہے دراصل وہ انگلیوں کے ساتھ خطوط ہو جائیں (اس طرح کہ پاؤں کی) انگلیوں سے شروع کرے

إِلَى السَّاقِ لِحَدِيثِ مُغِيرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى خُفَّيْهِ وَمَلَحَمَا

چنڈیوں کی طرف حدیث مغیرہؓ کی وجہ سے کہ حضور ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں موزوں پر رکھے اور ان دونوں ہاتھوں کو

مِنْ الْأَصَابِعِ إِلَى أَعْلَاهُمَا مَسْحَةً وَاحِدَةً وَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى أَمْرِ الْمَسْحِ عَلَى خُفِّ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ خَطْوًا بِالْأَصَابِعِ

انگلیوں سے اگلے اوپر کی طرف کھینچ کر ایک ہار مسح کیا اور گویا میں اثر مسح کو رسول اللہ ﷺ کے موزے پر دیکھتا ہوں خطوط انگلیوں کے ساتھ

ثُمَّ الْمَسْحُ عَلَى الظَّاهِرِ حَتَّى لَا يُجُوزَ عَلَى بَاطِنِ الْخُفِّ وَعَقِبِهِ وَسَاقِهِ لِأَنَّهُ مَعْلُومٌ بِهِ عَنِ الْقِيَاسِ

پھر ظاہری موزے پر مسح کرنا ضروری ہے حتیٰ کہ باطن موزہ اور انکی ایڑی اور اس کی ایڑی اور اس کی چنڈی پر جائز نہیں ہوگا کیونکہ یہ معلوم من القیاس ہے

فَيَرَأَى جَمِيعُ مَا وَرَدَ بِهِ الشَّرْعُ وَالْبِدَايَةُ مِنَ الْأَصَابِعِ اسْتِحْبَابٌ إِعْتِبَارًا بِالْأَصْلِ وَهُوَ الْفُسْلُ

لہذا جس پر شریعت وارد ہوئی وہ پورے کا پورا خط ہوگا اور اصل پر قیاس کرتے ہوئے انگلیوں سے شروع کرنا مستحب ہوگا اور وہ (اصل) دھونا ہے

وَفَرَضَ ذَلِكَ مِقْدَارُ ثَلَاثِ أَصَابِعٍ مِنَ أَصَابِعِ الْيَدِ وَقَالَ الْكُرْجِيُّ مِنْ أَصَابِعِ الرَّجُلِ

اور اس کا فرض ہاتھ کی انگلیوں میں سے تین انگلیوں کی مقدار ہے۔ اور امام کرتبی نے کہا کہ پاؤں کی انگلیوں میں سے (تین انگلیوں کی مقدار ہے)

وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ إِعْتِبَارًا لِأَلَةِ الْمَسْحِ

اور قول اول اصح ہے آلہ مسح کا اعتبار کرتے ہوئے

## مسح کا طریقہ

**تشریح:-** صاحب قدوریؒ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک موزوں کے ظاہری رخ پر مسح کرنا ضروری ہے اس کی صورت یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی انگلیاں دائیں موزے کے اگلے حصہ پر رکھے اور بائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں موزے کے اگلے حصہ پر رکھے پھر ان دونوں کو پھٹی کی طرف ٹخوں کے اوپر کھینچ کر لے جائے اور انگلیوں کو کشادہ رکھے موزوں پر مسح کرنے کا یہی مسنون طریقہ ہے۔ اور اگر ایک انگلی سے تین مرتبہ مسح کیا ہو یا نیا پانی لیا اور نئی جگہ مسح کیا تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں ہوگا۔

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ موزے کے ظاہر اور باطن پر مسح کرنا مسنون ہے دلیل یہ روایت ہے **إِنَّ دَسْوَةَ اللَّهِ ﷺ مَسَحَ أَعْلَى الْخُفِّ وَأَسْفَلَهُ** یعنی رسول اللہ ﷺ نے موزے کے اوپر اور نیچے دونوں رگوں پر مسح کیا ہے۔

ہماری دلیل حدیث مغیرہؒ ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں موزوں پر رکھ کر ان کو کھینچ کر اوپر کی طرف لے گئے۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ گویا میں حضور ﷺ کے موزے پر ان نشانات کو دیکھتا ہوں جو انگلیوں سے پیدا ہو گئے تھے۔ اس حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے ایک بار مسح کیا۔ اسی لئے علماء نے کہا کہ ہر طرح مسح علی الخفین غیر مشروع ہے ترمذی میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ ہے۔ **قَالَ زَائِدُ النَّبِيِّ ﷺ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ عَلَى ظَاهِرِهِمَا** حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ظاہر خفین پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے صاحب ہدایہؒ نے فرمایا کہ مسح کا محل موزے کا ظاہر ہے نہ کہ باطن۔ اس لئے ظاہر خف پر مسح کرنا واجب ہوگا۔

اور اگر موزے کے باطن پر مسح کیا یا اس کی ایڑی پر یا اس کی پھٹی پر تو جائز نہیں ہوگا کیونکہ موزے پر مسح کرنا خلاف قیاس ثابت ہے لہذا جس پر شریعت وارد ہوئی ہے اس کی پوری پوری رعایت کی جائے گی اور چونکہ شریعت کا دور و موزے کے ظاہر پر ہوا اس لئے موزے کے ظاہر پر مسح کرنا مشروع ہوگا نہ کہ باطن پر۔ اسی کی طرف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول اشارہ کرتا ہے **لَوْ كَانَ الدِّينُ بِالرَّأْيِ لَكَانَ بَاطِنُ الْخُفِّ أَوْلَى بِالْمَسْحِ مِنْ ظَاهِرِهِ وَلَكِنْ زَائِدُ دَسْوَةَ اللَّهِ ﷺ يَمْسَحُ عَلَى ظَاهِرِ الْخُفَّيْنِ ذُوْنِ بَاطِنِهِمَا** حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر دین عقل اور رائے پر موقوف ہوتا تو موزے کے باطن پر مسح کرنا اولیٰ ہوتا بہ نسبت اس کے ظاہر کے لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کو موزوں کے ظاہر پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے نہ کہ ان کے باطن پر۔

اور انگلیوں سے مسح کی ابتدا کرنا مستحب ہے چنانچہ اگر پھٹی سے شروع کیا تو بھی جائز ہوگا وجہ انتخاب غسل (دھونے) پر قیاس ہے یعنی جس طرح پاؤں دھونے کی ابتدا انگلیوں سے مستحب ہے اسی طرح مسح علی الخفین میں بھی انگلیوں سے ابتدا کرنا مستحب ہے۔ صاحب ہدایہؒ نے فرمایا کہ فرض تین انگلیوں کی مقدار مسح کرنا ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ انگلیاں پاؤں کی معتبر ہیں یا ہاتھ کی، پس علامۃ العلماء کا مذہب یہ ہے کہ مقدار مسح میں ہاتھ کی انگلیوں کا اعتبار ہے۔

اور امام کرشنی نے فرمایا کہ پاؤں کی انگلیاں مسح ہیں کیونکہ مسح پاؤں پر واقع ہوتا ہے اور تین انگلیاں مسح کا اکثر ہے اور قاعدہ ہے کہ اکثر کل کے حکم میں ہوتا ہے لہذا پاؤں کی تین انگلیاں پورے پاؤں کے قائم مقام ہو جائیں گی۔ جیسے موزے کی پھن میں پاؤں کی انگلیوں کا اعتبار کیا گیا ہے۔

مصنف ہدایہ نے کہا کہ علامۃ العلماء کا قول زیادہ صحیح ہے اور یہ حضرات آلہ مسح (ہاتھ) کا اعتبار کرتے ہیں واضح ہو کہ ہر موزے پر تین انگلیوں کی مقدار مسح کرنا فرض ہے چنانچہ اگر کسی نے ایک موزے پر دو انگلیوں کی مقدار مسح کیا اور دوسرے پر پانچ انگلیوں کی مقدار مسح کیا تو جائز نہیں ہوگا۔

وَلَا يَجُوزُ الْمَسْحُ عَلَى خُفٍّ فِيهِ خَرَقٌ كَثِيرٌ يَتَبَيَّنُ مِنْهُ قَلْبَرٌ ثَلَاثُ أَصَابِعٍ مِنْ أَصَابِعِ الرَّجُلِ

اور ایسے موزے پر مسح کرنا جائز نہیں کہ جس میں اتنی زیادہ پھن ہو کہ اس سے پاؤں کی انگلیوں میں سے تین انگلیوں کی مقدار ظاہر ہو جائے

وَإِنْ كَانَ أَقْلُ مِنْ ذَلِكَ جَازَ وَقَالَ زُفَرٌ وَالشَّافِعِيُّ لَا يَجُوزُ وَإِنْ قَلَّ لِأَنَّهُ لَعَمَّا وَجِبَ غَسْلُ الْبَادِي

اور اگر پھن اس سے کم ہو تو جائز ہے۔ اور امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے کہا کہ جائز نہیں اگرچہ پھن کم ہو، کیونکہ جب ظاہر کا دھونا واجب ہے

يَجِبُ غَسْلُ الْبَاقِي وَلَنَا أَنَّ الْخِفَافَ لَا تَخْلُو عَنْ قَلِيلٍ خَرَقٍ عَادَةً لَيْلَحَقَهُمُ الْخَرَجُ

تو باقی کا دھونا بھی واجب ہوگا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ موزے عام طور پر معمولی پھن سے خالی نہیں ہوتے اس لئے لوگوں کو اتارنے میں

فِي النَّزْعِ وَتَخْلُو عَنِ الْكَثِيرِ فَلَا خَرَجَ وَالْكَثِيرُ أَنْ يَنْكَشِفَ قَلْبَرٌ ثَلَاثُ أَصَابِعِ الرَّجُلِ

خرج لاحق ہوگا اور کثیر پھن سے خالی ہوتے ہیں تو (اتارنے میں) کوئی خرج نہیں ہوگا۔ اور کثیر مقدار یہ ہے کہ پاؤں کی چھوٹی تین انگلیوں کی مقدار

أَصْفَرُهَا هُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّ الْأَصْلَ فِي الْقَدَمِ هُوَ الْأَصَابِعُ وَالثَّلَاثُ أَكْثَرُهَا لِقَامِ مَقَامِ الْكُلِّ

(پاؤں) کل جائے۔ یہی قول صحیح ہے۔ کیونکہ ہمیں اصل یہی انگلیاں ہیں۔ تین انگلیاں میں سے اکثر ہیں پس تین انگلیوں کل کے قائم مقام ہوں گی

وَإِعْتِبَارُ الْأَصْفَرِ لِلْإِحْتِيَاظِ وَلَا مُعْتَبَرٌ بِدُخُولِ الْأَنَامِلِ إِذَا كَانَ لَا يَنْفَرِجُ عِنْدَ الْمَشْيِ

اور چھوٹی انگلیوں کا اعتبار احتیاط کی وجہ سے ہے اور پوروں کے داخل ہو جانے کا کچھ اعتبار نہیں جب کہ چلنے کے وقت کھلتا نہ ہو

وَيُعْتَبَرُ هَذَا الْمِقْدَارُ فِي كُلِّ خُفٍّ عَلَى حِدَةٍ فَيُجْمَعُ الْخَرَقُ فِي خُفٍّ وَاحِدٍ وَلَا يُجْمَعُ فِي خُفَيْنِ

اور اس مقدار کا ہر موزے میں علیحدہ اعتبار کیا جائے گا پس ایک موزے میں پھن جمع کئے جائیں گے اور دوسروں میں جمع نہ کئے جائیں گے

لِأَنَّ الْخَرَقَ فِي أَحَدِهِمَا لَا يَمْنَعُ قَطْعَ السَّفَرِ بِالْآخَرِ بِخِلَافِ النَّجَاسَةِ الْمُتَفَرِّقَةِ

کیونکہ دونوں میں سے ایک میں شگاف ہونا دوسرے کے ساتھ سفر طے کرنے سے مانع نہیں ہے۔ برخلاف متفرق نجاست کے

لَا تُهْمُ حَامِلٌ لِلْكُلِّ وَانْكِشَافُ الْعَوْرَةِ نَظِيرُ النِّجَاسَةِ

کیونکہ یہ شخص پوری نجاست کا اٹھانے والا ہے اور تکبیر کا کھلنا نجاست کی نظیر ہے

## کتنی مقدار موزہ میں پھٹن ہو جس پر مسح درست نہیں

تشریح :- اگر موزے میں شکاف پیدا ہو گیا تو اس پر مسح کے جواز اور عدم جواز میں چار مذہب ہیں :-

(۱) ہمارے نزدیک شکاف کے قلیل اور کثیر ہونے میں فرق ہے یعنی اگر شکاف قلیل ہو تو اس پر مسح کرنا جائز ہے اور اگر کثیر

ہو تو اس پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔

(۲) امام شافعی اور امام زفرؒ کے نزدیک عدم جواز مسح میں قلیل و کثیر دونوں برابر ہیں، یعنی شکاف قلیل ہو یا کثیر دونوں

صورتوں میں مسح کرنا جائز ہے اور یہی قیاس ہے۔

(۳) سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں مسح جائز ہے۔

(۴) امام اوزاعیؒ نے فرمایا کہ شکاف پیدا ہونے کی وجہ سے پاؤں کا جو حصہ کھل گیا اس کو دھوئے اور جو حصہ نہیں کھلا اس کا

مسح کرے۔ چونکہ امام اوزاعیؒ کے نزدیک ایک عضو میں غسل اور مسح دونوں کا جمع کرنا جائز ہے۔ اس لئے انہوں نے فرمایا کہ جو حصہ

کھلا ہوا ہے اس کا دھونا واجب ہے اور جو حصہ نہیں کھلا اس کا مسح واجب ہے۔

اور سفیان ثوریؒ کی دلیل یہ ہے کہ موزہ قدم میں حدیث سرایت کرنے سے مانع ہے پس جب تک اس پر موزہ کا اطلاق صحیح ہے تو

اس پر مسح کرنا جائز ہے خواہ اس میں شکاف قلیل ہو یا کثیر ہو امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ شکاف کی وجہ سے پاؤں کا جو حصہ ظاہر ہو گیا

اس کا دھونا واجب ہے اور چونکہ مسح اور غسل دونوں کا ایک عضو میں جمع کرنا جائز نہیں اس لئے موزہ نکال کر باقی کا دھونا بھی واجب ہوگا۔

صاحب منائیہؒ نے فرمایا کہ ان دونوں حضرات کی دلیل قیاس ہے یعنی جب خرق کثیر مانع مسح ہے تو خرق قلیل بھی مانع مسح

ہوگی جیسے حدیث مطلقاً ناقض مسح ہے قلیل ہو یا کثیر ہو۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ موزے عادتاً معمولی شکاف سے خالی نہیں ہوتے پس معمولی شکاف کی وجہ سے اگر موزے نکالنے کا حکم

دیا جائے تو لوگ حرج میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اس لئے اگر موزے میں معمولی شکاف ہو تو اس کو معاف کر دیا گیا اور چونکہ خرق کثیر سے

موزے بالعموم خالی ہوتے ہیں پس خرق کثیر کی صورت میں موزہ نکالنے میں کوئی حرج لاحق نہیں ہوگا اس وجہ سے اس کو معاف نہیں کیا گیا۔

رہا یہ کہ خرق قلیل اور کثیر کا معیار کیا ہے تو اس بارے میں صاحب ہدایہؒ نے فرمایا کہ اگر پاؤں کی چھوٹی تین انگلیوں کی مقدار

پاؤں کھل گیا یا اس سے زائد کھل گیا تو یہ خرق کثیر ہے اور اگر اس سے کم مقدار کھلا ہے تو یہ خرق قلیل ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے اور حسن

بن زیادؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ ہاتھ کی انگلیاں معتبر ہیں۔ اور خمس الائمہ طوائفیؒ نے کہا کہ اگر شکاف بڑی

انگلیوں پر ہو تو خرق کثیر میں تین بڑی انگلیاں معتبر ہوں گی اور اگر چھوٹی انگلیوں پر ہو تو چھوٹی تین انگلیاں معتبر ہوں گی۔ قول اصح کی

دلیل یہ ہے کہ قدم میں اصل انگلیاں ہی ہیں چنانچہ اگر کسی نے دوسرے کے پاؤں کی انگلیاں کاٹ ڈالیں تو اس پر پوری دیت واجب ہوگی بہر حال پاؤں میں انگلیاں اصل ہیں اور تین انگلیاں پانچ انگلیوں میں سے اکثر ہیں اور شی کا اکثر بخور لکھ کے ہوتا ہے لہذا تین انگلیاں کل کے قائم مقام ہوں گی، پس تین انگلیوں کی مقدار کھلتے سے گویا پورا پاؤں کھل گیا اس لئے اس کا دھونا واجب ہوا اور چھوٹی انگلیوں کا اعتبار احتیاط پر مبنی ہے۔

اور اگر موزے میں ایسا شکاف ہے کہ اس میں تین انگلیاں داخل ہو جاتی ہیں لیکن رفتار کے وقت پاؤں نہیں کھلتا تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا یعنی ایسے موزے پر مسح کرنا جائز ہے۔ معصوم ہدایت نے کہا کہ مقدار ہر موزہ میں علیحدہ علیحدہ مستحبر ہے چنانچہ اگر ایک موزے میں چھوٹے چھوٹے متعدد شکاف ہو گئے تو ان کو جمع کیا جائے گا پس اگر سب مل کر اس مقدار کو پہنچ گئے تو اس پر مسح کرنا جائز ہوگا اور اگر دونوں موزوں میں چھوٹے چھوٹے شکاف ہو گئے تو ان کو جمع نہیں کیا جائے گا یعنی اگر دونوں موزوں کے شکاف مل کر اس مقدار کو پہنچ جاتے ہوں تو بھی ان پر مسح کرنا جائز ہوگا کیونکہ ایک موزے میں شکاف ہونا دوسرے کے ساتھ سفر طے کرنے سے مانع نہیں ہے۔

اس کے برخلاف متفرق نجاست ہے یعنی اگر دونوں موزوں پر تھوڑی تھوڑی نجاست لگی ہو درآئیکہ دونوں میں سے ہر ایک کی نجاست ایک درہم سے کم ہے مگر دونوں مل کر ایک درہم سے زائد ہو جاتی ہے تو اس صورت میں نماز جائز نہیں ہوگی، کیونکہ یہ شخص پوری نجاست کا اٹھانے والا ہے اور جو شخص ایک درہم سے زائد نجاست کا اٹھانے والا ہو خواہ وہ متفرق ہو خواہ مجتمع ہو تو اس پر طہارت واجب ہے بغیر طہارت کے نماز درست نہیں ہوگی اور عورت یعنی بدن کا وہ حصہ جس کا چھپانا فرض ہے اس کا کھلنا نجاست کی نظیر ہے چنانچہ اگر عورت کی شرم گاہ سے کچھ کھلا اور کچھ پیٹ سے، کچھ پنڈلی سے اور کچھ بالوں سے پس اگر یہ سب مل کر چوتھائی عضو کے برابر ہو جائے تو اس کی نماز جائز نہیں ہے۔

وَلَا يَجُوزُ الْمَسْحُ لِمَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْغُسْلُ لِحَدِيثِ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ
أَوْ اس شخص کیلئے مسح کرنا جائز نہیں جس پر غسل واجب ہو صفوان بن عسال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کی وجہ سے انہوں نے فرمایا
كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَأْمُرُنَا إِذَا كُنَّا سَفَرًا أَنْ لَا نَتَزَعَ خِفَافًا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا إِلَّا عَنْ جَنَابَةٍ
کہ رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں کو حکم فرمایا کرتے جب ہم مسافر ہوتے کہ ہم اپنے موزوں کو تین دن اور تین راتیں نہ اتاریں مگر جنابت سے
وَلَكِنْ عَنْ بَوْلٍ أَوْ غَائِبٍ أَوْ نَوْمٍ وَلَئِنْ الْجَنَابَةَ لَا تَتَكَوَّرُ عَادَةً فَلَا خَرَجَ فِي التَّزَعِ بِخِلَافِ الْحَدِيثِ لِأَنَّهُ يَتَكَوَّرُ
لیکن پیشاب یا خانہ یا نیند سے اور اس لئے کہ جنابت عادتاً مکرر نہیں ہوتی لہذا موزہ نکالنے میں کوئی حرج نہیں ہوگا بخلاف حدیث کے کہ وہ مکرر ہوتا ہے

## جنبی کیلئے موزوں پر مسح جائز نہیں

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ جس شخص پر غسل واجب ہو اس کے واسطے موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کی صورت یہ





وَعَسَلَ رِجْلَيْهِ وَصَلَّى وَلَيْسَ عَلَيْهِ إِعَادَةُ بَقِيَّةِ الْوُضُوءِ وَكَذَا إِذَا نَزَعَ قَبْلَ الْمُدَّةِ

اور اپنے دونوں پاؤں دھو کر نماز پڑھے اور اس پر باقی وضو کا لوٹنا واجب نہیں ہے۔ اسی طرح جب مدت گزرنے سے پہلے موزہ نکال دے (تو وضو ٹوٹ جاتا ہے)

لَآنَّ عِنْدَ النَّزْعِ يَسْرِي الْحَدَثُ السَّابِقُ إِلَى الْقَدَمَيْنِ كَأَنَّهُ لَمْ يَفْسِلْهُمَا

کیونکہ (موزہ) اتارنے کے وقت حدت سابق دونوں قدموں تک سرایت کر جائے گا گویا اس نے دونوں کو دھویا نہ تھا

وَحُكْمُ النَّزْعِ يَثْبُتُ بِخُرُوجِ الْقَدَمِ إِلَى السَّاقِ لِأَنَّهُ لَا مُعْتَبَرَ بِهِ لِي حَقِّ الْمَسْحِ

اور نزاع کا حکم موزے کی پٹلی تک قدم کے نکلنے کی وجہ سے ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ مسح کے حق میں موزہ کی پٹلی معتبر نہیں ہے

وَكَذَا بِأَكْثَرِ الْقَدَمِ هُوَ الصَّحِيحُ

اور اسی طرح اکثر قدم نکلنے کی وجہ سے (وضو ٹوٹ جاتا ہے) کی گنج ہے

## مدت مسح کا گزر جانا ناقض مسح ہے

تشریح :- مسئلہ یہ ہے کہ مدت مسح گزر جانے سے بھی مسح علی القدمین ٹوٹ جاتا ہے دلیل روایت سابقہ ہے یعنی حضور ﷺ کا قول يَمْسَحُ الْمُقِيمُ يَوْمًا وَلَيْلَةً وَالْمُسَافِرُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيْلِيَّهَا اور بعض حضرات نے کہا کہ مَا زِلْنَا سے مراد حضرت صفوان بن محرز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث أَنَّ لَا تَنْزِعَ خِفَافًا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ہے۔ اور جب مدت مسح پوری ہوگئی تو موزے نکال دے اور صرف پاؤں دھو کر نماز پڑھ لے باقی وضو کا اعادہ کرنا واجب نہیں ہے بشرطیکہ کوئی ناقض وضو پیش نہ آیا ہو۔

امام شافعی نے کہا کہ اس پر وضو کا اعادہ واجب ہے کیونکہ مدت مسح گزر جانے سے عیروں کی طہارت ٹوٹ گئی ہے اور طہارت کا ٹوٹ جانا متجوزی (کھڑے کھڑے) نہیں ہوتا جیسے حدت کی وجہ سے وضو کا ٹوٹنا متجوزی نہیں ہے پس عیروں کی طہارت کا ٹوٹنا گویا پوری طہارت کا ٹوٹنا ہے اور جب پوری طہارت ٹوٹ گئی تو ظاہر ہے کہ دوبارہ وضو کرنا واجب ہوگا۔

ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ حدت نام سے نجاست نکلنے کا اور مدت مسح کا گزرنا ایسا نہیں ہے لہذا ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے اور ہمارے مذہب کی تائید حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فعل سے بھی ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کسی غزوہ میں تھے کہ آپ ﷺ نے موزے نکال کر صرف اپنے عیروں کو دھویا اور باقی وضو کا اعادہ نہیں کیا، اور یہی حکم اس وقت ہے جبکہ خود اس نے مدت گزرنے سے پہلے موزہ نکال دیا یعنی اس صورت میں بھی صرف پاؤں دھونا واجب ہے باقی وضو کا اعادہ واجب نہیں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ موزہ اتارنے کے وقت حدت سابق دونوں قدموں تک سرایت کر گیا پس ایسا ہو گیا گویا اس نے دونوں کو دھویا نہ تھا۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ موزہ نکلنے کا حکم اس وقت ثابت ہوگا جبکہ قدم موزے کی پٹلی میں داخل ہو جائے کیونکہ مسح کے حق میں موزے کی پٹلی معتبر نہیں ہے حتیٰ کہ اگر بغیر ساق (پٹلی) کا موزہ پہنا تو اس پر مسح کرنا جائز ہے بشرطیکہ ٹخنہ چھپا ہو۔

اور جس کا مسح میں اعتبار نہیں وہاں قدم آجانے سے مسح ٹوٹ جائے گا اور اسی طرح اگر موزے کی ساق میں اگر قدم آ گیا تو مسح

قول کے مطابق موزہ نکلنے کا حکم ثابت ہو جائے گا۔ اور امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ جب ایڑی کا اکثر حصہ اپنی جگہ سے نکل کر موزے کی ساق میں داخل ہو گیا تو مسح باطل ہو جائے گا۔ اس روایت کی وجہ یہ ہے کہ جب تک غسل کا مکمل موزے میں باقی ہے تب تک مسح باقی رہے گا پس جب پوری ایڑی یا اکثر ایڑی موزے کی ساق میں داخل ہو گئی تو مکمل غسل موزے میں باقی نہیں رہا لہذا مسح بھی باقی نہیں رہا۔ امام محمدؒ سے مروی ہے کہ اگر پاؤں کا اتنا حصہ موزے میں باقی ہے جس پر مسح کرنا جائز ہے یعنی تین انگلیوں کی مقدار تو اس پر مسح کرنا جائز ہے اور اگر اتنی مقدار بھی موزے میں باقی نہیں رہا تو اس پر مسح کرنا جائز ہے وجہ یہ ہے کہ مَا يَجُوزُ عَلَيْهِ الْمَسْحُ کی مقدار کے علاوہ نکلنا ایسا ہے گویا نکلا ہی نہیں۔ لہذا اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔ (عتابہ) جمیل۔

وَمَنْ ابْتَدَأَ الْمَسْحَ وَهُوَ مُقِيمٌ فَسَافِرٌ قَبْلَ تَمَامِ يَوْمٍ وَثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا

اور جس شخص نے مسح شروع کیا اور نماز کے وقت وہ مقیم ہے پھر ایک دن رات تمام ہونے سے پہلے سفر اختیار کیا تو تین دن اور ان کی راتیں مسح کرے

عَمَلًا بِإِطْلَاقِ الْحَدِيثِ وَلِأَنَّهُ حُكْمٌ مُتَعَلِّقٌ بِالْوَلْتِ فَيُغْتَبَرُ فِيهِ إِجْرَاءُ

اطلاق حدیث پر عمل کرنے کی وجہ سے اور اس لئے کہ (مسح کا) حکم وقت کے ساتھ متعلق ہے لہذا اس میں آخر وقت کا اعتبار ہوگا

بِخِلَافِ مَا إِذَا اسْتَكْمَلَ الْمُدَّةَ لِلْإِقَامَةِ ثُمَّ سَافَرَ لِأَنَّ

برخلاف اس صورت کے کہ جب اقامت کی مدت پوری کر کے پھر سفر شروع کرے

الْحَدِيثُ قَدْ مَرَى إِلَى الْقَدَمِ وَالْخَفُّ لَيْسَ بِرَافِعٍ

کیونکہ حدیث قدم تک سرایت کر گیا ہے اور موزہ رافع حدیث نہیں ہے

## مقیم مسافر ہو گیا یا مسافر مقیم بن گیا ان کیلئے مدت کی تبدیلی کا حکم

تشریح :- اس مسئلہ کی تین صورتیں ہیں :-

(۱) یہ کہ وہ طہارت جس پر موزے پہنے تھے اس کے ٹوٹنے سے پہلے سفر اختیار کیا پھر بحالت سفر کسی ناقض کی وجہ سے اس کی طہارت ٹوٹ گئی تو اس صورت میں بالاتفاق مدت اقامت مدت سفر کی طرف منتقل ہو جائے گی یعنی اس صورت میں بالاتفاق مسح کی مدت تین دن اور تین راتیں پوری کرے۔

(۲) یہ کہ حدیث کے بعد مدت اقامت پوری ہونے کے بعد سفر شروع کیا اس صورت میں بالاتفاق مدت اقامت مدت سفر کی طرف منتقل نہیں ہوگی یعنی اس صورت میں ایک دن اور ایک رات پورا ہونے کے بعد موزے نکال دے۔

(۳) یہ کہ سفر اختیار کیا حدیث کے بعد اور مدت اقامت پوری ہونے سے پہلے اس صورت میں ہمارے نزدیک مدت اقامت مدت سفر کی طرف منتقل ہو جائے گی یعنی تین دن تک مسح کریگا۔

اور امام شافعیؒ کے نزدیک مدت اقامت مدت سفر کی طرف منتقل نہیں ہوگی بلکہ ایک دن رات پورا کر کے موزے نکالنا ضروری

ہوگا۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ مسح ایک عبادت ہے اور ہر وہ عبادت جو بحالت اقامت شروع کی گئی ہو سفر کی وجہ سے متغیر نہیں ہوتی جیسے کسی نے بحالت اقامت رمضان کا روزہ شروع کیا پھر سفر اختیار کیا تو اس سفر کی وجہ سے آج کے روزہ کا افطار کرنا جائز نہیں ہوگا۔

اور جیسے کسی نے شہر میں کشتی میں نماز پڑھنی شروع کی پھر کشتی چل پڑی تو یہ شخص درمیان صلاۃ میں مسافر نہیں ہوگا بلکہ اپنی نماز چار رکعت پوری کرے گا۔ دلیل یہ ہے کہ اقامت کی حالت عزیمت کی حالت ہے اور سفر کی حالت رخصت کی حالت ہے پس جب عبادت میں دونوں حالتیں جمع ہو جائیں تو عزیمت کو رخصت پر غلبہ دیا جائے گا۔

ہماری دلیل حضور ﷺ کا قول **يُخَسَّعُ الْمَسَافِرُ لِقَعَةِ الْإِيمَانِ** کا اطلاق ہے یعنی ہر مسافر کیلئے تین دن مسح کرنے کی اجازت ہے اور چونکہ یہ بھی مسافر ہو گیا اس لئے اس کو بھی تین دن مسح کرنے کی اجازت ہوگی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ مسح کا حکم وقت کے ساتھ متعلق ہوتا ہے اور جس چیز کا حکم وقت کے ساتھ متعلق ہو اس میں آخر وقت کا اعتبار کیا جاتا ہے جیسے حائضہ اگر نماز کے آخر وقت میں پاک ہوگئی تو اس پر اس وقت کی نماز واجب ہوگی اور اسی طرح اگر پاک عورت نماز کے آخر وقت میں حائضہ ہوگئی تو اس وقت کی نماز اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی۔

اسی طرح اگر مسافر آخر وقت میں مقیم ہو گیا تو نماز پوری کرے گا اور اگر مقیم نے آخر وقت میں سفر شروع کر دیا تو قصر کرے گا پس جب آخر وقت محترم ہے تو مدت اقامت پوری ہونے سے پہلے جب مقیم نے سفر شروع کیا تو وہ مسح کی مدت سفر پوری کرے گا اس کے برخلاف جب اس نے اقامت کی مدت ایک دن رات پوری کر لی پھر سفر کیا تو اب تین دن رات پوری نہیں کر سکتا کیونکہ حدیث تو قدم تک ساری ہو چکا اور موزہ رافع حدیث نہیں ہے لہذا رافع حدیث کیلئے پیروں کا دھونا لازم ہوگا۔

**وَلَوْ أَقَامَ وَهُوَ مُسَافِرٌ إِنْ اسْتَكْمَلَ مُدَّةَ الْإِقَامَةِ نَزَعَ لَأَنَّ رُخْصَةَ السَّفَرِ لَا تَبْقَى بِذَوْنِهِ**

اور اگر مسافر مقیم ہو گیا (پس) اگر وہ اقامت کی مدت پوری کر چکا تو (موزہ) نکال دے کیونکہ سفر کی رخصت بغیر سفر کے باقی نہیں رہ سکتی

**وَإِنْ لَمْ يَسْتَكْمِلْ أَتَمَّهَا لَأَنَّ هَذِهِ مُدَّةُ الْإِقَامَةِ وَهُوَ مُقِيمٌ**

اور اگر اس نے ایک دن رات کی مدت پوری نہیں کی تو اسی کو پورا کرے کیونکہ یہی مدت اقامت ہے اور یہ شخص مقیم ہے

**مسافر مدت سے پہلے مقیم ہو گیا اور مقیم والی مدت مسح مکمل ہو چکی تو موزہ اتار دے**

تشریح :- صورت مسئلہ اور دلیل ظاہر ہے۔

**وَمَنْ لَبَسَ الْجُرْمُوقَ لَوَقَّ الْخُفَّ مَسَحَ عَلَيْهِ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ فَإِنَّهُ يَقُولُ**

اور جس شخص نے موزے پر جرموق پہنا تو جرموق پر مسح کرے بخلاف امام شافعیؒ کے کیونکہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ

**الْبَدَلُ لَا يَكُونُ لَهُ بَدَلٌ وَلَنَا أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَسَحَ عَلَى الْجُرْمُوقَيْنِ وَلِأَنَّهُ تَبَعَ لِلْخُفِّ اسْتِعْمَالًا**

بدل کا بدل نہیں ہوتا ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جرموقین پر مسح کیا ہے اور اس لئے کہ جرموق استعمال



جر موق سوتی کپڑے کا ہو تو اس پر بھی مسح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ سوتی کپڑے کا جر موق پاؤں کا بدل نہیں ہو سکتا ہے اس لئے کہ سوتی کپڑے کے جر موق پہن کر مسلسل چلنا ممکن نہیں ہے۔ ہاں اگر جر موق اتنے باریک کپڑے کا ہو کہ پانی کی تری جر موق سے چھن کر موزے تک پہنچ جائے تو اس پر مسح جائز ہے لیکن اس لئے نہیں کہ یہ مسح جر موق پر ہوا بلکہ اس لئے کہ یہ مسح موزہ پر ہوا اور جر موق رقیق ہونے کی وجہ سے موزہ پر تری پہنچنے سے مانع نہیں ہے۔

وَلَا يَجُوزُ الْمَسْحُ عَلَى الْجَوْرَيْنِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ إِلَّا أَنْ يَكُونَا مُجْلَدَيْنِ أَوْ مُنْعَلَيْنِ وَقَالَ لَا يَجُوزُ

اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک جورین پر مسح کرنا جائز نہیں ہے الا یہ کہ وہ مجلد ہوں یا منعل ہوں۔ اور صاحبین نے کہا کہ جائز ہے

إِذَا كَانَا لِحَيْنَيْنِ لَا يَشْفَانِ لِمَا رَوَى أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَسَحَ عَلَى جَوْرَيْهِ وَلَئِنْهُ يُمْكِنُهُ الْمَشْيُ فِيهِ

بشرطیکہ جئے موئے ہوں کہ چھتے نہ ہوں بوجہ اس حدیث کے جو روایت کی گئی کہ حضور ﷺ نے اپنے جوجین پر مسح کیا اور اس لئے کہ ایسے جورب (پہن کر) چلنا ممکن ہے

إِذَا كَانَ لِحَيْنًا وَهُوَ أَنْ يَتَمَسَّكَ عَلَى السَّاقِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُرْبَطَ بِشَيْءٍ فَأَشْبَهَ النُّخْفَ

جبکہ موئے (گاڑھے) ہوں اور وہ یہ کہ بغیر کسی کپڑے کے ساتھ باندھے ہڈی پر ٹھہرائیں، ایسی (ایسی جراب) موزہ کے مشابہ ہوگی

وَلَهُ أَنَّهُ لَيْسَ فِي مَعْنَى النُّخْفِ لَئِنْهُ لَا يُمْكِنُ مُوَاطَئَةُ الْمَشْيِ فِيهِ إِلَّا إِذَا كَانَ مُنْعَلًا

اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ جورب، موزے کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ اس میں مسلسل چلنا ممکن نہیں ہے الا یہ کہ جب منعل ہو

وَهُوَ مُخَمَّلُ الْحَدِيثِ وَعَنْهُ أَنَّهُ رَجَعَ إِلَى قَوْلِهِمَا وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى

اور یہی معنی حدیث کا مکمل ہیں۔ اور امام صاحب سے مروی ہے کہ آپ نے صاحبین کے قول کے طرف رجوع کیا اور اسی پر فتویٰ ہے

## جورابوں پر مسح کرنے کی شرعی حیثیت

تشریح۔ مجلد وہ ہے جس کے اوپر اور نیچے چڑا لگایا گیا ہو۔ اور منعل وہ کہ چڑا اس کے نیچے لگایا گیا ہو۔ مسح علی الجوربین

کی تین صورتیں ہیں:-

(۱) یہ کہ وہ گاڑھے موئے کپڑے کے ہوں اور منعل ہوں یا مجلد ہوں اس صورت میں بالاتفاق جوربین پر مسح جائز ہے۔

(۲) یہ کہ نہ موئے کپڑے کے ہوں اور نہ منعل ہوں تو اس صورت میں بالاتفاق مسح جائز نہیں ہے۔

(۳) یہ کہ موئے کپڑے کے ہوں مگر منعل نہ ہوں تو اس صورت میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک مسح جائز نہیں ہے اور صاحبین

کے نزدیک جائز ہے۔

صاحبین کی دلیل حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَسَحَ عَلَى الْجَوْرَيْنِ

ہے۔ چونکہ حدیث مطلق ہے اس لئے مطلق جوربین پر مسح جائز ہوگا منعل ہوں یا غیر منعل ہوں دلیل عقلی یہ ہے کہ اگر جوربین موئے



کے مشابہ ہو گئے لہذا بس طرح موزوں پر جا کر ہے۔ بڑی سی پریس جاتا رہا اور

اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ جو رب کو موزے کے ساتھ لاحق کرنا اس وقت درست ہوگا جبکہ جو رب مِنْ کُلِّ وَجْهِ  
موزے کے معنی میں ہو، حالانکہ جو رب موزے کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ موزہ پہن کر مواظبتِ منشی ممکن ہے اور غیر متصل جو رب پہن  
کر مواظبتِ منشی ممکن نہیں ہاں اگر جو رب متصل ہوں تو چونکہ اس کے ساتھ مواظبتِ منشی ممکن ہے اس لئے اس پر مسح کرنا جائز ہے۔ اور  
حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا محمل بھی یہی جو رب متصل ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا سن لیجئے اور آپ کی حدیث پر  
امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ آپ نے مرض وقات میں موت سے سات دن پہلے یا تین دن پہلے جو زمین غیر متعلین پر  
مسح کیا اور جو حضرات عیادت کے لئے آئے تھے ان سے کہا فَعَلْتُ مَا كُنْتُ أَفْعَعُ النَّاسَ عَنْهُ میں جس سے لوگوں کو منع کرتا تھا میں  
نے وہ کام خود کر لیا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت امام صاحبؒ نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا فاضل مصنف کہتے  
ہیں کہ فتویٰ اسی قول مرجوع الیہ پر ہے۔

وَلَا يَحُورُّ الْمَسْحُ عَلَى الْعِمَامَةِ وَالْقَلَنْسُوتِ وَالْبُرْقِ وَالْقَفَّازِينَ لِأَنَّهُ

اور عمامہ، ٹوپی، برقع اور دستانوں پر صبح جائز نہیں، کیونکہ

لَا حَرَجَ فِي نَزْعِ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ وَالرُّخْصَةِ لِذَلِكَ الْحَرَجِ

ان چیزوں کے نکالنے میں کوئی حرج نہیں ہے حالانکہ رخصت تو حرج دور کرنے کیلئے ہے

پکڑی، ٹوپی، برقع اور دستانوں پر مسح جائز نہیں

تشریح :- علمائے احناف کے نزدیک عمامہ، ٹوپی، برقع اور دستانوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ امام اوزاعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے کہا کہ عمامہ پر مسح جائز ہے دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ کا موزوں اور عمامہ پر مسح کرنا ثابت ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ موزوں پر مسح کرنے کی رخصت حرج دور کرنے کیلئے ثابت ہے اور ان چیزوں کو اتارنے میں کوئی حرج نہیں ہے اس لئے ان چیزوں پر مسح جائز نہ ہوگا۔

وَيَجُوزُ الْمَسُحُ عَلَى الْجَبَائِرِ وَإِنْ شَاءَ عَلَى غَيْرِ وَضُوءٍ لَأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَعَلَ ذَلِكَ وَأَمَرَ عَلِيًّا

اور جبار پر مسح جائز ہے اگرچہ اس کو بغیر وضو باندھا ہو، اس لئے کہ حضور ﷺ نے اسی طرح کیا اور حضرت علیؓ کو اس کا حکم دیا۔

اور جبار پر جا رہے تھے چنانچہ وہ فرمایا: **وَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ بِہٖ وَلَآ اِنَّ الْحَرَجَ فِیْہِ فَوْقَ الْحَرَجِ فِیْ نَزْعِ الْخُفِّ فَکَانَ اَوَّلٰی بِشَرْعِ الْمَسْحِ**

اور اس لئے کہ جیبرہ اتارنے میں جو خرچ ہے وہ موزہ اتارنے کے خرچ سے بڑھ کر ہے پس جیبرہ مشروع کا زیادہ مستحق ہے

## وَيَكْتَفِي بِالْمَسْحِ عَلَى أَكْثَرِهَا ذِكْرُ الْحَسَنِ وَلَا يَتَوَقَّفُ

اور اکثر جبیرہ پر مسح کرنے پر اکتفاء کرے اس کو حسن نے ذکر کیا ہے۔ اور مسح علی الجبار کی وقت کے ساتھ موت نہیں ہے

لِعَدَمِ التَّوَقُّفِ بِالتَّوَقُّفِ وَإِنْ سَقَطَتِ الْجَبِيرَةُ عَنْ غَيْرِ بُرْءٍ لَا يَبْطُلُ الْمَسْحُ لِأَنَّ الْعُذْرَ قَائِمٌ

اس لئے کہ توقیت کے بارے میں شرعی نص نہیں ہے اور اگر جبیرہ بغیر اچھا ہونے کے پڑے تو مسح باطل نہ ہوگا کیونکہ عذر موجود ہے

وَالْمَسْحُ عَلَيْهَا كَالْعَسَلِ لِمَا تَحْتَهَا مَا دَامَ الْعُذْرُ بَاقِيًا وَإِنْ سَقَطَتْ عَنْ بُرْءٍ بَطُلَ لِزَوَالِ الْعُذْرِ

اور اس پر مسح کرنا عسل کی طرح ہے جیسا کہ اس کے نیچے کا دھنا جب تک کہ عذر باقی ہے اور اگر اچھا ہونے سے گر پڑے تو مسح عذر کے اٹل ہونے کی وجہ سے باطل ہو جائے گا

وَإِنْ كَانَ فِي الصَّلَاةِ اسْتَقْبَلَ لِأَنَّهُ قَدَّرَ عَلَى الْأَصْلِ قَبْلَ حُصُولِ الْمَقْصُودِ بِالْبَدْلِ

اور اگر نماز میں گر پڑے تو نماز کو از سر نو پڑھے کیونکہ بدل کے ساتھ مقصود پورا ہو جانے سے پہلے وہ اصل پر قادر ہو گیا

## پنی پر مسح کا حکم

**تشریح۔** جبائر، جبیرہ کی جمع ہے اور جبیرہ اس لکڑی کو کہتے ہیں جو ٹوٹی ہوئی ہڈی پر باندھی جائے، قاضی خاں نے کہا کہ

جبائر پر مسح کرنے کی اجازت اس وقت ہے جبکہ زخم پر مسح کرنا تکلیف دہ ہو۔ اور اگر زخم پر مسح تکلیف نہ دے تو جبائر پر مسح نہ کرے۔ حاصل یہ ہے کہ جبائر پر مسح کرنا مشروع ہے اگرچہ ان کو بغیر وضو کے باندھا ہو۔

دلیل یہ ہے کہ جبیرہ باندھا جاتا ہے ضرورت کے وقت اور اس حالت میں طہارت کی شرط لگانا مُقْبَضِی إِلَى الْخُرُوجِ ہوگا

اس لئے طہارت کی شرط نہیں لگائی گئی۔ اور اس بارے میں اصل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے خود بھی جبیرہ پر مسح کیا اور احد کے دن جب

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ کا کٹا ٹوٹ گیا تو آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جبیرہ پر مسح کرنے کا حکم دیا تھا۔

صاحب منایہ نے پورا واقعہ اس طرح لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کا جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے پس جب

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کٹا ٹوٹ گیا اور ہاتھ سے جھنڈا اگر گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جھنڈا ہاتھ میں لے لو کیونکہ علی دنیا

و آخرت میں میرے جھنڈے کا مالک ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا مَا أَصْنَعُ بِالْجَبَائِرِ جبائر کے ساتھ کیا کروں۔ آپ

ﷺ نے فرمایا أَصْنَعُ عَلَيْهَا جبائر پر مسح کرو، اس حدیث میں اس کی کوئی تفصیل نہیں کہ جبیرہ طہارت پر باندھا گیا ہے یا بغیر طہارت

کے۔ پس معلوم ہوا کہ مطلق جبیرہ پر مسح کرنا مشروع ہے خواہ طہارت پر باندھا ہو یا بغیر طہارت کے باندھا ہو۔

دلیل عقلی یہ ہے کہ موزہ اتارنے میں جس قدر حرج ہوتا ہے جبیرہ کھولنے اور باندھنے میں اس سے کہیں زائد حرج ہے پس

جب حرج دور کرنے کے لئے موزوں پر مسح مشروع کیا گیا تو جبیرہ پر بد پرچاؤی مسح مشروع ہوگا۔

رہا اس کا حکم کہ اگر بعض جواز پر مسح کیا اور بعض پر نہیں تو یہ کافی ہوگا یا نہیں تو اس بارے میں ظاہر الروایۃ میں کچھ مذکور نہیں البتہ حسن بن زیاد کے امالی میں ہے اگر اکثر جواز پر مسح کیا تو کافی ہوگا اور اگر نصف یا اس سے کم پر کیا تو کافی نہیں ہوگا۔ فرمایا کہ مسح علی الجبیرۃ کے واسطے کوئی وقت مقدر نہیں ہے بلکہ زخم کھا چھا ہونے تک اس پر مسح کرنا جائز ہے کیونکہ مسح علی الجبیرۃ کی تحدید وقت میں کوئی حدیث وارد نہیں ہوئی ہے اس عبارت سے مسح علی الجبیرۃ اور مسح علی الخف کے درمیان فرق کی طرف بھی اشارہ ہو گیا کیونکہ مسح علی الجبیرۃ میں وقت مقدر ہے اور مسح علی الجبیرۃ میں وقت مقدر نہیں ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ مسح علی الجبیرۃ بغیر طہارت کے بھی جائز ہے مگر مسح علی الخف بغیر طہارت کے جائز نہیں ہے۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ جبیرہ اگر بغیر زخم اچھا ہوئے مگر مسح باطل نہیں ہوگا برخلاف موزہ کے کہ اگر وہ کھل گیا تو مسح باطل ہو جائے گا دلیل یہ ہے کہ عذر موجود ہے اور جب تک عذر باقی ہے تو جبیرہ پر مسح کرنا ایسا ہے جیسے اس کے نیچے کا دھونا حتیٰ کہ اگر ایک پاؤں پر جبیرہ ہو اور اس پر مسح کیا ہو تو دوسرے پاؤں پر موزہ پہن کر اس پر مسح کرنا جائز نہیں ہے تاکہ حکما غسل اور مسح کے درمیان جمع کرنا لازم نہ آئے، اور اگر جبیرہ مگر گیا زخم اچھا ہونے کی وجہ سے تو مسح علی الجبیرۃ باطل ہو جائے گا کیونکہ جس عذر کی وجہ سے مسح علی الجبیرۃ مشروع تھا وہ عذر زائل ہو گیا۔

اور اگر جبیرہ نماز کے درمیان مگر گیا در آنحالیکہ زخم اچھا ہو گیا ہے تو نماز نئے سرے سے پڑھے گا کیونکہ یہ مفض بدل کے ساتھ مقصود حاصل کرنے سے پہلے اصل پر قادر ہو گیا جیسے متمم اگر درمیان نماز پانی پر قادر ہو جائے تو وضو کر کے از سر نو نماز پڑھے۔ واللہ اعلم بالصواب، جمیل احمد عثمانی حنفی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

## بَابُ الْحَيْضِ وَالْإِسْتِحَاضَةِ

(یہ باب حیض اور استحاضہ کے بیان میں ہے)

تشریح :- اس بارے میں اختلاف ہے کہ حیض ونفاس أحداث میں سے ہیں یا آنجاس میں سے۔ بعض کی رائے ہے کہ یہ دونوں آنجاس میں سے ہیں اور بعض نے کہا کہ أحداث میں سے ہیں۔ دوسرا قول انسب ہے کیونکہ مصنفؒ نے اس کے بعد باب الانجاس ذکر کیا ہے پس اگر ان دونوں کو آنجاس کے قبیل سے مان لیا جائے تو باب الانجاس محض تکرار ہوگا۔ اب ما قبل کے ساتھ اس باب کی مناسبت یہ ہوگی کہ سابق میں ان أحداث کا ذکر تھا جو کثیر الوقوع ہیں اور اس باب میں قلیل الوقوع أحداث مذکور ہیں۔

یعنی یہ بات کہ عنوان میں نفاس کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا در آنحالیکہ اس بات کے تحت اس کا حکم مذکور ہے۔ جواب نفاس حیض کے ہی معنی میں ہے لہذا حیض کا ذکر کرنا در حقیقت نفاس کا ذکر کرنا ہے اس لئے حیض کے ذکر سے نفاس کا ذکر مستغنی ہو گیا۔ لیکن اگر یہ

سوال کیا جائے کہ جب دونوں ہم معنی ہیں تو عنوان میں نفاس کا ذکر کر دیا جاتا اور حیض کا نہ کیا جاتا ایسا کیوں نہیں کیا گیا اس کا جواب یہ ہے کہ حیض کا وقوع بکثرت ہے بہ نسبت نفاس کے، اس لئے اس کو ذکر کیا گیا۔

**حیض:** لغت میں نکلنے والے خون کو کہتے ہیں اور فقہاء کے نزدیک حیض وہ خون ہے جس کو ایسی عورت کا رحم پھینکے جو بیماری اور منہ سے سلامت ہو (عنایہ وفتح القدیر) ابتداء میں حیض کا سبب یہ تھا کہ حضرت حوا علیہا السلام نے جب شجر ممنوعہ کھانے کی وجہ سے رب حقیقی کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حیض کے ساتھ مبتلا کر دیا پس اس وقت سے اب تک ان کی اولاد میں یہ ابتلاء برآمد جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔

**أَقْلُ الْحَيْضِ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا وَمَا نَقَصَ مِنْ ذَلِكَ فَهُوَ اسْتِحَاضَةٌ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَقْلُ الْحَيْضِ**

حیض کی ادنیٰ مدت تین دن اور ان کی راتیں ہیں اور جو اس (مقدار) سے کم ہو وہ استحاضہ ہے کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ چار یہ ہا کرہ

**لِلْجَارِيَةِ الْبَكْرِ وَالثَّيِّبِ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا وَكَثْرَةُ عَشْرَةِ أَيَّامٍ وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ**

اور ثیبہ کے حیض کی کم از کم مدت تین دن اور ان کی راتیں ہیں اور بکرہ کی اکثر مدت دس دن ہیں اور بدھ بیٹ (ایک دن رات کے ساتھ اعجاز لگانے میں امام شافعی کے خلاف حجت ہے

**فِي التَّقْدِيرِ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَوْمَانِ وَالْأَكْثَرُ مِنَ الْيَوْمِ الثَّالِثِ**

اور امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ حیض کی کم از کم مدت دو دن اور تیسرے دن کا اکثر ہے

**إِقَامَةُ لِأَكْثَرِ مَقَامِ الْكُلِّ قُلْنَا هَذَا نَقَصٌ عَنْ تَقْدِيرِ الشَّرْعِ**

اکثر کو کل کے قائم مقام کرتے ہوئے ہم نے کہا کہ یہ تقدیر شرع سے کم کرنا ہے

## حیض کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ مدت

**تشریح:-** ہمارے نزدیک اقل مدت حیض تین دن اور ان کی راتیں ہیں اور جو خون اس مدت سے کم ہو گا وہ استحاضہ ہے

۔ امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ دو دن پورے اور تیسرے دن کا اکثر حصہ اقل مدت حیض ہے۔

امام مالک نے فرمایا کہ مطلق خون حیض ہے۔ خواہ ایک ساعت ہو۔ اور امام شافعی نے فرمایا کہ ایک دن ایک رات اقل

مدت حیض ہے۔ ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس کو ابو امامہ باہلی، عائشہ، عائشہ، انس اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے روایت کیا اِنَّهُ

ﷺ قَالَ أَقْلُ الْحَيْضِ لِلْجَارِيَةِ الْبَكْرِ وَالثَّيِّبِ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا وَكَثْرَةُ عَشْرَةِ أَيَّامٍ یہی مدت حضرت

عمر، علی، ابن مسعود، ابن عباس، عثمان بن ابی العاص اور انس بن مالک رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے۔ اور ان حضرات سے

مروی ایسا ہے جیسا کہ حضور ﷺ سے مروی ہو۔ کیونکہ مقادیر کو پہنچانے میں قیاس کو کوئی دخل نہیں ہوتا لہذا ان حضرات نے حضور

ﷺ سے سن کر ہی فرمایا ہوگا۔

اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ لَا حَيْضَ دُونَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَلَا حَيْضَ فَوْقَ عَشْرَةِ أَيَّامٍ ابویوسفؒ نے لَوْلَا كَثَرُ حُكْمِ الْكَلِّ کے قاعدے سے استدلال کیا ہے۔

امام مالکؒ نے کہا کہ حیض ایک حدت ہے لہذا یہ بھی دوسرے احداث کی طرح کسی چیز کے ساتھ مقدر نہیں ہوگا۔ حضرت امام شافعیؒ نے کہا کہ سیلان دم نے جب دن رات کی تمام ساعتوں کو گھیر لیا تو معلوم ہوا کہ یہ خون رحم سے ہے پس دم حیض معلوم کرنے کیلئے مزید وقت کی ضرورت نہیں رہی۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی طرف سے ان تمام دلائل کا جواب یہ ہے کہ شریعت نے اقل مدت حیض تین دن مقرر کی ہے پس ان حضرات کے نزدیک اگر اس سے کم مدت پر اکتفاء کیا جائے تو اقل مدت تین دن نہیں رہے گی اور ظاہر ہے کہ یہ تقدیر شرع میں سے کم کرنا ہے حالانکہ تقدیر شرع سے کم کرنا جائز نہیں ہے۔

وَكَثْرَةُ عَشْرَةِ أَيَّامٍ وَالزَّائِدُ اسْتِحَاضَةٌ لِمَا رَوَيْنَا وَهُوَ

اور حیض کی اکثر مدت دس دن ہیں اور جو (اس سے) زائد ہو وہ استحاضہ ہے اس حدیث کی وجہ سے جوہم نے روایت کی اور یہ حدیث چند روایوں کے ساتھ اندازہ لگانے میں

حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ فِي التَّقْدِيرِ بِخَمْسَةِ عَشَرَ يَوْمًا ثُمَّ الزَّائِدُ وَالنَّاقِصُ اسْتِحَاضَةٌ

امام شافعیؒ کے خلاف حجت ہے بلکہ جو زائد ہو یا کم ہو وہ استحاضہ ہے کیونکہ تقدیر شرع

لَآ تَقْدِيرُ الشَّرْعِ يَمْنَعُ الْحَاقَّ غَيْرَهُ بِهِ

اس کے ساتھ کسی اور چیز کے الحاق کو منع کرتی ہے

دس دن سے زائد خون استحاضہ ہے

تشریح :- ہمارے نزدیک حیض کی اکثر مدت دس دن ہیں۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک چند دن ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا قول اول بھی یہی ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل عورتوں کے نقصان دین کے بارے میں حضور ﷺ کا قول تَقَعْدُ إِحْدَا هُنَّ خَطَرَ عُمْرِهَا لَا تَصُومُ وَلَا تُصَلِّيٰ ہے۔ یعنی عورت اپنی عمر کا نصف حصہ بیٹھی رہتی ہے نہ نماز پڑھتی اور نہ روزہ رکھتی ہے، حدیث میں خطر بمعنی نصف ہے اور اس سے مراد حیض کا زمانہ ہے۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ عمر کا اندازہ لگتا ہے سالوں کے ساتھ اور سال کا اندازہ مہینوں کے ساتھ اور ایک ماہ کا نصف چند یوم وجہ استدلال یہ ہے کہ عمر کا اندازہ لگتا ہے سالوں کے ساتھ اور سال کا اندازہ مہینوں کے ساتھ اور ایک ماہ کا نصف چند یوم ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ عورت حیض کی وجہ سے چند یوم نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے۔

اور ہماری دلیل وہ حدیث ہے جو پہلے مسئلہ میں گزر چکی یعنی كَثْرَةُ عَشْرَةِ أَيَّامٍ واضح ہو کہ تین دن سے کم اور دس دن سے زائد جو خون آیا ہو وہ استحاضہ کا خون کہلائے گا کیونکہ شریعت کا کسی چیز کو مقدر کرنا اس بات سے مانع ہے کہ اس کے ساتھ کوئی دوسری چیز لاحق کی جائے پس جو خون تقدیر شرع سے کم یا زائد ہو گا وہ حیض نہیں بلکہ استحاضہ ہوگا۔

وَمَا تَرَاهُ الْمَرْأَةُ مِنَ الْحُمْرَةِ وَالصُّفْرِ وَالْكَثْرَةِ حَيْضٌ حَتَّى تَرَى الْبَيَاضَ خَالِصًا وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ

اور جو سرخی، زردی اور نیلا رنگ عورت دیکھے وہ حیض ہے یہاں تک کہ خالص سفیدی کو دیکھے۔ اور امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ

لَا تَكُونُ الْكَثْرَةُ مِنَ الْحَيْضِ إِلَّا بَعْدَ اللَّحْمِ لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ مِنَ الرَّحِمِ لَتَأَخَّرَ خُرُوجُ الْكَثْرِ عَنِ الصَّافِي وَلَهُمَا

کثرت حیض سے نہیں مگر خون کے بعد کیونکہ اگر مکدر بھی رحم سے آتا تو صافی کے بعد مکدر کا خروج ہوتا۔ اور طرفین کی دلیل وہ ہے

مَا رَوَى أَنَّ عَائِشَةَ جَعَلَتْ مَبِیْئَ الْبَيَاضِ الْخَالِصِ حَيْضًا وَهَذَا لَا يَتَرَفَّ إِلَّا مَتَاعًا وَلَقَدْ رَأَى الرَّحِمَ مَنُكُوسًا فَيَخْرُجُ الْكَثْرُ أَوَّلًا

جو مروی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے سوائے بیاض خالص کے سب کو حیض قرار دیا۔ اور یہ بات سن کر ہی معلوم ہو سکتی ہے اور (چونکہ) رحم کا منہ اندھا ہے تو مکدر پہلے نکلا

كَالْبَجَرَةِ إِذَا ثَقَبَ أَسْفَلُهَا وَأَمَّا الْخُضْرَةُ فَالْصَّحِيحُ أَنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا كَانَتْ مِنْ ذَوَاتِ الْأَقْرَاءِ تَكُونُ حَيْضًا

جیسے گھڑا جب اس کے چنڈے میں سوراخ کر دیا جائے اور ہا سبز رنگ تو صحیح یہ ہے کہ اگر عورت ذوات الحیض میں سے ہو تو وہ حیض ہوگا

وَيُحْمَلُ عَلَى فَسَادِ الْغَلَاءِ وَإِنْ كَانَتْ كَثِيرَةً لَا تَرَى غَيْرَ الْخُضْرَةِ تُحْمَلُ عَلَى فَسَادِ الْمَنِيِّ فَلَا تَكُونُ حَيْضًا

اور اسے فساد غذا پر محمول کیا جائے گا اور اگر عورت بوزمی ہو کہ سبز رنگ کے علاوہ نہیں دیکھتی تو رحم کے فساد پر محمول کیا جائے گا، پس یہ حیض نہ ہوگا

## حیض کے ألوان

نشریح :- ألوان حیض چھ ہیں (۱) سیاہ (۲) سرخ (۳) زرد (۴) گدلا (۵) سبز (۶) نیلا

مصنفؒ نے سیاہ رنگ کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ اس کے حیض ہونے میں کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان

ہے دَمُ الْحَيْضِ أَسْوَدُ غَبِيطٌ مُخْتَلِمٌ یعنی حیض کا خون سیاہ تازہ گہرا سرخ ہوتا ہے۔ حدیث میں غبیط کے معنی تازے کے

ہیں اور مُخْتَلِمٌ کے معنی گہرے سرخ کے ہیں۔ سرخ رنگ جب بہت گہرا ہو جائے تو وہ سیاحی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اور نیالے

رنگ کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ وہ گد لے رنگ سے قریب تر ہے گد لے رنگ سے نیالے رنگ کا ذکر بھی ہو گیا۔ حاصل یہ ہے کہ سیاہ اور

سرخ رنگ کا خون ہالا جماع حیض ہیں اور گہرا زرد واضح قول پر حیض ہے۔

اور رہا گد لے رنگ کا خون، سو وہ طرفین کے نزدیک حیض ہے خواہ اولیایام حیض میں دیکھا ہو یا آخر ایام میں اور امام

ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ کثرت (گد لے رنگ کا خون) حیض نہیں ہوگا الا یہ کہ صاف خون کے بعد نکلا ہو۔ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ

ہے کہ رحم کے خون میں عادت یہ ہے کہ پہلے صاف رنگ کا خون نکلا ہے پھر گد لے رنگ کا۔ پس جب پہلے گد لے رنگ کا خون نکلا تو

معلوم ہو گیا کہ یہ خون رحم سے نہیں آیا بلکہ کسی رنگ وغیرہ سے آیا ہے اور جو خون رحم کے علاوہ سے آتا ہے وہ حیض کا خون نہیں کہلاتا اس

لئے گد لے رنگ کا خون حیض نہیں کہلائے گا۔



صاحبِ عثمانیہ نے امام ابو یوسفؒ کی دلیل اس طرح بیان کی ہے کہ ہر چیز کا گدلا پن اس کے صاف کے تابع ہوتا ہے پس اگر گد لے رنگ کو حیض قرار دیا جائے حالانکہ اس سے پہلے صاف خون نہیں آیا تو گدلا رنگ مقصود ہو جائے گا نہ کہ تابع حالانکہ ہر چیز کا گدلا اس کے صاف کے تابع ہوتا ہے۔

اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خالص سفیدی کے علاوہ سب کو حیض قرار دیا ہے۔

حضرت امام مالکؒ نے اپنی موطائیں حدیث بیان کی ہے: عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ أَبِي عَلْقَمَةَ عَنْ أُمِّهِ مَوْلَاةٍ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّهَا قَالَتْ كَانَ النَّسَاءُ يَتَعَنَّ إِلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا بِالدِّ رَجِيَةٍ فِيهَا الْكُرْسُفُ فِيهِ الصُّفْرَةُ مِنْ دَمِ الْحَيْضِ لِيَسْأَلْنَهَا عَنِ الصَّلَاةِ فَتَقُولُ لَهُنَّ لَا تَعَجَلْنَ حَتَّى تَرَيْنَ الْقِصَّةَ الْبَيْضَاءَ. علقمة بن ابی علقمة اپنی ماں جو اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ باندی ہیں ان سے روایت کرتے ہیں فرمایا کہ عورتیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ڈبہ بھیجتیں جس میں حیض کے زرد رنگ کے خون سے آلود کرسف ہوتا وہ عورتیں نماز کے بارے میں دریافت کرتیں، پس حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سے فرماتیں کہ جلدی نہ کرو یہاں تک کہ قصہ بیضاء (خالص سفیدی) نہ دیکھ لو۔

اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ سفید رنگ کے علاوہ تمام رنگ حیض کا خون ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جو کچھ کیا اور کھا وہ حضور ﷺ سے سن کر ہی فرمایا ہوگا۔

لیکن اگر یہ کہا جائے کہ حضور ﷺ کا قول دَمِ الْحَيْضِ اَسْوَدُ غَيْطٌ مُحْتَلِمٌ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سیاہ خون کے علاوہ کوئی بھی حیض کا خون نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ یہ تخصیص شیء بالذکر کے باب سے ہے اور تخصیص شیء بالذکر اس کے ماعداء کے نفی پر دلالت نہیں کرتا۔ ..... وَقَدْ رَوَّحَ مَنكُومٌ الْخُ سے امام ابو یوسفؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ آپ کا یہ کہنا کہ گدلا رنگ صاف سقرے کے بعد آتا ہے ہمیں یہ بات تسلیم ہے مگر یہ اس وقت ہوگا جب کہ برتن کی تلی میں سوراخ نہ ہو اور اگر برتن کی تلی میں سوراخ ہو تو پہلے گدلا رنگ ظاہر ہوگا اس کے بعد صاف چیز نکلے گی پس یہاں یہی صورت ہے اس لئے کہ رحم اوعد حالکا ہوا ہے۔ اور اس کا منہ جانب اسفل (نیچے کی طرف) ہے اور ایام حیض کے علاوہ رحم کا منہ بند رہتا ہے پس جب ایام حیض میں رحم کا منہ کھلے گا تو سب سے پہلے نیچے کی تلچٹ یعنی گد لے رنگ کا خون نکلے گا لہذا گد لے رنگ کے خون کو رحم سے قرار نہ دینا صحیح نہیں ہے۔

اور رہا سبز رنگ کا خون تو اس بارے میں صحیح یہ ہے کہ عورت اگر ذوات الحیض میں سے ہے یعنی ایسی عمر کی ہے کہ اس کو حیض آتا ہے تو یہ سبز رنگ کا خون حیض ہوگا اور اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ اس کی غذا کے ہضم میں کوئی خرابی ہے جس سے اس کو سبز رنگ خون آیا۔ اور اگر عورت بوڑھی ہے اور سبز رنگ کے علاوہ کوئی دوسرا رنگ نہیں دیکھتی تو یہ حیض کا خون نہیں ہوگا۔ بلکہ کہا جائے گا کہ یہ

خون رحم کے بگڑ جانے کی وجہ سے آیا ہے اس لئے کہ اصل خون کا رنگ سبز نہیں ہوتا۔  
**فوائد:-** اگر عتار قول کے مطابق بچپن سال میں ہوتی ہے اور بعض کے نزدیک پچاس سال میں اور بعض کے نزدیک

ستر سال میں۔

وَالْحَيْضُ يُسْقِطُ عَنِ الْخَائِضِ الصَّلَاةَ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهَا الصَّوْمَ وَتَقْضِي الصَّوْمَ
اور حیض حائضہ عورت سے نماز کو ساقط کر دیتا ہے اور اس پر روزہ رکھنے کو حرام کر دیتا ہے اور حائضہ عورت روزہ کی قضا کرے
وَلَا تَقْضِي الصَّلَاةَ لِقَوْلِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا كَانَتْ إِحْدَانَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ
اور نمازوں کی قضا نہ کرے کیونکہ حضرت عائشہ کا قول ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں
إِذَا طَهَّرَتْ مِنْ حَيْضِهَا تَقْضِي الصِّيَامَ وَلَا تَقْضِي الصَّلَاةَ وَلَا فِي قَضَاءِ الصَّلَاةِ حَرَجًا
ہم میں سے جب کوئی اپنے حیض سے پاک ہوتی تو وہ روزے قضا کرتی اور نمازیں قضا نہیں کرتی تھیں۔ اس لئے کہ نمازوں کی قضا میں کچھ چند ہو جانے کی وجہ سے حرج ہے
لِتُضَاعَفَهَا وَلَا حَرَجَ فِي قَضَاءِ الصَّوْمِ
اور روزہ کی قضا میں حرج نہیں ہے

## حالت حیض میں نماز، روزہ کا حکم

**تشریح:-** یہاں سے احکام حیض کا بیان ہے۔ نہایہ میں لکھا ہے کہ حیض کے بارہ احکام ہیں۔ آٹھ احکام تو ایسے ہیں جن میں حیض اور نفاس مشترک ہیں اور چار ایسے ہیں جو حیض کے ساتھ مختص ہیں۔ ان آٹھ میں سے ایک تو ترک نماز الی قضا ہے دوسرے ترک صوم الی قضا ہے یعنی حیض والی عورت سے نماز ساقط ہوتی ہے اور ان کی قضا واجب نہیں ہوتی، اور اس پر روزہ رکھنا حرام ہے مگر روزوں کی قضا واجب ہوگی۔

دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے زمانے میں ہم ازواج مطہرات میں سے جب کوئی اپنے حیض سے پاک ہوتی تو وہ روزوں کی قضا کرتی اور نمازوں کی قضا نہیں کرتی تھیں۔  
 اور عقلی دلیل یہ ہے کہ نمازوں کی قضا میں حرج ہے کیونکہ وہ دو چند ہو جائیں گی اور روزے کی قضا میں کوئی حرج نہیں ہے۔  
 حاصل یہ ہے کہ سال میں ایک ماہ کے روزے فرض ہیں پس اگر حیض کی وجہ سے کسی عورت نے دس روزے رمضان میں نہ رکھے تو باقی گیارہ ماہ میں یہ دس روزے قضا کر لے گی۔ اس کے برخلاف نماز کہ وہ ہر روز میں پانچ وقت کی فرض ہے پھر دس دن میں پچاس نمازیں قضا ہوئیں اب پاک ہونے کے بعد اگر وہ ہر روز پانچ وقت کی قضا کرے گی تو ہر دن پانچ نمازیں ادا ہوں گی اور پانچ قضا ہوں گی۔ پس اس طرح اس پر دو چند نمازیں ہو گئیں اور یہ معاملہ ہر ماہ پیش آئے گا اور ظاہر ہے کہ اس میں حرج شدید ہے اور اللہ رب

العزیز نے اپنے بندوں پر سے حرج دور کیا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ مَا جَعَلَ عَلَيْكَ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ اس وجہ سے حائضہ عورت پر نمازوں کی قضا واجب نہیں ہے۔

یہاں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ وجوب قضا موقوف ہوتا ہے وجوب اداء پر کیونکہ قضا ادا کا خلیفہ ہے اور خلیفہ اس سبب سے واجب ہوتا ہے جس سبب سے اصل واجب ہوتا ہے پس جب حائضہ عورت پر اداء صوم واجب نہیں تو اس پر روزہ کی قضا بھی واجب نہ ہونی چاہئے۔

جواب :- قاعدہ تو یہی ہے لیکن روزہ کی قضا خلاف قیاس نص سے ثابت ہے، اس لئے روزہ کی قضا واجب کی گئی ہے۔

وَلَا تَدْخُلُ الْمَسْجِدَ وَكَذَا الْجُنُبُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَإِنِّي لَا أَجِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ

اور حائضہ مسجد میں داخل نہ ہو اور اسی طرح جنبی کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ میں کسی حائضہ کیلئے مسجد کو حلال نہیں رکھتا

وَلَا جُنُبٍ وَهُوَ بِإِطْلَاقِهِ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ فِي إِبَاحَةِ الدُّخُولِ عَلَى وَجْهِ الْعُبُورِ وَالْمُرُورِ

اور نہ جنبی کے لئے اور یہ حدیث اپنے اطلاق کی وجہ سے گزرنے کے طور پر دخول کو مباح قرار دینے میں امام شافعی کے خلاف حجت ہے

## حائضہ اور جنبی کے لئے مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں

تشریح :- تیسرا حکم یہ ہے کہ حائضہ مسجد میں داخل نہ ہو اور اسی طرح جنبی کے واسطے بھی مسجد میں داخل ہونا جائز ہے۔ اور امام شافعی نے کہا کہ حائضہ اور جنبی کا مسجد سے گزرنے کو جائز ہے مگر ٹھہرنا جائز نہیں ہے۔ امام شافعی کی دلیل باری تعالیٰ کا قول وَلَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّى تَغْتَسِلُوا تم نماز کے پاس بھی ایسی حالت میں مت جاؤ کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ (منہ سے) کیا کہتے ہو اور جنابت کی حالت میں بھی باستثناء تمہارے مسافر ہونے کے، یہاں تک کہ غسل کر لو۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ آیت میں صلوٰۃ سے مراد مکان صلوٰۃ یعنی مسجد ہے۔ اور عابری سبیل کے معنی گزرنے کے ہیں۔ اب آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جنبی کا مسجد کے قریب جانا درست نہیں لیکن اگر مسجد سے گزرے اور نہ ٹھہرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

ہماری دلیل حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے۔ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ وَجِهُوا هَذِهِ الْبُيُوتَ عَنِ الْمَسْجِدِ فَإِنِّي لَا أَجِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَلَا جُنُبٍ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان گھروں کے دروازے مسجد کی طرف سے پھیر دو کیونکہ میں مسجد کو حائض یا جنبی کے واسطے حلال نہیں رکھتا۔

ہماری طرف سے امام شافعی کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ مفسرین کہتے ہیں کہ یہاں إِلَّا وَلَا کے معنی میں ہے یعنی مسجد کے قریب نہ جنبی جائے اور نہ وہ علی سبیل المرور داخل ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ صلوٰۃ سے حقیقتاً صلوٰۃ مراد ہے اور عابری سبیل سے مراد

مسافرین ہیں اب مطلب یہ ہوگا کہ نماز نہ بحالت نشہ پڑھو اور نہ بحالت جنابت لیکن اگر جُنُب مسافر ہوں تو وہ غسل کرنے سے پہلے تیمم کر کے نماز پڑھ سکتے ہیں۔

### وَلَا تَطُوفُ بِالْبَيْتِ لِأَنَّ الطَّوَافَ فِي الْمَسْجِدِ

اور خانہ کعبہ کا طواف نہ کرے کیونکہ طواف مسجد حرام میں ہوتا ہے

### حائضہ کیلئے طواف کرنا جائز نہیں

**تشریح:-** چوتھا حکم یہ ہے کہ حائضہ عورت بیت اللہ کا طواف نہ کرے۔ دلیل یہ ہے کہ طواف مسجد میں واقع ہوتا ہے اور حائضہ کے واسطے مسجد میں داخل ہونا ممنوع ہے اس لئے طواف کرنا بھی ممنوع ہوگا۔ مولانا نجم الدین زاہدیؒ نے فرمایا کہ اس علت میں ضعف ہے کیونکہ اس علت کا تقاضا تو یہ ہے کہ حائضہ کیلئے طواف کی ممانعت اس لئے ہے کہ طواف کرنے کیلئے مسجد میں داخل ہونا پڑتا ہے اور حائضہ کے لئے دخول فی المسجد ناجائز ہے اس لئے طواف کرنا بحالت حیض ناجائز ہے پس اگر وہ مسجد کے باہر سے طواف کرے تو جائز ہونا چاہیے حالانکہ حائضہ کیلئے مطلقاً طواف کرنا ناجائز ہے خواہ مسجد حرام میں داخل ہو کر کرے خواہ مسجد کے باہر سے کرے۔ درآنحالیکہ پاک عورت کے لئے خارج مسجد طواف کرنا جائز ہے اس لئے زیادہ مناسب علت یہ تھی کہ حائضہ کیلئے بیت اللہ کا طواف اس وجہ سے ناجائز ہے کہ بیت اللہ کا طواف نماز کے مانند ہے حضور ﷺ نے فرمایا اَلطَّوَافُ بِالْبَيْتِ صَلَافٌ اور حائضہ کے واسطے نماز پڑھنا ممنوع ہے لہذا طواف کرنا بھی ممنوع ہوگا۔

### وَلَا يَأْتِيهَا زَوْجُهَا لِقَوْلِهِ تَعَالَى وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ

اور اس کے پاس اس کا شوہر نہ آئے کیونکہ باری تعالیٰ کا فرمان ہے کہ حیض والیوں کے ساتھ قربت مت کرو یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں

### حائضہ کے ساتھ مباشرت جائز نہیں

**تشریح:-** پانچواں حکم یہ ہے کہ حائضہ عورت کے ساتھ وطی کرنا حرام ہے، دلیل باری تعالیٰ کا قول وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ ہے پس اگر شوہر نے حائضہ بیوی کے ساتھ حلال سمجھ کر وطی کی تو وہ کافر ہو جائے گا اور اگر حرام سمجھ کر کی تو فاسق ہوگا اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا اور اس پر توبہ واجب ہوگی اور ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ کرے۔

اور بعض نے کہا کہ اگر شروع حیض میں وطی کی ہو تو ایک دینار صدقہ کرے گا اور اگر آخر حیض میں وطی کی ہو تو نصف دینار صدقہ کرے۔ اور رہا یہ کہ جماع کے علاوہ حائضہ عورت کے ساتھ لطف اندوز ہونا جائز ہے یا ناجائز ہے تو اس بارے میں امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ ناف سے لے کر گھٹنے تک نفع اٹھانا حرام ہے۔ اور امام محمدؒ و امام احمدؒ نے کہا کہ فرج کے علاوہ کوئی حصہ بدن حرام نہیں ہے۔

امام محمدؒ اور امام احمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہودی عادت یہ تھی کہ جب کسی عورت کو حیض آتا تو وہ اس کے ساتھ کھانا پینا ترک کر دیتے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو اللہ تعالیٰ نے آیت **وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَيْمِئِضِ** نازل فرمائی حضور ﷺ نے فرمایا: **إِصْنَعُوا كُنْزِي إِلَّا الْبَيْكَاحَ** اور ایک روایت میں ہے **إِلَّا الْجَمَاعَ** یعنی ہر کام کرو علاوہ وطی کے۔ شیخینؒ کے دلیل یہ حدیث ہے **عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَعْدٍ مَأَلَتْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَمَّا يَحِلُّ لِي مِنْ أَمْرَاتِي وَهِيَ حَائِضٌ فَقَالَ لَكَ مَا فَوْقَ الْإِزَارِ** حضرت عبداللہ بن سعدؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا اس چیز کے بارے میں جو میری بیوی سے میرے لئے حلال ہے حالانکہ وہ حائضہ ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا **مَا فَوْقَ الْإِزَارِ**۔

**وَلَيْسَ لِلْحَائِضِ وَالْجُنْبِ وَالنَّفْسَاءِ قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ لِقَوْلِهِ ﷺ لَا تَقْرَأُوا الْحَائِضُ وَالْجُنْبُ**

اور حائضہ، جنبی اور نفاس والی عورت کیلئے قرآن پڑھنا جائز نہیں کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ حائضہ اور جنبی

**شَيْنَا مِنَ الْقُرْآنِ وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى مَا لَكَ فِي الْحَائِضِ وَهُوَ بِاطْلَاقِهِ**

قرآن میں سے کچھ نہ پڑھیں اور یہ حدیث حائضہ کے بارے میں امام مالکؒ کے خلاف حجت ہے اور یہ نص اپنے اطلاق کی وجہ سے

**يَتَنَاولُ مَا دُونَ الْآيَةِ فَيَكُونُ حُجَّةً عَلَى الطَّحَاوِيِّ فِي إِبَاحَتِهِ**

مادون الآت کے کو بھی شامل ہے پس یہ نص امام طحاوی کے خلاف مادون الآت کی قراءت کو مباح قرار دینے میں حجت ہوگی

## • حائضہ، جنبی اور نفاس والی عورت کیلئے قراءت قرآن جائز نہیں •

**تشریح:-** چنانکہ قرآن پڑھنا نہ حائضہ کے واسطے جائز ہے اور نہ جنبی کے واسطے، خواہ مرد ہو خواہ عورت ہو اور نہ زوجہ کے واسطے۔ نہ ایک آیت پڑھنا جائز ہے اور نہ ایک آیت سے کم۔ حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ حائضہ کے واسطے قراءت قرآن جائز ہے۔ اور امام طحاویؒ ایک آیت سے کم کی قراءت کو مباح کہتے ہیں۔

امام طحاویؒ کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کے ساتھ دو حکم متعلق ہیں۔ ایک جواز صلاۃ یعنی قراءت قرآن سے نماز جائز ہوتی ہے دوم حائضہ وغیرہ کے لئے منع عن القراءۃ یعنی حائضہ وغیرہ کو قراءت قرآن ممنوع ہے۔ پھر ایک حکم یعنی جواز صلاۃ میں آیت اور مادون الآت میں فصل ہے چنانچہ ایک آیت کی مقدار سے نماز جائز ہو جاتی ہے اور مادون الآت سے نماز جائز نہیں ہوتی پس ایسے ہی دوسرے حکم میں فصل ہونا چاہیے کہ حائضہ عورت کیلئے ایک آیت کی مقدار پڑھنا ممنوع ہو اور اس سے کم کا پڑھنا جائز ہو۔

حضرت امام مالکؒ کی دلیل یہ ہے کہ حائضہ عورت معذور ہے اور قراءت قرآن کی محتاج ہے اور طہارت حاصل کرنے پر بھی قادر نہیں اس ضرورت کے پیش نظر حائضہ کیلئے قرآن پڑھنا جائز قرار دیا گیا۔ اس کے برخلاف جنبی کہ وہ غسل یا تیمم کے ساتھ پاکی حاصل کرنے پر قادر ہے اور چونکہ نفاس قلیل الوقوع ہے اس لئے اس کے حق میں اس ضرورت کا اعتبار نہیں کیا گیا ہماری دلیل حضور ﷺ کا قول **لَا تَقْرَأُوا الْحَائِضُ وَلَا الْجُنْبُ شَيْنَا مِنَ الْقُرْآنِ** ہے۔

یہ حدیث امام مالکؒ کے خلاف حجت ہے کیونکہ یہ حدیث صراحت کے ساتھ حاکمہ کیلئے عدم جواز قراءت پر دلالت کرتی ہے۔ لہذا امام مالکؒ کی عقلی دلیل حدیث کے مقابلہ میں حجت نہیں ہوگی۔ اور چونکہ حدیث مطلق ہے اس لئے آیت اور مادون الآیت دونوں کو شامل ہوگی لہذا امام طحاویؒ کا آیت کی قراءت کو ناجائز اور مادون الآیت کی قراءت کو جائز قرار دینا صحیح نہیں بلکہ مطلقاً قراءت قرآن حاکمہ کے لئے ناجائز ہے۔

وَلَيْسَ لَهُمْ مَسُّ الْمُصْحَفِ إِلَّا بِغِلَافِهِ وَلَا أَخْذُ دِرْهَمٍ فِيهِ سُورَةٌ مِنَ الْقُرْآنِ

اور ان کے جائز نہیں کہ وہ بغیر غلاف قرآن کو چھوئیں اور نہ اسیہ درہم کو لیتا (جائز ہے) جس میں قرآن کی سورت ہو مگر اس کی

إِلَّا بِضَرْبِهِ وَكَذَا الْمُحَدَّثُ لَا يَمَسُّ الْمُصْحَفَ إِلَّا بِغِلَافِهِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يَمَسُّ الْقُرْآنَ إِلَّا طَاهِرٌ

ہیسانی کے ساتھ۔ اور اسی طرح محدث بھی قرآن نہ چھوئے مگر اس کے خلاف کے ساتھ کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ قرآن کو پاک ہی چھوئے

ثُمَّ الْحَدَّثُ وَالْجَنَابَةُ خَلَا أَيْدِيهِ فَيَسْتَوِيَانِ فِي حُكْمِ الْمَسِّ وَالْجَنَابَةُ خَلَّتِ الْقَمَمُ

پھر محدث اور جنابت دونوں نے ہاتھ میں طول کیا لہذا چھونے کے حکم میں دونوں برابر ہوں گے اور جنابت نے منہ میں بھی طول کیا

دُونَ الْحَدَّثِ فَيَفْتَرِقَانِ فِي حُكْمِ الْقِرَاءَةِ وَغِلَافُهُ مَا يَكُونُ مُتَجَانِبًا عَنْهُ

نہ کہ محدث نے تو (قرآن) پڑھنے کے حکم میں دونوں جدا ہوں گے۔ اور اس کا غلاف وہ ہوتا ہے جو قرآن سے جدا ہو

دُونَ مَا هُوَ مُتَّصِلٌ بِهِ كَالْجِلْدِ الْمُشْرِزِ هُوَ الصَّحِيحُ وَبُكْرَةٌ مَسَّةٌ بِالْكُمِّ هُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّهُ

ندوہ جو اس کے ساتھ متصل ہو جیسے جلد مشرزد (چولی) بھی صحیح ہے اور آستین سے قرآن کا چھونا مکروہ ہے بھی صحیح ہے کیونکہ آستین

تَابِعٌ لَهُ بِخِلَافِ كُتُبِ الشَّرِيعَةِ لِأَهْلِهَا خَبَثٌ يُرْخَصُ فِي مَسِّهَا بِالْكُمِّ لِأَنَّ فِيهِ ضَرُورَةً

اس کے تابع ہے بخلاف شرعی کتابوں کے کہ ان کے اہل کیلئے (ان کو) آستین سے ان کے چھونے کی اجازت ہے اس لئے کہ اس میں ضرورت ہے

وَلَا بَأْسَ بِدَفْعِ الْمُصْحَفِ إِلَى الصَّبْيَانِ لِأَنَّ فِي الْمَنْعِ تَضْيِيعَ حِفْظِ الْقُرْآنِ

اور بچوں کو قرآن دینے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے کیونکہ دکانے میں حفظ قرآن کا ضائع کرنا ہے

وَفِي الْأَمْرِ بِالتَّطَهِيرِ خَرَجًا بِهِمْ وَهَذَا هُوَ الصَّحِيحُ

اور بچوں کو (ہر وقت) طہارت کا حکم دینے میں ان کے حق میں خرچ ہے اور (بچوں کے بارے میں) بھی حکم صحیح ہے

## قرآن کو چھونے کا حکم

تشریح :- ساتواں حکم یہ ہے کہ حاکمہ، جنبی اور نساء کے واسطے بغیر غلاف قرآن پاک کا چھونا جائز نہیں ہے اور جس



درہم پر قرآن کی آیت لکھی ہو اس کا چھونا بھی جائز نہیں ہے مگر ہسانی، تمہلی کے ساتھ اس کا چھونا جائز ہے اور یہی حکم محدث (بے وضو) کا ہے۔ دلیل حضور ﷺ کا قول لَا يَمَسُّ الْقُرْآنَ إِلَّا طَاهِرٌ ہے یعنی قرآن کو صرف پاک آدمی ہی چھو سکتا ہے۔

اور حاکم نے اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ لَمَّا بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِلَى الْيَمَنِ قَالَ لَا تَمَسُّ الْقُرْآنَ إِلَّا وَأَنْتَ طَاهِرٌ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو یمن بھیجا تو فرمایا کہ تو قرآن کو مت چھو مگر یہ کہ تو پاک ہو۔

بعض حضرات نے مصنف پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے قرآن پاک کی آیت إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ لِّىْ كِتَابٌ مُّكْتُوْنٌ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ سے استدلال کیوں نہیں کیا ہاں تمہلیکہ یا آیت بغیر طہارت قرآن چھونے پر بھی میں ظاہر ہے۔ جواب یہ ہے کہ بعض علماء نے کہا کہ اس کے معنی ملائکہ کرام بخیر رہیں ہیں اس احتمال کی وجہ سے مصنف نے اس آیت سے استدلال نہیں کیا ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ حدیث اور جنابت مس مصحف کے حرام ہونے میں دونوں شریک ہیں مگر قراءت قرآن میں دونوں کا حکم مختلف ہے چنانچہ محدث کے واسطے طہارت کرنا جائز ہے اور جنبی کے واسطے طہارت کرنا جائز نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ دونوں حدیث ہاتھوں میں حلول کر جاتے ہیں اس لئے دونوں صورتوں میں ہاتھ سے قرآن کا چھونا ناجائز ہے۔

اور حدیث منہ کے اندر سرایت نہیں کرنا یہی وجہ ہے کہ اس پر کلی کرنا واجب نہیں ہے اور چونکہ جنابت منہ کے اندر سرایت کر جاتی ہے اسی لئے جنبی پر کلی کرنا واجب ہے پس جب حدیث منہ کے اندر سرایت نہیں کرتا اور جنابت کا حکم منہ کے اندر ثابت ہو جاتا ہے تو محدث کیلئے قراءت قرآن جائز اور جنبی کے لئے ناجائز ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ غلاف جس کے ساتھ چھونا جائز ہے وہ ہوتا ہے جو مصحف سے جدا ہو یعنی ماس (چھونے والا) اور ممسوس (جس کو چھو یا گیا) کے درمیان واسطہ ہو۔ اور مصحف کے ساتھ متصل نہ ہو جیسے مشرذ (چولی) حاصل یہ کہ غلاف سے مراد قرآن پاک کا جزدان ہے صاحب تحفہ نے کہا کہ مشائخ نے غلاف کے مصداق میں اختلاف کیا ہے۔

بعض نے کہا کہ غلاف سے مراد وہ جلد ہے جو مصحف کے ساتھ متصل ہوتی ہے یعنی چولی اور بعض نے کہا کہ آستین مراد ہے اور بعض نے کہا کہ غلاف سے مراد تھمیل (جزدان) ہے جس میں قرآن پاک رکھا جاتا ہے یہی قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ چولی تو قرآن پاک کے تابع ہے اور آستین چھونے والے کے تابع ہے اور جزدان ان دونوں میں سے کسی کے تابع نہیں ہے اس کے برخلاف شرعی کتابیں ہیں کہ علماء شرع کو آستین سے ان کے چھونے کی اجازت ہے کیونکہ اس میں ضرورت ہے اور یہی علمۃ المشائخ کا قول ہے۔

اور بے وضو بچوں کو قرآن پاک دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ اگر یہ حکم نہ دیا جائے تو دو ہی صورتیں ہیں یا تو ان کو قرآن پاک چھونے سے روکا جائے گا اور یا ان کو طہارت حاصل کرنے کا حکم دیا جائے گا پہلی صورت میں حفظ قرآن کا ضائع کرنا لازم

آئے گا اور دوسری صورت میں حرج لاحق ہوگا۔

وَإِذَا انْقَطَعَ دَمُ الْحَيْضِ لِأَقَلِّ مِنْ عَشْرَةِ أَيَّامٍ لَمْ تَحِلَّ وَطِئُهَا حَتَّى تَغْتَسِلَ

اور جب حیض کا خون دس دن سے کم پر منقطع ہو تو اس عورت کے ساتھ وطی حلال نہیں ہے یہاں تک کہ وہ غسل کر لے

لَإِنَّ الدَّمَ يَنْدُرُ تَارَةً وَيَنْقَطِعُ أُخْرَى فَلَا بُدَّ مِنَ الْإِغْتِسَالِ لِيَتَرَجَّحَ جَانِبُ الْإِنْقِطَاعِ وَلَوْ لَمْ تَغْتَسِلْ

کیونکہ خون کبھی بہتا ہے اور کبھی منقطع ہو جاتا ہے پس غسل کرنا ضروری ہے تاکہ انقطاع کی جانب رائج ہو جائے۔ اور اگر عورت نے غسل نہ کیا

وَمَضَى عَلَيْهَا أَذْنَى وَقَبِ الصَّلَاةِ بِقَدْرِ أَنْ تَقْدِرَ عَلَى الْإِغْتِسَالِ وَالتَّخْرِيمَةِ حَلِّ وَطِئُهَا

اور اس پر نماز کا اذنی وقت اتنی مقدار کے ساتھ گزر گیا کہ عورت اس میں غسل اور تحریمہ پر قادر تھی تو اس سے وطی حلال ہوگئی

لَإِنَّ الصَّلَاةَ صَارَتْ ذِمًّا فِي ذِمَّتِهَا فَطَهَّرَتْ حُكْمًا

کیونکہ نماز اس کے ذمہ قرضہ ہوگئی تو وہ حکماً پاک ہوگئی

## دس دن سے کم پر حیض ختم ہو جائے تو غسل سے پہلے مباشرت کا حکم

تشریح:- آٹھواں حکم یہ ہے کہ اگر عادت کے مطابق دس روز سے کم پر حیض کا خون منقطع ہو گیا تو اس کے ساتھ وطی کرنا

حلال نہیں ہے یہاں تک کہ وہ عورت غسل کر لے۔ دلیل یہ ہے کہ خون کبھی بہنے لگتا ہے اور کبھی منقطع ہوتا ہے پس انقطاع کی جہت کو

ترجیح دینے کے لئے غسل کرنا ضروری ہے۔

اور اگر عورت نے انقطاع کے بعد غسل نہیں کیا البتہ اتنی مقدار وقت گزر گیا کہ وہ اس وقت میں غسل کر کے تحریمہ باندھ سکتی

تھی تو اس کے ساتھ وطی کرنا حلال ہے کیونکہ نماز اس کے ذمہ قرضہ ہوگئی لہذا یہ عورت حکماً پاک ہوگئی اس لئے کہ جب شریعت نے اس

پر نماز واجب ہونے کا حکم کر دیا تو گویا اس کے پاک ہونے کا حکم کر دیا۔ کیونکہ حالت حیض میں نماز درست نہیں ہوتی ہے۔

وَلَوْ كَانَ انْقَطَعَ الدَّمُ دُونَ عَادَتِهَا فَوْقَ الثَّلَاثِ لَمْ يَقْرُبُهَا

اور اگر خون اس کی عادت (کے ایام) سے کم میں (اور) تین دن سے زیادہ پر منقطع ہوا تو عورت کے ساتھ قربت نہ کرے

حَتَّى تَمْضِيَ عَادَتُهَا وَإِنْ اغْتَسَلَتْ لِأَنَّ الْعَوْدَ فِي الْعَادَةِ غَالِبٌ فَكَانَ الْإِحْتِيَاظُ فِي الْاجْتِنَابِ

اگرچہ عورت غسل کر لے یہاں تک کہ اس کی عادت گزر جائے کیونکہ عادت میں (خون کا) عود کرنا اکثر ہوتا ہے پس احتیاط و اجتناب ہی میں ہے

وَإِنْ انْقَطَعَ الدَّمُ لِعَشْرَةِ أَيَّامٍ حَلَّ وَطِئُهَا قَبْلَ الْغُسْلِ لِأَنَّ الْحَيْضَ لَا مَزِيدَ لَهُ عَلَى الْعَشْرَةِ

اور اگر خون دس دن پر منقطع ہو تو غسل کرنے سے پہلے اس سے وطی کرنا حلال ہے کیونکہ دس روز پر حیض کیلئے زیادتی نہیں ہو سکتی

إِلَّا أَنَّهُ لَا يُسْتَحَبُّ قَبْلَ الْإِغْتِسَالِ لِلنَّهْيِ فِي الْقِرَاءَةِ بِالتَّشْدِيدِ

مگر یہ کہ غسل کرنے سے پہلے دلی مستحب نہیں ہے اس کی وجہ سے جو قراءت بالٹہد ید میں وارد ہے

**حیض کا خون تین دن سے زیادہ اور عادت کے ایام سے کم پر ختم ہو تو مباشرت کرنے کا حکم**

تشریح :- صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر خون تین دن سے زائد اور ایام عادت سے کم میں منقطع ہوا مثلاً عادت سات دن ہیں اور خون پانچ دن آ کر بند ہو گیا تو ایسی صورت میں اس عورت کے ساتھ دلی کرنا جائز نہیں ہے اگرچہ یہ عورت غسل کر لے تا وقتیکہ ایام عادت نہ گزر جائیں کیونکہ ایام عادت میں اکثر خون عود کرتا ہے لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ اس کے ساتھ دلی کرنے سے اجتناب کرے۔

اور اگر دس روز گزرنے پر خون منقطع ہوا تو اس کے ساتھ دلی کرنا اس کے نہانے سے پہلے حلال ہے کیونکہ حیض دس روز سے زائد نہیں ہوتا اس وجہ سے دس دن کے بعد حیض نہ رہا لیکن اتنی بات ہے کہ غسل کرنے سے پہلے دلی کرنا مستحب نہیں ہے اس ممانعت کی وجہ سے جو قراءت بالٹہد ید میں ہے یعنی باری تعالیٰ کا قول وَلَا تَغْرُبُوا مِنْ حَتَّىٰ يَنْقُضَ (طا اور ہا کی تشدید کے ساتھ) پس اس قراءت کے مطابق طہارت میں مبالغہ مطلوب ہوگا اور طہارت میں مبالغہ یہ ہے کہ خون منقطع ہو جانے کے بعد بھی غسل کرے۔ یہ قراءت اگرچہ مادون العشرة اور عشرة دونوں کو شامل ہے مگر اس فرق کے ساتھ کہ مادون العشرة کی صورت میں خون منقطع ہونے کے بعد غسل کرنا ضروری ہے بغیر غسل کے دلی کرنا جائز نہ ہوگا اور عشرة یعنی دس دن خون آ کر منقطع ہونے کی صورت میں جواز دلی کے لئے غسل کرنا مستحب ہے۔

وَالطَّهَرُ إِذَا تَحَلَّلَ بَيْنَ اللَّمَمَيْنِ فِي مُدَّةِ الْحَيْضِ فَهُوَ كَالثَّمِ الْمُتَوَالِي قَالَ

اور جب طہر مدت حیض میں دو خونوں کے درمیان واقع ہو جائے تو وہ پورے خون کے مانند ہے۔ امام قسطلانی نے فرمایا کہ

هَذِهِ إِحْدَى الرَّوَايَاتِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَوَجْهَهُ أَنَّ اسْتِيعَابَ الثَّمِ مُدَّةَ الْحَيْضِ لَيْسَ بِشَرْطٍ بِالْإِجْمَاعِ

یہ امام ابو حنیفہ سے مروی روایات میں سے ایک ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خون کا مدت حیض کو گھیر لینا بالاجماع شرط نہیں ہے

فَيُعْتَبَرُ أَوَّلُهُ وَآخِرُهُ كَالنِّصَابِ فِي بَابِ الزُّكُوفَةِ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ وَهُوَ رَوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ

پس باب زکوۃ میں نصاب کی طرح اس کا اول اور آخر معتبر ہوگا۔ اور ابو یوسف سے مروی ہے اور ایک روایت ابو حنیفہ سے بھی ہے

وَقِيلَ هُوَ آخِرُ أَقْوَالِهِ أَنَّ الطَّهَرَ إِذَا كَانَ أَقْلُ مِنْ خَمْسَةِ عَشَرَ يَوْمًا لَا يَفْصِلُ وَهُوَ كَالثَّمِ الْمُتَوَالِي

اور کہا گیا کہ یہ امام صاحب کا آخری قول ہے کہ طہر جب پندرہ دن سے کم ہو تو فاصل نہیں ہوگا اور یہ سب پورے خون کی مانند ہے

لِأَنَّهُ طَهْرٌ فَامِّدٌ فَيَكُونُ بِمَنْزِلَةِ الثَّمِ وَالْأَخْذُ بِهَذَا الْقَوْلِ أَيْسَرُ وَتَمَامُهُ

کیونکہ یہ طہر فاسد ہے لہذا یہ خون کے مرتبہ میں ہوگا۔ اور اس قول کا اختیار کرنا زیادہ آسان ہے اور اس کی پوری تفصیل

## يُعَرَّفُ فِي كِتَابِ الْحَيْضِ

(امام محمدؒ کی کتاب حیض میں پہچانی جاتی ہے۔)

## طہر متخلل کا حکم

**تشریح :-** طہر (طا کے ضمہ کے ساتھ) دو خونوں کے درمیان زمانہ قائل کو کہتے ہیں پھر طہر کی دو قسمیں ہیں طہر فاسد (ناقص) اور طہر کامل۔ طہر کامل بالاتفاق قائل ہوتا ہے اور طہر فاسد کے قائل ہونے اور نہ ہونے میں امام ابو حنیفہؒ سے چھ قول روایت کئے گئے ہیں۔ ان میں سے دو قول صاحب ہدایہ نے اپنی کتاب ہدایہ میں ذکر فرمائے ہیں۔ سو پہلے ان دونوں اقوال کو ذکر کیا جاتا ہے اس کے بعد باقی چار اقوال ذکر کئے جائیں گے۔ (وَاللّٰهُ التَّوَفِّقُ وَعِنْدَهُ حُسْنُ الْعَاقِبِ)

(۱) یہ کہ طہر ناقص یعنی پندرہ دن سے کم اگر دو خونوں کے درمیان مدت حیض میں واقع ہو تو یہ طہر قائل نہیں ہوگا بلکہ پورا زمانہ حیض شمار ہوگا۔ مثلاً ایک مہینہ (جس کو پہلی بار خون آیا) نے ایک روز خون دیکھا اور آٹھ روز پاک رہی پھر ایک روز خون دیکھا تو یہ دس دن حیض ہیں یہ امام محمدؒ کی روایت امام صاحبؒ سے۔

دلیل یہ ہے کہ مدت حیض میں مسلسل بلا انقطاع خون آتے رہنا کسی کے نزدیک شرط نہیں لہذا اول و آخر میں خون کا پایا جانا کافی ہوگا جیسے وجوب زکوٰۃ کے لئے سال کے اول و آخر میں نصاب کا پایا جانا کافی ہے۔ پورے سال کا گھیرنا بالاتفاق شرط نہیں ہے۔

(۲) یہ کہ طہر ناقص مطلقاً قائل نہیں ہوگا خواہ یہ طہر دس دن سے زائد ہی کیوں نہ ہو یہ قول امام ابو یوسفؒ کا ہے اور یہی امام اعظمؒ کا آخری قول ہے پس اس قول کی بنا پر حیض کی ابتدا اور انتہا دونوں طہر سے ہو سکتی ہے مثلاً ایک عورت کی عادت یہ ہے کہ اس کو ہر ماہ کی یکم تاریخ سے دس تاریخ تک خون آتا ہے پھر اس نے عادت سے پہلے ایک روز خون دیکھا اور دس روز پاک رہی پھر ایک روز خون دیکھا تو اس کی عادت کے مطابق دس روز حیض قرار دیئے جاویں اور یہ دونوں خون کے درمیان کا عشرہ جس میں بالکل خون نہیں دیکھا ہے وہ حیض ہے اور عادت سے پہلے روز کا خون اور دس دن کے بعد جو خون ہے یہ استفاضہ ہے۔ مفتی اور مستفتی دونوں پر آسانی کے پیش نظر اسی قول پر فتویٰ ہے۔

(۳) عبد اللہ بن المبارک امام ابو حنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر خون مدت حیض میں دونوں طرفوں کا احاطہ کئے ہوئے ہو اور دونوں خون مل کر نصاب (اقل مدت حیض) کو پہنچ جائیں تو یہ طہر بھی قائل نہیں ہوگا۔ مثلاً عورت نے دو دن خون دیکھا اور سات روز پاک رہی پھر ایک دن خون دیکھا تو یہ دس کے دس دن حیض میں شمار ہوں گے۔

(۴) امام محمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ مذکورہ بالا قول میں جو شرطیں ہیں ان کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ طہر دونوں خون کے مساوی ہو یا کم ہو۔ اور امام محمدؒ دم حکمی کو بھی دم شمار کرتے ہیں مثلاً ایک عورت نے ابتدا میں دو روز خون دیکھا پھر تین روز پاک رہی پھر

ایک روز خون دیکھا پھر تین روز پاک رہی پھر ایک روز خون دیکھا۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس عشرہ میں دو طہر واقع ہوئے لیکن طہر اول اپنے طرفین کے دونوں خون کے مساوی ہونے کی وجہ سے حکماً خون ہو گیا اور اب حقیقی خون اور حکمی دونوں مل کر سات روز ہو گئے جو طہر ثانی سے زائد ہے لہذا طہر ثانی بھی خون شمار ہوگا اس طرح یہ پورا عشرہ امام محمدؒ کے نزدیک حیض ہوگا۔

(۵) ابو سہیل کا بھی یہی قول ہے مگر ابو سہیل دم حکمی کا اعتبار نہیں کرتے بلکہ ان کے نزدیک ضروری ہے کہ طہر دو حقیقی خونوں کے مساوی ہو یا کم ہو۔ چنانچہ مذکورہ مثال میں اول کے چھ دن حیض ہوں گے باقی چار حیض کے نہ ہوں گے۔

(۶) حسن بن زیاد کہتے ہیں کہ طہر اگر تین دن یا زائد کا ہو تو وہ قاضی ہوگا اور اگر تین دن سے کم ہے تو قاضی نہیں ہوگا۔

وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ - جمیل۔

وَأَقَلُّ الطُّهُرِ خَمْسَةُ عَشَرَ يَوْمًا هَكَذَا يُقَالُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ وَانَّهُ لَا يُعْرَفُ إِلَّا تَوْقِيْفًا وَلَا غَايَةً

اور طہر کی ادنیٰ مدت چھ دن ہیں اسی طرح ابراہیم نخعیؒ سے نقل کیا گیا ہے اور یہ بات بغیر توفیق کے معلوم نہیں ہو سکتی اور اکثر طہر

لَا كَثْرَتَهُ لِأَنَّهُ يَمْتَدُّ إِلَى سَنَةٍ وَسَنَتَيْنِ فَلَا يَتَقَدَّرُ بِتَقْدِيرٍ إِلَّا إِذَا اسْتَمَرَّتْ بِهَا الدَّمُ

کی کوئی انتہا نہیں ہے کیونکہ طہر ایک سال اور دو سال تک دراز ہو جاتا ہے پس کسی تقدیر کے ساتھ مقدار نہیں ہو سکتا مگر جبکہ خون آنا ستر ہو جائے

يُعْرَفُ ذَلِكَ فِي كِتَابِ النُّحَيْصِ

یہ بات (امام محمدؒ کی) کتاب النحیص سے معلوم ہوتی ہے

## طہر کی کم سے کم مدت

تشریح:- فرمایا کہ طہر کی کم از کم مدت چھ دن ہیں۔ ابراہیم نخعیؒ تابعی سے بھی یہی منقول ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ابراہیم نخعیؒ نے صحابی سے اور صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے سن کر فرمایا ہوگا کیونکہ یہ مقدار ہے اور شریعت میں مقادیر سن کر ہی معلوم ہو سکتی ہیں قیاس کو اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔

شیخ ابو منصور ماتریدیؒ نے اقل مدت طہر پندرہ دن ہونے پر استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آکرہ اور صغیرہ کے حق میں ایک ماہ کو طہر اور حیض دونوں کے قائم مقام کیا ہے اور قاعدہ ہے کہ جوشی و دو چیزوں کی طرف منسوب کی جاتی ہے وہ ان دونوں پر آدمی آدمی منقسم ہوتی ہے پس مناسب تو یہ تھا کہ نصف ماہ حیض ہو اور نصف ماہ طہر ہو۔ لیکن چونکہ حیض کے نصف ماہ سے کم ہونے پر دلیل موجود ہے اس لئے حیض کو نصف ماہ سے کم یعنی دس دن ہوگا لیکن طہر ظاہر تقسیم پر باقی رہے گا۔

اور مبسوط میں مذکور ہے کہ مدت طہر مدت اقامت کی نظیر ہے چنانچہ جس طرح حالت اقامت میں ساقل شدہ نمازیں اور روزے لوٹ آتے ہیں اور احادیث و روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ اقل مدت اقامت پندرہ دن ہیں پس ایسے ہی اقل مدت طہر

اور عورت غلیظہ یعنی قبل اور بعد یعنی اسی اختلاف پر ہے حتیٰ کہ چوتھائی کا کھانا طرفین کے نزدیک موجب اعادہ ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک موجب اعادہ نہیں ہے۔ صاحب ہدایہ نے کہا ذکر (مرد کا عضو ناسل) تھا ایک عضو ہے اور دونوں حصے علیحدہ ایک عضو ہیں ان میں سے کسی ایک کا اگر چوتھائی کھل گیا تو نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔ دونوں ملا کر ایک عضو نہیں ہے۔ اور یہی صحیح قول ہے۔ اور بعض نے کہا کہ دونوں خصیتیں اور ذکر کا مجموعہ ایک عضو ہے کیونکہ خصیتیں ذکر کے تابع ہیں لہذا مجموعہ کا راجع مانع صلوٰۃ ہوگا۔

**فوائد:-** یہ تفصیل علماء احناف کے نزدیک ہے ورنہ امام شافعی کے نزدیک مانع جواز صلوٰۃ میں قلیل و کثیر سب برابر ہیں۔

وَمَا كَانَ عَوْرَةً مِنَ الرَّجُلِ لَهُوَ عَوْرَةٌ مِنَ الْأَمَةِ وَبَطْنُهَا وَظَهْرُهَا عَوْرَةٌ وَمَا مِثْلُ ذَلِكَ مِنْ بَدَنِهَا

اور جو جسم مرد کا ٹکڑا ہے وہ باندی کا (بھی) ٹکڑا ہے اور اس کا پیٹ اور اس کی پیٹھ بھی ستر ہے اور اس کے علاوہ جو بدن ہے

لَيْسَ بِعَوْرَةٍ لِقَوْلٍ عَمْرُؤُا لِي عَنْكَ الْخِمَارُ يَا دِفَارُ! التَّشَبُّهَيْنِ

وہ ٹکڑا نہیں ہے کیونکہ (ایک باندی سے) حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ اے گندی! اپنے اوپر سے اوڑھنی کو دور کر دے کیا تو آزاد عورتوں کے ساتھ

بِالْخَوَائِرِ وَلَا تَخْرُجْ لِحَاجَةِ مَوْلَاهَا فِي ثِيَابِ مِهْنَتِهَا عَادَةً

مشابہت رکھنا چاہتی ہے۔ اور اس لئے کہ باندی تو عادی اپنے آقا کی ضرورتوں کے لئے اپنے خدمتی کپڑوں میں ٹکڑی

فَاعْتَبِرْ خَالَهَا بِذَوَاتِ الْمَحَارِمِ لِي حَقِّي جَمِيعَ الرِّجَالِ ذُلْعًا لِلْخُرُجِ

پس تمام مردوں کے حق میں باندی کے حال کو ذواتِ محارم پر قیاس کیا گیا تاکہ حرج دور ہو

## باندی کا ستر عورت

**تشریح:** اس عبارت میں باندی کے ستر عورت کو بیان کیا گیا ہے چنانچہ فرمایا کہ مرد کا جو جسم عورت ہے یعنی ناف سے گھٹنے تک وہی جسم باندی کا ستر عورت ہے اس کے علاوہ باندی کا پیٹ اور اس کی پیٹھ بھی عورت ہے کیونکہ یہ دونوں محلِ شہوت ہیں لہذا ان کا چھپانا بھی فرض ہے البتہ اس حصہ کے علاوہ اس کا بدن عورت نہیں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ایک باندی کو اوڑھنی اوڑھے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ اے گندی! اپنے اوپر سے اوڑھنی دور کر دے کیا تو آزاد عورتوں کیساتھ مشابہت رکھنا چاہتی ہے۔

اور ایک روایت کے الفاظ ہیں اِكْشِفِي زَأْسَكَ وَلَا تَتَشَبَّهِي بِالْخَوَائِرِ اِنِّهَا سِرْكُولٌ اور آزاد عورتوں کے

مشابہت ہو۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ عادت یہ ہے کہ باندی اپنے آقا کی ضرورتوں کیلئے اپنے خدمتی کپڑوں میں لٹکے گی پس تمام مردوں کے حق میں باندی کو ذواتِ محارم پر قیاس کیا جائے گا تاکہ حرج دور ہو۔ یعنی باندیاں پردہ کے حکم میں تمام مردوں کے حق میں ذواتِ محارم کے مانند ہوں گی یعنی جس قدر پردہ ماں پر اپنے بیٹے سے اور بہن پر اپنے بھائی سے واجب ہے اسی قدر پردہ باندی پر ہر



## دم استحاضہ کا حکم

**تشریح:-** استحاضہ کا خون، نکسیر کے خون کے مانند ہوتا ہے یعنی جس طرح نکسیر کا خون رگ سے آتا ہے اسی طرح استحاضہ کا خون بھی رگ سے نکلتا ہے پس نکسیر کے خون کے مانند استحاضہ کا خون بھی نماز، روزہ اور وحلی کے لئے مانع نہیں ہے۔

دلیل وہ حدیث ہے جس کو ابن ماجہ نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے پوری حدیث اس طرح ہے:- عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ أَبِي حُبَيْشٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ إِنِّي امْرَأَةٌ اسْتَحَاضُ فَلَا أَطْهَرُ أَفَادُعُ الصَّلَاةِ فَقَالَ لَا اجْتَنِبِي الصَّلَاةَ أَيَّامَ مَحِيضِكَ ثُمَّ اغْتَسِلِي وَتَوَضَّئِي لِكُلِّ صَلَاةٍ ثُمَّ صَلِّيْ وَإِنْ قَطَرَ الدَّمُ عَلَى الْحَصِيرِ.

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ فاطمہ بنت ابی حبیش رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور عرض کیا کہ میں ایسی عورت ہوں کہ مستحاضہ ہوتی ہوں اور پاک نہیں ہوتی سو کیا میں نماز چھوڑ دوں (یہ سن کر) آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ نہیں (بلکہ) اپنے حیض کے ایام میں نماز سے الگ رہ بھر غسل کر اور ہر نماز کے واسطے وضو کر اور پھر نماز پڑھا اگرچہ خون پور یہ پر لپکے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ جب اس حدیث سے نماز کا حکم ثابت ہو گیا تو روزے اور وحلی کا حکم بہ نتیجہ اجماع ثابت ہو گیا یعنی خون کا آنا نماز کے منافی ہے مگر اس کے باوجود استحاضہ کا خون مانع نماز نہیں ہے پس روزہ اور وحلی جن کے خون کے منافی نہیں ان کے لئے بدرجہ اولیٰ مانع نہیں ہوگا۔

وَلَوْ زَادَ الدَّمُ عَلَى عَشْرَةِ أَيَّامٍ وَلَهَا عَادَةٌ مَعْرُوفَةٌ ذُوْنَهَا رُدَّتْ إِلَى أَيَّامِ عَادَتِهَا

اور اگر خون دس دن سے زیادہ ہو گیا حالانکہ عورت کی دس دن سے کم کی ایک پچانی ہوئی عادت ہے تو وہ اپنے عادت کے ایام پر لوٹائی جائے گی

وَالَّذِي زَادَ اسْتِحَاضَةً لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْمُسْتَحَاضَةُ تَدْعُ الصَّلَاةَ أَيَّامَ أَقْرَانِهَا

اور جو خون (رمانہ عادت معروفہ سے) بڑھاوہ استحاضہ ہے کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ مستحاضہ اپنے ایام حیض میں نماز چھوڑ دے

وَلَاِنَّ الزَّائِدَ عَلَى الْعَادَةِ يُجَانِسُ مَا زَادَ عَلَى الْعَشْرَةِ فَيَلْحَقُ بِهِ وَإِنْ ابْتَدَأَتْ مَعَ الْبَلَوُغِ مُسْتَحَاضَةً

اور اس لئے کہ جو خون عادت پر زائد ہے وہ ہم جنس ہے اس خون کے جو دس دن پر زائد ہے۔ پس اس کے ساتھ ملحق ہوگا۔ اور اگر عورت مستحاضہ ہو کر بالغ ہو

فَحَيْضُهَا عَشْرَةُ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَالْبَاقِي اسْتِحَاضَةٌ لَا تَأْخُذُ بِهَا عَرَفَاءُ حَيْضًا فَلَا يُخْرِجُ عَنْهُ بِالشَّكِّ وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

تو اس کا حیض ہر ماہ میں سے دس روز ہوگا اور باقی استحاضہ کیونکہ ہم نے اس کو حیض پچانا پس اس میں سے شک کے ساتھ نہ نکالا جائے گا، واللہ اعلم

**معتادہ کو ایام عادت کی طرف لوٹا جائے گا جب خون دس دن سے تجاوز کر جائے**

**تشریح:-** علمائے احناف کے نزدیک جو حکم متفق علیہ تھا صاحب ہدایہ نے اس کو بیان فرمایا ہے اور حکم مختلف فیہ کا ذکر نہیں

کیا۔ سو پہلے مختلف فیہ حکم ملاحظہ ہو۔

مسئلہ یہ ہے کہ خون اگر عادت معروفہ سے زائد آیا لیکن دس دن سے کم رہا مثلاً عادت ہر ماہ پانچ دن خون آنے کی تھی اور ایک بار آٹھ دن خون آیا تو اب اس میں اختلاف ہے کہ حیض پانچ دن شمار ہوگا یا آٹھ دن۔

چنانچہ مشائخ کا مذہب یہ ہے کہ ایام عادت یعنی پانچ دن گزرنے کے بعد اس عورت کو حکم دیا جائے گا کہ وہ غسل کر کے نماز پڑھنا شروع کر دے کیونکہ پانچ دن سے زائد کا حال حیض اور استحاضہ کے درمیان متردد ہے اس لئے کہ خون دس دن سے پہلے مثلاً آٹھ دن میں منقطع ہو گیا تو یہ کل کا کل حیض کا خون ہوگا اور کھا جائے گا کہ حیض کے سلسلہ میں اس عورت کی عادت بدل گئی کہ پہلے پانچ روز تھی پھر آٹھ روز ہو گئی اور اگر یہ خون دس روز سے متجاوز ہو گیا تو ایام عادت کے علاوہ کا خون استحاضہ ہوگا۔ پس اس تردد کے ساتھ نماز نہیں چھوڑی جائیگی۔

اور بخارا کے مشائخ کا مذہب یہ ہے کہ ایام عادت کے بعد اگر خون دیکھے تو اس کو غسل کر کے نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ ہمیں اس کا حائضہ ہونا تو بالیقین معلوم ہے اور مستحاضہ ہونا اس وقت ظاہر ہوگا جب کہ خون دس دن سے متجاوز ہو جائے پس چونکہ دس دن سے پہلے استحاضہ پر کوئی دلیل نہیں اس لئے اس کو غسل کر کے نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ ہاں اگر خون دس دن سے متجاوز ہو گیا تو ایام عادت کے بعد کی نمازوں کی قضاء کا حکم دیا جائے گا۔

اور متفق علیہ مسئلہ جس کو مصنفؒ نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر عورت کی عادت دس روز سے کم خون آنے کی تھی لیکن اس مرتبہ خون دس روز سے متجاوز ہو گیا تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ ایام عادت میں جو خون آیا وہ حیض شمار ہوگا اور جو خون ایام عادت سے زائد آیا ہے وہ استحاضہ کا خون ہوگا۔ دلیل حضور ﷺ کا قول الْمُسْتَحَاضَةُ تَذْغُ الصَّلَاةَ أَيَّامَ الْفَرَاغِ حَدِيثٌ فِي أَنَّهَا سَعَى الْمَرَادِ أَيَّامَ عَادَتِہَا ہيں پس حدیث کا مطلب یہ ہوگا مستحاضہ عورت اپنے ایام عادت میں نماز ترک کر دے۔ اور ایام عادت سے بعد کے دنوں میں نماز ترک نہ کرے۔

دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ ایام عادت سے زائد جو خون آتا ہے وہ ایسا ہے جیسا کہ دس دن سے زائد خون آیا ہو اور جو خون دس دن کے بعد آتا ہے وہ تمام احناف کے نزدیک استحاضہ کا خون ہے لہذا ایام عادت سے زائد جو خون آئے گا وہ بھی استحاضہ کا خون ہوگا۔ اور اگر ایسی عورت ہو کہ پہلے اس کو حیض نہ آیا تھا اسی حیض سے بالغ ہوئی مگر بالغہ ہو کر ہوئی یعنی جو حیض بلوغ کا آیا دس دن سے تجاوز کر گیا اور مستمر ہو گیا تو اس کا حیض ہر ماہ یقیناً دس دن ہوگا اور باقی استحاضہ ہے کیونکہ دس دن خون آ کر اگر منقطع ہو جاتا تو یہ پورے کا پورا یقیناً حیض ہوتا لیکن جب دس دن سے زائد ہو گیا تو اس بات میں شبہ ہو گیا کہ تین دن سے زائد حیض ہے یا نہیں پس یقینی چیز اس شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم۔ جمیل۔

## فصل

وَالْمُسْتَحَاضَةُ وَمَنْ بِهِ مَسْلَسُ الْبُولِ وَالرُّعَافُ الدَّائِمُ وَالْجُرُوحُ الَّتِي لَا يَرْقَأُ يَتَوَضَّئُونَ لَوَقْتِ

اور مستحاضہ اور وہ شخص جس کو مسلسل البول کا مرض ہو اور جس کو دائمی نکسیر ہو اور جس کو ایسا زخم ہو کہ نہ بھرتا ہو تو یہ لوگ ہر نماز کے وقت کیئے

كُلِّ صَلَاةٍ فَيُضَلُّونَ بِذَلِكَ الْوُضُوءِ فِي الْوَقْتِ مَا شَاءَ وَآمِنَ الْقَرَائِصِ وَالتَّوَجُّلِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ تَتَوَضَّأُ الْمُسْتَحَاضَةُ

وضو کریں پس اس وضو سے وقت کے اندر قرائص و توجُّل سے جو چاہیں پڑھیں۔ اور امام شافعی نے فرمایا کہ مستحاضہ ہر فریضہ

لِكُلِّ مَكْتُوبَةٍ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْمُسْتَحَاضَةُ تَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلَاةٍ وَلَآنَ إِعْتِبَارَ طَهَارَتِهَا

کیلئے وضو کرے اس لئے کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ مستحاضہ ہر نماز کے واسطے وضو کرے اور اس لئے کہ مستحاضہ کی طہارت کا اعتبار

ضَرُورَةٌ أَذَاءِ الْمَكْتُوبَةِ فَلَا تَبْقَى بَعْدَ الْفَرَغِ مِنْهَا وَلَنَّا قَوْلَهُ عَلَيْهِ

اداء فریضہ کی ضرورت کی وجہ سے ہے لہذا فریضہ سے فراغت کے بعد طہارت باقی نہ رہے گی۔ اور ہماری دلیل حضور ﷺ

السَّلَامُ الْمُسْتَحَاضَةُ تَتَوَضَّأُ لَوَقْتِ كُلِّ صَلَاةٍ وَهُوَ الْمُرَادُ بِالْأَوَّلِ لِأَنَّ اللَّامَ تُسْتَعَارُ لِلْوَقْتِ

کا فرمان ہے کہ مستحاضہ ہر نماز کے وقت کیلئے وضو کرے۔ اور اول روایت میں یہی معنی مراد ہیں کیونکہ لام وقت کے لئے مستعار لیا جاتا ہے

يُقَالُ آتَيْكَ لِصَلَاةِ الظُّهْرِ أَيْ وَقْتُهَا

کہا جاتا ہے کہ آتیک لصلوۃ الظہر یعنی لوقتہا یعنی میں تیرے پاس ظہر کی نماز کے وقت آؤں گا

وَلَآنَ الْوَقْتُ أَقِيمَ مَقَامَ الْأَذَاءِ تَيْسِيرًا فَيُذَارُ الْحُكْمُ عَلَيْهِ

اور اس لئے کہ آسانی کیلئے وقت کو ادا کے قائم مقام کر دیا گیا ہے لہذا حکم کا مدار وقت پر ہوگا

**مستحاضہ، سلسل البول والاہداگی نکسیر اور ایسے زخم والا جو بھرتا نہیں ان کے لئے طہارت کا حکم**

تشریح :- حیض چونکہ استحاضہ اور نفاس کے مقابلہ میں کثیر الوقوع ہے اس لئے اس کو پہلے بیان کیا حیض کے احکام کے بعد استحاضہ کا حکم بیان کیا ہے کیونکہ نفاس کی بہ نسبت کثرت اسباب کے اعتبار سے استحاضہ کثیر الوقوع ہے کیونکہ عورت کبھی تو اس لئے مستحاضہ ہوتی ہے کہ اس نے حالت حمل میں خون دیکھا ہے اور کبھی اس لئے کہ خون دس دن سے زائد آیا ہے یا عادت معروفہ سے زائد آیا اور دس دن سے تجاوز کر گیا اور کبھی تین دن سے کم خون آنے کی وجہ سے مستحاضہ ہوتی ہے، اور کبھی اس لئے مستحاضہ ہوتی ہے کہ مدت طہر مکمل ہونے سے پہلے خون آگیا ہے یا علامۃ العلماء کے مذہب کے مطابق نو سال کی عمر سے پہلے خون آگیا تو یہ بھی استحاضہ ہوگا۔

اس کے برخلاف نفاس کہ اس کا صرف ایک سبب ہے یعنی بچہ کی ولادت۔

مسئلہ یہ ہے کہ مستحاضہ عورت اور جس کو پیشاب آنا نہ تھمتا ہو اور جس کو دائمی نکسیر ہو اور جس کے ایسا زخم ہو کہ اس سے خون نہیں رکتا ان معذورین کے بارے میں ہمارے نزدیک یہ حکم ہے کہ اس وضو سے وقت کے اندر اندر جتنی چاہے نمازیں پڑھے وہ نمازیں خواہ فرض ہوں یا نفل، واجب ہوں یا نذر کی نمازیں ہوں۔

اور امام شافعیؒ کے نزدیک ہر فرض نماز کے لئے وضو کرے یعنی معذور ایک وضو سے ایک فرض ادا کر سکتا ہے متعدد فرض ادا نہیں کر سکتا۔ امام شافعیؒ کی دلیل حدیث الْمُسْتَحَاضَةُ تَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلَاةٍ ہے یعنی مستحاضہ ہر نماز کیلئے وضو کرے۔ حضرت امام شافعیؒ پر اعتراض ہو سکتا ہے کہ حدیث میں لفظ صَلَاةٌ عام ہے فرض ہو یا غیر فرض ہو۔ لہذا فرض کے ساتھ مقید کرنا کیسے درست ہوگا۔ جواب لِكُلِّ صَلَاةٍ میں لفظ صَلَاةٌ مطلق ہے اور قاعدہ ہے کہ الْمُطْلَقُ يَنْصَرِفُ إِلَى الْفَرْدِ الْكَامِلِ اور نماز کا فرد کامل فرض ہوتا ہے نہ کہ غیر فرض اس لئے صَلَاةٌ سے فرض نماز مراد لی گئی ہے نہ کہ مطلق نماز۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ معذور کی طہارت کا اعتبار ادائے فرض کی وجہ سے ہے اس لئے فرض سے فراغت کے بعد طہارت باقی نہ رہے گی۔ اور ہماری دلیل حضور ﷺ کا قول الْمُسْتَحَاضَةُ تَتَوَضَّأُ لَوْقَتِ كُلِّ صَلَاةٍ ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِفَاطِمَةَ بِنْتِ أَبِي حَبِشٍ تَوَضَّئِي لَوْقَتِ كُلِّ صَلَاةٍ ان دونوں حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ مستحاضہ ہر نماز کے وقت کیلئے وضو کرے گی۔

اور امام شافعیؒ کی پیش کردہ روایت کا جواب یہ ہے کہ لِكُلِّ صَلَاةٍ میں لام وقت کے معنی میں ہے جیسے اَكْبَرُ الصَّلَاةِ لَدُنَا الْفَتْنِیْنِ میں لام وقت کے لئے ہے۔ اور جیسے حضور ﷺ کے قول إِنَّ لِلصَّلَاةِ أَوَّلًا وَآخِرًا میں لام وقت کے لئے ہے یعنی نماز کے وقت کا اول بھی ہے اور آخر بھی۔ اور جیسے کہا جاتا ہے آتِیْكَ لِصَلَاةِ الظُّهْرِ میں تیرے پاس ظہر کے وقت آؤں گا۔ حاصل جواب یہ ہے کہ امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث از قبیلہ نص ہے اور ہم نے جو حدیث پیش کی ہے وہ مفسر ہے اور نص اور مفسر کے درمیان تعارض کی صورت میں مفسر کو ترجیح ہوتی ہے۔

ہماری طرف سے عقلی دلیل یہ ہے کہ آسانی کے پیش نظر وقت کو اداء کے قائم مقام کیا گیا ہے لہذا حکم کا مدار وقت پر ہو گا نہ کہ اداء پر کیونکہ جب ایک چیز دوسری چیز کے قائم مقام ہوتی ہے تو مقصود وہی ہوتی ہے۔

وَإِذَا خَرَجَ الْوَقْتُ بَطَلَ وَضُوءُهُمْ وَاسْتَأْنَفُوا الْوُضُوءَ لِصَلَاةٍ أُخْرَى وَهَذَا عِنْدَ أَصْحَابِنَا الثَّلَاثَةِ

اور جب وقت نکل جائے تو ان معذوروں کا وضو باطل ہو جائے گا اور دوسری نماز کیلئے نئے سرے سے وضو کریں اور یہ حکم ہمارے اصحاب ثلاثہ کے نزدیک ہے

وَقَالَ زُفَرٌ اسْتَأْنَفُوا إِذَا دَخَلَ الْوَقْتُ فَإِنْ تَوَضَّأُوا حِينَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ

اور امام زقرنے کہا کہ جب وقت داخل ہو تو جدید وضو کریں پس اگر وہ (معذورین) طلوع آفتاب کے وقت وضو کریں

أَجْزَأُ لَهُمْ حَتَّى يَنْهَبَ وَقْتُ الظُّهْرِ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَزُفَرٌ

تو ان کو کافی ہو گا یہاں تک کہ ظہر کا وقت چلا جائے اور یہ حکم امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ اور امام زقرنے کہا

أَجْزَأَهُمْ حَتَّى يَدْخُلَ وَقْتُ الظُّهْرِ وَحَاصِلُهُ أَنَّ طَهَارَةَ الْمَعْدُورِ تَنْقَضُ بِخُرُوجِ الْوَقْتِ بِالْحَدِيثِ السَّابِقِ

کہ ان کو کافی ہوگا یہاں تک کہ ظہر کا وقت داخل ہو جائے اور حاصل کلام یہ کہ طرفین کے نزدیک معذور کی طہارت حدیث سابق کی وجہ سے

عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَبِدْخُولِ الْوَقْتِ عِنْدَ زُفَرٍ وَبَابَيْهِمَا كَانَ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ

خروج وقت سے ٹوٹ جاتی ہے اور امام زفر کے نزدیک دخول وقت سے اور امام ابو یوسف کے نزدیک ان دونوں میں سے کسی سے

وَقَائِدَةُ الْإِخْتِلَافِ لَا تَظْهَرُ إِلَّا فِيمَنْ تَوَضَّأَ قَبْلَ الزَّوَالِ كَمَا ذَكَرْنَا أَوْ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ

اور اختلاف کا قائدہ نہیں ظاہر ہوگا مگر ایسے معذور کے حق میں جس نے زوال سے پہلے وضو کیا جیسا کہ ہم ذکر کر چکے یا طلوع آفتاب سے پہلے (وضو کیا)

لِزُفَرٍ أَنَّ إِعْتِبَارَ الطَّهَارَةِ مَعَ الْمُنَافِي لِلْحَاجَةِ إِلَى الْإِذَاءِ وَلَا حَاجَةَ قَبْلَ الْوَقْتِ

امام زفر کی دلیل یہ ہے کہ منافعی کے ہوتے ہوئے طہارت کا مستحکم ہونا ادائے فریضہ کی حاجت کی وجہ سے ہے۔ اور وقت سے پہلے کوئی حاجت نہیں ہے

فَلَا تُعْتَبَرُ وَلَا بِأَبِي يُوسُفَ أَنَّ الْحَاجَةَ مَقْصُورَةٌ عَلَى الْوَقْتِ

اس لئے (وقت سے پہلے) طہارت مستحکم ہوگی۔ اور امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ حاجت طہارت وقت پر منحصر ہے

فَلَا يُعْتَبَرُ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ وَلَهُمَا أَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ تَقْدِيمِ الطَّهَارَةِ عَلَى الْوَقْتِ لِيَتِمَّ كُنْ

لہذا اس سے پہلے مستحکم ہوگی اور اس کے بعد اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ وقت پر طہارت کو مقدم کرنا ضروری ہے تاکہ وہ وقت

مِنَ الْإِذَاءِ كَمَا دَخَلَ الْوَقْتُ وَخُرُوجِ الْوَقْتِ دَلِيلُ زَوَالِ الْحَاجَةِ فَظَهَرَ إِعْتِبَارُ الْحَدِيثِ عِنْدَهُ

کے داخل ہوتے ہی اداہ پر قادر ہو سکے، اور وقت کا نکل جانا زوال حاجت کی دلیل ہے تو اس وقت حدیث کا مستحکم ہونا ظاہر ہوا

وَالْمُرَادُ بِالْوَقْتِ وَقْتُ الْمَفْرُوضَةِ حَتَّى لَوْ تَوَضَّأَ الْمَعْدُورُ لِصَلَاةِ الْعِيدِ لَهُ أَنْ يُصَلِّيَ

اور وقت سے مراد مفروضہ نماز کا وقت ہے حتیٰ کہ اگر معذور نے عید کی نماز کیلئے وضو کیا تو طرفین کے نزدیک اسے اختیار ہے کہ

الظُّهْرَ بِهِ عِنْدَهُمَا وَهُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّهَا بِمَنْزِلَةِ صَلَاةِ الصُّحَى وَلَوْ تَوَضَّأَ مَرَّةً لِلظُّهْرِ

اس وضو سے ظہر کی نماز پڑھے اور بھی قبول صحیح ہے کیونکہ عید کی نماز بمنزل پاشت کی نماز کے ہے۔ اور اگر معذور نے ظہر کے وقت میں ایک بار ظہر

فِي وَقْتِهِ وَأُخْرَى فِيهِ لِلْعَصْرِ فَعِنْدَهُمَا لَيْسَ لَهُ أَنْ يُصَلِّيَ الْعَصْرَ

کی نماز کیلئے وضو کیا اور دوسری بار ظہر کے وقت میں عصر کے لئے وضو کیا تو طرفین کے نزدیک اسے اس وضو سے عصر کی نماز پڑھنے

بِهِ لَا نِقَاصَ بِخُرُوجِ وَقْتِ الْمَفْرُوضَةِ وَالْمُسْتَحَاضَةُ هِيَ الَّتِي لَا يَمُضِي عَلَيْهَا وَقْتُ صَلَاةٍ

کا اختیار نہیں ہے کیونکہ مفروضہ ظہر کا وقت نکلنے سے وضو ٹوٹ گیا۔ اور مستحاضہ عورت وہ ہے جس پر کوئی فرض نماز کا وقت نہ گزرے

إِلَّا وَالْحَدَّثُ الَّذِي أُتِيْلَتْ بِهِ يُوجَدُ فِيهِ وَكَلًا كُلُّ مَنْ هُوَ فِي مَعْنَاهَا

۔ مگر اس حالت سے کہ جس حدیث میں وہ جملہ ہو وہ اس میں پایا جائے۔ اور اسی طرح ہر وہ معذور جو مستحاضہ کے متنی میں ہو

وَهُوَ مَنْ ذَكَرْنَاهُ وَمَنْ بِهِ اسْتِطْلَاقُ بَطْنٍ وَانْفِلَاتُ رِيحٍ

اور یہ وہ ہیں جن کو ہم نے ذکر کیا اور وہ بھی جس کو پیٹ چلنے کی اور بے اختیار ریح نکلنے کی

لِأَنَّ الضَّرُورَةَ بِهَذَا تَتَحَقَّقُ وَهِيَ تَعْمُ الْكُلَّ

بیماری ہو کیونکہ ضرورت اس عذر کے ساتھ بھی تحقق ہو جاتی ہے اور ضرورت سب کو عام ہے

معذورین کا وضو خروج وقت سے باطل ہو گا یا نہیں اور استیناف وضو

کا حکم، اقوال فقہاء

تشریح :- صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب فرض نماز کا وقت نکل گیا تو ان معذورین کا وضو باطل ہو جائے گا۔ اب اگر کوئی دوسری فرض نماز پڑھنا چاہے تو اس کیلئے نیا وضو کرنا ضروری ہو گا یہ حکم ہمارے علمائے ثلاثہ کے نزدیک ہے۔ اور امام زفرؒ نے فرمایا ہے کہ جب دوسری نماز کا وقت داخل ہو تو نیا وضو کریں گویا امام زفرؒ کے نزدیک دوسرے وقت کا داخل ہونا ناقض ہے نہ کہ پہلے وقت کا خارج ہونا پس اگر کسی معذور نے سورج نکلنے کے وقت وضو کیا تو طرفین کے نزدیک اس کا یہ وضو کافی ہو گا یہاں تک کہ ظہر کا وقت نکل جائے یعنی اس وضو سے ظہر کی فرض نماز پڑھ سکتا ہے کیونکہ اس صورت میں ظہر کے وقت کا داخل ہونا تو پایا گیا لیکن کسی وقت کا خارج ہونا نہیں پایا گیا حالانکہ طرفین کے نزدیک خروج وقت ناقض ہے نہ کہ دخول وقت۔

امام ابو یوسفؒ اور امام زفرؒ نے کہا کہ یہ وضو وقت ظہر کے داخل ہونے تک کافی ہو گا یعنی ظہر کا وقت داخل ہونے سے پہلے پہلے یہ وضو باقی رہے گا ظہر کا وقت داخل ہونے کے بعد اگر نماز پڑھنا چاہے تو نیا وضو کرنا ضروری ہو گا۔ اس مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ طرفین کے نزدیک معذور کے وضو کا ناقض خروج وقت ہے نہ کہ دخول وقت امام زفرؒ کے نزدیک دخول وقت ناقض ہے نہ کہ خروج وقت۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دونوں ناقض ہیں دخول وقت ہو یا خروج وقت ہر دونوں صورتوں میں معذور کی طہارت ٹوٹ جائے گی۔

واضح ہو کہ حقیقتاً نہ دخول وقت ناقض ہے اور نہ خروج وقت بلکہ حدیث سابق ناقض ہے لیکن چونکہ وقت مانع تھا اس لئے جب وقت زائل ہو گیا تو حدیث کا اثر ظاہر ہو گیا اس لئے وضو ٹوٹنے کی نسبت مجازاً دخول وقت اور خروج وقت کی طرف کردی گئی ہے۔

صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ اس اختلاف کا ثمرہ دو صورتوں میں ظاہر ہو گا (۱) یہ کہ کسی معذور نے سورج ڈھلنے سے پہلے



وضو کیا تو اب ظہر کا وقت داخل ہوگا اور کسی فرض نماز کا وقت خارج ہوگا۔ تو امام ابو یوسفؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک ظہر کا وقت داخل ہونے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور امام ابو حنیفہؒ و امام محمدؒ کے نزدیک کسی فرض نماز کے وقت کا ٹکنا نہیں پایا گیا اس لئے وضو نہیں ٹوٹے گا۔

(۲) یہ کہ معذور نے سورج نکلنے سے پہلے وضو کیا پس سورج نکلنے کے بعد چونکہ خروج وقت پایا گیا اس لئے طرفین کے نزدیک وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور امام زفرؒ کے قول کی بناء پر چونکہ کسی فرض نماز کا وقت داخل نہیں ہوا اس لئے وضو نہیں ٹوٹے گا۔

امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ ایسی چیز کے ہوتے ہوئے جو طہارت کے منافی ہے طہارت کا معتبر ہونا صرف اداۓ فرض کی حاجت کی وجہ سے ہے اور اداۓ فرض کے وقت سے پہلے چونکہ کوئی حاجت نہیں اس لئے وقت سے پہلے طہارت معتبر نہ ہوگی۔ پس جب فرض نماز کا وقت داخل ہوگا تو طہارت کرنی ضروری ہوگی۔ لہذا معلوم ہوا کہ وقت داخل ہونے سے پہلے طہارت ٹوٹ جاتی ہے۔ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ طہارت کی حاجت منحصر ہے وقت پر کیونکہ فرض نماز کا وقت ادا کے قائم مقام ہے اس لئے طہارت نہ وقت سے پہلے معتبر ہوگی اور نہ وقت کے بعد۔ پس معلوم ہوا کہ معذور کی طہارت کیلئے خروج وقت بھی ناقض ہے اور دخول وقت بھی اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ طہارت کا وقت پر مقدم کرنا ضروری ہے تاکہ وقت داخل ہوتے ہی نماز ادا کرنے پر قادر ہو جائے۔ حاصل یہ کہ وقت اداء کے قائم مقام ہے اور طہارت کا اداۓ نماز پر مقدم کرنا واجب ہے۔ پس قیاس کا مقتضی یہ تھا کہ اداء کے خلیفہ یعنی وقت پر بھی طہارت کا مقدم کرنا واجب ہو لیکن خلیفہ کا مرتبہ اصل کے مرتبہ سے کمتر کرنے کیلئے خلیفہ پر طہارت کی تقدیم کو جائز رکھا گیا پس جب وقت پر طہارت کا مقدم کرنا جائز ہو تو دخول وقت ناقض نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ اگر دخول وقت کو ناقض مان لیا جائے تو طہارت کا وقت پر مقدم کرنا ممکن نہیں رہے گا۔ اور خروج وقت چونکہ زوال حاجت کی دلیل ہے تو اس وقت میں حدیث سابق کا معتبر ہونا معلوم ہوا لہذا خروج وقت ہوتے ہی متوضی کا وضو ٹوٹ جائے گا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ جس وقت کے داخل ہونے اور خارج ہونے کا اعتبار کیا گیا ہے اس سے مراد فرض نماز کا وقت ہے نہ کہ لوافل اور واجبات کا حتیٰ کہ اگر معذور نے نماز عید کے لئے وضو کیا تو طرفین کے نزدیک اس کو اس وضو سے ظہر کی نماز پڑھنے کی اجازت ہے اور یہی صحیح قول ہے کیونکہ عید کی نماز بمنزلہ چاشت کی نماز کے ہے یعنی فرض نہ ہونے میں عید اور چاشت کی نماز ایک ہی مرتبہ میں ہیں اگرچہ عید کی نماز واجب ہے۔ پس وقت مفروضہ نہ نکلنے کی وجہ سے اس کا وضو نہیں ٹوٹا اس لئے اس کو اس وضو سے ظہر کی نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے۔

اور بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اس وضو سے اس کو ظہر کی نماز پڑھنے کا اختیار نہیں ہے کیونکہ صلاۃ واجبہ کا وقت نکل گیا اس لئے کہ عید کی نماز واجب ہے اور واجب بمنزلہ فرض کے ہوتا ہے اور اگر معذور نے ایک بار ظہر کے وقت میں ظہر کی نماز کے لئے وضو کیا اور پھر دوبارہ ظہر کے وقت میں عصر کی نماز کے لئے وضو کیا تو طرفین کے نزدیک اس کو یہ اختیار نہیں کہ اس وضو سے عصر کی نماز پڑھے کیونکہ فرض نماز یعنی ظہر کا وقت نکلنے سے وضو ٹوٹ گیا یہی حکم تمام ائمہ کے نزدیک ہے۔ کیونکہ اس صورت میں خروج وقت کے ساتھ

ساتھ دخول وقت عصر بھی پایا گیا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وقت ظہر اور وقت عصر کے درمیان مہمل وقت نہیں ہوتا بلکہ ظہر کا وقت ختم ہوتے ہی عصر کا وقت آجاتا ہے۔

وَالْمُسْتَحَاضَةُ هِيَ الَّتِي الْخ سے مستحاضہ کی تعریف بیان کی گئی ہے چنانچہ فرمایا کہ مستحاضہ وہ عورت ہے جس پر فرض نماز کا وقت نہ گزرے مگر اس حالت سے کہ جس حدث میں وہ مبتلا ہوئی ہے وہ اس میں پایا جائے۔ اور یہی حکم اس معذور کا ہے جو مستحاضہ کے معنی میں ہو جیسے وہ شخص جس کا پیشاب نہ تھمے اور جس کی نکیر نہڑ کے اور جس کی جراثیم نہ تھمے۔ اور وہ بھی معذور ہے جس کو پیٹ چلنے کی بیماری ہو یعنی اسہال کی بیماری ہو، اور بے اختیار ریح نکلنے کی بیماری ہو کیونکہ ضرورت ان اعذار کے ساتھ متحقق ہو جاتی ہے اور ضرورت سب کو عام ہے پس ان میں سے ہر ایک معذور کے حکم میں ہوا۔ واللہ اعلم۔ جمیل۔

## فصل فی النفاس

(یہ فصل نفاس (کے احکام کے بیان) میں ہے)

وَالنِّفَاسُ هُوَ الدَّمُ الْخَارِجُ عَقِيبَ الْوِلَادَةِ لِأَنَّهُ مَا خُوِذَ مِنْ تَنَفُّسِ الرَّحْمِ بِالدَّمِ

اور نفاس وہ خون ہے جو ولادت کے بعد نکلے کیونکہ نفاس تنفس الرحم بالدم سے ماخوذ ہے

أَوْ مِنْ خُرُوجِ النَّفْسِ بِمَعْنَى الْوَلَدِ أَوْ بِمَعْنَى الدَّمِ

یا نفاس خروج نفس سے ماخوذ ہے خواہ نفس بچہ کے معنی میں ہو یا خون کے معنی میں

## نفاس کی تعریف، نفاس کے احکام

تشریح:- نفاس، لون کے فتح اور کسرہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے جو خون عورت کے ساتھ مختص ہیں وہ تین ہیں (۱) حیض (۲) استحاضہ (۳) نفاس، حیض اور استحاضہ کے احکام سے فراغت کے بعد اب اس فصل میں تیسری قسم نفاس کو بیان فرمایا ہے۔ نفاس مصدر ہے نَفَسَتِ الْمَرْأَةُ کا (لون کے ضمہ اور فتح کے ساتھ) اور بھی نفاس، نَفَسَاء کی جمع کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ فقہاء کی اصطلاح میں نفاس اس خون کو کہتے ہیں جو ولادت کے بعد نکلا ہو۔

علامہ ابن الہمام نے لکھا ہے کہ قدوری کی عبارت سے مستفاد ہوتا ہے کہ اگر عورت نے بچہ جتا اور خون نہیں دیکھا تو یہ نَفَسَاء نہیں ہوگی اور اس پر غسل واجب نہیں ہوگا۔ یہی صاحبین سے مروی ہے۔

البتہ حضرت امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ اس پر احتیاطاً غسل واجب ہوگا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ تھوڑا بہت خون نکل گیا ہو مگر اس کو نظر نہ آیا ہو۔ اور ظاہر ہے کہ جو غسل کا تعلق خون نکلنے کے ساتھ ہے نہ کہ دیکھنے کے ساتھ۔

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ یہی امام مالکؒ و امام شافعیؒ کے نزدیک اس ہے۔

وَالَّذِي تَرَاهُ الْحَامِلُ ابْتِدَاءً أَوْ خَالَ وَلَدَتِهَا قَبْلَ خُرُوجِ الْوَلَدِ اسْتِحَاضَةً وَإِنْ كَانَ مُعْتَدًا

اور وہ خون جسے حاملہ ابتداء میں دیکھے یا ولادت کی حالت میں بچہ نکلنے سے پہلے (دیکھے) تو وہ استحاضہ ہے اگرچہ وہ خون مہر ہو

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ خَيْضٌ اِعْتِبَارًا بِالنِّفَاسِ اِذَا هُمَا جَمِيعًا مِنَ الرَّحِمِ وَلَنَا اَنْ بِالْحَبْلِ يَنْسَدُ

اور امام شافعیؒ نے نفاس پر قیاس کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ حیض ہے کیونکہ یہ دونوں رحم سے ہیں اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حمل کی وجہ سے رحم کا منہ

لَمْ الرَّحِمِ كَذَا الْعَادَةِ وَالنِّفَاسُ بَعْدَ انْفِتَاحِهِ بِخُرُوجِ الْوَلَدِ وَلِهَذَا كَانَ نِفَاسًا بَعْدَ خُرُوجِ بَعْضِ

بند ہو جاتا ہے عادت اسی طرح ہے اور نفاس بچہ کے نکلنے کے ساتھ رحم کا منہ کھلنے کے بعد وہ ہوتا ہے اور اسی وجہ سے بچہ کا ایک جز نکلنے

الْوَلَدِ فِيمَا يُرْوَى عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ لِأَنَّهُ يَنْفَتِحُ لِيَتَنَفَّسَ بِهِ

کے بعد وہ خون نفاس ہوتا ہے اس روایت میں جو ابو حنیفہؒ اور محمدؒ سے مروی ہے اس لئے کہ رحم کا منہ کھل جاتا ہے پس اس کی وجہ سے رحم خون اُگلے گا

## حاملہ کو بچے کی ولادت سے پہلے آنے والا خون استحاضہ ہے

نشریح :- مسئلہ یہ ہے کہ اگر حاملہ عورت نے خون دیکھا حمل کی حالت میں یا بچہ پیدا ہونے سے پہلے ولادت کی حالت میں تو یہ خون ہمارے نزدیک استحاضہ ہوگا اگرچہ یہ خون حیض کی عادت کو پہنچ جائے۔ اور حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ یہ حیض ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل قیاس ہے وہ اس خون کو نفاس پر قیاس کرتے ہیں جس کی صورت یہ ہے کہ ایک عورت نے بطن واحد میں دو بچے جنے، پھر اس نے پہلا بچہ جننے کے بعد دوسرا بچہ پیدا ہونے سے پہلے خون دیکھا تو یہ خون نفاس کہلاتا ہے یعنی شیخین کے نزدیک امام محمدؒ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک دوسرے بچے سے نفاس ہوگا حالانکہ وہ تو یہ عورت دوسرے بچہ کے حق میں حاملہ ہے۔

پس جس طرح یہ خون بحالت حمل نفاس ہے اسی طرح یہاں بحالت حمل جو خون نکلا ہے وہ حیض ہوگا اور علت جامعہ دونوں

کا رحم سے نکلنا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حیض رحم کا خون ہوتا ہے اور رحم کا خون حاملہ عورت سے ممکن نہیں ہے کیونکہ عادت اللہ یہ ہے کہ حمل کی وجہ سے رحم کا منہ بند ہو جاتا ہے تا کہ رحم کے اندر کی چیز نہ نکلے پس جب حاملہ کے رحم کا منہ بند رہتا ہے تو حالت حمل میں جو خون نکلے گا وہ رحم کے علاوہ سے ہوگا اور رحم کے علاوہ سے جو خون آتا ہے وہ استحاضہ ہے اس لئے یہ خون استحاضہ ہوگا اور اس خون کو نفاس پر قیاس کرنا فاسد ہے کیونکہ بچہ پیدا ہونے کی وجہ سے رحم کا منہ کھل گیا اور رحم کا منہ کھلنے کے بعد جو خون آتا ہے وہ بلاشبہ نفاس ہوتا ہے چنانچہ ولید اول کے نکلنے کے بعد اور ولید ثانی کے نکلنے سے پہلے جو خون دیکھا گیا وہ نفاس کا خون ہوگا یہی وجہ ہے کہ اگر بچہ کا بیشتر حصہ نکلنے کی وجہ

سے خون آیا تو طرفین کی روایت کے مطابق یہ نفاس کا خون ہوگا۔ اس لئے کہ اکثر ولد کے نکلنے کی وجہ سے رحم کا منہ کھل کر نفاس کا خون آنے لگتا ہے۔

وَالسَّقَطُ الَّذِي اسْتَبَانَ بَعْضُ خَلْقِهِ وَلَدٌ حَتَّى تَصِيرَ بِهِ نَفْسَاءُ

اور وہ ناتمام بچہ جس کی بعض خلقت ظاہر ہو جائے تو وہ ولد ہے حتیٰ کہ اس کی وجہ سے عورت نساء ہو جائے گی

وَتَصِيرُ الْأَمَةُ أُمَّ وَلَدٍ بِهِ وَكَذَا الْعِدَّةُ تَنْقَضِي بِهِ

اور (حتیٰ کہ) باندی اس کی وجہ سے ام ولد ہو جائے گی اور اسی طرح اس کی وجہ سے (حاملہ کی) عدت پوری ہو جائے گی

## ناتمام بچہ جننے سے عورت نفاس والی ہوگی

تشریح:- مسئلہ ناتمام بچہ جس کی بعض خلقت ظاہر ہوگئی مثلاً انگلی، ناخن یا بال وغیرہ تو یہ ولد تام کے حکم میں ہوگا یعنی عورت اس کے جننے سے نفاس والی ہو جائے گی اور اگر یہ کسی کی باندی ہے تو اس کی وجہ سے ام ولد ہو جائے گی، اور اگر یہ مطلقہ تھی تو اس کی وجہ سے عدت پوری ہو جائے گی کیونکہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہوتی ہے اور اگر صرف توہمزا ہو اس کی کوئی خلقت ظاہر نہ ہوئی ہو تو اس عورت کے حق میں نفاس کا حکم ظاہر نہیں ہوگا پھر اس عورت نے اگر خون دیکھا اور اس کو حیض قرار دینا بھی ممکن ہو پائیں طور کہ اقل مدت حیض کو پہنچ جائے تو اس کو حیض قرار دیا جائے گا اور اگر حیض قرار دینا ممکن نہ ہو تو استحاضہ ہوگا۔

وَأَقْلُ النَّفَاسِ لَا حَدَّ لَهُ لِأَنَّ تَقْلُمَ الْوَلَدِ عِلْمُ الْخُرُوجِ مِنَ الرَّحِمِ فَأَغْنَى عَنْ إِمْتِدَادٍ

اور اقل نفاس کی کوئی حد نہیں ہے کیونکہ بچہ کا مہدم ہونا رحم سے نکلنے کی علامت ہے پس ایسے امتداد سے بے پروا کر دیا

جُعِلَ عِلْمًا عَلَيْهِ بِخِلَافِ الْحَيْضِ وَكَثْرَةُ أَرْبَعُونَ يَوْمًا وَالزَّائِدُ عَلَيْهِ اسْتِحَاضَةٌ

جس کو اس پر علامت قرار دیا جائے بخلاف حیض کے اور اکثر مدت نفاس چالیس روز ہیں اور اس پر جو خون زائد ہو وہ استحاضہ ہے

لِحَدِيثِ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَفَ لِلنَّفَسَاءِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا

کیونکہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے نفاس والی کیلئے چالیس روز وقت مقرر کیا

وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ فِي إِبْتِغَاءِ السَّيِّئِ

اور یہ حدیث امام شافعی کے خلاف ماثمہ دن کا اعتبار کرنے میں حجت ہے

## نفاس کی کم سے کم مدت

تشریح:- ہمارے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ نفاس کی اقل مدت کی کوئی انتہا نہیں ہے چنانچہ اگر عورت نے بچہ جٹا اور

ایک ساعت خون آکر بند ہو گیا تو یہ عورت پاک ہو گئی پس اب روزہ بھی رکھے گی اور نماز بھی پڑھے گی۔ البتہ ہمارے علماء کے درمیان اس صورت میں اختلاف ہے کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا اِذَا وَلَدْتَ فَأَنْتِ طَالِقٌ پس بیوی نے کہا کہ میری عدت پوری ہو گئی تو اب بچہ پیدا ہونے کے بعد تین حیض کے ساتھ اقل نفاس کی مقدار کا اعتبار کرنے میں اختلاف ہے۔

چنانچہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اقل نفاس میں ۲۵ روز معتبر ہیں۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک گیارہ روز معتبر ہیں۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک ایک ساعت معتبر ہے۔ حاصل یہ کہ نماز اور روزہ کے حق میں نفاس کی کوئی اقل مدت نہیں ہے البتہ عدت پوری ہونے کے حق میں اقل مدت نفاس کا اعتبار کیا گیا ہے جیسا کہ اوپر اختلاف گذرا۔

نفاس کی اقل مدت کی انتہا نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ بچہ کا پیدا ہونا اس بات کی علامت ہے کہ یہ خون رحم سے آیا ہے اور بچہ کی پیدائش کے بعد جو خون رحم سے آتا ہے وہ نفاس کہلاتا ہے لہذا اب کسی احتیادی علامت کی ضرورت نہیں ہے اس کے برخلاف حیض ہے کہ اس میں کم از کم تین روز ہونا شرط ہے تا کہ اس خون کا رحم سے ہونا معلوم ہو جائے کیونکہ اس کے حیض ہونے پر اور کوئی علامت نہیں ہے۔ اور نفاس کی اکثر مدت میں اختلاف ہے ہمارے نزدیک چالیس یوم ہیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک ساٹھ یوم ہیں۔ امام شافعیؒ امام اوزاعیؒ کے قول سے استدلال کرتے ہیں، فرمایا کہ ہمارے زمانے میں عورتیں دو ماہ نفاس کا خون دیکھتی تھیں۔ اور ربیعہؒ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ عورت کو زیادہ سے زیادہ ساٹھ روز نفاس کا خون آتا ہے۔

ہماری دلیل ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے: **إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَكَانَتْ لِلنِّفَاسِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا**۔ ابو داؤد اور ترمذی میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ ہے: **قَالَتْ كَانَتْ النَّفْسَاءُ تَقْعُدُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَرْبَعِينَ يَوْمًا** حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ نفاس والی عورت حضور ﷺ کے زمانے میں چالیس روز بیٹھتی تھی۔ ہمارا یہ مذہب ام سلمہؓ کے علاوہ ابن عمرؓ، عائشہؓ، ام حبیبہؓ اور ابو ہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بات ان حضرات صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سن کر فرمائی ہوگی۔ پس یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ کے خلاف حجت ہوگی۔ اور امام شافعیؒ کا مذہب نہ حدیث سے ثابت ہے اور نہ صحابی کے قول سے بلکہ بعض تابعین کے قول سے ثابت ہے۔

اور عقلی بات یہ ہے کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اکثر مدت نفاس، اکثر مدت حیض کا چار گونہ ہوتا ہے اور باب النجس میں یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ہمارے نزدیک حیض کی اکثر مدت دس دن ہے لہذا اس کا چار گونہ یعنی ۴۰ دن اکثر مدت نفاس ہوگی۔ اور چونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک حیض کی اکثر مدت پندرہ دن ہیں لہذا اس کا چار گونہ یعنی ساٹھ دن ان کے نزدیک اکثر مدت نفاس ہوگی۔

**وَلَوْ جَاوَزَ الدَّمُ الْأَرْبَعِينَ وَكَانَتْ وَلَدَتْ قَبْلَ ذَلِكَ وَلَهَا عَادَةٌ فِي النِّفَاسِ**

اور اگر خون نے چالیس دن سے تجاوز کیا۔ اور حال یہ ہے کہ یہ عورت اس سے پہلے بھی جن چکی ہے اور اس کیلئے نفاس میں عادت (معروضہ) ہے

**رُدَّتْ إِلَى أَيَّامِ عَادَتِهَا لِمَا بَيَّنَّا فِي الْحَيْضِ**

تو وہ اپنے ایام عادت کی طرف پھیری جائے گی اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے حیض میں بیان کی ہے

وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهَا عَادَةٌ فَاِبْتَدَاءُ نَفَاسِهَا أَرْبَعُونَ يَوْمًا لِأَنَّهُ امْكُنْ جَعَلَهُ نَفَاسًا

اور اگر اس عورت کی کوئی عادت (معروفہ) نہ ہو تو اسکی نفاس کی ابتدا چالیس دن ہیں کیونکہ چالیس کو نفاس قرار دیا ممکن ہے۔

## چالیس دن سے خون تجاوز کر جائے تو معتادہ کو عادت کی طرف لوٹایا جائے گا

تشریح :- صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کو ولادت کے بعد چالیس روز سے زائد خون آیا تو اب یہ دیکھنا ہے کہ اس عورت کی نفاس کے سلسلہ میں کوئی عادت ہے یا نہیں اگر عادت ہے تو ایام عادت کی مدت نفاس شمار ہوگا اور باقی استحاضہ، دلیل باب الجھش میں گذر چکی۔ اور اگر اس کی کوئی عادت معروفہ نہ ہو تو اس صورت میں چالیس روز نفاس کے ہوں گے اور باقی ایام میں استحاضہ ہوگا کیونکہ چالیس دن کو نفاس کی مدت قرار دینا ممکن بھی ہے اور اس سے کم مشکوک ہے اس لئے مدت نفاس چالیس روز رہے گی۔

فَإِنْ وَلَدَتْ وَلَدَيْنِ لَيْلَى بَطْنٍ وَاحِدٍ فَنَفَاسُهَا مِنَ الْوَلَدِ الْأَوَّلِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَإِنْ كَانَ بَيْنَ

پھر اگر عورت ایک پیٹ میں دو بچے جنے تو اس کا نفاس شیخین کے نزدیک اول بچے سے شروع ہوگا اگرچہ دونوں بچوں

الْوَلَدَيْنِ أَرْبَعُونَ يَوْمًا وَقَالَ مُحَمَّدٌ مِنَ الْوَلَدِ الْآخِرِ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرٍ

کے درمیان چالیس دن کا (فاصلہ) ہو۔ اور امام محمد نے کہا کہ دوسرے بچے سے (نفاس کی ابتدا ہوگی) اور یہی امام ذہبی کا قول ہے

لِأَنَّهَا حَامِلٌ بَعْدَ وَضْعِ الْأَوَّلِ فَلَا تَصِيرُ نَفْسَاءَ كَمَا أَنَّهَا لَا تَحِيضُ وَلِهَذَا تَنْقُضِي

اس لئے کہ پہلا بچہ جننے کے بعد وہ حاملہ ہے لہذا نفاس والی نہ ہوگی۔ جیسا کہ حاکمہ نہیں ہوتی ہے اور اسی وجہ سے (عورت کی) مدت ہلا جماع

الْعِدَّةُ بِالْآخِرِ بِالْإِجْمَاعِ وَلَهُمَا أَنَّ الْحَامِلَ إِنَّمَا لَا تَحِيضُ لِأَنَّهُ إِذَا دَفِعَ الرَّحِمَ عَلَى مَا ذَكَرْنَا

دوسرے بچے کے جننے سے پوری ہوتی ہے۔ اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ حاملہ کو رحم کا منہ بند ہونے کی وجہ سے حیض نہیں آتا ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا

وَقَدْ انْفَتَحَ بِخُرُوجِ الْأَوَّلِ وَتَنَفَسَ بِالنِّفَسِ فَكَانَ نَفَاسًا

اور یہاں اول بچے کے نکلنے سے رحم کا منہ کھل گیا اور اس نے خون اٹھا لہذا یہ (ضرور) نفاس ہوگا

وَالْعِدَّةُ تَعْلَقُ بِوَضْعِ حَمْلٍ مُّضَافٍ إِلَيْهَا فَيَتَأَوَّلُ الْجَمِيعُ

اور مدت کا تعلق ایسے حمل کی وضع سے ہے جو عورت کی طرف مضاف ہے پس وہ کل کو شامل ہوگا

## ایک حمل سے دو بچے جنے نفاس پہلے بچے کی ولادت سے شروع ہوگا

یا دوسرے بچے کی ولادت سے، اقوال فقہاء

تشریح :- صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت نے ایک پیٹ میں دو بچے جنے تو شیخین کے نزدیک اس کے نفاس کی



ابتداء پہلا بچہ پیدا ہونے سے ہو جائیگی۔ اگر چہ دونوں بچوں کی ولادت میں چالیس روز کا فاصلہ ہو۔ اور امام محمدؒ نے کہا کہ دوسرا بچہ پیدا ہونے سے نفاس کی ابتدا ہوگی۔ اور یہی قول امام زفرؒ کا ہے۔

ایک ہیٹ سے مراد یہ ہے کہ دونوں بچوں کی ولادت کے درمیان چھ ماہ سے کم کا فاصلہ ہو۔ امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ پہلا بچہ جننے کے بعد بھی یہ عورت حاملہ ہے اور حاملہ عورت کو جس طرح حیض نہیں آتا اسی طرح وہ نفاس والی بھی نہیں ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ عورت اگر مطلقہ ہو تو اس کی عدت بالاتفاق دوسرے بچہ کی ولادت سے پوری ہوگی لہذا اسی سے نفاس بھی شروع ہوگا۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ حاملہ عورت کو اس لئے خون نہیں آتا کہ اس کے رحم کا منہ بند ہوتا ہے لیکن جب پہلے بچہ کی ولادت سے رحم کا منہ کھل گیا اور وہ خون پھینکنے لگا تو یہ یقیناً نفاس ہوگا کیونکہ ولادت کے بعد رحم سے نکلنے والے خون ہی کو نفاس کہتے ہیں۔

اور امام محمدؒ کے قیاس کا جواب یہ ہے کہ عدت کا پورا ہونا ایسے حمل کی وضع سے متعلق ہے جو عورت کی طرف مضاف ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **وَوَكَتُ الْأَحْمَالُ أَجَلَهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ** اور حمل کہتے ہیں **كُلُّ مَا فِي الْبُطْنِ** کو یعنی جو کچھ بھی پیٹ میں ہو۔ پس پہلا بچہ جننے سے پورا حمل وضع نہیں ہوا بلکہ بعضا حمل وضع ہوا۔ اور حاملہ کی عدت پوری ہوتی ہے پورے وضع حمل سے اس لئے عدت دوسرا بچہ جننے سے پوری ہوگی نہ کہ پہلا بچہ جننے سے۔ واللہ اعلم۔ جلیل مافی حد۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

## بَابُ الْأَنْجَاسِ وَتَطْهِيرِهَا

(یہ) باب نجاستوں اور ان کی تطہیر (کے بیان میں) ہے۔

تشریح: انجاس، واحد نجس (مفتح الجیم) عین نجاست اور بکسر الجیم وہ چیز جو پاک نہ ہو۔ سابق میں مصنفؒ نے نجاست حکمی اور اس کی تطہیر کے احکام بیان فرمائے ہیں۔ اب یہاں سے نجاست حقیقی اور اس کے احکام ذکر کریں گے چونکہ نجاست حکمی اقویٰ ہے بہ نسبت نجاست حقیقی کے اس لئے نجاست حکمی کے احکام مقدم ذکر کئے گئے۔ رہی یہ بات کہ نجاست حکمی اقویٰ کیوں ہے۔ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ نجاست حکمی اگر قلیل بھی ہو تو بھی جوازِ صلوٰۃ کے لئے مانع ہے۔ اس کے برخلاف نجاست حقیقی کہ اس کی قلیل مقدار جوازِ صلوٰۃ کے لئے مانع نہیں ہے۔

تَطْهِيرُ النَّجَاسَةِ وَاجِبٌ مِنْ بَدَنِ الْمُصَلِّي وَتَوْبِهِ وَالْمَكَانِ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْهِ لِقَوْلِهِ

نجاست کا پاک کرنا واجب ہے مصلی کے بدن سے اس کے کپڑے سے اور اس مکان سے جس پر نماز پڑھتا ہے

تَعَالَى وَبَيَّابَكَ فَطَهِّرْ وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتَّى تُمْ أَقْرُصِيهِ ثُمَّ اغْسِلِيهِ بِالْمَاءِ

اس لئے کہ باری تعالیٰ کا فرمان ہے ”اور اپنے کپڑے کو پاک کر“ اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کو جمیل پھر اس کو کمرچ، پھر اس کو پانی سے دھو دے۔

وَلَا يَضُرُّكَ أَثَرُهُ وَإِذَا وَجَبَ التَّطَهِيرُ فِي الثُّوبِ وَجَبَ فِي الْبَدَنِ وَالْمَكَانِ

اور تجھے اس کا داغ (کچھ) نقصان نہ دے گا، اور جب کپڑے کے حق میں پاک کرنا واجب ہے تو بدن اور مکان میں بھی واجب ہوگا

لَآنَ الْأَسْعِمَالَ فِي حَالَةِ الصَّلَاةِ يَشْمَلُ الْكُلَّ

کیونکہ حالت نماز میں استعمال کرنا سب کو شامل ہے

## نمازی کا بدن، کپڑے اور مکان کا نجاست سے پاک ہونا ضروری ہے

تشریح:- مہارت میں واجب بمعنی فرض ہے۔ اور تطہیر کے دو معنی ہیں ایک طہارت ثابت کرنا، دوم نجاست زائل کرنا۔ پہلی صورت میں ترجمہ ہوگا نجاست کے محل کو پاک کرنا اس میں طہارت ثابت کر کے اور دوسری صورت میں ترجمہ ہوگا کہ نجاست کو زائل کرنا فرض ہے۔ بہر حال صورت مسئلہ یہ ہے کہ نمازی کے بدن اور اس کے کپڑے اور اس مکان سے جس پر نماز پڑھتا ہے نجاست زائل کرنا فرض ہے۔

تطہیر ثوب پر باری تعالیٰ کا قول وَثِيْبًا لَّكَ فَطَهِّرْهُ دلیل ہے اس طور پر کہ طہیر میغمہ امر ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے پس کپڑوں کی طہارت کا وجوب مہارت النعس سے ثابت ہو گیا اور بدن اور مکان صلاۃ کی طہارت دلالت النعس سے ثابت ہوگی بایں طور کہ کپڑے کا پاک کرنا اس لئے واجب ہوا کہ نماز اپنے موٹی کے ساتھ مناجات کی حالت ہے۔ لہذا مصلیٰ کے لئے ضروری ہے کہ وہ احسن احوال پر ہو۔

اور مصنفؒ کے نزدیک احسن احوال اسی وقت ثابت ہوگا جبکہ مصلیٰ خود پاک ہو اور جو چیزیں اس کے ساتھ متصل ہیں وہ پاک ہوں پس جب کپڑا جو مصلیٰ کے ساتھ کامل اتصال نہیں رکھتا اس کا پاک رکھنا فرض ہے تو بدن اور مکان جس کا نمازی کے ساتھ کامل اتصال ہے ان کا پاک رکھنا بدرجہ اولیٰ فرض ہوگا۔

دوسری دلیل حضور ﷺ کی حدیث ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو جمیل دو پھر اس کو کمرچ دو پھر اس کو پانی سے دھوڑالو۔ علامہ ابن الجہاّمؒ نے یہ حدیث اس طرح نقل کی ہے۔ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَتْ جَاءَتْ امْرَأَةً إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ إِحْدَانَا يُصِيبُ ثَوْبَهَا مِنْ دَمِ الْخَيْضِ كَيْفَ تَصْنَعُ بِهِ قَالَ تَحْتَهُ ثُمَّ تَقْرُضُهُ بِالْمَاءِ ثُمَّ تَنْصَحُهُ ثُمَّ تُصَلِّيُ فِيهِ (متفق علیہ)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں ایک عورت حضور ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگی کہ ہم میں سے ایک کو یعنی اس کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جاتا ہے تو وہ اس کو کیا کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو (ناخن وغیرہ سے) کمرچ دے پھر (اس کو پانی ڈال کر) مسل دے پھر اس پر پانی بہا دے پھر اس میں نماز پڑھے صاحب ہدایہؒ نے فرمایا کہ دھونے کے بعد اگر کپڑے

پر نجاست کا داغ رہ جائے تو وہ معذور نہیں ہے یعنی وہ واجب مانع جواز صلوٰۃ نہیں ہے۔

واضح ہو کہ مکان کی طہارت میں موضع قدم معتبر ہے یعنی کھڑے ہونے کی جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے چنانچہ اگر موضع قیام میں ایک درہم کی مقدار سے زائد نجاست ہو تو نماز قاسد ہوگی۔ البتہ کہ سجدہ کی جگہ کا بھی پاک ہونا ضروری ہے یا نہیں تو اس بارے میں اختلاف ہے۔ امام محمدؒ نے امام اعظمؒ سے روایت کی ہے کہ سجدہ کی جگہ کا پاک ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ سجدہ بھی قیام کی طرح ایک رکن ہے پس جس طرح جائے قیام کی طہارت شرط ہے اسی طرح جائے سجود کی طہارت بھی شرط ہوگی۔

اور امام ابو یوسفؒ نے امام اعظم ابو حنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ سجدہ کی جگہ کا پاک ہونا شرط نہیں ہے کیونکہ سجدہ صرف ناک سے ادا ہوتا ہے اور ناک جس طرح رکھی جائے گی وہ ایک درہم کی مقدار سے کم ہے اور ایک درہم کی مقدار سے کم نجاست مانع جواز صلوٰۃ نہیں ہے اس لئے مکان سجود کی طہارت کو شرط قرار نہیں دیا گیا۔ اور طرفین کے نزدیک مکان سجود کی طہارت شرط ہے کیونکہ سجدہ پیشانی پر کرنا فرض ہے اور پیشانی کی جگہ ایک درہم کی مقدار سے زائد ہوتی ہے اس لئے اس کا پاک کرنا ضروری ہے۔

وَيَجُوزُ تَطْهِيرُهَا بِالْمَاءِ وَبِكُلِّ مَانِعٍ ظَاهِرٍ يُمَكِّنُ إِذَا انْتَهَى بِهِ

اور نجاستوں کا زائل کرنا پانی کے ساتھ اور ہر ایسی چیز کے ساتھ جائز ہے کہ اس کے ساتھ نجاست کا زائل کرنا ممکن ہو

كَالْخَلِّ وَمَاءِ الْوَرْدِ وَنَحْوِ ذَلِكَ مِمَّا إِذَا غَصِرَ انْقِصَرَ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ

جیسے سرکہ، گلاب کا پانی اور اس کے مانند۔ ایسی چیزوں میں سے کہ جب ٹھنڈی جائے تو ٹپک جائیں۔ اور یہ حکم شیخین کے نزدیک ہے

وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَزُفَرٌ وَالشَّافِعِيُّ لَا يَجُوزُ إِلَّا بِالْمَاءِ لِأَنَّهُ يَتَجَسُّ بِأَوَّلِ الْمَلَقَةِ

اور امام محمدؒ، امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے کہا کہ جائز نہیں مگر پانی کے ساتھ کیونکہ پاک کرنا اولیٰ چیز تو اول ملاقات سے پاک ہو جاتی ہے

وَالنَّجَسُ لَا يُفِيدُ الطَّهَارَةَ إِلَّا أَنْ هَذَا الْقِيَاسُ تَرَكَ فِي الْمَاءِ لِلضَّرُورَةِ وَلَهُمَا

اور ناپاک چیز طہارت کا فائدہ نہیں دیتی لیکن یہ قیاس پانی کے حق میں ضرورت کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا۔ اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ

أَنَّ الْمَانِعَ قَالَعَ وَالطَّهْرُ بِعِلَّةِ الْقَطْعِ وَالْإِزَالَةِ وَالنَّجَاسَةُ لِلْمُجَاوَرَةِ

پہنچوالی چیز تو قطع کرنے والی ہے اور پاک کرنے کی مفت قطع اور زائل کرنے کی وجہ سے ہے اور نجس ہونا مجاورت کی وجہ سے ہے

فَإِذَا انْتَهَتْ أَجْزَاءُ النَّجَسِ يَتَّقَى ظَاهِرًا وَجَوَابُ الْكِتَابِ لَا يَفْرُقُ بَيْنَ الثُّوبِ وَالْبَدَنِ

پس جب نجاست کے اجزاء ختم ہو گئے تو وہ شے پاک رہ گئی، اور کتاب میں جو حکم مذکور ہے وہ کپڑے اور بدن میں تفریق نہیں کرتا

وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَاحِدِي الرَّوَّائِينَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ وَعَنْ أَنَّهُ

اور یہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے اور ایک روایت ابو یوسفؒ سے بھی ہے۔ اور ابو یوسفؒ سے (دوسری) روایت یہ ہے کہ انہوں نے

## فَرَقَ بَيْنَهُمَا فَلَمْ يُجْزِ فِي الْبَلَدِ بِغَيْرِ الْمَاءِ

بدن اور کپڑے میں فرق کیا ہے پس بدن پاک کرنے میں پانی کے علاوہ کے ساتھ کونہوں نے جائز قرار نہیں دیا

## نجاست کن چیزوں سے زائل کی جاسکتی ہے

**تشریح:-** اس بارے میں اختلاف ہے کہ کن چیزوں سے نجاست کا زائل کرنا جائز ہے اور کن سے جائز نہیں۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ پانی اور ہر ایسی چیز کے ساتھ نجاست کا زائل کرنا جائز ہے جو بہتی ہو، پاک ہو اور اس کے ساتھ نجاست کا زائل کرنا ممکن بھی ہو جیسے سرکہ اور گلاب کا پانی اور ایسی چیز جو نمچڑنے سے نمچڑ جائے۔ پس ماکول اللحم جانور کے پیشاب اور خیل، تھمی وغیرہ سے طہارت حاصل نہیں ہوگی اس لئے کہ پیشاب ناپاک ہے اور خیل وغیرہ اگرچہ پاک ہیں لیکن نمچڑنے سے نمچڑے نہیں بلکہ کپڑے میں جذب ہو جاتے ہیں۔

امام محمدؒ، امام زفرؒ امام شافعیؒ، اور امام مالکؒ اور علامۃ الفقہاء کا مہرب یہ ہے کہ پانی کے علاوہ دوسری بہنے والی چیزوں سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ پاک کرنے والی چیز نجاست سے مل کر اول وہلہ میں ناپاک ہو جاتی ہے یعنی پانی یا پاک کرنے والی چیز کو جب نجاست پر ڈالا اور نجاست کے کچھا جزاء اس میں آئے تو یہ خود ناپاک ہوگئی اور جو چیز خود ناپاک ہو وہ دوسرے کو پاک نہیں کر سکتی اس لئے قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ نہ پانی مفید طہارت ہو اور نہ کوئی دوسری بہنے والی چیز۔ لیکن ضرورت کی وجہ سے پانی کے حق میں یہ قیاس ترک کر دیا گیا۔ اس لئے پانی کو مفید طہارت اور پانی کے علاوہ کو غیر مفید طہارت قرار دیا گیا ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَيُنَزِّلُ عَلَيْكَ مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَ بِهِ یعنی اللہ تمہارے واسطے آسمان سے پانی اس لئے اتارتا ہے تاکہ وہ تم کو اس کے ذریعہ پاک کر دے اس آیت سے معلوم ہوا کہ پانی سے تطہیر مقصود ہے۔ تیسری دلیل قیاس ہے یعنی جس طرح نجاست حکمی (حدث) پانی کے علاوہ سے زائل نہیں ہوتی اسی طرح نجاست حقیقی بھی پانی کے علاوہ سے زائل نہیں ہوگی۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ بہنے والی چیز قطع کرنے والی ہے یعنی نجاست کو اکھاڑ کر دور کر دیتی ہے اور پانی میں پاک کرنے والی صفت اسی وجہ سے ہے کہ وہ نجاست کو دور کر دیتا ہے پس جب معنی دوسری بہنے والی چیزوں میں موجود ہے تو پانی کی طرح یہ بھی پاک کرنے والی اور مزید نجاست ہوں گی۔ بلکہ پانی تو بعضی رنگدار نجاست کا رنگ دور نہیں کرتا اور سرکہ اس کا رنگ بھی دور کر دیتا ہے۔ یہی بات کہ اول ملاقات سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پانی کا ناپاک ہونا اجزاء نجاست کے ساتھ نجاست اور پڑوس کی وجہ سے ہے پس جب نجاست کے اجزاء بہہ کر ختم ہو گئے تو محل یعنی کپڑا بھی پاک ہو گیا۔

امام محمدؒ کی پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ جس ضرورت کی وجہ سے پانی کے حق میں قیاس ترک کر دیا گیا اسی ضرورت کی وجہ سے دوسری بہنے والی اور پاک کرنے والی چیزوں میں بھی ترک کر دو۔ دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ ذکر شعیء اس کی تخصیص پر دلالت نہیں کرتا یعنی آیت میں پانی کے مطہر ہونے کے ذکر سے دوسری چیزوں کا غیر مطہر ہونا لازم نہیں آتا۔ اور تیسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ نجاست حقیقی کو نجاست حکمی (حدث) پر قیاس کرنا درست نہیں ہے کیونکہ حدیث ایک شرعی مانع ہے لہذا یہ اسی طور پر زائل ہوگا جس طرح شریعت میں معبود ہے۔ اس کے برخلاف نجاست حقیقیہ کہ وہ محسوس چیز ہے اس وجہ سے حدیث پر اس کا قیاس صحیح نہیں ہے۔

صاحب ہدایہؒ کہتے ہیں کہ قدوری میں جو حکم مذکور ہے یعنی يَجُوزُ تَطْهِيرُهَا بِالْمَاءِ وَبِكُلِّ مَالٍ طَاهِرٍ وہ کپڑے اور بدن میں تفریق نہیں کرتا یعنی جس طرح پانی اور بہنے والی پاک چیز سے کپڑا پاک ہو جاتا ہے اسی طرح بدن بھی دونوں سے پاک ہو جائے گا یہی قول امام اعظم ابو حنیفہؒ کا ہے اور درواریوں میں سے امام ابو یوسفؒ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔

اور امام ابو یوسفؒ سے دوسری روایت یہ ہے کہ انہوں نے بدن اور کپڑے میں فرق کیا ہے اور کہا کہ بدن کو صرف پانی کے ساتھ پاک کرنا جائز ہے اور کپڑے کو پانی اور بہنے والی پاک چیزوں کے ساتھ پاک کیا جاسکتا ہے۔

وَإِذَا أَصَابَ الْخُفَّ نَجَاسَةٌ لَهَا جِرْمٌ كَالرُّوْثِ وَالْعِلِيرَةِ وَالْدَّمِ وَالْمَنِيِّ فَجَفَّتْ

اور جب موزہ کو ایسی نجاست لگ جائے کہ جس کا جسم ہے جیسے گوبر، آدی کا پاخانہ، خون اور منی، پھر یہ نجاست خشک ہو جائے

فَذَلِكَ بِالْأَرْضِ جَازٍ وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَا يُجُوزُ وَهُوَ الْقِيَاسُ إِلَّا إِلَى الْمَنِيِّ خَاصَّةً

پھر اس کو زمین پر مل دے تو جائز ہے اور یہ استحسان ہے۔ اور امام محمدؒ نے کہا کہ جائز نہیں اور یہی قیاس ہے مگر خاص طور پر منی میں

لَاَنَّ الْمُتَدَاخِلَ فِي الْخُفِّ لَا يُزِيلُهُ الْجَفَافُ وَالذَّلْكَ بِخِلَافِ الْمَنِيِّ عَلَى مَا نَذَرْنَا وَلَهُمَا

کیونکہ جو چیز موزے میں داخل ہوگئی اس کو خشکی اور ملنا زائل نہیں کرتا بخلاف منی کے اس بنا پر جو ہم ذکر کریں گے۔ اور شیخین کی دلیل

قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَإِنْ كَانَ بِيَهُمَا أَدَّى فَلْيَمْسَحْهُمَا بِالْأَرْضِ فَإِنَّ الْأَرْضَ لُهُمَا طَهُورٌ

حضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ اگر دونوں موزوں میں نجاست ہو تو ان کو زمین پر مل دے کیونکہ زمین ان کے واسطے پاک کرنے والی ہے

وَلَاَنَّ الْجِلْدَ لَصَلَابَتِهِ لَا يَتَدَاخِلُهُ أَجْزَاءُ النِّجَاسَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ثُمَّ يَجْتَدِبُهُ

اور اس لئے کہ کھال کے ٹھوس ہونے کی وجہ سے اجزاء نجاست اس میں داخل نہیں ہوتے مگر کم پھر جب خشک ہو جائے تو اس کا جرم

الْجِرْمُ إِذَا جَفَّتْ فَإِذَا زَالَ زَالَ مَا قَامَ بِهِ

اس کو جذب کر لیتا ہے پھر جب وہ جرم زائل ہوگا تو جواجز اس کے ساتھ قائم ہیں وہ بھی زائل ہو جائیں گے

## موزہ پر نجاست لگ جائے تو اس کی پاکی کا طریقہ

**تشریح**۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر موزے پر ایسی نجاست لگ گئی جو جرم اور جسد رکھتی ہے جیسے گوبہ پاخانہ، بٹنے والا خون اور مٹی، پھر وہ خشک ہو گئی پھر اس کو زمین پر مل دیا یا لکڑی وغیرہ سے کھرچ کر صاف کر دیا تو وہ موزہ پاک ہو گیا اس کو کہن کر نماز پڑھنا جائز ہے یہ حکم استحسانی ہے یعنی قیاس جلی کے مقابلہ میں ہے۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ یہ جائز نہیں ہے یعنی ایسا کرنے سے موزہ پاک نہیں ہوگا بلکہ اس کا دھونا ضروری ہے سوائے مٹی کے، چنانچہ مٹی کے سلسلہ میں آئندہ کلام کریں گے۔

صاحب ہدایہؒ نے کہا ہے کہ امام محمدؒ کا قول قیاس کے مطابق ہے۔ امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ موزے کے اندر جرم میں جو بیوند و پیوست ہو جاتا ہے اس کو خشکی اور ملنا دور نہیں کرتا حتیٰ کہ خشک ہونے کے بعد بھی نجاست باقی رہتی ہے اس لئے موزہ کو پاک کرنے کیلئے اس کا دھونا ضروری قرار دیا گیا۔ ہاشمی کا حکم سواس کو آئندہ صفحات میں ذکر کریں گے **فَانظُرُوا اِلَيَّ مَعْلَمٌ مِّنَ الْمُتَنَظِّرِينَ**۔

شیخین کی دلیل حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے: **اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّيْ فَيُخْلَعُ نَعْلَيْهِ فَيُخْلَعُ الْقَوْمُ بِعَالِهِمْ فَقَالَ لَهُمْ بَعْدَ الصَّلَاةِ مَا لَكُمْ خَلَعْتُمْ نِعَالَكُمْ فَقَالُوا رَأَيْنَاكَ خَلَعْتَ نَعْلَكَ فَنَحْنُ نَخْلَعُهَا فَقَالَ اخْبَرْنِي جِبْرِئِلُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ اَنْ فِيْهِمَا قَلْبًا اِذَا اتَى اَخَذَ كُمْ بَابَ الْمَسْجِدِ فَلْيُقَلِّبْ نَعْلَيْهِ فَاِنْ رَاى فِيْهِمَا قَلْبًا فَلْيَمْسَحْهُمَا بِالْاَرْضِ** یعنی حضور ﷺ نماز پڑھا رہے تھے کہ آپ ﷺ نے اپنے نعلین کو نکالا پس لوگوں نے بھی اپنے اپنے نعلین کو نکال دیا۔ آپ ﷺ نے نماز کے بعد دریافت کیا کہ تم کو کیا ہو گیا کہ تم نے اپنے نعلین کو نکال دیا صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ہم نے آپ ﷺ کو اپنے نعلین نکالتے ہوئے دیکھا تو ہم نے بھی نکال دیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے جبرائیل نے خبر دی تھی کہ ان میں گندگی ہے جب تم میں سے کوئی مسجد کے دروازے پر آئے تو اپنے نعلین کو الٹ پلٹ کر دیکھ لیا کرے پس اگر ان پر گندگی نظر پڑے تو ان کو زمین پر مل دیا کرو۔

اور ایک روایت میں **فَاِنْ اَلْاَرْضُ لَهَا طَهْوَرُ** کے الفاظ بھی ہیں یعنی آپ ﷺ نے فرمایا کہ زمین ان کے لئے مطہر (پاک کرنے والی) ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موزہ پر اگر نجاست لگی ہو تو اس کو زمین پر رگڑنے سے پاک ہو جاتا ہے پانی سے دھونا شرط نہیں ہے۔ اور دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ موزہ چڑے کا ہونے کی وجہ سے ٹھوس ہوتا ہے اس میں نجاست کے اجزاء جذب نہیں ہو سکتے مگر بہت کم، پھر یہ کم بھی جب وہ خشک ہو تو اس نجاست کا جرم خود ان کو جذب کر لیتا ہے پس جب وہ جرم زائل ہوگا تو جو اجزاء اس کے ساتھ قائم ہیں وہ بھی زائل ہو جائیں گے۔

**وَلِي الرُّطْبِ لَا يَجُوزُ حَتَّى يَغْسِلَهُ لَآنَ الْمَسْحَ بِالْاَرْضِ بُكْبَرُهُ**

اور تر (نجاست) میں جائز نہیں ہے یہاں تک کہ اس کو دھو دے کیونکہ زمین پر پونچھا اس (تر نجاست) کو زیادہ کر دے گا



وَلَا يُطَهَّرُهُ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ إِذَا مَسَحَهُ بِالْأَرْضِ حَتَّى لَمْ يَبْقَ أَثَرُ النِّجَاسَةِ يَطْهَرُ لِعُمُومِ

اور اسے پاک نہیں کرے گا۔ اور ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ جب اس کو زمین پر رگڑے حتیٰ کہ نجاست کا اثر نہ رہے تو وہ عموم بلوئی

الْبُلُوئِ وَإِطْلَاقِ مَا يُرْوَى وَ عَلَيْهِ مَشَائِخُ

اور روایت کی جانے والی حدیث کے اطلاق کی وجہ سے پاک ہو جائے گا اور ہمارے مشائخ اسی قول پر ہیں

## ترنجاست دھونے سے پاک ہوگی

تشریح۔ مسئلہ یہ ہے کہ موزہ پر اگر ترنجاست لگ گئی جیسے گوہر، پاخانہ اور خون وغیرہ اور ابھی یہ خشک نہیں ہوا تو موزہ زمین پر رگڑنے سے پاک نہیں ہوگا بلکہ اس کا دھونا ضروری ہے کیونکہ ترنجاست اگر زمین پر پونجھی جائے تو وہ پھیل جائے گی۔ اور ظاہر ہے کہ اس سے موزہ مزید طوٹ ہوگا نہ کہ پاک ہوگا۔ اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ ترنجاست کی صورت میں بھی جب موزہ کو زمین پر رگڑا، یہاں تک کہ نجاست کا اثر جاتا رہا تو موزہ پاک ہو گیا اس کو دھونے کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ اس میں عموم بلوئی ہے یعنی عام طور پر لوگ اس میں مبتلا ہیں اگر دھونا ضروری قرار دے دیا جائے تو حرج عظیم لازم آئے گا۔

دوسری بات یہ کہ حدیث **فَلْيُمْسَحْهُمَا بِالْأَرْضِ** مطلق ہے ترنجاست اور خشک نجاست کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا لہٰذا موزہ زمین پر رگڑنے سے پاک ہو جائے گا خواہ اس پر ترنجاست لگی ہو یا خشک نجاست لگی ہو ہمارے مشائخ کا یہی قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

فَإِنْ أَصَابَهُ بَوْلٌ فَيَسَّ لَمْ يَجْرُ حَتَّى يَغْسِلَهُ وَ كَذَا كُلُّ مَا لَا جِرْمَ لَهُ كَالْحَمْرِ

پھر اگر موزہ کو پیشاب لگ جائے پھر خشک ہو جائے تو جائز نہیں یہاں تک کہ اس کو دھو دے اور اسی طرح ہے ہر وہ چیز جس کا جسم نہ ہو جیسے شراب

لَإِنَّ الْأَجْرَاءَ تَتَشَرَّبُ فِيهِ وَ لَا جَاذِبَ يَجْذِبُهَا

اس لئے کہ (نجاست کے) اجزاء اس میں پی لئے جاتے ہیں اور کوئی چیز جذب کرنے والی نہیں ہے جو ان اجزاء کو جذب کر لے

وَقِيلَ مَا يَتَّصِلُ بِهِ مِنَ الرَّمْلِ جِرْمٌ لَهُ

اور کہا گیا کہ جو کچھ ریت وغیرہ اس کے ساتھ لگ گئی وہی اس کا جرم ہے

موزہ پر غیر جسم دار نجاست لگ گئی اور خشک بھی ہو گئی تب بھی موزہ دھونے سے پاک ہوگا

تشریح۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر موزے پر ایسی نجاست لگ گئی جس کا جرم نہیں ہے مثلاً پیشاب اور شراب وغیرہ تو ایسی صورت میں موزہ صرف دھونے سے پاک ہوگا خشک ہونے کے بعد اگر زمین پر رگڑ دیا تو پاک نہیں ہوگا۔ کیونکہ نجاست کے اجزاء موزے کے اندر پیوست ہو گئے اور یہاں نجاست کا ایسا کوئی جرم اور جسم نہیں جو خشک ہو کر ان اجزاء کو اپنے اندر جذب کر لے اس لئے

ان پچوست شدہ اجزاء کو موزے کے اندر سے نکالنے کیلئے پانی سے دھونا ضروری ہے۔

امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اگر کسی کے موزے پر پیشاب لگ گیا پھر اس پر مٹی یا ریت یا کوئی اور ذی جرم چیز لگ گئی اور وہ خشک ہو گئی پھر اس کو زمین پر مل دیا تو وہ موزہ پاک ہو جائے گا اس صورت میں پانی سے دھونے کی ضرورت نہیں مگر اگر کسی نے کہا کہ یہی صحیح ہے (عناہ)۔

وَالثُّوبُ لَا يُجْزَى فِيهِ إِلَّا الْفَسْلُ وَإِنْ يَسَّ لَانَ الثُّوبُ لِتَخْلُجِهِ

اور کپڑے کے حق میں صرف دھونا ہی کفایت کرتا ہے اگرچہ نجاست خشک ہو گئی ہو کیونکہ کپڑے کے ٹھوس نہ ہونے کی وجہ سے

يَتَذَخَلُهُ كَثِيرٌ مِنْ أَجْزَاءِ النَّجَاسَةِ فَلَا يُخْرِجُهَا إِلَّا الْفَسْلُ

بہت سے اجزاء نجاست اس میں داخل ہو جاتے ہیں پس ان کو سوائے دھونے کے اور کوئی چیز نہیں نکال سکتی

## نا پاک کپڑا صرف دھونے سے پاک ہوگا

تشریح :- مسئلہ یہ ہے کہ نجاست اگر کپڑے کو لگ گئی ہو تو وہ بغیر دھونے پاک نہیں ہوگا اگرچہ نجاست خشک ہو گئی ہو۔  
دلیل یہ ہے کہ کپڑے کے اجزاء میں چونکہ ٹھوس پن نہیں ہوتا بلکہ اس کے اجزاء کے درمیان تخلخل یعنی ڈھیلا پن رہتا ہے اس لئے نجاست کے بہت سے اجزاء اس میں داخل ہو جاتے ہیں پس ان اجزاء کی نجاست کو نکالنے کیلئے پانی وغیرہ سے دھونا ضروری ہے زمین پر ملنا کافی نہ ہوگا۔

وَالْمَنِيُّ نَجَسٌ يَجِبُ غَسْلُهُ رَطْبًا فَإِذَا جَفَّ عَلَى الثُّوبِ أَجْزَاءُ فِيهِ الْفَرْكُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اور منی نا پاک ہے تر ہونے کی صورت میں اس کا دھونا واجب ہے پھر جب کپڑے پر خشک ہو جائے تو اس میں کھرچنا کافی ہے کیونکہ حضور ﷺ

لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا فَأَغْسَلِيهِ إِنْ كَانَ رَطْبًا وَافْرَكِيهِ إِنْ كَانَ يَابِسًا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ

نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اگر تر ہو تو اس کو دھو ڈال اور اگر خشک ہو تو اس کو کھرچ دے اور امام شافعیؒ نے فرمایا

الْمَنِيُّ طَاهِرٌ وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا رَوَيْنَاهُ وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنَّمَا يُغْسَلُ الثُّوبُ

کہ منی پاک ہے اور ان پر حجت وہ حدیث ہے جسے ہم نے روایت کیا ہے۔ اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ کپڑا پانچ چیزوں سے

مِنْ خُمُسٍ وَذَكَرَ مِنْهَا الْمَنِيَّ وَلَوْ أَصَابَ الْبَدَنَ قَالَ مَشَايخُنَا يَطْهَرُ بِالْفَرْكِ

دھویا جاتا ہے اور ان میں سے منی کو ذکر فرمایا۔ اور اگر منی بدن کو لگ گئی تو ہمارے مشائخؒ نے فرمایا کہ وہ بھی کھرچنے سے پاک ہو جائے گا

لَإِنَّ الْبَلَوَى فِيهِ أَشَدُّ وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ لَا يَطْهَرُ إِلَّا بِالْفَسْلِ

کیونکہ اس میں جھٹکا ہونا بہت ہے اور ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ بدن پاک نہیں ہوگا مگر دھونے سے

لَآنَ حَرَارَةَ الْبَدَنِ جَازِبَةً فَلَا يَعُودُ إِلَى الْجِرْمِ وَالْبَدَنُ لَا يُمَكِّنُ فَرْكُهُ

کیونکہ بدن کی حرارت جاذب ہے پس وہ جرم کی طرف عود نہ کرے گی اور بدن کو کھرچنا ممکن نہیں ہے

**منی ناپاک ہے اگر کپڑے پر لگ جائے تو تر منی کا دھونا واجب اور خشک منی کا کھرچنا کافی ہے اور اگر بدن کو لگ جائے تو دھونا ضروری ہے**

**تشریح:** منی کی نجاست اور طہارت میں اختلاف ہے۔ چنانچہ علمائے احناف نے کہا کہ آدمی کی منی ناپاک ہے۔ اور امام شافعی نے فرمایا کہ آدمی کی منی پاک ہے اور آدمی کے علاوہ دوسرے حیوانات میں سے کتے اور خنزیر کی منی بالاجماع ناپاک ہے اور ان دونوں کے علاوہ جانوروں کی منی میں تین قول ہیں:-

اول یہ کہ تمام کی منی پاک ہے ماکول اللحم کی ہو یا غیر ماکول اللحم کی، دوم یہ کہ سب کی منی ناپاک ہے سوم یہ کہ ماکول اللحم کی منی پاک اور غیر ماکول اللحم کی منی ناپاک ہے۔ (حاشیہ مولانا عبدالحی)

منی کے پاک ہونے پر حضرت امام شافعی نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سے استدلال کیا ہے عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ مِثْلُ عَنِ الْمَنِيِّ يُصِيبُ الثَّوْبَ فَقَالَ إِنَّمَا هُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُخَاطِ أَوْ الْبَزَاقِ وَقَالَ إِنَّمَا يَكْفِيكَ أَنْ تَمْسَحَهُ بِخِرْقَةٍ أَوْ إِذْخِرَةٍ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ سے اس منی کے بارے میں دریافت کیا گیا جو کپڑے کو لگ جائے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ بمنزلہ رینٹ اور تھوک کے ہے اور کہا کہ یہی کافی ہے کہ اس کو کسی چیز سے یا ازخراہ اس سے پونچھے۔ اس حدیث میں منی کو رینٹ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور رینٹ پاک ہے لہذا منی بھی پاک ہوگی۔

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے: كُنْتُ أَفْرُكُ الْمَنِيَّ مِنْ ثَوْبٍ رَمَوْهُ اللَّهُ ﷻ وَهُوَ يُصَلِّي حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے منی کھرچتی تھی وہاں تک کہ آپ نماز پڑھتے ہوتے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ منی پاک ہے ورنہ منی لگا ہوا کپڑا پہن کر آپ نماز شروع نہ فرماتے۔ دلیل عقلی یہ ہے کہ منی انسان کی پیدائش کا مبداء ہے لہذا وہ مٹی کی طرح پاک ہوگی کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا ناپاک چیز سے پیدا ہونا محال ہے۔

بیان مذاہب کے ذیل میں گذر چکا کہ علمائے احناف کے نزدیک منی ناپاک ہے اسی کے قائل امام مالک ہیں۔ لیکن امام مالک اور امام زفر کے نزدیک جس کپڑے پر منی لگی ہو اس کا پانی سے دھونا ضروری ہے بغیر پانی کے کپڑا پاک نہ ہوگا۔

اور ہمارے علمائے خلافت کے نزدیک اگر منی تر ہو تو اس کا دھونا واجب ہے اور اگر خشک ہو گئی ہو تو اس کو مل کر صاف کر دینا بھی کافی ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا تھا: فَاغْسِلِيهِ إِنْ كَانَ رَطْبًا

وَأَفْرُكِيهِ إِنْ كَانَ يَابِسًا.

اور دارقطنی اور بخاری نے یہ حدیث اس طرح نقل کی ہے: عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَفْرُكُ الْمَنِيَّ مِنْ قُوبِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ إِذَا كَانَ يَابِسًا وَأَغْبِلُهُ إِذَا كَانَ رَطْبًا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ کے کپڑے پر منی خشک ہوتی تو میں اس کو کمرچ دیا کرتی تھی اور جب خُر ہوتی تو اس کو دھو دیا کرتی تھی۔

ہمارے مذہب کی تائید حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے: إِنَّهُ ﷺ مَرَّبَعًا بَيْنَ يَاسِرٍ وَهُوَ يُغْسِلُ ثَوْبَهُ مِنَ النُّجَامَةِ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا نُخَامَتِكَ وَذُمُوعُ غَنِيَّتِكَ وَالْمَاءُ الَّذِي فِي رِكَوْبِكَ إِلَّا سَوَاءٌ وَإِنَّمَا يُغْسَلُ الثُّوبُ مِنْ خَمْسٍ مِنَ الْبَوْلِ وَالْغَائِطِ وَالْذَّمِّ وَالْمَنِيِّ وَالْقَيِّْءِ یعنی حضور ﷺ عمار بن یاسر کے پاس سے گزرے درآنحالیکہ عمار اپنے کپڑے سے رینٹ (یعنی بلغم) دھو رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ناک کی رینٹ، آنکھوں کے آنسو اور چھانگل کا پانی سب برابر ہیں یعنی سب پاک ہیں البتہ پانچ چیزوں کی وجہ سے کپڑا دھویا جاتا ہے پیشاب، پاخانہ، خون، منی، تے۔ ایک روایت میں تے کی جگہ خمر کا لفظ ہے، بہر حال یہ احادیث منی کے نجس ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو امام شافعی کا مستدل تھی اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر موقوف ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ حدیث موقوف، حدیث مرفوع یعنی حضرت عائشہ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مرفوع حدیث کے مقابلہ میں حجت نہیں ہو سکتی اس کے علاوہ صاحب مئانی نے لکھا ہے کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں منی کو رینٹ اور تھوک کے ساتھ پاک ہونے میں تشبیہ نہیں دی گئی ہے بلکہ ثرود جنت اور عتقہ تہ اغل میں تشبیہ دی گئی ہے یعنی جس طرح رینٹ میں چکنا چن ہوتا ہے اسی طرح منی بھی چکنی ہوتی ہے اور جس طرح رینٹ کپڑے میں بہت کم نفوذ کرتی ہے اسی طرح منی بھی بہت کم نفوذ کرتی ہے پس اس احتمال کی صورت میں منی کا پاک ہونا ثابت نہیں ہوگا۔

اور حضرت امام شافعی کی دوسری دلیل یعنی حدیث عائشہ کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں وَهُوَ يُصَلِّيُّ کے بجائے فَيُصَلِّيُّ ہے۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے منی کھرچتی تھی پھر آپ ﷺ نماز پڑھتے۔ اب اس صورت میں حضور ﷺ کا منی لگا ہوا کپڑا پہن کر نماز پڑھنا لازم نہیں آئے گا۔

اور دلیل عقلی کا جواب یہ ہے کہ ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ انسان کی پیدائش براہ راست منی سے ہوئی ہے بلکہ مختلف اطوار کے بعد انسان پیدا ہوتا ہے بایں طور کہ منی خون میں تبدیل ہو کر وہ معلقہ پھر مغضہ بنتا ہے ان تمام مراحل سے گزر کر انسان مکرم اور مشرف ہوتا ہے۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ اگر منی بدن کو لگ گئی اور خشک ہو گئی تو مشائخ ماوراء النہر کی رائے یہ ہے کہ اس صورت میں بھی اگر بدن سے منی کو کمرچ دیا تو بدن پاک ہو جائے گا اس لئے کہ اس صورت میں ابتلاء زیادہ ہے کیونکہ کپڑا تو منی سے جدا بھی ہو جاتا ہے مگر

بدن جدا نہیں ہو سکتا۔

اور امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ بدن صرف دھونے سے پاک ہو سکتا ہے کھرچنے سے پاک نہیں ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ بدن کی حرارت مٹی کو جذب کرنے والی ہے لہذا وہ مٹی کے جرم کی طرف مود نہیں کرے گی۔ یعنی مٹی کے جو اجزاء بدن میں جذب ہو گئے وہ خشک ہونے پر بدن سے نکل کر مٹی کا جرم نہ ہوں گے اور بدن کا کھرچنا بھی ممکن نہیں ہے اس لئے اس کا دھونا لازم ہے۔

وَالنَّجَاسَةُ إِذَا أَصَابَتْ الْمِرَاةَ أَوِ السِّيفَ اِكْتَفَى بِمَسْحِهِمَا لِأَنَّهُ لَا تَنَدَا خَلُفَهُمَا النَّجَاسَةُ

اور نجاست جب آئینہ یا تلوار کو لگ جائے تو ان کے مسح پر استغناء کرے کیونکہ ان چیزوں میں نجاست داخل نہیں ہوتی ہے

وَمَا عَلَى ظَاهِرِهِ يَزُولُ بِالْمَسْحِ

اور جو ان کے اوپر ہے وہ پونچھ دینے سے زائل ہو جاتی ہے

## آئینہ، تلوار سے نجاست دور کرنے کا طریقہ

**تشریح:-** مسئلہ یہ ہے کہ نجاست اگر آئینہ کو لگ گئی یا میل شدہ تلوار کو یا چھری وغیرہ کو تو یہ چیزیں زمین پر گر گزرنے سے پاک ہو جاتی ہیں پانی وغیرہ سے دھونا شرط نہیں۔ اسی کے قائل امام مالکؒ ہیں۔  
دلیل یہ ہے کہ ان چیزوں میں نجاست کے اجزاء داخل نہیں ہوتے ہیں لہذا ان کو اندر سے نکالنے کی بھی حاجت نہیں۔ اور رہی وہ نجاست جو اوپر لگی ہے سو وہ پونچھنے سے زائل ہو جائے گی اس لئے پانی سے دھونے کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔ ہاں اگر تلوار وغیرہ منقوش ہو یا گھروڑا پہن ہو یا اس پر میل کچیل لگا ہو پھر نجاست لگ گئی تو اب بغیر دھوئے پاک نہیں ہوگی۔

وَإِنْ أَصَابَتْ الْأَرْضَ نَجَاسَةٌ فَجَفَّتْ بِالشَّمْسِ وَذَهَبَ آثَرُهَا جَازَتْ الصَّلَاةُ عَلَى مَكَانِهَا

اور اگر نجاست زمین کو لگ جائے پھر وہ سورج سے خشک ہو جائے اور اس کا اثر بھی جاتا رہے تو اس نجاست کی جگہ پر نماز جائز ہے

وَقَالَ زُفَرٌ وَالشَّافِعِيُّ لَا تَجُوزُ لِأَنَّهُ لَمْ يُوَجِدِ الْمَزِيلَ وَلِهَذَا لَا يَجُوزُ التِّيمُّمُ بِهَا

اور امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے کہا کہ جائز نہیں ہے کیونکہ کوئی رائل کرنے والی چیز نہیں پائی گئی ہے۔ اور اسی وجہ سے اس کے ساتھ تيمم جائز نہیں

وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ذِكَاةُ الْأَرْضِ يَيْسُهَا وَإِنَّمَا لَا يَجُوزُ التِّيمُّمُ

اور ہماری دلیل حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ زمین کی پاکی اس کا خشک ہو جانا ہے، اور تيمم اس لئے جائز نہیں

لِأَنَّ طَهَارَةَ الصُّعِيدِ ثَبَتَ شَرْطًا بِنَصِّ الْكِتَابِ فَلَا تَنَادِي بِمَا ثَبَتَ بِالْحَدِيثِ

کہ مٹی کی طہارت ہمیں کتاب شرط ہو کر ثابت ہے ہمیں اس سے ادا نہ ہوگی جو حدیث سے ثابت ہوئی ہے

## نجاست زمین کو لگ جائے تو زمین کیسے پاک ہوگی

**تشریح:-** مسئلہ اگر زمین پر نجاست لگی پھر وہ خشک ہوگئی سورج سے یا آگ سے یا ہوا سے یا اس کے علاوہ کسی اور چیز سے اور نجاست کا اثر رنگ، بو وغیرہ بھی جاتا رہا تو اس جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنا جائز ہے البتہ اس سے تیمم کرنا جائز نہیں ہے۔ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے کہا کہ اس زمین پر نماز بھی جائز نہیں ہے۔

امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس جگہ پر نجاست کا لگنا تو یقینی ہے اور اس کو زائل کرنے والی کوئی چیز پائی نہیں گئی اس لئے وہ زمین ناپاک ہی رہے گی۔ اور اس پر نماز پڑھنا جائز نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اس سے تیمم کرنا بالاتفاق ناجائز ہے۔

ہماری دلیل حضور ﷺ کا قول **ذُكَاةُ الْأَرْضِ يَتُسَّهَا** ہے یعنی زمین کی پاکی اس کا خشک ہو جانا ہے اسی کے ہم معنی یہ حدیث ہے **أَيُّمَا أَرْضٍ جَفَّتْ فَقَدْ ذُكَّتْ** یعنی جو زمین خشک ہوگئی وہ پاک ہوگئی۔ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ آپ کا یہ کہنا کہ کوئی حریل نجاست نہیں پایا گیا غلط ہے بلکہ حریل نجاست موجود ہے یعنی حرارت کیونکہ جس طرح آگ سے جلا ناپاک کرتا ہے اسی طرح حرارت بھی پاک کرتی ہے خواہ حرارت کم ہو یا زیادہ ہو۔

**وَأَيُّمَا لَا يَجُوزُ التَّيْمُّ** سے امام زفرؒ کے قیاس کا جواب ہے۔ حاصل جواب یہ کہ تیمم کیلئے مٹی کے پاک ہونے کی شرط کا ثبوت نص کتاب **فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا** سے ہے اور جو حکم نص کتاب سے ثابت ہوتا ہے وہ قطعی ہوگا لہذا تیمم کے لئے مٹی کی طہارت کا قطعی اور یقینی ہونا ضروری ہے۔

اور یہاں زمین کی طہارت ثابت ہوئی ہے خبر واحد یعنی **ذُكَاةُ الْأَرْضِ يَتُسَّهَا** سے اور جو حکم خبر واحد سے ثابت ہوتا ہے وہ غیر قطعی یعنی ظنی ہوتا ہے پس تیمم جس کے لئے مٹی کی طہارت قطعی الثبوت ہے اس مٹی سے ادا نہیں ہوگا جس کی طہارت ظنی الثبوت ہے۔ جمیل۔

**وَقُلْنَا لِلَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمُوا إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ۚ وَإِذَا قُمُوا إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ۚ وَإِذَا قُمُوا إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ۚ**

نجاست مغلظہ جیسے پیشاب، خون، شراب، ہرنی کی بیٹ اور گدھے کے پیشاب سے ایک درہم کی مقدار یا اس سے کم (معاذ ہے)

**جَازَتْ الصَّلَاةُ مَعَهُ وَإِنْ زَادَ لَمْ تَجْزُ وَقَالَ زُفَرٌ وَالشَّافِعِيُّ قَلِيلُ النَّجَاسَةِ وَكَثِيرُهَا سَوَاءٌ**

اس کے ساتھ نماز جائز ہے اور اگر (اس سے) زائد ہو تو نماز جائز نہیں ہے۔ اور امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے کہا کہ نجاست کا قلیل اور کثیر ہونا برابر ہے

**لَا نَصَّ الْمَوْجِبَ لِلتَّطَهِيرِ لَمْ يُفْصَلْ وَلَنَا أَنَّ الْقَلِيلَ**

کیونکہ اس نص نے جو پاک کرنے کو واجب کرنے والی ہے (قلیل و کثیر کی) کوئی تفصیل نہیں کی۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ قلیل نجاست



لَا يُمَكِّنُ التَّحَرُّزُ عَنْهُ فَيَجْعَلُ عَفْوَاً وَقَلْتَرْنَاهُ بِقَدْرِ الدِّرْهِمِ

ایسی چیز ہے جس سے بچنا ممکن نہیں ہے لہذا اس کو معاف قرار دیا جائے گا۔ اور ہم نے اس کا ایک درہم کے ساتھ اندازہ لگایا

أَخْلَا عَنْ مَوْضِعِ الْأَسْتِجَاءِ ثُمَّ يُرْوَى إِعْتِبَارُ الدِّرْهِمِ مِنْ حَيْثُ الْمَسَاحَةِ وَهُوَ قَلْتَرُ عَرْضِ الْكَفِّ فِي الصَّحِيحِ

موضع استنجاء سے لے کر۔ پھر درہم کا اعتبار مساحت کے اعتبار سے مروی ہے۔ اور وہ صحیح قول میں پھیلی کے عرض کی مقدار کے برابر ہے۔

وَيُرْوَى مِنْ حَيْثُ الْوِزْنِ وَهُوَ الدِّرْهِمُ الْكَبِيرُ الْمِثْقَالُ وَهُوَ مَا يَبْلُغُ وَزْنُهُ مِثْقَالًا

اور وزن کے اعتبار سے مروی ہے اور وہ درہم کبیر مِثْقَال ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کا وزن ایک مِثْقَال کو پہنچے

وَقِيلَ فِي التَّوْفِيقِ بَيْنَهُمَا أَنَّ الْأُولَى فِي الرِّقْقِ وَالثَّانِيَةِ فِي الْكَثِيفِ

اور ان دونوں روایتوں میں توفیق یوں دی گئی کہ پہلی روایت رقیق (نجاست) میں ہے اور دوسری گاڑھی (نجاست) میں ہے

وَالْمَا كَانَتْ نَجَاسَةٌ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ مُغْلَظَةً لِأَنَّهَا لَبِثَتْ بِدَلِيلٍ مَقْطُوعٍ بِهِ

اور ان چیزوں کی نجاست، مغلطہ اسی لئے ہے کہ یہ نجاست دلیل قطعی سے ثابت ہے

## نجاست غلیظہ اور خفیفہ، نجاست غلیظہ کی معاف مقدار

تشریح:- نجاست کی دو قسمیں ہیں غلیظہ اور خفیفہ، ان دونوں کی تعریف میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے۔

چنانچہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نجاست مغلطہ وہ نجاست ہے جس کا ثبوت ایسی نص سے ہو سکے جس کے معارض دوسری نص، طہارت کو ثابت کرنے والی نہ ہو۔ اور اگر دو نص باہم معارض موجود ہوں کہ ایک نجاست ثابت کرتی ہے اور دوسری طہارت، تو یہ نجاست خفیفہ کہلائے گی۔

اور صاحبین کے نزدیک مغلطہ وہ نجاست ہے جس کے نجس ہونے پر اجماع واقع ہو گیا ہو، اور خفیفہ وہ نجاست ہے جس کی نجاست اور طہارت میں علماء کا اختلاف واقع ہو۔ ثمرہ اختلاف گوہر میں ظاہر ہوگا۔ اس لئے کہ گوہر امام صاحبؒ کے نزدیک نجاست مغلطہ ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے انہوں نے فرمایا کہ میں لیلۃ الجن میں استنجاء کے لئے دو پتھر اور ایک گوہر لایا تو حضور ﷺ نے گوہر یہ کہہ کر پھینک دیا کہ یہ جس یارکس ہے یعنی پلید ہے اور دوسری کوئی نص اس کے معارض نہیں جو گوہر کی طہارت پر دلالت کرتی ہو۔ اور صاحبین کے نزدیک گوہر نجاست خفیفہ ہے کیونکہ امام مالکؒ گوہر کے پاک ہونے کے قائل ہیں۔

اس تمہید کے بعد ملاحظہ کیجئے کہ مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ نجاست کی کتنی مقدار معاف ہے اور کتنی مقدار معاف نہیں ہے۔ سو فرمایا کہ نجاست مغلطہ (جیسے بنے والا خون، پیشاب، شراب، مرغی کی بیٹ اور گدھے کا پیشاب) کی صورت میں

ایک درہم کی مقدار یا اس سے کم معاف ہے۔ اگر اس قدر نجاست کے ساتھ نماز پڑھی تو نماز درست ہو جائے گی خواہ یہ مقدار کپڑے کو لگی ہو یا بدن کو لگی ہو۔ اور اگر ایک درہم سے زائد لگی ہو تو معاف نہیں حتیٰ کہ اس کے ساتھ نماز جائز نہیں ہوگی۔

امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے کہا کہ نجاست کا قلیل اور کثیر یکساں ہے یعنی نماز مطلقاً نجاست کے ساتھ جائز نہیں ہوگی خواہ نجاست قلیل ہو یا کثیر ہو۔

امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ نص **وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ** جس نے نجاست سے پاک کرنا واجب کیا ہے اس نے قلیل و کثیر کی کوئی تفصیل نہیں کی بلکہ مطلقاً نجاست سے پاک کرنے کا حکم دیا ہے لہذا قلیل و کثیر سب کا پاک کرنا واجب ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ قلیل نجاست ایسی چیز ہے کہ اس سے بچاؤ کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ کھیاں نجاست پر بیٹھتی ہیں پھر انسان کے اوپر بیٹھ جاتی ہیں اسی طرح پھروں کے خون سے بچنا ممکن نہیں پس جب نجاست کی قلیل مقدار سے بچنا ممکن نہیں تو اس کو معاف کر دیا گیا۔ کیونکہ مقدار قلیل میں ضرورت ہے اور دلائل شرع میں مواضع ضرورت مستثنیٰ ہوتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ مقدار قلیل یا کثیر کا معیار کیا ہے تو اس بارے میں ہمارے علماء نے کہا کہ ایک درہم کی مقدار قلیل ہے اور اس سے زائد کثیر ہے۔ اور اس کو موضع استنجاء پر قیاس کیا گیا ہے یعنی موضع استنجاء ہالا جماع معاف ہے پس ہم نے اسی کی مقدار امدادہ کر کے ایک درہم غلو کی تقدیر بیان کی۔

پھر واضح ہو کہ درہم کا اعتبار کرنے میں امام محمدؒ سے دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ درہم کی مقدار مساحت کے اعتبار سے مراد ہے یعنی ہاتھ کی پھیلی کے عرض کی مقدار یعنی انگلیوں کے جوڑوں کے اندر کی گہرائی کے بقدر ایک درہم کے بقدر ہوتا ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ درہم کی مقدار وزن کے اعتبار سے مراد ہے یعنی درہم سے مراد یہ ہے کہ اس کا وزن ایک مثقال کے وزن کے برابر ہو۔

فقیر ابو جعفرؒ نے کہا کہ امام محمدؒ کی دونوں روایات میں یوں تطبیق دی جاسکتی ہے کہ روایت اولیٰ یعنی مساحت کا اعتبار بدلتی نجاست میں ہے اور دوسری روایت یعنی وزن کا اعتبار گاڑی نجاست میں ہے۔ چنانچہ اگر آدمی کا پیشاب ہو تو وہ باعتبار مساحت کے ایک درہم کی مقدار معاف ہے اور اس سے زائد معاف نہیں۔ اور اگر پاخانہ ہو تو باعتبار وزن کے ایک درہم کی مقدار معاف ہے اور اس سے زائد معاف نہیں۔

صاحب ہدایہؒ نے کہا کہ متن میں مذکور تمام چیزوں کی نجاست مغلطہ ہے کیونکہ ان چیزوں کا نجس ہونا دلیل قطعی سے ثابت ہے جس کی معارض کوئی دوسری دلیل نہیں ہے۔

وَإِنْ كَانَتْ مُخْتَفَةً كَبُولٍ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ جَازَتْ الصَّلَاةُ مَعَهُ حَتَّى يَبْلُغَ رُبْعَ الثَّوْبِ

اور اگر نجاست مختلف ہو جیسے، کول اللحم جانوروں کا پیشاب تو اس کے ساتھ نماز جائز ہے یہاں تک کہ چوتھائی کپڑے کو پہنچے

يُرْوَى ذَلِكَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ لِأَنَّ التَّقْدِيرَ فِيهِ بِالْكَثِيرِ الْفَاحِشِ وَالرُّبْعُ مُلْحَقٌ بِالْكَثَلِ

یہی امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے۔ کیونکہ مختلف نجاست کے بارے میں تقدیر کثیر فاحش کے ساتھ ہے اور بعض احکام میں چوتھائی

فِي بَعْضِ الْأَحْكَامِ وَغَنَهُ رُبْعُ أَذْنَى ثَوْبٍ تَجُوزُ فِيهِ الصَّلَاةُ كَالْمِزْرِ

کل کے ساتھ ملحق ہوتا ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ ادنیٰ کپڑا جس میں نماز جائز ہو جائے اس کا چوتھائی (مراد ہے) جیسے تہ بند،

وَقِيلَ رُبُّعَ الْمَوْضِعِ الَّذِي أَصَابَهُ كَالذَّلِيلِ وَالَّذِي خَرِيصٌ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ شِبْرٌ

اور کہا گیا کہ اس جگہ کا چوتھائی مراد ہے جہاں نجاست لگی ہے جیسے دامن اور کلی۔ اور امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ ایک بالشت طول اور ایک

فِي شِبْرٍ وَإِنَّمَا كَانَ مُحَقَّقًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ لِمَكَانِ الْإِخْتِلَافِ فِي نَجَاسَتِهِ

بالشت عرض ہے۔ اور ماکول اللہم کا پیشاب شیخین کے نزدیک غلطہ اس لئے ہے کہ اس کے ٹکس ہونے میں اختلاف ہے

أَوْ لِنَعَارِضِ النَّصْبِ عَلَى إِخْتِلَافِ الْأَصْلَيْنِ

یا دونوں کے تعارض کی وجہ سے دونوں اصلوں کے تلف ہونے کی بنا پر

## نجاست خفیفہ کی معاف مقدار

**تشریح:-** اس عبارت میں نجاست غلطہ کی مقدار مَقْفُوعُهُ کا بیان ہے چنانچہ فرمایا کہ نجاست غلطہ جیسے ماکول اللہم جانور کا پیشاب چوتھائی کپڑے کی مقدار سے کم معاف ہے اور چوتھائی کپڑے کی مقدار معاف نہیں ہے، یعنی اگر چوتھائی کپڑے سے کم پر غلطہ نجاست لگی ہو تو اس کے ساتھ نماز جائز ہے اور اگر چوتھائی کپڑے کی مقدار یا اس سے زائد لگی تو نماز جائز نہیں ہوگی۔ یہی امام ابو حنیفہ سے روایت کیا جاتا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ نجاست غلطہ کے بارے میں کثیر فاحش کے ساتھ اندازہ کیا گیا ہے یعنی نجاست غلطہ اگر کثیر فاحش لگ گئی ہو تو نماز جائز نہیں ہے۔ اور بہت سے احکام میں چوتھائی کوکل کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے مثلاً چوتھائی سر کا مسح پورے سر کے مسح کے قائم مقام ہے اور چوتھائی ستر عورت کا کھٹنا پوری عورت (واجب الستر) کے قائم مقام ہے اور جیسے حالت احرام میں چوتھائی سر کا طلق پورے سر کے قائم مقام ہے۔

حاصل یہ ہے کہ چوتھائی کل کے قائم مقام ہے اور کل سے نجاست غلطہ کا فاحش کثیر ہونا حاصل ہو جاتا ہے لہذا جو اس کے قائم مقام ہے یعنی چوتھائی اس سے بھی فاحش کثیر ہونا حاصل ہو جائے گا اور چونکہ فاحش کثیر نجاست غلطہ معاف نہیں ہے اس لئے ہم نے کہا کہ اگر چوتھائی کپڑے کو نجاست لگ گئی تو اس کے ساتھ نماز جائز نہیں ہوگی۔ یہی بات کہ چوتھائی کس کا مراد ہے سو اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے چنانچہ امام ابو حنیفہ سے ایک روایت تو یہی ہے کہ پورے بدن کا چوتھائی اور پورے کپڑے کا چوتھائی مراد ہے اگرچہ کپڑا بڑا ہو۔ علامہ ابن الہمام نے کہا کہ یہی احسن ہے۔

اور امام ابو حنیفہ سے یہ بھی روایت ہے کہ مَا يَجُوزُ بِهِ الصَّلَاةُ کا چوتھائی مراد ہے یعنی کم از کم اتنا کپڑا کہ جس میں نماز ہو جائے اس کا چوتھائی مراد ہے جیسے تہ بند۔ اور بعض حضرات نے کہا کہ کپڑے کے جس حصہ پر نجاست لگی ہو اس کا چوتھائی مراد ہے جیسے دامن اور کلی۔ پس اگر چوتھائی دامن کو نجاست غلطہ لگ گئی تو اس کے ساتھ نماز جائز نہ ہوگی۔

اور امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ اگر نجاست غلطہ ایک بالشت طویل اور ایک بالشت عرض لگی ہو تو کثیر فاحش ہے اس کے

ساتھ نماز جائز نہیں ہے اور اگر اس سے کم ہے تو وہ مغفوعہ ہے اس کے ساتھ نماز جائز ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف دونوں کے نزدیک نجاست مختلفہ ہے۔ امام صاحب کے نزدیک تو اس لئے کہ ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب کی نجاست اور طہارت میں نصوص مختلف ہیں چنانچہ حدیث عربین اونٹ کے پیشاب کی طہارت پر دلالت کرتی ہے اور اِستَظَرُّوْهُمُ مِنَ الْبَوْلِ لِأَنَّهُ عَامَّةٌ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ حدیث دلالت کرتی ہے کہ مطلقاً پیشاب نجس ہے۔

اور امام ابو یوسف کے نزدیک غلہ اس لئے ہے کہ ماکول اللحم کے پیشاب کے پاک اور ناپاک ہونے میں مجتہدین کا اختلاف ہے چنانچہ امام محمد طہارت کے قائل ہیں اور دوسرے حضرات نجاست کے، اس لئے ان کا پیشاب نجاست مختلفہ ہوگا۔

وَإِذَا أَصَابَ الثَّوْبَ مِنَ الرُّوثِ أَوْ مِنْ انْتِخَاءِ الْبَقَرِ أَكْثَرَ مِنْ قَدْرِ اللِّزَامِ لَمْ تَجْزِ الصَّلَاةُ فِيهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ

اور جب کپڑے کو لید یا گائے کا گوبر ایک درہم کی مقدار سے زائد لگ جائے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کپڑے میں نماز جائز نہیں

لِأَنَّ النَّصَّ الْوَارِدَ فِي نَجَاسَتِهِ وَهُوَ مَا رَوَى أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ رَمَى بِالرُّوثَةِ وَقَالَ هَذَا رِجْسٌ أَوْ رِجْسٌ

کیونکہ لید کی نجاست میں جو نص وارد ہے اور وہ وہ ہے جو روایت کیا گیا کہ حضور ﷺ نے لید کو پھینک دیا اور کہا کہ یہ رجس یا رجس

لَمْ يُعَارِضْهُ غَيْرُهُ وَبِهَذَا يَثْبُتُ التَّغْلِيطُ عِنْدَهُ

یعنی پلیدی ہے اس کے معارض کوئی دوسری نص نہیں ہے اور اس سے امام صاحب کے نزدیک مغلطہ ہونا ثابت ہو جاتا ہے

وَالْتَّخْفِيفُ بِالتَّعَارُضِ وَقَالَا يُجْزِئُهُ حَتَّى يَفْحَشَ لِأَنَّ لِالْاجْتِهَادِ فِيهِ مَسَاحًا

اور غلہ ہونا تعارض سے (ثابت ہوتا ہے) اور صاحبین نے کہا کہ اسے کفایت کرے گی یہاں تک کہ قاش ہو جائے کیونکہ اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے

وَبِهَذَا يَثْبُتُ التَّخْفِيفُ عَنْهُمَا وَلِأَنَّ فِيهِ ضَرُورَةً لِامْتِلَاءِ الطَّرِيقِ بِهَا

اور اس سے صاحبین کے نزدیک تخفیف ثابت ہو جاتی ہے اور اس لئے کہ اس میں ضرورت تحقق ہے کیونکہ اس سے راستے بھر رہتے ہیں

وَهِيَ مُؤَكَّرَةٌ فِي التَّخْفِيفِ بِخِلَافِ بَوْلِ الْحِمَارِ لِأَنَّ الْأَرْضَ تَنْشِيفُ قُلْنَا الضَّرُورَةُ فِي

اور یہ بات تخفیف میں مؤثر ہے بخلاف گدھے کے پیشاب کے اس لئے کہ زمین اس کو جذب کر لیتی ہے ہم کہتے ہیں کہ ضرورت (مرف)

النِّعَالِ وَقَدْ أَثَرَتْ فِي التَّخْفِيفِ مَرَّةً حَتَّى تَطْهَرَ بِالْمَسْحِ فَتَكْفِي

جوٹیوں میں ہے اور یہ ایک مرتبہ تخفیف میں مؤثر ہوگی ہے حتیٰ کہ جوتی رگڑ دیں سے پاک ہو جاتی ہے۔ پس ضرورت اپنی مؤنت

مَرُورَتِهَا وَلَا فَرْقَ بَيْنَ مَا كَوَّلَ اللَّحْمَ وَغَيْرِ مَا كَوَّلَ اللَّحْمَ وَزُفُرٌ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا

میں کفایت کرے گی۔ اور ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ اور نام زفر نے دونوں کے درمیان فرق کیا ہے

فَوَافِقَ أَبَا حَنِيفَةَ فِي غَيْرِ مَا كُؤِلِ اللَّحْمِ وَوَالْفَقْهَمَا فِي الْمَا كُؤِلِ وَعَنْ مُحَمَّدٍ

پس غیر ماکول اللحم میں امام ابو حنیفہ کی موافقت کی ہے اور ماکول اللحم میں صاحبین کی موافقت کی ہے۔ اور امام محمد سے مروی ہے کہ

أَنَّهُ لَمَّا دَخَلَ الرَّيَّ وَرَأَى الْبُلُوبَ أَفْتَى أَنَّ الْكَثِيرَ الْفَاحِشَ لَا يَمْنَعُ أَيْضًا

جب وہ ری شہر میں داخل ہوئے اور لوگوں میں عموم ابتلا دیکھا تو امام محمد نے فتویٰ دیا کہ یہ کثیر فاحش بھی (نماز سے) مانع نہیں ہے

وَقَاسُوا عَلَيْهَا طَيْنَ بُخَارَا وَعِنْدَ ذَلِكَ رُجُوعُهُ فِي الْخُفِّ يُرْوَى

اور اسی پر مشائخ نے بخارا کی کچھڑ کو قیاس کیا ہے۔ اور اسی واقعہ کے وقت امام محمد کا سوزہ کے مسئلہ میں رجوع کرنا روایت کیا جاتا ہے

## کپڑے پر لید، گوبر لگ جائے تو اس میں نماز پڑھنے کا حکم

**تشریح:** مسئلہ یہ ہے کہ اگر کپڑے پر لید یا گائے کا گوبر ایک درہم سے زائد لگ گیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کپڑے میں نماز جائز نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز ہے۔

امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ لید اور گوبر نجاست و مغلطہ ہے کیونکہ ان کے نجس ہونے پر نص موجود ہے چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ قضاء حاجت کے لئے تشریف لیجا رہے تھے کہ مجھ سے فرمایا کہ تین پتھر لاؤ پس دو پتھر تو مل گئے لیکن تیسرا نہ ملا تو میں لید کا ایک ٹکڑا لے کر آیا۔ آپ ﷺ نے دو پتھر لے لئے اور لید کو یہ کہہ کر پھینک دیا کہ ہذا نجس یعنی یہ گندی چیز ہے۔ پس اس حدیث سے لید کا ناپاک ہونا ثابت ہو گیا اور چونکہ کوئی دوسری حدیث اس کے معارض نہیں ہے جو اس کی طہارت پر دلالت کرے اس لئے لید، گوبر نجاست و مغلطہ ہے کیونکہ امام صاحب کے نزدیک عدم تعارض نصین سے نجاست کا مغلطہ ہونا ثابت ہو جاتا ہے اور تعارض سے اس کا حلقہ ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ بہر حال لید، گوبر امام صاحب کے نزدیک نجاست و مغلطہ ہے اور نجاست و مغلطہ ایک درہم کی مقدار سے زائد معاف نہیں ہے اس لئے اس قدر لید یا گوبر کے ساتھ نماز جائز نہیں ہوگی۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ بیگنی، لید، گوبر وغیرہ نجاست و خفیہ ہے کیونکہ ان چیزوں کی نجاست اور طہارت میں اختلاف ہے چنانچہ امام مالک ان چیزوں کی طہارت کے قائل ہیں اور دوسرے حضرات نجاست کے قائل ہیں اور سابق میں گذر چکا کہ صاحبین کے نزدیک کسی چیز کی نجاست اور طہارت میں مجتہدین کا اختلاف نجاست کے حلقہ ہونے کو ثابت کرتا ہے۔ اور نجاست و مغلطہ نماز کیلئے اس وقت مانع ہوگی جب کہ وہ چوتھائی کپڑے کو لگ جائے لہذا یہ نجاست اگر ایک درہم سے زائد ہو مگر چوتھائی کپڑے سے کم ہو تو اس میں نماز پڑھنا جائز ہے۔

صاحبین کی طرف سے لید وغیرہ کے نجاست و مغلطہ ہونے پر دوسری دلیل یہ ہے کہ لید وغیرہ میں ضرورت بھی تحقق ہے اور عموم بلوئی بھی موجود ہے کیونکہ بالعموم راستے لید گوبر سے بھر رہے ہیں۔ اور یہ بات متفق علیہ ہے کہ ضرورت اور عموم بلوئی موروثی

تحفیف ہے لہذا لید گوہر کی نجاست میں بھی عمومِ بلوئی کی وجہ سے تحفیف پیدا ہو جائے گی۔

بِخِلَافِ بُولِ الْبَحْمَارِ سے سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جس طرح لید وغیرہ میں ضرورت ہے اسی طرح گدھے کے پیشاب میں بھی عمومِ بلوئی اور ضرورت ہے پس جس طرح آپ لید وغیرہ کو نجاست تحفہ کہتے ہیں اسی طرح گدھے کے پیشاب کو بھی نجاست تحفہ کہنا چاہیے حالانکہ آپ اس کی تعلیل کے قائل ہیں۔

جواب پیشاب میں عمومِ بلوئی نہیں ہے کیونکہ پیشاب اسکا چیز ہے جس کو زمین اپنے اندر جذب کر لیتی ہے پس اب زمین پر کوئی چیز باقی نہیں رہی کہ جس کے ساتھ گدھ نے والا جٹلا ہو اس کے برخلاف لید، گوہر کہ ان کو زمین اپنے اندر جذب نہیں کرتی ہے۔ صاحبینؒ کی مذکورہ دلیل پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ عمومِ بلوئی اور ضرورت کی وجہ سے تو نجاست ساقط ہو جاتی ہے جیسے مٹی کا جوٹھا نجس نہیں ہوتا حالانکہ نجس ہونا چاہیے تھا کیونکہ مٹی کا گوشت حرام اور نجس ہے لیکن ضرورت اور عمومِ بلوئی کی وجہ سے نجاست ساقط ہو گئی۔

جواب اس کا یہ ہے کہ لید، گوہر وغیرہ میں ضرورت اور بلوئی کم ہے بہ نسبت مٹی کے جوٹھے کے اس لئے مٹی کے جوٹھے میں نجاست ساقط ہو گئی اور لید گوہر کی نجاست میں تحفیف پیدا ہو گئی ہے۔

صاحب ہدایہؒ نے امام ابو حنیفہؒ کی طرف سے صاحبینؒ کی پیش کردہ دلیل کا جواب یہ دیا کہ لید اور گوہر میں ضرورت تو مسلم ہے لیکن یہ ضرورت صرف جوتیوں کے حق میں مؤثر ہے اس کے علاوہ میں نہیں لہذا جوتیوں کا اثر جوتیوں کے علاوہ کی طرف متحدی نہیں ہوگا اور جوتیوں میں ضرورت کا اثر ایک مرتبہ ظاہر ہو چکا چنانچہ جوتی زمین پر گر ڈینے سے پاک ہو جاتی ہے لہذا ضرورت کی مؤنت اس تحفیف کے ساتھ کفایت کرے گی۔ اور دوسری مرتبہ اس کی نجاست میں تحفیف نہیں کی جائے گی کیونکہ ایک ضرورت سے ایک بار تحفیف ہوتی ہے بار بار تحفیف نہیں ہوتی۔

مصنف ہدایہؒ نے کہا کہ ہمارے علمائے ملاقہ کے نزدیک ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے یعنی جس طرح غیر ماکول اللحم کی لید، گوہر وغیرہ ناپاک ہے اسی طرح ماکول اللحم جانوروں کا بھی ناپاک ہے لیکن اس کے غلیظہ اور خفیفہ ہونے میں فرق ہے جیسا کہ گذر چکا۔

اور امام زفرؒ نے دونوں کے درمیان فرق کیا چنانچہ غیر ماکول اللحم جانوروں کی لید اور گوہر میں امام ابو حنیفہؒ کی موافقت کی اور کہا کہ ان کی نجاست غلیظہ ہے۔ اور ماکول اللحم جانوروں کی لید اور گوہر میں صاحبینؒ کی موافقت کی اور کہا کہ ان کی نجاست خفیفہ ہے۔

حضرت امام محمدؒ سے حکایت ہے کہ جب رقی شہر میں داخل ہوئے اور لوگوں کو عموماً اس میں جٹلا دیکھا کیونکہ راستے اور گھروں کے صحن دسرا نہیں لید، گوہر سے بھرے پڑے تھے تو امام محمدؒ نے فتویٰ دیا کہ یہ اگر کثیر فاحش بھی کپڑے یا بدن کو لگ جائے تو مانع نماز نہیں ہے۔ اسی قول پر مشائخ نے بخارا کی کچھڑ کو قیاس کیا ہے۔ جو راستوں میں گوہر اور مٹی سے مخلوط ہو کر پڑی رہتی ہے چنانچہ بخارا کے مشائخ نے کہا کہ وہ بھی چاہے جس قدر لگ جائے مانع نماز نہیں ہے۔ اسی واقعہ کے وقت امام محمدؒ کا موزہ کے مسئلہ میں رجوع کرنا روایت کیا جاتا ہے یعنی امام محمدؒ پہلے فرماتے تھے کہ موزہ زمین پر گر ڈینے سے پاک نہیں ہوتا لیکن اس واقعہ کے بعد اپنے اس قول



سے رجوع کیا اور شیخین کے قول کی موافقت کی۔ (واللہ اعلم بالصواب)۔

وَأَنَّ أَصَابَهُ بَوْلُ الْفَرَسِ لَمْ يَفْسِدْهُ حَتَّى يَفْحُشَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ

اور اگر اس کو گھوڑے کا پیشاب لگ جائے تو شیخین کے ہاں اسے فاسد نہ کرے گا یہاں تک کہ فاحش ہو جائے

وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ لَا تَمْنَعُ وَإِنْ فَحُشَ لِأَنَّ بَوْلَ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ طَاهِرٌ عِنْدَهُ مُخَفَّفٌ نَجَاسَتُهُ

اور امام محمد کے نزدیک مانع نہیں ہے اگرچہ فاحش ہو جائے اس لئے کہ امام محمد کے نزدیک ماکول اللحم کا پیشاب پاک ہے اور ابو یوسف کے نزدیک

عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَلَحْمُهُ مَا كُوِلَ عَنْهُمَا وَأَمَّا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ فَالْمُخَفَّفُ لِمُعَارَضِ الْأَثَرِ

اس کی نجاست مخفف ہے اور صاحبین کے نزدیک اس کا گوشت کھایا جاتا ہے اور لیکن ابو حنیفہ کے نزدیک مخفف تعارض آثار کی وجہ سے ہے

## گھوڑے اور ماکول اللحم جانور کے پیشاب کا حکم، اقوال فقہاء

**تشریح:** گھوڑے اور ماکول اللحم جانور کے پیشاب میں علمائے احناف کا اختلاف ہے۔ چنانچہ شیخین نے کہا کہ گھوڑے اور ماکول اللحم کا پیشاب نجس، نجاست خفیفہ ہے۔ اگر کثیر فاحش یعنی چوتھائی کپڑے کی مقدار لگ گیا تو وہ کپڑا ناپاک اور مانع نماز ہوگا۔ اور امام محمد کے نزدیک گھوڑے اور ماکول اللحم کا پیشاب مطلقاً مانع نماز نہیں خواہ وہ کثیر فاحش ہو یا اس سے کم ہو۔ امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ ماکول اللحم کا پیشاب پاک ہے اور پاک چیز کتنی بھی مقدار میں لگ جائے مانع نماز نہیں ہوتی اس لئے ماکول اللحم کا پیشاب نماز کیلئے مانع نہیں ہوگا اگرچہ وہ کثیر فاحش ہی کیوں نہ ہو۔

اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ماکول اللحم کا پیشاب نجس، نجاست خفیفہ ہے اور سابق میں گذر چکا کہ نجاست خفیفہ اگر کثیر فاحش یعنی چوتھائی کپڑے کی مقدار سے کم ہو تو معاف ہے مانع نماز نہیں، اور اگر کثیر فاحش ہو تو وہ مانع نماز ہے لیکن وجہ تخفیف الگ الگ ہے۔ چنانچہ امام ابو یوسف کے نزدیک ماکول اللحم کا پیشاب اس لئے نجاست خفیفہ ہے کہ اس کی نجاست اور طہارت میں مجتہدین امت کا اختلاف ہے۔ اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک نصوص کا متعارض ہونا وجہ تخفیف ہے کیونکہ حدیث مرسلین ماکول اللحم کے پیشاب کی طہارت پر دلالت کرتی ہے اور حدیث اِصْتَبْرَ هُوَ مِنَ الْبَوْلِ فَإِنَّهُ عَامَّةُ عَلَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ اس کی نجاست پر دلالت کرتی ہے۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ صاحبین کے نزدیک گھوڑے کا گوشت حلال ہے اور امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک حرام ہے لیکن حرمت کرامت اور آلہ جہاد ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ نجاست کی وجہ سے۔

وَأَنَّ أَصَابَهُ خَوْءَ مَا لَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ مِنَ الطَّيْرِ أَكْثَرُ مِنْ قَلْبِ الْبِرْهَمِ أَجْزَاءِ الصَّلَاةِ فِيهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ

اور اگر کپڑے کو غیر ماکول اللحم پر غصے کی بیٹ ایک درہم کی مقدار سے زیادہ لگ جائے تو شیخین کے ہاں اس کپڑے میں نماز کفایت کرے گی

وَأَبَىٰ يُوسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَا يَجُوزُ فَقَدْ قِيلَ إِنَّ الْأَخْتِلَافَ فِي النَّجَاسَةِ وَقَدْ قِيلَ فِي الْمَقْدَارِ

اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ جائز نہیں ہے۔ پس کہا گیا کہ اختلاف (اس کی) نجاست میں ہے اور کہا گیا کہ (اختلاف اس کی) مقدار میں ہے

وَهُوَ الْأَصَحُّ هُوَ يَقُولُ إِنَّ التَّخْفِيفَ لِلضَّرُورَةِ وَلَا ضَرُورَةَ لِعِلْمِ الْمُخَالَطَةِ

اور یہی اصح ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ تخفیف ضرورت کی وجہ سے ہے اور یہاں مخالطت نہ ہونے کی وجہ سے کوئی ضرورت نہیں

فَلَا يُخَفَّفُ وَلَهُمَا أَنَّهَا تَلْزُقُ مِنَ الْهَوَاءِ وَالتَّحَامِي عَنْهُ مُتَعَلِّزٌ لَتَحَقُّقِ الضَّرُورَةِ

لہذا تخفیف بھی نہ ہوگی اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ چڑیاں ہوا سے بیٹھ کر تھیں اور اس سے بچنا دشوار ہے پس ضرورت حتمی ہوگی

وَلَوْ وَقَعَ فِي الْإِنَاءِ قِيلَ يُفْسِلُهُ وَقِيلَ لَا يُفْسِلُهُ لَتَعَلَّرَ صَوْنُ الْوَالِي عَنْهُ

اور اگر برتن میں گر پڑے تو کہا گیا کہ اس کو خراب کر دے گی اور کہا گیا کہ خراب نہیں کرے گی کیونکہ برتنوں کو اس سے بچنا دشوار ہے

## غیر ماکول اللحم پر بندوں کی بیٹ کا حکم

تشریح: مسئلہ اگر غیر ماکول اللحم پر بند کی بیٹ ایک درہم سے زائد کپڑے یا بدن کو لگ گئی تو شیخینؒ کے نزدیک اس کے

ساتھ نماز جائز ہو جائے گی، اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ نماز جائز نہیں ہوگی۔

رہی یہ بات کہ شیخینؒ اور امام محمدؒ کے درمیان اختلاف اس کی نجاست اور طہارت میں ہے یا اس کی مقدار میں۔ سو امام کرختیؒ نے کہا

کہ اختلاف نجاست اور طہارت میں ہے یعنی غیر ماکول اللحم پر بندوں کی بیٹ شیخینؒ کے نزدیک پاک ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک نا پاک ہے۔

اور فقیہ ابو جعفرؒ نے کہا کہ اختلاف اس کی مقدار میں ہے یعنی نجس ہونے پر تو سب متفق ہیں لیکن امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک

نجاست خفیہ ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک نجاست غلیظہ ہے۔

واضح ہو کہ ہدایہ کی عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ دونوں روایتوں میں امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہیں حالانکہ ایسا

نہیں بلکہ امام کرختیؒ کی روایت کے مطابق ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہیں اور فقیہ ابو جعفرؒ کی روایت کے مطابق امام محمدؒ کے ساتھ ہیں جیسا کہ

خادم نے اوپر ذکر کیا۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ یہ اصح ہے کہ اختلاف مقدار میں ہے۔ (مناہد)

صاحب ہدایہ کے بیان کے مطابق امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ تخفیف نجاست میں ضرورت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے لیکن

یہاں پر بندوں کی آدمیوں کے ساتھ مخالطت نہ ہونے کی وجہ سے کوئی ضرورت نہیں اس لئے تخفیف نہ ہوگی۔ اور شیخینؒ کی دلیل یہ ہے

کہ چڑیاں ہوا سے بیٹھ کر دیتی ہیں اور ان سے بچنا محذور ہے اس لئے ضرورت حتمی ہوگی۔

مولانا عبدالحیؒ نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تخفیف کا مدار تعارضی نص میں پر ہے اور وہ ابھی ظاہر نہیں ہوا لہذا

ضرورت کا پایا جانا تخفیف کے وجود پر کیسے دلیل ہو سکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ وجود تخفیف کی دلیل نہیں بلکہ امام محمدؒ کی

دلیل کا جواب ہے۔

اور اگر پرندے کی بیٹ برتن میں گر جائے تو اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ وہ بیٹ اس برتن کو ناپاک کر دے گی۔ اسی کو امام ابو بکر عثمٰشؒ نے اختیار کیا ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ برتن ناپاک نہیں ہوگا اس قول کو امام کرختی نے اختیار کیا ہے۔ ابو بکر عثمٰشؒ کہتے ہیں کہ برتنوں کو اس سے بچانا ممکن ہے اس لئے برتنوں کے حق میں کوئی ضرورت نہیں۔ اور امام کرختی نے فرمایا کہ برتنوں کو اس سے بچانا معذور ہے اس وجہ سے برتنوں کے حق میں بھی ضرورت تحقق ہوگئی۔

وَإِنْ أَصَابَهُ مِنْ قَمِ السَّمَكِ أَوْ مِنْ لَعَابِ الْبُهْلِ أَوِ الْجِمَارِ أَكْثَرُ مِنْ قَلْبِرِ اللَّيْزِهِمْ أَجْزَاءِ الصَّلَاةِ فِيهِ

اور اگر کپڑے کو مچھلی کا خون یا خیرا گدھے کا لعاب ایک درہم کی مقدار سے زائد لگ جائے تو اس میں نماز کفایت کرے گی

أَمَّا دَمُ السَّمَكِ فَلِأَنَّهُ لَيْسَ بِدَمٍ عَلَى التَّحْقِيقِ فَلَا يَكُونُ نَجَسًا وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ

بہر حال مچھلی کا خون تو اس وجہ سے کہ وہ درحقیقت خون ہی نہیں لہذا وہ ناپاک بھی نہیں ہوگا۔ اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ

إِغْتَبَرُ فِيهِ الْكَثِيرُ الْفَاحِشِ فَاعْتَبَرَهُ نَجَسًا وَأَمَّا لَعَابُ الْبُهْلِ وَالْجِمَارِ

انہوں نے مچھلی کے خون میں کثیر فاحش کا اعتبار کیا پس ابو یوسفؒ نے اس کو ناپاک اعتبار کیا۔ اور داخدر اور گدھے کا لعاب

فَلِأَنَّهُ مَشْكُوكٌ فِيهِ فَلَا يَتَنَجَّسُ بِهِ الظَّاهِرُ

تو اس وجہ سے کہ اس کے لعاب میں شک ہے لہذا ناپاک چیز اس سے ناپاک نہ ہوگی

## مچھلی کے خون، خیر اور گدھے کے لعاب کا حکم

تشریح :- مسئلہ، اگر کپڑے کو مچھلی کا خون یا خیرا گدھے کا لعاب ایک درہم کی مقدار سے زائد لگ گیا تو اس کپڑے میں نماز جائز ہے۔ مچھلی کے خون کی صورت میں دلیل یہ ہے کہ مچھلی کا خون درحقیقت خون ہی نہیں ہے کیونکہ مچھلی کا خون دھوپ میں سفید ہو جاتا ہے حالانکہ دوسرے تمام خون دھوپ میں سیاہ ہو جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ بغیر ذبح کئے مچھلی کا کھانا حلال ہے بہر حال جب مچھلی کا خون درحقیقت خون ہی نہیں تو وہ ناپاک بھی نہیں ہوگا اور جب ناپاک نہیں تو جواز نماز کے لئے مانع بھی نہیں ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ مچھلی کا خون نجس بنجاست و خفیہ ہے لہذا اگر کپڑے کو کثیر فاحش لگ گیا تو اس میں نماز نہیں ہوگی۔ رہا گدھے اور خیر کا لعاب تو اس وجہ سے کہ اس کے لعاب میں شک ہے لہذا جو چیز یقین کے ساتھ پاک ہے وہ اس شک وجہ سے ناپاک نہیں ہوگی۔

فَإِنْ انْتَضَعَ عَلَيْهِ الْبَوْلُ مِثْلَ رُؤُوسِ الْإِبْرِ فَلِذَلِكَ لَيْسَ بِشَيْءٍ لِأَنَّهُ لَا يُسْتَطَاعُ الْإِمْتِنَاعُ عَنْهُ

پھر اگر آدمی پر سونے کے ٹکڑے کے برابر پیشاب کی چھینٹیں پڑیں تو یہ کوئی چیز نہیں ہے کیونکہ اس سے بچاؤ کی قدرت نہیں ہے

کپڑوں پر سوئی کے ناکہ کے برابر پیشاب کی چھینٹیں لگ جائیں تو ایسے کپڑوں میں

نماز پڑھنا جائز ہے

تشریح: بصورت مسئلہ اور دلیل ظاہر ہیں محتاج بیان نہیں۔

وَالنَّجَاسَةُ ضَرْبَانِ مَرِيَّةٌ وَغَيْرُ مَرِيَّةٍ فَمَا كَانَ مِنْهَا مَرِيَّةً فَطَهَارَتُهَا بِزَوَالِ غَيْبِهَا

اور نجاست کی دو قسم ہیں۔ مریۃ اور غیر مریۃ۔ پس جو نجاست میں سے مریۃ ہو تو اس کی طہارت اس کے عین کے زائل ہونے سے ہے

لَاَنَّ النَّجَاسَةَ حَلَّتِ الْمَحَلَّ بِاعْتِبَارِ الْعَيْنِ فَتَزُولُ بِزَوَالِهِ

کیونکہ نجاست نے محل میں باعتبار اپنی ذات کے طول کیا پس ذات کے زائل ہونے سے نجاست زائل ہوگی

إِلَّا أَنْ يَبْقَى مِنْ أَثَرِهَا مَا يَشُقُّ إِزَالَتَهُ لِأَنَّ الْحَرَجَ مَذْفُوعٌ وَهَذَا يُشِيرُ إِلَى

مگر یہ کہ نجاست کے اثر سے وہ چیز باقی رہ جائے جس کا دور کرنا دشوار ہو کیونکہ حرج (شریعت میں) دور کیا گیا ہے اور یہ کلام اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے

أَنَّهُ لَا يُشْتَرَطُ الْغَسْلُ بَعْدَ زَوَالِ الْعَيْنِ وَإِنْ زَالَ بِالْغَسْلِ مَرَّةً وَاحِدَةً وَلَيْسَ كَلَامٌ

کہ گھنہ نجاست دور ہونے کے بعد دھونا شرط نہیں ہے مگر چہ ایک ہی مرتبہ دھونے سے زائل ہو جائے۔ اور اس میں (مشائخ کا) کلام ہے

نجاست کی دو قسمیں، مری اور غیر مری۔۔۔۔۔ دونوں کی طہارت کا حکم

تشریح: شیخ قدوریؒ نے کہا کہ نجاست کی دو قسمیں ہیں ایک مری دوم غیر مری۔ کیونکہ نجاست خشک ہونے کے بعد منجمد اور مجسم نظر آئے گی یا نہیں۔ اور اگر اول ہو تو مری ہے اور اگر ثانی ہو تو غیر مری ہے پس نجاست مری سے کپڑے کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کا عین اور اس کی ذات دور کر دی جائے اگر چہ اس کے بعض اوصاف رنگ، بود غیر وہ رہ جائیں۔ دلیل یہ ہے کہ نجاست نے باعتبار اپنی ذات کے محل میں طول کیا ہے لہذا ذات اور عین کے زائل ہونے سے نجاست زائل ہو جائے گی۔ مگر زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ نجاست کا وہ اثر جس کا دور کرنا دشوار ہے وہ باقی رہ جائے گا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے دور کرنے میں حرج ہے اور شریعت میں حرج دور کیا گیا ہے اس لئے اثر کے باقی رہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اس کی تائید حضرت خولہ بنت یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ اِنَّهَا قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ اِنْ لِي ثَوْبًا وَاحِدًا وَاَتَيْتُ اَحِيضُ فِيْهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ رُحِيْبُهُ وَالْقُرْصِيْهِ ثُمَّ اغْسِلِيْهِ بِالْمَاءِ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ يَتَقَى لَهٗ اَثَرُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَكْفِيْكَ الْمَاءُ فَلَا يَضُرُّكَ اَثَرُهُ۔

حضرت خولہ بنت یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اے اللہ کے رسول میرے پاس ایک کپڑا ہے میں اسی میں حیض لاتی ہوں پس حضور ﷺ نے فرمایا کہ تو اس پر پانی چھڑک پھر مل پھر اس کو پانی سے دھو ڈال۔ خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ اے اللہ

کے رسول اس کا اثر باقی رہ جاتا ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ تجھ کو پانی کافی ہے یعنی پانی سے دھو ڈالنا اور اس کا اثر تجھے مضر نہیں ہے۔

اور یہاں مشقت کی تفسیر یہ ہے کہ اثر دور کرنے میں پانی کے علاوہ دوسری چیز مثلاً صابون وغیرہ کی ضرورت ہو۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ قدوری کا کلام اس طرف مشیر ہے کہ عین نجاست دور ہونے کے بعد اس کا دھونا شرط نہیں ہے

اگر چہ عین نجاست ایک مرتبہ دھونے سے دور ہو جائے یعنی اگر نجاست مرئی ایک بار دھونے سے دور ہوگئی تو یہ کافی ہے اور اگر تین مرتبہ دھونے سے بھی زائل نہ ہو تو اس کو دھونا ہے یہاں تک کہ عین نجاست دور ہو جائے۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ اگر نجاست مرئی ایک مرتبہ دھونے سے دور ہوگئی تو اس میں مشائخؒ نے کلام کیا ہے چنانچہ بعض

نے کہا کہ عین نجاست دور ہونے کے بعد پھر تین مرتبہ دھوئے کیونکہ عین نجاست دور ہونے کے بعد وہ بمنزلہ نجاست غیر مرئی کی ہوگئی اور نجاست غیر مرئی کو تین مرتبہ دھونا شرط ہے۔

فقیر ابو جعفرؒ نے کہا کہ ایک بار تو دھو چکا دو بار اور دھو دے تاکہ تین کا عدد تحقق ہو جائے لیکن حقیقی بات وہی ہے جس کو فاضل

مصنفؒ نے بیان کیا ہے۔

وَمَا لَيْسَ بِمَرْئِي طَهَارَتُهُ أَنْ يُغَسَّلَ حَتَّى يَغْلِبَ عَلَى ظَنِّ الْغَائِلِ أَنَّهُ قَدْ طَهُرَ

اور جو نجاست غیر مرئی ہے اس کی طہارت یہ ہے کہ اسے دھویا جائے یہاں تک کہ دھونے والے کے گمان پر غالب آجائے کہ وہ حقیقی پاک ہوگئی

لَاَنَّ التَّكْرَارَ لَا بُدَّ مِنْهُ لِإِسْتِخْرَاجِ وَلَا يَقْطَعُ بَرَوَالِهِ فَاغْتَبِرْ غَالِبُ الظَّنِّ

کیونکہ نجاست نکالنے کے لئے تکرار ضروری ہے۔ اور اس نجاست کے زوال کا یقین نہیں ہوگا پس غالب گمان کا اعتبار کر لیا گیا

كَمَا فِي أَمْرِ الْقِبْلَةِ وَإِنَّمَا قَلْتُمْ بِالْثَلَاثِ لِأَنَّ غَالِبَ الظَّنِّ يَحْصُلُ عِنْدَهُ

جیسا کہ جہت قبلہ کے مسئلہ میں ہے۔ اور فقہاء نے تین مرتبہ کے ساتھ اس لئے مقدمہ کیا ہے کہ غالب گمان اس عدد پر حاصل ہو جاتا ہے

فَأَقِيمِ السَّبَبَ الظَّاهِرَ مَقَامَهُ تَبْسِيرًا وَتَعَايُذُ ذَلِكَ بِحَدِيثِ الْمُسْتَقِظِ مِنْ مَنَابِهِ

پس آسانی کے لئے سبب ظاہر کو غالب گمان کے قائم مقام کیا گیا اور اس کی تائید حدیث مستقیظؒ سے بھی ہوتی ہے

ثُمَّ لَا بُدَّ مِنَ الْعَصْرِ فِي كُلِّ مَرَّةٍ فِي ظَاهِرِ الرَّوَايَةِ لِأَنَّهُ هُوَ الْمُسْتَخْرِجُ

پھر ظاہر الروایہ میں ہر بار تہجد ضروری ہے کیونکہ تہجد ظاہر نجاست غیر مرئی کو نکالنے والا ہے

## غیر مرئی نجاست کی طہارت کا حکم

تشریح: اس عبارت میں نجاست کی دوسری قسم یعنی نجاست غیر مرئی کا بیان ہے مثلاً پیشاب، شراب وغیرہ اس کا حکم یہ

ہے کہ کپڑے کو اس قدر دھویا جائے کہ دھونے والے کو غالب گمان ہو کہ وہ پاک ہو گیا۔

دلیل یہ ہے کہ نجاست نکالنے کے لئے دھونے میں تکرار ضروری ہے اور چونکہ اس نجاست کے زائل ہونے کا قطعی علم ممکن نہیں اس لئے غالب گمان کا اعتبار کر لیا گیا جیسے جہت قبلہ کے مسئلہ میں ہے یعنی اگر کسی شخص پر جہت قبلہ مشتبہ ہو گئی اور کوئی بتلانے والا موجود نہیں ہے تو ایسی صورت میں وہ شخص تحری کرے جس جانب کو غالب گمان ہو وہی معتبر ہے حتیٰ کہ تحری سے پڑھنے کے بعد اگر دوسری طرف قبلہ متحقق ہوا تو نماز کا اعادہ واجب نہیں ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ فقہاء نے غالب گمان کا اندازہ تین مرتبہ دھونے کے ساتھ لگایا ہے کیونکہ اس تعداد سے غالب گمان حاصل ہو جاتا ہے پس آسانی کے لئے ظاہری سبب یعنی تین کے عدد کو غالب گمان کے قائم مقام کر دیا گیا یعنی تین مرتبہ دھونے پر پاکی کا حکم لگادیا جائے گا۔ اور اس کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ حدیث اِذَا اسْتَيْقَظَ اَخَذَ كُمْ مِنْ مَنَابِهِ فَلَا يَغْمِسَنَ يَدَهُ فِي الْاِنَاءِ حَتَّى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا فَإِنَّهُ لَا يَذْرِي اَيَّنَ بَالَتْ يَدُهُ اس حدیث میں نجاست موبہ کی وجہ سے تین مرتبہ ہاتھ دھونے کا حکم دیا گیا ہے پس نجاست متعقہ میں بدرجہ اولیٰ یہ حکم ہوگا۔ پھر ظاہر الروایۃ کے مطابق ہر مرتبہ کپڑے کا نچوڑنا ضروری ہے کیونکہ نچوڑنا ہی نجاست غیر مرئیہ کو نکالنے والا ہے۔

اور غیر ظاہر الروایۃ میں امام محمد سے مروی ہے کہ تیسری مرتبہ نچوڑنا کافی ہے ہر مرتبہ نچوڑنا ضروری نہیں ہے۔

## فصل فی الاستنجاء

(یہ فصل استنجاء کے احکام کے بیان میں ہے)

الاستنجاء سنة لان النبي عليه السلام واظب عليه ويجوز فيه الحجر ومقام مقامه

استنجاء سنت ہے کیونکہ حضور ﷺ نے اس پر اہتمام فرمایا ہے۔ اور استنجاء میں پتھر اور وہ چیز جو (پتھر) کے قائم مقام ہو جائز ہے

بمسححه حتى ينقيه لان المقصود هو الانقاء فيعتبر ما هو المقصود وليس فيه عدد مسنون

اس کو پونچھے یہاں تک کہ اس کو پاک کر دے کیونکہ مقصود پاک و صاف کرنا ہے پس جو مقصود ہے وہی معتبر ہے اور اس میں کوئی عدد مسنون نہیں ہے

وقال الشافعي لا بد من الثلث لقوله عليه السلام وليستج منكم بثلاثة أحجار

اور امام شافعی نے کہا کہ تین کا ہونا ضروری ہے اس لئے کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ تم میں سے (ہر ایک) تین پتھروں سے استنجاء کرے

ولنا قوله عليه السلام من استجمر فليوتر فعن فعل فحسن ومن لا

اور ہماری دلیل حضور ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ جو (پتھر سے) استنجاء کرے تو وہ طاق کرے۔ پس جس نے ایسا کیا تو اچھا ہے اور جس نے نہ کیا تو



فَلَا خَرَجَ وَمَا رَوَاهُ مَتْرُوكٌ الظَّاهِرُ فَإِنَّهُ لَوْ اسْتَجْلَى بِحَجَرٍ لَهُ ثَلَاثَةُ أَحْرَافٍ جَازَ

کچھ حرج نہیں ہے اور جو حدیث امام شافعی نے روایت کی ہے وہ متروک الظاہر ہے چنانچہ اگر اس نے ایک ایسے پتھر سے جس کے تین کونے ہوں استنجاء کیا تو

بِالْإِجْمَاعِ وَغَسَلَهُ بِالْمَاءِ أَفْضَلُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا

بالاجماع جائز ہے اور اس کو پانی سے دھونا افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس ہستی میں ایسے لوگ ہیں جو خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں

نَزَلَتْ فِي الْقَوْمِ كَانُوا يُتْبِعُونَ الْحِجَارَةَ الْمَاءَ ثُمَّ هُوَ آدَبٌ

یہ آیت اس قوم کے حق میں نازل ہوئی جو پتھروں کے بعد پانی استعمال کرتے تھے۔ پھر پانی سے استنجاء کرنا ادب ہے

وَقِيلَ سُنَّةٌ فِي زَمَانِنَا وَيُسْتَعْمَلُ الْمَاءُ إِلَى أَنْ يَقَعَ فِي غَالِبٍ عَلَيْهِ أَنَّهُ قَدْ طَهَّرَ

اور کہا گیا کہ ہمارے زمانے میں سنت ہے اور پانی کو استعمال کرتا رہے یہاں تک کہ اس کے غالب گمان میں واقع ہو جائے کہ حقیقت پاک ہو گیا

وَلَا يُقَدَّرُ بِالْمَرَّاتِ إِلَّا إِذَا كَانَ مُوسِمًا فَيُقَدَّرُ بِالثَّلَاثِ فِي حَقِّهِ وَقِيلَ بِالسَّبْعِ

اور بار باروں سے اندازہ نہیں کیا جائے گا مگر جب کسی آدمی کو سواوس ہوں تو اس کے حق میں تین کے ساتھ اندازہ کیا جائے گا اور کہا گیا کہ سات بار کے ساتھ

## استنجاء کی شرعی حیثیت و کیفیت اور استنجاء میں ڈھیلوں اور پانی کا استعمال

تشریح:- مسئلہ امام قدوری نے اس فصل میں استنجاء کے احکام ذکر کئے ہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ استنجاء وضو کی

سننوں میں سے ہے لہذا سنن وضو میں ذکر کرنا زیادہ مناسب تھا۔

جواب چونکہ سہیلین پر سے نجاست و ہیئہ کو دور کرنے کا نام استنجاء ہے اس لئے کہ اس کو نابث الانجاس و تطہیر ہا کے

تحت ذکر کیا۔ استنجاء، استطلبة، اور استجمار تینوں ہم معنی ہیں مگر استنجاء اور استطلبة عام ہیں پانی سے ہو یا دوسری پاک کرنے والی چیز سے

اور استجمار ڈھیلوں اور پتھروں کے ساتھ خاص ہے۔ استجماء کے معنی بھی پتھر وغیرہ سے پاک کر لینا، استبراء زمین پر پاؤں مارنا۔ اور

استزاد پیشاب سے نزاہت چاہنا۔

استنجاء ماخوذ ہے نجو سے اور نجو اس چیز کو کہتے ہیں جو پیٹ سے نکلے اور بلند جگہ کو بھی نجو کہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک

استنجاء سنت مؤکدہ ہے اور اسی کے قائل امام مالک اور امام حنفی ہیں۔

اور امام شافعی نے کہا کہ فرض ہے، استنجاء مسنون ہونے پر دلیل حضور ﷺ کا پہنچلی فرمانا ہے چنانچہ بخاری و مسلم کی روایت

ہے: عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَدْخُلُ الْخَلَاءَ فَأَحْمِلُ أَنَا وَغُلَامٌ نَحْوِي إِذَا وَءَ مِنْ مَاءٍ

وَعَنْزَةٌ فَيَسْتَنْجِي بِالْمَاءِ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ پامخانہ تشریف لے جاتے تو میں

اور میرے مانند ایک لڑکا پانی کا برتن اور پوری دار عصار اٹھاتے ہیں آپ پانی سے استنجاء کرتے تھے۔

اور ابن ماجہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے **قَالَتْ مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ خَرَجَ مِنْ غَائِطٍ قَطُّ إِلَّا مَسَّ مَاءَ امِّ الْمُؤْمِنِينَ** حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں نے کبھی رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ پانچا نہ سے نکلے مگر یہ کہ پانی چھوئے تھے۔

ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے استنجاء کرنے پر بھیگلی فرمائی ہے۔ استنجاء میں پھر اور جو اس کے قائم مقام ہو اس کا استعمال کرنا جائز ہے اور اس کی کیفیت یہ ہے کہ استنجاء کی جگہ کا اس قدر مسح کرے کہ وہ پاک ہو جائے کیونکہ پاک کرنا ہی مقصود ہے لہذا جو مقصود ہے اسی کا اعتبار ہوگا۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ پتھروں میں کوئی عدد مسنون نہیں ہے بلکہ جس قدر سے پاکی حاصل ہو جائے اسی قدر استعمال کرے۔ تین ہوں یا تین سے کم یا تین سے زائد۔

امام شافعی نے کہا کہ تین پتھروں کا ہونا ضروری ہے۔ امام شافعی کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے: **إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ إِذَا ذَهَبَ أَخَذْتُكُمْ إِلَى الْغَائِطِ فَلَا يَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ وَلَا يَسْتَدِيرُهَا بِغَائِطٍ وَلَا بَوْلٍ وَلَيْسَتْ بِيْ خَلَاءٍ أَحْبَابٍ** یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہارے واسطے مثل باپ کے ہوں۔ جب تم میں سے کوئی پانچا نہ جائے تو پانچا نہ اور پیشاب میں نہ قبلہ کا استقبال کرے اور نہ استدبار کرے اور تین پتھروں سے استنجاء کرے۔ اس حدیث میں میخذ امر واقع ہے۔ اور امر وجوب کے لئے پس اس حدیث سے استنجاء کا واجب ہونا اور پتھروں میں تین کا عدد ہونا ثابت ہو گیا۔

ہماری دلیل یہ حدیث ہے **عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ اسْتَحْلَلَ فَلْيُؤَبِّرْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَحْسَنَ وَمَنْ لَا فَلَا خَرَجَ وَمَنْ اسْتَجَمَرَ فَلْيُؤَبِّرْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَحْسَنَ وَمَنْ لَا فَلَا خَرَجَ وَمَنْ أَكَلَ فَمَا تَحْلَلْ فَلْيَلْفِظْ وَمَا لَاكَ بِلِسَانِهِ فَلْيَتْلَعْ وَمَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَحْسَنَ وَمَنْ لَا فَلَا خَرَجَ وَمَنْ أَتَى الْغَائِطَ فَلْيَسْتَسِرْ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ إِلَّا أَنْ يُجْمَعَ كَثِيرًا مِنْ رَمْلِ فَلْيَسْتَدِيرْ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَلْعَبُ بِمَقَاعِدِ بَنِي آدَمَ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَحْسَنَ وَمَنْ لَا فَلَا خَرَجَ** (ابوداؤد)

یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی سرمہ لگائے وہ طاق کرے جس نے کیا اس نے بہت اچھا کیا اور جس نے نہیں کیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور جس نے پتھر وغیرہ سے استنجاء کیا تو طاق کرے جس نے کیا اس نے بہت اچھا کیا اور جس نے نہیں کیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور جس نے کھایا تو جو خلال سے نکالے اس کو پھینک دے

اور جو زبان سے نکالے اس کو نکل جائے جس نے کیا اس نے بہت اچھا کیا اور جس نے نہیں کیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور جو پاخانہ جائے اس کو چاہیے کہ پردہ کرے پھر اگر نہ پائے مگر یہ کہ ریت کا ڈھیر کرے تو اس کی طرف پشت کر لے کیونکہ شیطان آدمیوں کے مقاعد سے کھیل کرتا ہے جس نے کیا اس نے بہت اچھا کیا اور جس نے نہیں کیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

علامہ ابن الہمامؒ نے کہا کہ اتار (طاق) ایک پر بھی واقع ہوتا ہے۔ اور حدیث میں فرمایا گیا کہ ترک اتار میں کوئی گناہ نہیں ہے تو اس کا حاصل یہ ہوا کہ ترک استنجاء میں کوئی گناہ نہیں ہے اور جس چیز کے ترک پر کوئی گناہ نہ ہو وہ فرض یا واجب نہیں ہو سکتی پس معلوم ہوا کہ استنجاء فرض نہیں بلکہ سنت ہے۔ اور اتار جس طرح تین کے عدد میں پایا جاتا ہے اسی طرح ایک اور پانچ ہسات کے عدد سے بھی تحقق ہو جاتا ہے اس لئے تین کا عدد بھی ضروری نہیں ہوگا۔

اور یہی وہ حدیث جس کو امام شافعیؒ نے دلیل میں پیش کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث متروک الظاہر ہے اس لئے کہ اگر ایسے پھر سے استنجاء کیا جس کے تین کو نے ہوں تو بالا تفاق جائز ہے پس معلوم ہوا کہ تین کا عدد شرط نہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ صیغہ امر کو استحباب پر محمول کر لیا جائے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ جب عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور ﷺ نے استنجاء کے پھر مانگے اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو پھر لائے اور تیسرا پھر نہ پایا تو لید اٹھا لائے۔ پس آپ ﷺ نے دونوں پھروں پر لے لئے اور تیسرا یعنی لید پھینک دی اور فرمایا کہ یہ پلید ہے۔ پس اگر تین واجب ہوتے تو آپ ﷺ تیسرا پھر ضرور منگواتے۔ حالانکہ آپ ﷺ نے تیسرا پھر نہیں منگوا یا جیسا کہ بخاری میں ہے اس واقعہ سے بھی ثابت ہوا کہ تین کا عدد شرط نہیں ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ ڈھیلوں سے پوچھنے کے بعد پانی سے دھونا افضل ہے کیونکہ باری تعالیٰ کا قول فَيَذَرُهَا لِيُجِئُونَ اَنْ يَّطَهَّرُوا اہل قبا کے بارے میں نازل ہوا اور اہل قبا کی یہ عادت تھی کہ وہ پھروں کے بعد پانی کا استعمال کیا کرتے تھے۔

واضح ہو کہ پھروں کے بعد پانی کا استعمال ادب اور مستحب ہے کیونکہ حضور ﷺ بھی پانی سے استنجاء کرتے اور کبھی اس کو چھوڑ دیتے، اور ظاہر ہے کہ یہ استحباب کا درجہ ہے۔ اور بعض حضرات نے کہا کہ ہمارے زمانے میں پانی سے استنجاء کرنا مسنون ہے یہی حسن بھریؒ سے منقول ہے دلیل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے: قَالَ اِنْ مَنَّ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَعَرَّوْنَ بَعْرًا وَاَنْتُمْ تَحْلِطُونَ فَلَطًا فَاتَّبِعُوا الْحِجَارَةَ الْمَاءِ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ میٹنیاں کرتے تھے اور تم پتلا پاخانہ کرتے ہو پس پھروں کے بعد پانی کا استعمال کر لیا کرو (بیہقی)

صاحب ہدایہ نے کہا کہ استنجاء کی جگہ پانی استعمال کرتا رہے یہاں تک کہ پاک ہونے کا غالب گمان ہو جائے۔ اور تین یا پانچ مرتبہ کی کوئی قید نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص دس یا دس میں جلا ہو تو اس کے حق میں تین مرتبہ دھونے کے ساتھ تجدید کی جائے گی۔ جیسا

کہ نجاست غیر مرئیہ میں ہے اور پاخانہ اگر چہ مرئی ہے لیکن استنجاء کرنے والا چونکہ اس کو دیکھ نہیں سکتا اس لئے وہ بھی اس کے حق میں پیشاب یعنی نجاست غیر مرئیہ کے مرتبہ میں ہوگا۔

اور بعض حضرات نے سات مرتبہ کے ساتھ مقدر کیا ہے اس حدیث کا اعتبار کرتے ہوئے جو کہتے کا برتن میں منہ ڈالنے کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔

وَلَوْ جَاوَزَتِ النِّجَاسَةُ مَخْرَجَهَا لَمْ يَجْزُ إِلَّا الْمَاءُ وَلَيْ بَعْضُ النَّسَخِ إِلَّا الْمَانِعُ
اور اگر نجاست نے اپنے مخرج سے تجاوز کیا تو پانی کے سوا کچھ جائز نہیں ہے اور بعض نسخوں میں (سوائے ہننے والی چیز کے) ہے۔
وَهَذَا يُحَقِّقُ اخْتِلَافَ الرِّوَايَتَيْنِ فِي تَطْهِيرِ الْغُضُو بِغَيْرِ الْمَاءِ عَلَى مَا بَيَّنَّا وَهَذَا لِأَنَّ الْمَسْحَ
اور یہ پانی کے علاوہ سے عضو کو پاک کرنے میں اختلاف دو روایتیں کو ثابت کرتا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ اور یہ اس لئے کہ مسح کرنا
غَيْرُ مُزِيلٍ إِلَّا أَنَّهُ اكْتَفَى بِهِ فِي مَوْضِعِ الْأَسْتِجَاءِ فَلَا يَتَعَدَّاهُ ثُمَّ يُعْتَبَرُ بِالْعَقْدَارِ الْمَانِعِ
زائل کرنے والا نہیں ہے مگر مقام استنجاء میں اسی پر اکتفاء کیا گیا ہے لہذا اس سے (کسی دوسری طرف) متعدی نہیں ہوگا پھر وہ مقدار جو مانع نماز ہے
وَرَاءَ مَوْضِعِ الْأَسْتِجَاءِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ لِسُقُوطِ إِعْتِبَارِ ذَلِكَ الْمَوْضِعِ
شیخین کے نزدیک موضع استنجاء کے علاوہ ہے۔ اس لئے کہ اس مقام کا اعتبار ساقط ہے۔
وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ مَعَ مَوْضِعِ الْأَسْتِجَاءِ إِعْتِبَارُ بِسَائِرِ الْمَوَاضِعِ
اور امام محمد کے نزدیک موضع استنجاء کے ساتھ تمام مواضع پر قیاس کرتے ہوئے

## نجاست مخرج سے تجاوز کر جائے تو صرف پانی سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے

تشریح:- مسئلہ ”اگر نجاست استنجاء کی جگہ یعنی مخرج سے ادھر ادھر تجاوز ہوگئی تو اس کو صرف پانی سے دور کیا جاسکتا ہے پھر وغیرہ سے پونچھنا کافی نہیں ہوگا۔ اور بعض نسخوں میں الماء یعنی پانی کی جگہ المانع (ہننے والی چیز) لکھا ہے یعنی جو نجاست مخرج سے تجاوز ہوگئی اس کو صرف ہننے والی چیز سے دور کیا جاسکتا ہے۔ ہننے والی چیز پانی ہو یا پانی کے علاوہ سرکہ وغیرہ۔ اور إِلَّا الْمَاءُ اور إِلَّا الْمَانِعُ کا اختلاف اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ پانی کے علاوہ دوسری پاک کرنے والی چیز سے بدن کا عضو پاک ہونے اور نہ ہونے میں دونوں مختلف روایتیں موجود ہیں جیسا کہ ہم باب الْأَنْجَاسِ کے شروع میں بیان کر چکے یعنی إِلَّا الْمَاءُ کا نسخہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بدن سے نجاست حقیقیہ کو صرف پانی سے دور کرنا جائز ہے اور إِلَّا الْمَانِعُ کا نسخہ دلالت کرتا ہے کہ جس چیز سے نجاست حقیقیہ کو زائل کرنا ممکن ہو اس سے زائل کرنا جائز ہے خواہ وہ پانی سے ہو خواہ پانی کے علاوہ سے۔

یعنی اس بات کی دلیل کہ اگر نجاست مخرج سے تجاوز کر جائے تو اس کا دھونا فرض ہے یہ ہے کہ پتھر وغیرہ سے پونچھنا نجاست زائل نہیں کرتا بلکہ نجاست کو پھیلا دیتا ہے لیکن موضع استنجاء میں ضرورت کی وجہ سے خلاف قیاس پتھر وغیرہ سے پونچھنے کو طہارت شمار کیا گیا ہے اور قاعدہ ہے کہ جو چیز خلاف قیاس کسی ضرورت کی وجہ سے ثابت ہو وہ بقدر ضرورت ثابت ہوتی ہے موضع ضرورت کے علاوہ کی طرف حکم متعدی نہیں ہوتا۔ اس لئے کہا گیا کہ موضع استنجاء کے علاوہ کی طرف پتھر سے پونچھنے کا حکم متعدی نہیں ہوگا۔ پس بالدلیل ثابت ہو گیا کہ اگر نجاست مخرج سے تجاوز ہو گئی تو اس کو پانی یا بہنے والی پاک چیز کے علاوہ سے دور کرنا جائز نہیں۔

واضح ہو کہ مقدار جو مانع نماز ہے وہ شیخین کے نزدیک موضع استنجاء کی نجاست سے علاوہ ایک درہم سے زائد ہو تو معتبر ہے کیونکہ موضع استنجاء کا اعتبار تو ساقط ہے لہذا اس کے علاوہ ایک درہم سے زائد ہو تو اس کا دھونا فرض ہوگا۔

اور امام محمدؒ کے نزدیک مقام استنجاء کے ساتھ مل کر اگر درہم سے زائد ہو تو مانع ہے دوسرے مواضع پر قیاس کرتے ہوئے یعنی جس طرح دوسرے مواضع میں ایک درہم کی مقدار نجاست معاف ہے اور اس سے زائد معاف نہیں۔ اسی طرح اگر موضع استنجاء میں ہو تو ایک درہم کی مقدار معاف ہے اور اس سے زائد معاف نہیں ہے۔

وَلَا يَسْتَجِبُ بَعْظُهُمْ وَلَا يَرُوثُ لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَهَى عَنْ ذَلِكَ وَلَوْ فَعَلَ يُجْزِئُهُ
اور ہڈی اور گوبر سے استنجاء نہ کرے کیونکہ حضور ﷺ نے اس سے منع کیا ہے اور اگر (ان چیزوں سے استنجاء کر لیا تو مقصود کے حاصل ہو جانے کی وجہ سے کافی ہو جائیگا۔
لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ وَمَعْنَى النَّهْيِ فِي الرُّوْثِ النَّجَاسَةُ وَلِئِنْ الْعَظْمُ كَوْنُهُ زَادَ الْجَنِّ وَلَا يَطْعَامُ
اور گوبر میں ممانعت کی وجہ نجاست ہے اور ہڈی میں اس کا جنات کی غذا ہونا ہے۔ اور طعام سے (استنجاء نہ کرے)
لِأَنَّهُ إِضَاعَةٌ وَإِسْرَافٌ وَلَا يَمِيزُهُ لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَهَى عَنِ الِاسْتِجْنَاءِ بِالْيَمِينِ
کیونکہ یہ ضائع کرنا اور اسراف ہے اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے (استنجاء کرے) کیونکہ حضور ﷺ نے دائیں ہاتھ کے ساتھ استنجاء کرنے سے منع کیا ہے

## ہڈی اور گوبر سے استنجاء کرنا جائز نہیں

تشریح: مسئلہ ہڈی اور گوبر سے استنجاء کرنا شرعاً ممنوع ہے کیونکہ صحیح بخاری میں حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے: قَالَ لَكَ النَّبِيُّ ﷺ أَتَبِغُونِ أَحْبَاراً أَسْتَفِضُّ بِهَا وَلَا تَأْتِي بَعْظُهُمْ وَلَا يَرُوثُهُ قُلْتُ مَا بَأْسُ الْعَظَامِ وَالرُّوْثِ قَالَ هُمَا مِنْ طَعَامِ الْجِنِّ حضور ﷺ نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ میرے واسطے پتھر تلاش کرو تا کہ میں ان سے پاکی حاصل کروں اور ہڈی اور گوبر نہ لانا میں نے کہا کہ ہڈی اور گوبر کا کیا حال ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دونوں جنات کا کھانا ہیں۔

اور ترمذی نے روایت کیا۔ لَا تَسْتَجُوا بِالرَّوْثِ وَلَا بِالْعِظَامِ فَإِنَّهُ زَادَ إِخْوَانَكُمْ مِنَ الْجِنِّ یعنی تم لوگ

گوبر اور ہڈی سے استنجاء نہ کرو اس لئے کہ وہ تمہارے بھائیوں جنات کا توشہ ہے۔

اور اگر ممانعت کے باوجود ان چیزوں سے استنجاء کر لیا تو استنجاء ہو جائے گا اس لئے کہ مقصود حاصل ہو گیا یعنی صفائی اور

پاک کرنا لیکن اس سے سنت ادا نہ ہوگی۔

اور گوبر میں ممانعت کی وجہ اس کا نجس ہونا ہے۔ اور ہڈی میں ممانعت کی وجہ اس کا جنات کی غذا ہونا ہے۔

سابق میں مذکور دونوں حدیثوں سے گوبر کے پاک ہونے پر استدلال کیا جاسکتا ہے جیسا کہ امام مالکؒ کا قول ہے اس

لئے کہ گوبر اگر ناپاک ہوتا تو جنات کے لئے اس کا کھانا حلال نہ ہوتا۔ کیونکہ شریعت عامہ مکلفین کی دونوں کے حق میں مختلف نہ ہوتی

بلکہ یہ کہ کوئی دلیل پائی جائے۔

علامہ ابن الہمامؒ نے فرمایا کہ گوبر کے نجس ہونے پر دلیل موجود ہے یعنی حضور ﷺ نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ

عنہ سے گوبر کے بارے میں فرمایا تھا هَذَا رِجْسٌ یعنی یہ گندی چیز ہے اور ناپاک ہے۔

اور کھانے کی چیز کے ساتھ بھی استنجاء نہ کرے کیونکہ یہ برہاد کرنا اور اسراف ہے اور یہ دونوں باتیں حرام ہیں۔ اور اپنے

دائیں ہاتھ سے بھی استنجاء نہ کرے کیونکہ حضور ﷺ نے استنجاء بالیمین سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

روایت ہے: قَالَ إِذَا بَالَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَأْخُذْ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ وَلَا يَسْتَجِي بِيَمِينِهِ وَلَا يَتَنَفَّسُ فِي الْإِنَاءِ

(بخاری مسلم) یعنی فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی پیشاب کرے تو اپنا عضو متاغل اپنے دائیں ہاتھ سے نہ پکڑے اور نہ دائیں

ہاتھ سے استنجاء کرے اور نہ برتن میں سانس لے۔ اس حدیث میں استنجاء بالیمین کی صراحت ممانعت کی گئی ہے۔ واللہ اعلم

بالصواب۔ جمیل احمد عفی عنہ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆



## کتاب الصلوٰۃ

(یہ) کتاب نماز (کے احکام کے بیان میں) ہے

تشریح: نماز چونکہ ام العبادات اور اساس الطاعات ہے اس لئے اس کو تمام مشروعات پر مقدم کیا گیا۔ اور طہارت چونکہ نماز کی شرط ہے اور شرطی شئی پر مقدم ہوتی ہے اس لئے کتاب الطہارت کو کتاب الصلوٰۃ پر مقدم کیا گیا ہے۔ لغت میں صلوٰۃ دعا کے معنی میں آتا ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّكَ سَكُنَ لَهْمُذَیٰ** یعنی آپ ان کے لئے دعا کیجئے بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے موجب الطمینان ہے۔

اور حضور ﷺ کا قول **وَصَلُّتُمْ عَلَیْكُمْ الْحَلَالُ** یعنی ملائکہ نے تم کو دعا دی۔ اور نبی ﷺ کا قول **إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى الطَّعَامِ فَلْيَجِبْ فَإِنْ كَانَ مُفْطِرًا فَلْيَأْكُلْ وَإِنْ كَانَ صَائِمًا فَلْيَصِلْ** یعنی جب کسی کو دعوت دی جائے تو اس کو قبول کرنا چاہیے پس اگر روزہ دار نہ ہو تو کھالے اور اگر روزہ دار ہو تو اس کے لئے خیر و برکت کی دعا کر دے۔

اور شریعت کی اصطلاح میں افعال معلومہ اور ارکان مخصوصہ کا نام صلوٰۃ ہے اور ان افعال معلومہ اور ارکان مخصوصہ کو صلوٰۃ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ دعا کے معنی کو مشتمل ہے۔ وجوب نماز کا سبب اس کا وقت ہے اور ادائے نماز کا سبب اللہ رب العزت کا امر تقذیری ہے۔ نماز کی شرطیں طہارت، ستر عورت، استقبال قبلہ، وقت، نیت اور تکبیر تحریر ہیں۔ اس موقع پر اگر کوئی اشکال کرے کہ وقت سبب ہے لہذا شرط کیسے ہو سکتا ہے تو جواب یہ ہوگا کہ وقت سبب ہے وجوب کا اور شرط ہے اداء کے لئے پس اب کوئی اشکال نہ ہوگا۔ اور نماز کے ارکان قیام، قراءت، رکوع، سجود، اور تشهد کی مقدار تعدد اخیرہ۔ اور اس کا حکم دنیا میں ذمہ سے واجب کا ساقط ہونا اور آخرت میں موعود ثواب کا حاصل ہونا ہے۔

نماز کی فرضیت کتاب، سنت اور اجماع امت تینوں سے ثابت ہے۔ کتاب مثلاً باری تعالیٰ کا قول **وَأَقِمْوُا الصَّلَاةَ** اور **إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا تَقْوًیٰ** ہے۔ اور سنت رسول ﷺ مثلاً حضور ﷺ نے فرمایا: **إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى فَرَضَ عَلَی كُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ فِی كُلِّ یَوْمٍ وَلَیْلَةٍ خَمْسَ صَلَوَاتٍ** اور اجماع یہ ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے سے آج تک نماز کی فرضیت پر پوری امت کا اجماع ہے۔

نمازوں کا پانچ ہونا بھی کتاب اللہ سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا **حَافِظُوا عَلَی الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطٰی** یہ آیت نماز کی فرضیت پر بھی دلالت کرتی ہے اور ان کے پانچ ہونے پر بھی۔ اس طرح پر کہ اللہ تعالیٰ نے تمام نمازوں کی محافظت کا حکم دیا اور اس پر صلاۃ وسطیٰ کا عطف کیا گیا۔ اور اقل جمع جس میں وسط متحقق ہو سکے چار ہے پس **عَلٰی الصَّلَوَاتِ** میں چار نمازوں کا ذکر ہوا اور صلاۃ وسطیٰ میں ایک کا۔ اس طرح یہ پانچ نمازیں ہو جائیں گی۔

سورہ طہ میں اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ پانچوں نمازیں مذکور ہیں چنانچہ ارشاد باری ہے۔ **وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا وَمِنْ آنَاثِ النَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَحَوْلَافِ الْمَكَلِ** صاحب جلالین نے لکھا ہے کہ **سَبِّحْ** بمعنی **حَصَلْ** ہے اور **قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ** سے مراد صبح کی نماز ہے اور **قَبْلَ غُرُوبِهَا** سے عصر کی نماز کا ذکر کیا گیا اور **آنَاثِ النَّيْلِ** میں مغرب اور عشاء کا بیان ہے اور **حَوْلَافِ الْمَكَلِ** سے ظہر کی نماز کا بیان ہے اس طور پر کہ جب سے ظہر کی نماز کا وقت شروع ہوتا ہے وہ دن کے نصف اول کا طرف آخر ہے اور دن کے نصف ثانی کا طرف اول ہے یعنی زوال آفتاب جو ظہر کے وقت کی ابتدا ہے اس پر دن کا نصف اول ختم ہو جاتا ہے اور نصف ثانی شروع ہوتا ہے پس ظہر کے وقت پر دن کی دونوں طرفیں جمع ہو گئیں۔ اب مطلب یہ ہوا کہ دن کے دونوں اطراف کے جمع ہونے کے وقت بھی نماز پڑھو یعنی ظہر کی نماز پڑھو۔

یعنی یہ بات کہ نماز کب فرض ہوئی اور نماز فرض ہونے سے پہلے حضور ﷺ کا طریقہ عبادت کیا تھا۔ سو اس بات پر تمام اہل بیروحدیث متفق ہیں کہ پانچوں نمازوں کی فرضیت شب معراج میں ہوئی۔ البتہ شب معراج کے بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے کہ وہ کون سے سنہ میں ہوئی چنانچہ ۵۷ نبوی سے ۷۰ نبوی تک مختلف اقوال ہیں۔ جمہور علماء ۵۷ نبوی کے قائل ہیں۔ پھر اس بارے میں کلام ہے کہ شب معراج سے پہلے کوئی نماز فرض تھی یا نہیں۔ اکثر علماء کا یہ خیال ہے کہ صلوات خمسہ سے پہلے کوئی نماز فرض نہ تھی۔ لیکن امام شافعی فرماتے ہیں کہ نماز تہجد اس سے پہلے فرض ہو چکی تھی جس کی دلیل سورہ مزمل کی ابتدائی آیات **قُلْ الْبَدَأَ إِلَّا قَلِيلًا** الخ ہیں۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔

بعض حضرات نے جواب دیا کہ سورہ مزمل میں نماز کا حکم مانی ہے۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ اسی سورت کے اخیر میں **وَأَنذَرُونَهُمْ يَوْمَ يُنْفَخُ الْفُجَاءُ فِي سَحَابٍ** آ رہا ہے اور **قَالَ مَدِينَةٌ طِيبَةٌ** میں شروع ہوا۔ لیکن یہ بات درست نہیں اس لئے کہ **قَالَ** کا ذکر اس سیاق میں ہے۔ **عَلِمَ أَنَّ سَكُونًا مِّنْكُمْ قَرَضَىٰ وَأَنذَرُونَهُمْ يَوْمَ يُنْفَخُ الْفُجَاءُ فِي سَحَابٍ** **فَضَلَّ اللَّهُ وَأَنذَرُونَهُمْ يَوْمَ يُنْفَخُ الْفُجَاءُ فِي سَحَابٍ** اس آیت میں صیغہ استقبال موجود ہے جو اس امر پر دلالت ہے کہ یہ حکم پہلے دیا جا رہا ہے اور آیت کے نزول کی وقت **قَالَ** نہیں تھا اس لئے اس سورت کو مکی ماننے میں کوئی حرج نہیں لہذا امام شافعی کا استدلال درست ہے۔ البتہ بعض علماء نے فرمایا کہ تہجد کی نماز صرف آنحضرت ﷺ پر فرض تھی عام مسلمانوں پر نہیں۔

پھر اس میں کلام ہے کہ عام مسلمان بھی صلوات خمسہ سے پہلے کوئی نماز پڑھا کرتے تھے یا نہیں۔ علماء کی ایک جماعت نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ فجر اور عشاء کی نمازیں شب معراج سے پہلے فرض ہو چکی تھیں جس کی دلیل قرآن کی آیت **وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا وَمِنْ آنَاثِ النَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَحَوْلَافِ الْمَكَلِ** ہے یہ آیت معراج سے پہلے نازل ہوئی اور اس میں انہی دو نمازوں کا ذکر ہے۔

اس بارے میں میں محقق بات یہ ہے کہ اتنی بات تو روایات سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ اور صحابہ کرام شہد معراج سے پہلے ہی فجر اور عشاء پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ سورۃ جن میں جنات کے جس سامع کا ذکر ہے وہ فجر کی نماز میں ہوا تھا اور یہ واقعہ غالباً شہد معراج سے پہلے کا ہے۔ لیکن یہ دونوں نمازیں آپ پر فرض تھیں یا آپ تطوعاً پڑھتے تھے اس کی کوئی دلیل اور صراحت روایات میں موجود نہیں ہے رہا یہ کہ پانچ ہی نمازیں کیوں مشروع کی گئی ہیں۔ اس سے کم یا زائد کیوں مشروع نہیں کی گئیں، سو اس کی چند حکمتیں بیان کی گئی ہیں ملاحظہ فرمائیے:-

(۱) اللہ تعالیٰ نے ظاہری چیزیں معلوم کرنے کے لئے انسان کے اندر پانچ قوتیں پیدا کی ہیں۔

(۱) قوت باصرہ (۲) قوت سامعہ (۳) قوت شامہ (۴) قوت ذائقہ (۵) قوت لامہ۔ پس ان پانچ قوتوں کے مقابلہ میں خداوند قدوس نے پانچ نمازیں فرض فرمائیں۔

(۲) خالق کائنات نے انسان کو جب دنیا میں پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے اس کو جان بخشی پھر اس کی ضرورت کی بڑی بڑی پانچ نعمتیں عطا فرمائیں (۱) کھانے پینے کی چیزیں (۲) گرم و سرد لباس (۳) رہائش کیلئے مکان (۴) خدمت کے لئے دہن، نوکر وغیرہ (۵) سفر کے لئے سواری۔ جان کا شکر یہ تو کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ کا اقرار ہے اور ان پانچ نعمتوں کے شکر یہ میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں تاکہ ایک نماز سے ایک نعمت عظمیٰ کا شکر ادا ہو سکے۔

(۳) انسان کی پوری زندگی پانچ حالتوں میں گذرتی ہے (۱) لینے (۲) بیٹھنے (۳) کھڑے ہونے (۴) سونے (۵) جاگنے میں۔ ان پانچوں حالتوں میں بندہ پر اللہ کی رحمتیں اور نعمتیں بارش کی طرح برسی ہیں جنکا شمار بھی خارج از امکان ہے پس اللہ رب العزت نے ان پانچ حالتوں کی تمام نعمتوں کا شکر یہ پانچوں نمازوں میں رکھ دیا۔ گویا جس نے پانچ نمازیں پڑھیں اس نے ہر حالت اور خدا کی ہر نعمت کا شکر ادا کر دیا۔

(۴) دنیوی زندگی ختم ہونے کے بعد انسان پر پانچ مصیبتیں آتی ہیں (۱) موت (۲) قبر (۳) پل صراط (۴) نامہ اعمال کا بائیں ہاتھ میں ملنا (۵) جنت کا دروازہ بند ہو جانا۔ خدائے رحیم و کریم نے ان پانچ مصیبتوں کے رفع کرنے کیلئے یہ پانچ نمازیں فرض فرمائیں۔

علامہ ابن حجر مکیؒ نے فرمایا مَنْ حَافِظٌ عَلَى الصَّلَاةِ أَكْرَمَهُ اللَّهُ بِحُمُسِ خِصَالٍ يَرْفَعُ عَنْهُ ضِيقَ الْمَوْتِ وَعَذَابَ الْقَبْرِ وَيُعْطِيهِ اللَّهُ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ وَيَمُرُّ عَلَى الصِّرَاطِ كَالْبُرْقِ وَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ جس نے پانچوں نمازیں ادا کیں اللہ تعالیٰ اس کو پانچ چیزیں عنایت فرمائے گا (۱) موت کی سختی سے بچائے گا (۲) قبر کی تکلی اور عذاب سے محفوظ رکھے گا (۳) نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دے گا (۴) پل صراط سے نکلی کی طرح گذر جائے گا (۵) جنت میں بلا حساب داخل ہو گا۔

## بَابُ الْمَوَاقِیْتِ

(یہ) باب (نماز کے) اوقات (کے بیان) میں ہے

تشریح چونکہ نماز کے اوقات وجوب نماز کے اسباب ہیں اور سبب مسبب سے مقدم ہوتا ہے اس لئے نماز کے اوقات کا بیان مقدم کیا گیا۔ موائت، میقات کی جمع ہے۔ میقات وہ زمانہ یا وہ مکان ہے جس سے حد مقرر کی جائے جیسے موائت صلوٰۃ اور موائت احرام۔

أَوَّلُ وَقْتِ الْفَجْرِ إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ الثَّانِي وَهُوَ الْمُعْتَرِضُ فِي الْأَفْقِ وَآخِرُ وَقْتِهَا مَا لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ

فجر کا اول وقت جبکہ فجر ثانی طلوع ہو اور فجر ثانی وہ ہے جو افق میں چڑھتا ہے اور فجر کا آخری وقت جب تک کہ سورج طلوع نہ ہو

لِحَدِيثِ إِمَامَةِ جَبْرِئِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّهُ أَمَّ رَسُولَ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيهَا فِي الْيَوْمِ الْأَوَّلِ حِينَ طَلَعَ الْفَجْرُ

حدیث امامت جبریل کی وجہ سے کہ جبریل علیہ السلام نے حضور ﷺ کو پہلے دن فجر کے طلوع ہونے کے وقت نماز پڑھائی

وَفِي الْيَوْمِ الثَّانِي حِينَ أَسْفَرَ جَدًّا وَكَادَتْ الشَّمْسُ تَطْلُعُ ثُمَّ قَالَ فِي آخِرِ الْحَدِيثِ مَا بَيْنَ هَاتَيْنِ الْوَقَّتَيْنِ

اور دوسرے دن اس وقت جبکہ خوب سفیدی ہو گئی اور سورج نکلنے کے قریب ہو گیا۔ پھر آخر حدیث میں کہا کہ ان دونوں وقتوں کے درمیان جو ہے

وَقْتُ لَكَ وَلَا مُنْعَكَ وَلَا مُعْتَبَرٌ بِالْفَجْرِ الْكَاذِبِ وَهُوَ الْبَيَاضُ الَّذِي يَبْدُو طَوُّلًا

وہ وقت ہے آپ کیلئے اور آپ کی امت کیلئے۔ اور صبح کاذب کا اعتبار نہیں اور وہ ایسی سفیدی ہے جو دراز ہو کر ظاہر ہوتی ہے

ثُمَّ يَغِيبُ الظَّلَامُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يَغْرُنْكُمْ أَذَانُ بِلَالٍ وَلَا الْفَجْرُ الْمُسْتَطِيلُ

پھر اس کے بعد تاریکی آجاتی ہے کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ بلال کی اذان تم کو دھوکہ دے گا اور نہ فجر مستطیل

وَأِنَّمَا الْفَجْرُ الْمُسْتَطِيلُ فِي الْأَفْقِ أَيِ الْمُنْتَشِرُ فِيهَا

اور فجر توسعی ہے جو افق میں مستطیل ہوتی ہے یعنی اس میں منتشر ہوتی ہے

## پانچ نمازوں کے اوقات..... فجر کا اول اور آخری وقت

تشریح:- حدیث میں اگرچہ ظہر کا وقت مقدم ہے لیکن یہاں چند وجوہ سے فجر کو مقدم رکھا گیا۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ فجر کا اول وقت اور آخر وقت چونکہ متفق علیہ ہے اس لئے اس کو مقدم کیا گیا، اس کے برخلاف دوسری نمازوں کے اوقات میں قدرے اختلاف ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ فجر کی نماز سب سے پہلے دنیا کے سب سے پہلے انسان یعنی حضرت آدمؑ نے پڑھی ہے پس چونکہ فجر کی نماز سب سے پہلی نماز ہے اس لئے ذکر میں بھی اس کو مقدم کیا گیا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ فجر کی نماز دن کی پہلی نماز ہے اس لئے

اس کو ذکر میں بھی مقدم کیا گیا۔ چونکہ وجہ یہ ہے کہ سونے والا جو میت کے ماتہ ہے اس پر سب سے پہلا عمل جو واجب ہوتا ہے وہ فجر کی نماز ہے اس لئے فجر کا وقت پہلے ذکر کیا گیا، (حاشیہ ملا عبد الغفور عثمائی)

بہر حال فجر کی نماز کا وقت فجر صادق سے شروع ہو کر طلوع آفتاب پر ختم ہو جاتا ہے۔ فجر صادق وہ سفیدی ہے جو عرضاً افق پر پھیلتی ہے اور فجر کاذب وہ سفیدی ہے جو طوفاً آسمان پر ظاہر ہوتی ہے پھر اس کے بعد تاریکی آ جاتی ہے۔

عرب والے فجر کاذب کو ذَنْبُ الْبُیْرُحَانِ (بھیرے کی دم) کہتے ہیں۔ فجر کے اول وقت اور آخر وقت کی دلیل حدیث امامت جبریل ہے۔ صاحب عثمائی نے پوری حدیث اس طرح بیان کی ہے۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ أَمِنِي جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عِنْدَ الْبَيْتِ مَرَّتَيْنِ وَصَلَّى بِالظُّهْرِ فِي الْيَوْمِ الْأَوَّلِ حِينَ زَالَتِ الشَّمْسُ وَصَارَ الْفَيْءُ مِثْلَ الشِّرَاكِ وَصَلَّى بَيْنَ الْعَصْرِ حِينَ صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَهُ وَصَلَّى بَيْنَ الْمَغْرِبِ حِينَ غَابَتِ الشَّمْسُ وَصَلَّى بَيْنَ الْعِشَاءِ حِينَ غَابَ الشَّفَقُ وَصَلَّى بَيْنَ الْفَجْرِ حِينَ طَلَعَ الْفَجْرُ وَصَلَّى بَيْنَ الظُّهْرِ فِي الْيَوْمِ الثَّانِي حِينَ زَالَتِ الشَّمْسُ وَصَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَهُ وَصَلَّى بَيْنَ الْعَصْرِ حِينَ صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَهُ وَصَلَّى بَيْنَ الْمَغْرِبِ حِينَ غَرَبَتِ الشَّمْسُ لَوْفِهِ بِالْأَمْسِ وَصَلَّى بَيْنَ الْعِشَاءِ حِينَ مَضَى ثُلُثُ اللَّيْلِ أَوْ قَالَ نِصْفُ اللَّيْلِ وَصَلَّى بَيْنَ الْفَجْرِ حِينَ طَلَعَ الْفَجْرُ وَاسْفَرَ وَكَادَتِ الشَّمْسُ أَنْ تَطْلُعَ ثُمَّ قَالَ يَا مُحَمَّدُ هَذَا وَقْتُكَ وَوَقْتُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِكَ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جبریلؑ نے خانہ کعبہ کے پاس دو مرتبہ میری امامت کی اور پہلے دن میں مجھ کو ظہر پڑھائی جب کہ سورج ڈھل چکا تھا اور سایہ شراک (جوتے کا سمتہ) کے مثل تھا اور عصر پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کے ایک مثل (برابر) تھا اور مغرب پڑھائی جب کہ سورج ڈوب چکا تھا اور عشاء پڑھائی جبکہ شفق (آسمان کی سرخی) غائب ہوئی اور فجر پڑھائی جبکہ فجر طلوع ہوئی۔ پھر دوسرے دن ظہر پڑھائی جبکہ آفتاب ڈھل چکا تھا اور ہر چیز کا سایہ اس کے ایک مثل تھا اور عصر پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے دو مثل تھا اور مغرب پڑھائی جبکہ سورج غائب ہو گیا اسی وقت میں جس وقت میں کل گزشتہ پڑھائی تھی اور عشاء پڑھائی جبکہ تہائی رات گزر گئی یا آپ نے فرمایا کہ آدمی رات گزر گئی اور فجر پڑھائی جبکہ اسفار ہو گیا اور سورج نکلنے کے قریب ہو گیا۔ پھر جبریل نے کہا اے محمد ﷺ یہ تیرا وقت ہے اور تم سے پہلے انبیاء کا وقت ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ فجر کی نماز میں صبح صادق معتبر ہے صبح کاذب معتبر نہیں ہے دلیل وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم اور ترمذی وغیرہ میں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے تہجد یا سحری کھانے کے لئے اذان دیا

کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ صبح صادق طلوع ہونے کے بعد نماز فجر کیلئے اذان دیتے تھے اس پر حضور ﷺ نے فرمایا لَا يَفْرُقُ بَيْنَكُمْ أَذَانُ بِلَالٍ وَلَا الْفَجْرُ الْمُسْتَطِيلُ یعنی بلال کی اذان تم کو دھوکہ نہ دے یعنی بلال کی اذان سے یہ گمان نہ کرو کہ فجر کی نماز کا وقت داخل ہو گیا کیونکہ وہ فجر کے لئے نہیں ہے بلکہ تجھ یا سحر کیلئے ہے اور نہ فجر مستطیل دھوکے میں ڈالے۔ فجر مستطیل یعنی فجر کا ذب وہ سفیدی جو دراز ہو کر آسمان میں پھیلی ہے۔

وَأَوَّلُ وَقْتِ الظُّهْرِ إِذَا زَالَتْ الشَّمْسُ لِإِمَامَةِ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْيَوْمِ الْأَوَّلِ حِينَ زَالَتْ الشَّمْسُ

اور ظہر کا اول وقت جبکہ سورج ڈھل جائے کیونکہ جبریل علیہ السلام نے پہلے دن اس وقت امامت کرائی جبکہ سورج ڈھل گیا

وَأَخِرُ وَقْتُهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ إِذَا صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَهُ مِثْلِي فِي الزَّوَالِ

اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک ظہر کا آخری وقت جبکہ ہر چیز کا سایہ سایہ زوال (سایہ اصلی) کے علاوہ اس کے دھل ہو جائے

وَقَالَ لَا إِذَا صَارَ الظِّلُّ مِثْلَهُ وَهُوَ رَوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَفِي الزَّوَالِ هُوَ الْقَيُّمُ

اور صاحبین نے فرمایا کہ جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے اور یہی ایک روایت امام ابو حنیفہ سے ہے اور فی الزوال وہ سایہ ہے

الَّذِي يَكُونُ لِأَشْيَاءٍ وَفِي الزَّوَالِ لُهُمَا إِمَامَةُ جِبْرِيلَ فِي الْيَوْمِ الْأَوَّلِ لِلْعَصْرِ فِي هَذَا الْوَقْتِ

جو زوال کے وقت اشیاء کا ہوتا ہے۔ صاحبین کی دلیل جبریل علیہ السلام کا عصر کیلئے پہلے دن اس وقت میں امامت کرنا ہے

وَلَا بِي حَنِيفَةَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَبْرَدُوا بِالظُّهْرِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ قَبْلِ جَهَنَّمَ

اور ابو حنیفہ کی دلیل حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ ظہر کے ٹھنڈے وقت میں پڑھو اس لئے کہ شدت حرارت جہنم کی شدت حرارت سے ہے

وَأَشَدُّ الْحَرِّ فِي دِيَارِهِمْ فِي هَذَا الْوَقْتِ وَإِذَا تَغَارَضَتِ الْأَشَارُ لَا يَنْقُضِي الْوَقْتُ بِالشَّكِّ

اور گرمی کی شدت صحابہ کدیار میں اس وقت میں ہوتی ہے اور جب آثار متعارض ہوئے ہوئے تو وقت شک کی وجہ سے خارج نہ ہوگا

## ظہر کا ابتدائی اور آخری وقت

تشریح: صاحب مثنوی نے محمد بن شجاع کے حوالہ سے فی زوال دریافت کرنے کا طریقہ بیان کیا ہے کہ اولاً زمین کو اس قدر ہموار کیا جائے کہ اس میں بال برابر ٹھیب و فراز نہ رہے پھر اس جگہ ایک لکڑی گاڑی جائے اور جہاں تک سایہ پہنچے وہاں ایک نشان لگا دیا جائے پس جب تک سایہ گھٹتا رہے گا تو وہ زوال سے پہلے کا وقت ہے اور جب اس لکڑی کا سایہ ٹھہر جائے نہ گھٹے اور نہ بڑھے تو وہ وقت استواء اور نصف النہار ہے۔ پس اس وقت جو سایہ ہوگا وہ فی زوال اور سایہ اصلی کہلائے گا اور جب سایہ بڑھنے لگا تو سمجھ لو کہ سورج ڈھل گیا اور ظہر کی نماز کا وقت شروع ہو گیا۔



بہر حال ظہر کا اول وقت زوال کے بعد سے شروع ہو جاتا ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے پہلے دن ظہر کی نماز اسی وقت میں پڑھائی ہے۔ ظہر کے آخر وقت کے بارے میں علمائے احناف باہم مختلف ہو گئے چنانچہ حضرت امام ابو حنیفہؒ سے اس بارے میں تین روایات ہیں۔ ایک روایت جس کو امام محمدؒ نے روایت کیا یہ ہے کہ جب سایہ اصلی کے علاوہ ہر چیز کا سایہ اس کے دو چند ہو گیا تو ظہر کا وقت ختم ہو کر عصر کا وقت شروع ہو گیا ہے۔ یہی روایت امام اعظمؒ کا مذہب ہے۔

دوسری روایت جس کو حسن بن زیادؒ نے روایت کیا یہ ہے کہ جب سایہ اصلی کے علاوہ ہر چیز کا سایہ اس کے ایک مثل یعنی اس چیز کے برابر ہو گیا تو ظہر کا وقت نکل گیا اور عصر کا وقت شروع ہو گیا یہی صاحبینؒ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کا مذہب ہے۔

تیسری روایت جس کو اسد بن عمرؒ اور علی بن جعدؒ نے روایت کیا یہ ہے کہ جب ہر چیز کا سایہ اصلی کے علاوہ اس کے ایک مثل ہو گیا تو ظہر کا وقت ختم ہو گیا لیکن عصر کا وقت شروع نہیں ہوا بلکہ عصر کا وقت اس وقت داخل ہو گا جب کہ سایہ اصلی کے علاوہ ہر چیز کا سایہ اس کے دو چند ہو جائے پس اس روایت کی بنا پر ظہر اور عصر کے درمیان وقت مہمل ہو گا جیسا کہ فجر اور ظہر کے درمیان وقت مہمل ہے (عنا یہ)۔

یہاں قدری کی عبارت میں ذرا سا جھول ہے وہ یہ کہ امام مقدوریؒ نے کہا کہ امام صاحبؒ کے نزدیک ظہر کا آخر وقت یہ ہے کہ ہر چیز کا سایہ اس کے دو چند ہو جائے۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک ایک مثل ہو جائے حالانکہ اس وقت میں ظہر کا وقت نکل جاتا ہے لہذا اس کے آخر وقت ہونے کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آخر سے مراد وہ وقت ہے جس سے ظہر کے وقت کا نکلنا متحقق ہو جائے۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے عصر کی نماز پہلے دن اس وقت پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے ایک مثل ہو گیا تھا پس معلوم ہوا کہ اس وقت عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی دلیل حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے یعنی اَبْرَدُوا بِالظُّهْرِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ حَهْنَمَ اس حدیث سے استدلال اس طور پر ہو گا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اور عرب کے شہروں میں سایہ ایک مثل ہونے کے وقت شدید گرمی پڑتی تھی پس ثابت ہو گا کہ آپ ﷺ نے ایک مثل کے بعد ہی ظہر پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اور جب ایک مثل کے بعد ظہر کا وقت باقی رہتا ہے تو ایک مثل کے بعد عصر کا وقت کیسے شروع ہو سکتا ہے۔

اور حدیث امامت جبریلؒ کا جواب علامہ ابن الہمامؒ نے یہ دیا کہ اوقات نماز کے سلسلہ میں یہ حدیث سب سے مقدم ہے اور جو حدیثیں اس کے مخالف ہیں وہ سب اس سے مؤخر ہیں اور مؤخر، مقدم کے لئے ناسخ ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ امامت جبریلؒ کی حدیث منسوخ ہے لہذا یہ قابل استدلال نہیں ہوگی صاحب ہدایہؒ نے اس طور پر جواب دیا کہ حدیث امامت جبریلؒ اور حدیث اَبْرَدُوا بِالظُّهْرِ میں تعارض واقع ہو گیا کیونکہ امامت جبریلؒ کی حدیث دلالت کرتی ہے کہ ایک مثل پر ظہر کا وقت ختم ہو گیا اور حدیث اَبْرَدُوا بِالظُّهْرِ سے پتہ چلتا ہے کہ ایک مثل پر ظہر کا وقت ختم نہیں ہوا بلکہ باقی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ایک مثل پر ظہر کے وقت کا نکلنا

مشکوٰۃ ہے حالانکہ ایک مثل سایہ ہونے سے پہلے بالیقین ظہر کا وقت ثابت تھا اور قاعدہ ہے کہ جو چیز بالیقین ثابت ہو وہ شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوتی لہذا ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو جانے کے وقت چونکہ ظہر کے وقت کا ٹکنا مشکوک ہے اس لئے نہیں نکلے گا۔

فائدہ: زوال کے بعد سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار رکعت نماز پڑھی ہے جبکہ ان کو اپنے بیٹے اسماعیل کے ذبح کرنے کا حکم کیا گیا تھا۔ چنانچہ پہلی رکعت حضرت اسماعیل کا غم چلے جانے کے شکر یہ میں تھی اور دوسری رکعت کے ذریعہ اس بات پر اللہ کا شکر ادا کیا گیا کہ اللہ نے حضرت اسماعیل کے بدلے میں فدیہ (مینڈھا) اتارا۔ اور تیسری رکعت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی وجہ سے جبکہ حضرت ابراہیم کو قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا کی خبر دی گئی۔ اور چوتھی رکعت حضرت ذبح پر حضرت اسماعیل کے صبر کرنے کی وجہ سے تھی۔ یہ نماز حضرت ابراہیم کی طرف سے بطور نفل تھی لیکن امت مرحومہ پر فرض کی گئی۔ (عناویہ)۔

وَأَوَّلُ وَقْتِ الْعَصْرِ إِذَا خَرَجَ وَقْتُ الظُّهْرِ عَلَى الْقَوْلَيْنِ وَآخِرُ وَقْتِهَا مَا لَمْ تَغْرُبِ الشَّمْسُ

اور عصر کا اول وقت جبکہ ظہر کا وقت دونوں قولوں پر نکل جائے اور عصر کا آخر وقت جب تک کہ آفتاب غروب نہ ہو

لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ أَذْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَذْرَكَهَا

اس لئے کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ جس نے غروب آفتاب سے پہلے ایک رکعت پالی تو اس نے عصر پالی

## عصر کا ابتدائی اور آخری وقت

تشریح: عصر کا اول وقت، ظہر کا وقت ختم ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے خواہ ظہر کا وقت دو مثل پر ختم ہو جیسا کہ امام صاحبؒ کا مذہب ہے خواہ ایک مثل پر ختم ہو جیسا کہ صاحبینؒ کا مذہب ہے۔ اور عصر کا آخر وقت غروب آفتاب سے پہلے تک ہے۔ دلیل حدیث ابو ہریرہؓ ہے۔ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ أَذْرَكَ مِنَ الصُّبْحِ رَكْعَةً قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَذْرَكَ الصُّبْحَ وَمَنْ أَذْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَذْرَكَ الْعَصْرَ (صحیحین) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے طلوع آفتاب سے پہلے صبح کی ایک رکعت پائی تو اس نے صبح کو پالیا اور جس نے غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پائی تو اس نے عصر کو پالیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عصر کا وقت غروب آفتاب تک باقی رہتا ہے۔ حسن بن زیادؒ کا خیال ہے کہ عصر کا وقت اصفرار شمس تک باقی رہتا ہے اس کے بعد باقی نہیں رہتا۔ اور وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث اِنْ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ وَقْتُ الْعَصْرِ مَا لَمْ يَصْفُرِ الشَّمْسُ سے استدلال کرتے ہیں یعنی نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ عصر کا وقت اس وقت تک ہے جب تک کہ آفتاب زرد نہ ہو جائے۔ لیکن ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں وقتو مستحب کا بیان ہے نہ کہ وقتو جواز کا لہذا یہ حدیث حدیث ثوابی ہریرہ کے معارض نہ ہوگی حدیث ثوابی ہریرہ سے ثابت ہوا کہ جس نے

عصر کی ایک رکعت پڑھی پھر سلام سے پہلے وقت نکل گیا تو اس کی نماز باطل نہ ہوگی اور اس پر سب کا اتفاق ہے اور اگر صبح کی نماز میں ایک رکعت کے بعد سورج نکل آیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نماز باطل ہوگئی یعنی آفتاب طلوع ہونے کے بعد قضاء پڑھے ہے اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک باطل نہیں ہوگی بلکہ اسی کو پوری کرے ان حضرات کی دلیل بھی حدیث ثوابی ہریرہ ہے۔

ہماری طرف سے اس حدیث کا جواب شیخ الادبؒ نے یہ لکھا ہے کہ **لَقَدْ أَذْرَكَ الصُّبْحُ** کے معنی ہیں **فَقَدْ أَذْرَكَ وَفَتَّ الصُّبْحُ** یعنی اگر کوئی شخص نماز کا اہل نہیں تھا پھر ایسے وقت میں نماز کا اہل ہوا جبکہ ایک رکعت کی مقدار وقت باقی رہ گیا تو اس پر نماز واجب ہوگی مثلاً کافر مسلمان ہو گیا، یا بچہ بالغ ہو گیا، یا حائضہ پاک ہوگئی۔ یہ بات واضح رہے کہ ایک رکعت کا بیان محض فہمائش کیلئے ہے ورنہ خواہ ایک رکعت کا وقت پایا ہو یا تھوڑا پایا ہو دونوں صورتوں میں اس پر یہ نماز لازم ہوگی۔

**فائدہ:** عصر کی نماز سب سے پہلے حضرت یونسؑ نے پڑھی جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عصر کے وقت چار ظلمتوں سے نجات عطا فرمائی (۱) لغزش کی ظلمت (۲) رات کی ظلمت (۳) پانی کی ظلمت (۴) پھٹی کے پیٹ کی ظلمت۔ حضرت یونسؑ نے چار رکعتیں **تَطَوُّعًا** بطور شکر ادا کی لیکن امت مرحومہ پر فرض کر دی گئی۔

<b>وَأَوَّلُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ إِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَآخِرُ وَقْتِهَا مَا لَمْ يَغِبِ الشَّفَقُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ</b>
اور مغرب کا اول وقت جبکہ سورج چھپ جائے اور مغرب کا آخر وقت جب تک کہ شفق غائب نہ ہو جائے۔ اور امام شافعیؒ نے کہا
<b>مِقْدَارُ مَا يُصَلِّي فِيهِ ثَلَاثُ رَكَعَاتٍ لِأَنَّ جَبْرِئَلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَمَّ فِي يَوْمَيْنِ فِي وَقْتٍ وَاحِدٍ وَلَنَا</b>
کہ اتنی مقدار کہ جس میں تین رکعات نماز پڑھ لے کیونکہ جبریل علیہ السلام نے ایک ہی وقت میں دو دن امامت کی۔ اور ہماری دلیل
<b>قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَوَّلُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ حِينَ تَغْرُبُ الشَّمْسُ وَآخِرُ وَقْتِهَا حِينَ يَغِيبُ الشَّفَقُ</b>
حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ مغرب کا اول وقت جس وقت آفتاب چھپ جائے اور مغرب کا آخر وقت جبکہ شفق غائب ہو جائے
<b>وَمَا رَوَاهُ كَانَ لِلتَّحْوِزِ عَنِ الْكَرَاهَةِ ثُمَّ الشَّفَقُ هُوَ الْبَيَاضُ الَّذِي فِي الْأَفْقِ بَعْدَ الْحُمْرَةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ</b>
اور جس حدیث کو امام شافعیؒ نے روایت کیا وہ کراہت سے بچنے کی وجہ سے تھا، پھر شفق امام صاحبؒ کے ہاں وہ سفیدی ہے جو افق میں سرخی کے بعد ہوتی ہے۔
<b>وَعِنْدَهُمَا هُوَ الْحُمْرَةُ وَهُوَ رَوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ</b>
اور صاحبینؒ کے نزدیک شفق سرخی ہے اور یہ ابو حنیفہؒ سے بھی ایک روایت ہے اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ
<b>الشَّفَقُ الْحُمْرَةُ وَلَا بَيَاضَ حَنِيفَةَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَآخِرُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ إِذَا اسْوَدَّ الْأَفْقُ</b>
الشَّفَقُ الْحُمْرَةُ اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ مغرب کا آخر وقت جبکہ افق سیاہ پڑ جائے

وَمَا رَوَاهُ مَوْثُوقٌ عَلَى ابْنِ عُمَرَ ذِكْرَهُ مَالِكٌ فِي الْمَوْطَأِ وَفِيهِ اخْتِلَافُ الصَّحَابَةِ

اور وہ حدیث جو (صاحبین) نے روایت کی، ابن عمر پر موقوف ہے۔ امام مالک نے اس کو موطا میں ذکر کیا اور اس میں صحابہ کا اختلاف ہے

## مغرب کا اول اور آخری وقت

**تشریح۔** مغرب کا وقت سورج ڈوبنے کے بعد شروع ہوتا ہے اور غروب شفق تک باقی رہتا ہے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مغرب کا صرف اتنا وقت ہے جس میں تین رکعت ادا کی جاسکیں اور یہی امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے۔ امام غزالیؒ نے کہا کہ مغرب کے وقت میں امام شافعیؒ سے دو قول منقول ہیں ایک یہ کہ مغرب کا وقت غروب شفق تک متد ہوتا ہے۔ یہی قول امام احمد بن حنبلؒ کا ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ غروب کے بعد اگر وضو، اذان، اقامت اور پانچ رکعت کی مقدار وقت گزر گیا تو سمجھ لو کہ مغرب کا وقت ختم ہو گیا یعنی مغرب کا وقت صرف اتنا ہے جس میں وضو، اذان، اقامت کے بعد پانچ رکعت پڑھ سکے۔ اور حلیہ میں کہا کہ صرف اتنا ہے جس میں تین رکعت پڑھ سکے۔ مصنف ہدایہؒ نے اسی کو ذکر کیا ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل حدیث امامت جبریلؑ ہے یعنی حضرت جبریل علیہ السلام نے مغرب کی نماز دونوں دن ایک ہی وقت میں پڑھائی تھی۔ لہذا اگر مغرب کی نماز کا وقت دراز ہوتا جس میں اول و آخر ہوتا تو حضرت جبریل علیہ السلام دونوں دن ایک ہی وقت میں نماز نہ پڑھاتے۔ ہماری دلیل حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ **أَوَّلُ الْمَغْرِبِ حِينَ تَغْرُبُ الشَّمْسُ وَآخِرُهُ حِينَ يَغِيبُ الشَّفَقُ** ہے اور جبریل علیہ السلام کا دونوں دن ایک ہی وقت میں نماز پڑھانا تو وہ کراہت سے احتراز کی وجہ سے تھا کیونکہ مغرب کو آخر وقت تک مؤخر کرنا مکروہ ہے۔

واضح ہو کہ شفق کی تعیین میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ شفق وہ سفیدی ہے جو سرفی کے بعد افق پر آتی ہے یہی قول صدیق اکبر، معاذ، انس، امین الرضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے۔ اور صاحبینؒ نے کہا کہ اس سرفی کا نام شفق ہے۔ یہی ایک روایت امام ابو حنیفہؒ سے ہے اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے۔

صاحبینؒ کی دلیل حضور ﷺ کا قول **الشَّفَقُ الْحُمْرَةُ** ہے اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے: **إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ وَآخِرُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ إِذَا اسْوَدَّ الْأَفَقُ** حضور ﷺ نے فرمایا کہ مغرب کا آخر وقت جبکہ افق سیاہ پڑ جائے اور یہ بات ظاہر ہے کہ افق پر سفیدی کے بعد سیاہی آتی ہے پس ظاہر ہوا کہ سفیدی تک مغرب کا وقت رہتا ہے اور حدیث میں شفق سے مراد سفیدی ہے۔ اور حدیث **الشَّفَقُ الْحُمْرَةُ** حضرت عبداللہ بن عمر

رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر موقوف ہے۔ حضرت امام مالکؒ نے اپنی مؤطا میں اس کو ذکر کیا ہے اور حدیث موقوف حجت نہیں ہوتی اس لئے یہ حدیث قابل استدلال نہیں ہوگی اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ یہ حدیث مرفوع ہے تو ہم جواب دیں گے کہ اس حدیث کی مراد میں صحابہؓ کا اختلاف ہے چنانچہ بعض نے کہا کہ شفق سے مراد سفیدی ہے اور بعض نے کہا کہ سرفی مراد ہے اور حدیث مرفوع اگر اس میں صحابہؓ کا اختلاف ہو تو وہ بھی قابل استدلال نہیں ہوتی۔

**فائدہ:-** مغرب کی نماز سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پڑھی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا **تَمَاءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اَتُحَنُّنُ فَاَوْفَىٰ اَتُحَنُّنُ مِنَ حَذَرِ اللّٰهِ** اور آپ نے یہ نماز غروب کے بعد پڑھی تھی۔ پہلی رکعت اپنی ذات سے الوہیت کی نفی کرنے کے لئے تھی اور دوسری رکعت اپنی والدہ سے الوہیت کی نفی کرنے کے لئے تھی اور تیسری رکعت اللہ تعالیٰ کے واسطے الوہیت ثابت کرنے کے لئے تھی۔

**وَأَوَّلُ وَقْتِ الْعِشَاءِ إِذَا غَابَ الشَّفَقُ وَآخِرُ وَقْتِهَا مَا لَمْ يَطْلُعِ الْفَجْرُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**

اور عشاء کا اول وقت جبکہ شفق غائب ہو جائے اور اس کا آخر وقت جب تک کہ فجر طلوع نہ ہو کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے

**وَآخِرُ وَقْتِ الْعِشَاءِ حِينَ لَمْ يَطْلُعِ الْفَجْرُ وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ فِي تَقْدِيرِهِ بِذَهَابِ ثُلُثِ اللَّيْلِ**

اور عشاء کا آخر وقت جس وقت کہ فجر طلوع نہ ہو اور یہ حدیث امام شافعی کے خلاف تہائی رات گزرنے کے ساتھ اندازہ لگانے میں حجت ہے

## عشاء کا اول اور آخری وقت

**تشریح:** عشاء کا اول وقت شفق چھپنے کے بعد سے شروع ہو جاتا ہے اور آخر وقت جب تک کہ صبح صادق نہ ہو۔ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ تہائی رات گزرنے تک عشاء کا وقت باقی رہتا ہے۔

ہماری دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث **إِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ وَآخِرُ وَقْتِ الْعِشَاءِ حِينَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ** ہے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عشاء کا وقت صبح صادق تک جاری رہے گا۔ امام شافعیؒ کا استدلال حدیث امام مستوجبہ جبریلؑ ہے کیونکہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ عشاء کا آخر وقت تہائی رات تک ہے لیکن ہماری طرف سے اس کا جواب وقت ظہر کے ذیل میں گذر چکا ملاحظہ فرمائیے۔

**فائدہ:-** عشاء کی نماز سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پڑھی ہے (عنایہ)۔

**وَأَوَّلُ وَقْتِ الْوُتْرِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَآخِرُهُ مَا لَمْ يَطْلُعِ الْفَجْرُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْوُتْرِ**

اور وتر کا اول وقت عشاء کے بعد ہے اور اس کا آخر وقت جب تک کہ فجر طلوع نہ ہو کیونکہ وتر کے بارے میں حضور ﷺ کا فرمان ہے

فَصَلُّوْهَا مَا بَيْنَ الْعِشَاءِ اِلَى طُلُوْعِ الْفَجْرِ قَالَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ هَذَا عِنْدَهُمَا وَعِنْدَ اَبِي حَنِيفَةَ

کہ اس کو عشاء اور صبح صادق کے درمیان پڑھو۔ مصنف نے کہا کہ یہ صاحبین کے نزدیک ہے۔ اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک

وَقْتُهُ وَقْتُ الْعِشَاءِ اِلَّا اَنَّهُ لَا يُقَدَّمُ عَلَيْهِ عِنْدَ التَّذَكُّرِ لِلتَّرْتِيبِ

وتر کا وقت عشاء کا وقت ہے مگر یہ کہ یاد ہونے کی حالت میں وتر کو عشاء پر مقدم نہ کیا جائے ترتیب (کے واجب ہونے) کی وجہ سے

## وتر کا اول اور آخری وقت

**تشریح:** وتر کے اول وقت میں اختلاف ہے چنانچہ صاحبین کے نزدیک عشاء کی نماز کے بعد سے وتر کا وقت شروع ہوتا ہے اور صبح صادق کے طلوع ہونے تک باقی رہتا ہے اور حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک عشاء کا وقت ہی وتر کا وقت ہے۔ صاحبین کی دلیل حضرت خارجہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے: قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ اَمَدُكُمْ بِصَلَاةٍ هِيَ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ وَهِيَ الْوَتْرُ فَجَعَلَهَا لَكُمْ فِيمَا بَيْنَ الْعِشَاءِ اِلَى طُلُوْعِ الْفَجْرِ حضرت خارجہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایک نماز کا اضافہ کیا ہے وہ تمہارے لئے سرخ رنگ کے اونٹوں سے بھی بہتر ہے اور وہ وتر کی نماز ہے اس کو عشاء اور صبح صادق کے درمیان رکھا ہے۔ (فتح القدیر)

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا فَصَلُّوْهَا مَا بَيْنَ الْعِشَاءِ اِلَى طُلُوْعِ الْفَجْرِ کہ عشاء اور صبح صادق کے درمیان اس کو پڑھو۔

امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ وتر عملاً فرض ہے اور وقت اگر دو واجب نمازوں کو جمع کرے تو ان دونوں نمازوں کا ایک ہی وقت ہوتا ہے جیسے فائزہ اور وقعیہ۔ حضرت امام صاحب پر یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ اگر دونوں کا ایک وقت ہے تو وتر کو عشاء پر مقدم کرنا جائز ہونا چاہیے حالانکہ ایسا نہیں ہے جواب: یاد ہونے کی حالت میں مقدم کرنا اس لئے جائز نہیں کہ وتر اور عشاء میں ترتیب واجب ہے چنانچہ اگر وتر کی نماز عشاء سے پہلے عہد اپڑھی تو بالاتفاق وتر کا اعادہ ضروری ہوگا۔ اور اگر عشاء کی نماز بھول گیا اور وتر کی نماز پڑھ لی پھر عشاء کی نماز یاد آگئی تو امام صاحب کے نزدیک وتر کا اعادہ نہ کرے کیونکہ نسیان ترتیب کو ساقط کر دیتا ہے۔

اور صاحبین کے نزدیک اعادہ کرے گا کیونکہ صاحبین کے نزدیک وتر عشاء کی سنت ہے جیسے عشاء کے بعد دو رکعتیں سنت ہیں پس اگر وہ دور رکعتیں عشاء پر مقدم کر دی گئیں تو جائز نہیں عہد ہو یا نسیان ایسے ہی وتر کو عشاء پر مقدم کرنا جائز نہیں نہ عہد اور نہ نسیان۔



## فصل

(یہ) فصل (مستحب اوقات کے بیان میں) ہے

وَيُسْتَحَبُّ الْإِسْفَارُ بِالْفَجْرِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَسْفِرُوا بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَكْبَرُ لِلْأَجْرِ

اور فجر کی نماز میں اسفار کرنا مستحب ہے کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ فجر کی نماز اسفار میں پڑھو اس لئے کہ وہ ثواب کے اعتبار سے اعظم ہے

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ يُسْتَحَبُّ التَّعْجِيلُ فِي كُلِّ صَلَاةٍ وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا رَوَيْنَاهُ

اور امام شافعی نے کہا کہ ہر نماز میں جلدی کرنا مستحب ہے اور امام شافعی کی خلاف بحث وہ حدیث ہے جسے ہم نے روایت کیا

وَمَا نَرُوهُ وَالْإِبْرَازُ بِالظُّهْرِ فِي الصَّيْفِ وَتَقْدِيمُهُ لِي الشِّتَاءِ

اور (وہ حدیث ہے) جو ہم آئندہ روایت کریں گے۔ اور گرمی کے موسم میں ظہر کو ٹھنڈک میں پڑھنا (مستحب ہے) اور سردی کے موسم میں اس کو مقدم کرنا

لِمَا رَوَيْنَاهُ وَلِبِرْوَايَةِ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا كَانَ فِي الشِّتَاءِ

اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی اور روایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وجہ سے کہ رسول اللہ ﷺ جب سردی کا موسم ہوتا

بَكَرَ بِالظُّهْرِ وَإِذَا كَانَ فِي الصَّيْفِ أَبْرَزَ بِهَا وَتَأَخَّرَ الْعَصْرَ مَا لَمْ تَتَغَيَّرِ الشَّمْسُ

تو ظہر میں جلدی فرماتے اور جب گرمی ہوتی تو ظہر کو ٹھنڈک میں پڑھتے اور عصر کی سردی اور گرمی میں مؤخر کرنا (مستحب ہے)

فِي الصَّيْفِ وَالشِّتَاءِ لِمَا فِيهِ مِنْ تَكْثِيرِ النَّوَائِلِ لِكِرَاهَتِهَا بَعْدَهُ

جب تک کہ سورج خفیہ نہ ہو کیونکہ اس تاخیر میں نوافل کی زیادتی کا (موقع) ہے کیونکہ عصر کے بعد نوافل مکروہ ہیں

وَالْمُعْتَبَرُ تَغْيِيرُ الْقُرْصِ وَهُوَ أَنْ يُصِيرَ بِحَالٍ لَا تَحَارُ فِيهِ الْأَعْيُنُ هُوَ الصَّحِيحُ وَالتَّأَخِيرُ إِلَيْهِ مَكْرُوهٌ

اور معتبر سورج کی کلیہ کا خفیہ ہونا ہے اور وہ یہ ہے کہ سورج ایسی حالت میں ہو جائے کہ اس میں آنکھیں نہ چند میادیں سبکی سمجھ سکیں اور اس تک مؤخر کرنا مکروہ ہے

## مستحب اوقات..... فجر، ظہر اور عصر کا مستحب وقت

تشریح: گذشتہ اوراق میں نمازوں کے مطلق اوقات کا بیان تھا۔ اب یہاں سے وقت کامل اور ناقص کو ذکر کریں گے۔

چنانچہ دونوں میں سے ہر ایک کیلئے کے لئے علیحدہ فصل ذکر کی ہے پہلی فصل میں اوقات کا ملکہ یعنی اوقات مستحبہ کو بیان کیا ہے اور دوسری

فصل میں اوقات ناقصہ یعنی اوقات مکروہہ کو بیان کیا ہے۔

احناف کے نزدیک صبح کی نماز اسفار (روشنی) میں پڑھنا مستحب ہے۔ اور اسفار کی حد یہ ہے کہ سفیدی پھیل جانے کے

بعد قراءت مسنونہ کے ساتھ نماز شروع کرے۔ اس کے بعد اگر وضو وغیرہ کی ضرورت پیش آجائے تو اس کے لئے وضو کر کے سورج نکلنے سے پہلے فجر کی نماز پڑھنا ممکن ہو۔ حاصل یہ کہ نماز اسفار ہی میں شروع کی جائے اور اسفار ہی میں ختم کی جائے تو استحباب پر عمل ہوگا۔

امام طحاویؒ نے کہا کہ مستحب یہ ہے کہ نماز غلّس (اندھیرے) میں شروع کرے اور اسفار میں ختم کرے حاصل یہ کہ تطویل قراءت کے ذریعہ غلّس اور اسفار دونوں کو جمع کرے۔

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ نے فرمایا کہ جلدی کرنا مستحب ہے اور جلدی یہ ہے کہ وقت کے نصف اول میں نماز ادا کرے۔ امام شافعیؒ حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے استدلال کرتے ہیں: قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي الصُّبْحَ فَيَنْصَرِفُ النِّسَاءَ مَتَلَفِفَاتٍ بِمُرُوطِهِنَّ مَا يُعْرِفْنَ مِنَ الْغَلَسِ (بخاری و مسلم) ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز پڑھ کر فارغ ہوتے تو عورتیں اپنی اوڑھنیوں میں لپی ہوئیں (اپنے گھروں کو) واپس ہوتیں تو غلّس کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں۔

یہ حدیث اس بات پر شاہد ہے کہ حضور ﷺ غلّس میں نماز پڑھ کر فارغ ہو جاتے تھے دوسری دلیل حضور ﷺ کا قول: **أَوَّلُ الْوَلْتِ رِضْوَانُ اللَّهِ وَآخِرُهُ عَفْوُ اللَّهِ** اور عفو تقاضا کرتا ہے تقصیر اور کوتاہی کا۔ پس اس سے بھی ثابت ہوا کہ نماز میں جلدی کرنا مستحب ہے نیز جب حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ **أَيُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ** تو آپ ﷺ نے فرمایا: **الصَّلَاةُ لِأَوَّلِ وَقْتِهَا**۔

فقہاء احناف کی دلیل حضرت رافع بن خدیج کی حدیث **أَسْفِرُوا بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ** ہے وجہ استدلال یہ ہے کہ حدیث میں اسفار کا امر فرمایا گیا ہے۔ اور امر کا ادنیٰ مرتبہ ندب اور استحباب ہے اس لئے کہا گیا کہ فجر کی نماز کو اسفار میں ادا کرنا مستحب ہے۔ اور ربیع حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جس کو امام شافعیؒ نے روایت کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث عائشہ فعلی حدیث ہے اور **أَسْفِرُوا بِالْفَجْرِ** حدیث قولی ہے اور قول فعل میں تعارض کے وقت قول کو ترجیح ہوتی ہے نہ کہ فعل کو۔

اور گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز ٹھنڈک میں ادا کرنا اور سردی کے موسم میں ظہر کو جلد ادا کرنا مستحب ہے دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم سابق میں روایت کر چکے یعنی **أَبْرِدُوا بِالظُّهْرِ** اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت بھی **مُسْتَدَلٌّ** ہے۔ چنانچہ بخاری میں پوری حدیث اس طرح ہے کہ خالد بن ولید کہتے ہیں کہ ہم کو ہمارے امیر نے جمعہ کی نماز پڑھائی پھر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا **كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي الظُّهْرَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا اشْتَدَّ الْبَرْدُ بَكَرَ بِالصَّلَاةِ وَإِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ أَبْرَدَ بِالصَّلَاةِ** یعنی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ ظہر کی نماز کس طرح پڑھتے تھے تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ جب ٹھنڈکا زمانہ ہوتا تو حضور ﷺ نماز ظہر جلدی ادا کرتے اور جب گرمی زیادہ ہوتی تو ٹھنڈک میں ادا کرتے۔

اور عصر کی نماز ہر موسم میں مؤخر کرنا مستحب ہے بشرطیکہ آفتاب متغیر نہ ہو۔ دلیل یہ ہے کہ عصر کو مؤخر کرنے میں نوافل کی زیادتی کا موقع ہے کیونکہ عصر کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے لہذا عصر کی نماز کو تاخیر سے پڑھا جائے تاکہ عصر سے پہلے زیادہ سے زیادہ نوافل کی گنجائش باقی رہے۔

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے کہا کہ عصر کو جلدی ادا کرنا افضل ہے دلیل حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي الْعَصْرَ فَيَذْهَبُ اِلَى الْغَوَالِي وَالشَّمْسُ مُوْتَفِقَةٌ یعنی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز پڑھتے تھے اور جانے والا عوالی مدینہ کی طرف چلا جاتا حالانکہ سورج بلند ہوتا۔ پس یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ عصر کی نماز جلدی ادا کی جائے۔

مگر ہماری طرف سے جواب یہ ہوگا کہ عوالی مدینہ دو عین میل کی دوری پر کہلاتا ہے اور میل سے وہی میل مراد ہے جو باب التعمیم میں مذکور ہوا، اور یہ کوئی زیادہ مسافت نہیں ہے بلکہ عصر کی نماز تاخیر کے ساتھ پڑھ کر بھی اس قدر مسافت طے کی جاسکتی ہے پس یہ حدیث ہمارے خلاف حجت نہیں ہوگی۔

صاحب ہدایہؒ نے کہا کہ تغیر شمس سے مراد سورج کی ٹکیہ کا متغیر ہونا ہے اور وہ یہ ہے کہ سورج ایسی حالت میں ہو جائے کہ اس کو دیکھنے والے کی آنکھیں نہ چند عیائیں بلکہ اس پر نظر جم جائے یہی صحیح قول ہے۔

ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں کہ تغیر شمس سے مراد اس روشنی کا متغیر ہونا ہے جو دیواروں پر پڑتی ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ روشنی تو زوال کے بعد ہی سے متغیر ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

صاحب عنایہؒ نے لکھا ہے کہ سورج کی ٹکیہ کا متغیر ہونا یہ ہے کہ سورج ایک نیزے کی مقدار سے کم ہو۔ اور اگر ایک نیزے کی مقدار پر قائم ہو تو تغیر قرع نہیں ہوا۔

مصنف ہدایہؒ نے کہا کہ تغیر تک نماز مؤخر کرنا مکروہ ہے اس لئے اس سے پہلے ہی ادا کرنا مستحب ہے۔

وَيُسْتَحَبُّ تَعْجِيلُ الْمَغْرِبِ لِأَنَّ تَاخِيرَهَا مَكْرُوهٌ لِّمَا فِيهِ مِنَ التَّشْبِيهِ بِالْيَهُودِ

اور مغرب کی نماز میں جلدی کرنا مستحب ہے کیونکہ اس نماز کی تاخیر مکروہ ہے کیونکہ اس میں یہود کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے

وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا تَزَالُ أُمَّتِي بِخَيْرٍ مَا عَجَلُوا الْمَغْرِبَ وَأَحْرَوْا الْعِشَاءَ

اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت ہمیشہ خیر کے ساتھ رہے گی جب تک کہ مغرب کو جلدی ادا کرتے رہیں گے اور عشاء کو تاخیر سے ادا کرتے رہیں گے

## مغرب کا مستحب وقت

تشریح:- مسئلہ مغرب کی نماز میں جلدی کرنا مستحب ہے یعنی اذان اور اقامت کے درمیان کچھ فصل نہ کرے سوائے خفیف سی بیٹھک یا سکوت کے۔ دلیل یہ ہے کہ مغرب کی نماز کو مؤخر کرنا مکروہ ہے۔ اور تاخیر اس لئے مکروہ ہے کہ اس میں یہود کے

ساتھ فُسْبُہ لازم آتا ہے اس لئے کہ یہود مغرب کی نماز تاخیر سے پڑھتے تھے۔

دوسری دلیل حضور ﷺ کا قول لَا تَرَالِ أُمِّيَ بِخَيْرٍ مَا عَجَلُوا الْمَغْرِبَ وَأَخَّرُوا الْعِشَاءَ ہے۔

وَتَأَخِيرُ الْعِشَاءَ إِلَى مَا قَبَلَ ثُلُثَ اللَّيْلِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَوْ لَا أَنْ أَشَقُّ عَلَى أُمِّي لَأَخَّرْتُ

اور عشاء کو تہائی رات سے پہلے تک مؤخر کرنا (مستحب ہے) کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ اگر میں اپنی امت پر شاق نہ پاتا تو میں عشاء کو

الْعِشَاءَ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ وَلَآنَ فِيهِ قَطْعُ السَّمْرِ الْمُسْبِي عَنْهُ بَعْدَهُ وَقِيلَ فِي الضَّيْفِ

تہائی رات تک مؤخر کرنا اور اس لئے کہ اس میں اس قصہ گوئی کو قطع کرنا ہے جس سے عشاء کے بعد منع کیا گیا ہے۔ اور کہا گیا کہ گرمی میں

تُعْجَلُ كَيْلَا تَقْلِلَ الْجَمَاعَةُ وَالتَّأَخِيرُ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ مُبَاحٌ لِأَنَّ دَلِيلَ الْكَرَاهَةِ وَهُوَ تَقْلِيلُ الْجَمَاعَةِ

جلدی کی جائے تاکہ جماعت کی قلت نہ ہو جائے اور آدمی رات تک عشاء کو مؤخر کرنا مباح ہے کیونکہ دلیل کراہت کو اور وہ تقلیل جماعت ہے

غَارَضُهُ دَلِيلُ التَّنْذِبِ وَهُوَ قَطْعُ السَّمْرِ بِوَاحِدٍ فَيُبْتُ الْإِبَاحَةُ إِلَى النِّصْفِ الْأَخِيرِ وَمَكْرُوهٌ

دلیل مذہب معارض ہوئی اور وہ کسی کے ساتھ باتیں کرنے کا اعتنا ہے۔ پس آدمی رات تک بات ثابت ہوگی اور (لفظ اخیر تک مؤخر کرنا) مکروہ ہے

لِمَا فِيهِ مِنْ تَقْلِيلِ الْجَمَاعَةِ وَقَدْ انْقَطَعَ السَّمَرُ قَبْلَهُ

کیونکہ اس میں جماعت کی تقلیل ہے حالانکہ قصہ گوئی اس سے پہلے ہی منقطع ہو چکی ہے

## عشاء کا مستحب وقت

تشریح عشاء کی نماز کو تہائی رات سے پہلے تک مؤخر کرنا مستحب ہے۔ اور شرح نقایہ میں ہے کہ تہائی رات تک مؤخر

کرنا مستحب ہے دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے: لَوْ لَا أَنْ أَشَقُّ عَلَى أُمِّي لَأَخَّرْتُ الْعِشَاءَ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ اور دوسری

دلیل یہ ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد قصہ گوئی شرعاً ممنوع ہے چنانچہ ارشاد ہے لَا مَسْمَرٌ بَعْدَ الْعِشَاءِ یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ

عشاء کے بعد قصہ گوئی نہیں ہے۔

اور ایک حدیث میں ہے إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيثُ بَعْدَهَا یعنی حضور ﷺ

عشاء سے پہلے سونے کو اور عشاء کے بعد باتیں کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ حاصل یہ کہ عشاء کے بعد باتیں کرنے اور قصہ گوئی سے منع کیا

گیا ہے۔ اور عشاء کی نماز کو تہائی رات تک مؤخر کرنے میں اس کو منقطع کر دینا ہے اس لئے کہ جب تاخیر سے نماز پڑھے گا تو اس کے

بعد فوراً سونے کی فکر ہوگی نہ کہ قصہ گوئی کی۔ اس لئے تہائی رات تک مؤخر کرنے کو مستحب قرار دیا گیا ہے۔

بعض فقہاء نے کہا کہ گرمی کے موسم میں عشاء کی نماز کو جلد ادا کرنا مستحب ہے کیونکہ گرمی کے زمانے میں اگر عشاء کو مؤخر

کیا گیا تو تغلیل جماعت ہو جائے گی اس لئے کہ گرمی کے موسم میں رات چھوٹی ہوتی ہے لوگ جلدی ہی سو جاتے ہیں۔

صاحب ہدایہؒ نے کہا کہ عشاء کی نماز کو آدمی رات تک مؤخر کرنا مباح ہے دلیل یہ ہے کہ تاخیر اس اعتبار سے کہ جماعت میں کمی واقع ہو جائے گی مکروہ ہے اور اس اعتبار سے کہ قصہ گوئی بالکلیہ منقطع ہو جائے گی مندوب ہے پس چونکہ دلیل مندوب اور دلیل کراہت میں تعارض واقع ہو گیا اس لئے دونوں ساقط ہو کر اہانت ثابت ہو جائے گی۔ اور نصف اخیر تک عشاء کو مؤخر کرنا مکروہ ہے کیونکہ دلیل کراہت اور تغلیل جماعت موجود ہے اور دلیل مندوب اس کے معارض نہیں ہے کیونکہ قصہ گوئی تو اس سے پہلے ہی منقطع ہو چکی ہے پس دلیل مندوب نہیں پائی گئی۔

وَيُسْتَحَبُّ فِي الْوُتْرِ لِمَنْ يَأْتِي صَلَوةَ اللَّيْلِ آخِرَ اللَّيْلِ فَإِنْ لَمْ يَشُقْ بِالْإِتْبَاهِ

اور وتر میں آخر رات مستحب ہے اس شخص کیلئے جو رات کی نماز کو دوست رکھتا ہو پھر اگر اس کو جاگنے پر مجبور نہ ہو

أَوْ تَرَ قَبْلَ النَّوْمِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ خَافَ أَنْ لَا يَقُومَ آخِرَ اللَّيْلِ

تو وہ سونے سے پہلے وتر پڑھے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کو آخر رات میں نہ اٹھنے کا خوف ہو

فَلْيُؤْتِرْ أَوَّلَهُ وَمَنْ طَمَعَ أَنْ يَقُومَ آخِرَ اللَّيْلِ فَلْيُؤْتِرْ آخِرَ اللَّيْلِ

تو وہ اول رات میں وتر پڑھے اور جو آخر رات میں قیام کرنے کا طمع رکھتا ہو تو وہ آخر رات میں وتر پڑھے

## وتر کا مستحب وقت

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ جس کو تہجد کی نماز کی عادت ہے اور اس کو جاگنے پر مجبور نہ بھی ہے تو اس کے حق میں مستحب یہ ہے کہ وتر کو تہجد کے بعد آخر رات میں پڑھے۔ اور اگر اس کو جاگنے پر مجبور نہ نہیں ہے یا رات میں تہجد کی نماز کی عادت نہیں ہے تو یہ شخص سونے سے پہلے وتر پڑھے۔

صاحب ہدایہؒ نے حدیث رسول اللہ ﷺ سے استدلال کیا ہے۔ الفاظ حدیث یہ ہیں مَنْ خَافَ أَنْ لَا يَقُومَ آخِرَ اللَّيْلِ فَلْيُؤْتِرْ أَوَّلَهُ وَمَنْ طَمَعَ أَنْ يَقُومَ آخِرَ اللَّيْلِ فَلْيُؤْتِرْ آخِرَ اللَّيْلِ۔

وَإِذَا كَانَ يَوْمٌ غَيْمٌ فَالْمُسْتَحَبُّ فِي الْفَجْرِ وَالظُّهْرِ وَالْمَغْرِبِ تَأْخِيرُهَا وَفِي الْعَصْرِ وَالْعِشَاءِ تَعْجِيلُهَا

اور جب ایسا دن ہو تو فجر، ظہر اور مغرب میں تاخیر نماز مستحب ہے اور عصر اور عشاء میں تعجل نماز (مستحب) ہے

لَإِنَّ فِي تَأْخِيرِ الْعِشَاءِ تَقْلِيلَ الْجَمَاعَةِ عَلَى إِجْبَارِ الْمَطَرِ وَفِي تَأْخِيرِ الْعَصْرِ تَوْهَمُ الْوُقُوعِ فِي الْوَقْتِ الْمَكْرُوهِ

کیونکہ بارش کے اعتبار کی وجہ سے عشاء کو مؤخر کرنے میں جماعت میں کمی کرنا ہوگا۔ اور عصر کو مؤخر کرنے میں وقت مکروہ میں وقوع کا وہم ہوگا۔

وَلَا تَوَهُم فِي الْفَجْرِ لَآنَ تِلْكَ الْمُدَّةُ مَدِيدَةٌ وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ التَّأْخِيرُ فِي الْكُلِّ لِلِاخْتِيَاظِ

اور فجر میں کوئی وہم نہیں کیونکہ یہ مدت دراز ہے اور امام ابو حنیفہ سے احتیاط کی وجہ سے تمام نمازوں میں تاخیر مروی ہے

أَلَا تَرَى أَنَّهُ يَجُوزُ الْإِدَاءُ بَعْدَ الْوَقْتِ لَا قَبْلُ

کیا نہیں دیکھتے کہ وقت کے بعد ادا کرنا جائز ہے نہ کہ وقت سے پہلے

## ابر کے دن پانچوں نمازوں کے مستحب اوقات

تشریح: سابق میں ان اوقات مستحبہ کا بیان تھا جبکہ مطلع صاف ہو اور اگر مطلع صاف نہ ہو بلکہ آسمان ابر آلود ہو تو اس صورت میں صاحب عنایت نے ضابطہ بیان فرمایا ہے۔ **الْعَيْنُ مَعَ الْعَيْنِ** یعنی ہر وہ نماز کہ جس میں لفظ عین ہو جیسے عصر اور عشاء تو اس میں ابر کے دن غلبت کی جائے اور ان دونوں کے علاوہ باقی نمازوں میں تاخیر مستحب ہے۔ ابر کے دن عشاء میں جلدی کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر ایسی حالت میں عشاء کی نماز کو مؤخر کیا گیا تو جماعت میں کمی واقع ہوگی اور بارش کی وجہ سے لوگ سستی کریں گے اور رخصت پر عمل کریں گے کیونکہ جب بارش کا دن ہوتا تو حضور ﷺ اذان کے بعد اعلان کر دیتے کہ **أَلَا صَلُّوا فِي رَحَالِكُمْ** خبردار ہو جاؤ کہ اپنے اپنے ٹھکانے پر نماز پڑھ لو۔

اور عصر میں تعجل کی وجہ یہ ہے کہ عصر کو مؤخر کرنے میں مکروہ وقت میں نماز واقع ہونے کا وہم ہے کیونکہ عصر کا آخر وقت مکروہ ہے اس لئے عصر کی نماز میں تعجل مستحب ہے اس کے برخلاف فجر کی نماز کہ اس میں یہ وہم نہیں ہے کیونکہ فجر کی نماز کا وقت صبح صادق سے طلوع آفتاب تک دراز ہے لہذا فجر کی نماز کو مؤخر کرنے کے باوجود طلوع شمس کے وقت نماز واقع ہونے کا وہم نہیں ہوگا اس وجہ سے ابر کے دن فجر کی نماز میں تاخیر مستحب ہے۔ اور ظہر اور مغرب میں تاخیر اس لئے مستحب ہے کہ ابر کے دن اگر ان کو جلدی ادا کیا گیا تو وقت سے پہلے ادائے نماز کا امکان ہے درآنحالیکہ وقت سے پہلے نماز ادا نہیں ہوتی اس لئے ان میں تاخیر کو مستحب قرار دیا گیا۔

حسن بن زیاد نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی کہ ابر کے دن احتیاط اسی میں ہے کہ تمام نمازوں میں تاخیر کی جائے کیونکہ جلدی کرنے میں وقت سے پہلے نماز واقع ہونے کا احتمال ہے اور تاخیر میں وقت کے بعد واقع ہونے کا احتمال ہے۔ اور یہ بات مسلم ہے کہ وقت کے بعد نماز ادا کرنا جائز ہے گو قضا ہو۔ لیکن وقت سے پہلے ادا کرنا جائز نہیں ہے نہ اداء اور نہ قضاء۔ جمیل عفی عنہ۔



## فصل فی الاوقات التی تکرہ فیہا الصلوٰۃ

یہ فصل ان اوقات (کے بیان) میں ہے جن میں نماز مکروہ ہے

لَا تَجُوزُ الصَّلَاةُ عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَلَا عِنْدَ قِيَامِهَا فِي الظُّهْرِ وَلَا عِنْدَ غُرُوبِهَا لِحَدِيثِ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ

نماز آفتاب طلوع ہونے کے وقت جائز نہیں اور نہ دوپہر میں آفتاب کے قیام کے وقت اور نہ غروب آفتاب کے وقت کیونکہ عقبہ بن عامرؓ

قَالَ ثَلَاثَةُ أَوْقَاتٍ نَهَانَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ نُصَلِّيَ وَأَنْ نُقْبِرَ فِيهَا مَوْتَانَا

کی حدیث ہے فرمایا کہ تمیں اوقات ہیں جن میں حضور ﷺ نے ہمیں نماز پڑھنے اور اپنے مردے دفن کرنے سے منع فرمایا ہے

عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ حَتَّى تَرْتَفِعَ وَعِنْدَ زَوَالِهَا حَتَّى تَزُولَ

طلوع آفتاب کے وقت یہاں تک کہ وہ بلند ہو جائے اور زوال آفتاب کے وقت یہاں تک کہ وہ ڈھل جائے

وَحِينَ تَضِيفُ لِلْغُرُوبِ حَتَّى تَغْرُبَ وَالْمُرَادُ بِقَوْلِهِ وَأَنْ نُقْبِرَ صَلَاةَ الْجَنَازَةِ

اور جس وقت کہ سورج غروب ہونے لگے یہاں تک کہ غروب ہو جائے، اور مصنف کے قول وَأَنْ نُقْبِرَ سے مراد نماز جنازہ ہے

لَآنَ الدَّفْنِ غَيْرُ مَكْرُوهٍ وَالْحَدِيثُ بِإِطْلَاقِهِ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ فِي تَخْصِصِ الْفَرَائِضِ وَبِمَكَّةَ

کیونکہ دفن کرنا مکروہ نہیں اور حدیث اپنے اطلاق کی وجہ سے فرائض اور مکی تخصیص کرنے میں امام شافعی کے خلاف حجت ہے

وَحُجَّةٌ عَلَى أَبِي يُوسُفَ فِي إِبَاحَةِ النَّفْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلَيْلِ الزَّوَالِ

اور ابو یوسف کے خلاف جمعہ کے روز زوال کے وقت نفل نماز مباح قرار دینے میں حجت ہے

نماز کے مکروہ اوقات طلوع شمس، زوال شمس اور غروب شمس میں نماز پڑھنا ناجائز ہے

تشریح :- ما قبل میں وقت کی دو قسموں میں سے ایک کا بیان تھا یعنی اوقات مستحبہ کا اس فصل میں دوسری قسم یعنی اوقات

مکروہہ کا بیان ہے۔ یہاں کراہت عام ہے جو جواز مع الکراہت اور عدم جواز دونوں کو شامل ہے۔ حاصل مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے

نزدیک طلوع آفتاب، نصف النہار اور غروب کے وقت نہ فرض نماز پڑھنا جائز ہے اور نہ نفل نماز، امام شافعیؒ نے کہا کہ ان اوقات میں

تمام شہروں اور تمام جگہوں میں فرض نماز پڑھنا جائز ہے اور مکہ المکرمہ میں ان اوقات میں نوافل کی اجازت ہے (عناہ)

صاحب فتح القدیرؒ نے لکھا ہے کہ ان اوقات میں مکہ المکرمہ میں امام شافعیؒ کے نزدیک مطلقاً نماز پڑھنا جائز ہے خواہ فرض

ہو خواہ نفل ہو۔

اور حضرت امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن قیام شمس کے وقت نفل نماز پڑھنا جائز ہے۔ امام ابو یوسفؒ کی دلیل وہ

حدیث ہے جس کو حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کیا ہے اِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنْ الصَّلَاةِ نِصْفَ النَّهَارِ حَتَّى تَزُولَ الشَّمْسُ اِلَّا يَوْمَ الْجُمُعَةِ یعنی حضور ﷺ نے نصف النہار میں نماز پڑھنے سے منع کیا یہاں تک کہ سورج ڈھل جائے مگر جمعہ کے دن۔ فرائض کے سلسلہ میں امام شافعیؒ کی دلیل حضور ﷺ کا قول مَنْ نَامَ عَنْ صَلَاةٍ اَوْ نَسِيَهَا فَلْيُصَلِّهَا اِذَا ذَكَرَهَا فَاِنَّ ذٰلِكَ وَقْتُهَا ہے۔ یعنی جو شخص نماز سے سو گیا یا اس کو بھول گیا تو اس کو پڑھے جس وقت اس کو یاد کرے کیونکہ یہی اس کا وقت ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان اوقات میں بھی فرض نماز پڑھنا جائز ہے۔ اور ان اوقات میں مکہ المکرمہ میں جو اہل نفل پر حدیث ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استدلال کیا گیا ہے۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ان اوقات میں نماز پڑھنے سے ممانعت کی گئی ہے سوائے مکہ کے۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: يَا بَنِي عَبْدِ مَنَاظٍ لَا تَمْعُرُوا أَحَدًا طَافَ بِهَذَا النَّيْتِ وَصَلَّى فِي آيَةِ سَاعَةٍ شَاءَ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ اے بنی عبد مناف کسی کو اس گھر کا طواف کرنے اور نماز پڑھنے سے منع مت کرو جس وقت وہ چاہے رات میں یا دن میں۔ اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ مکہ المکرمہ میں ہر وقت نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ ہماری دلیل حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے قَالَ ثَلَاثَةُ اَوْقَاتٍ نَهَانَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ نُصَلِّيَ وَاَنْ نُقْبِرَ فِيْهَا مَوْتَانَا عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ حَتَّى تَرْتَفِعَ وَعِنْدَ زَوَالِهَا حَتَّى تَزُولَ وَحِينَ تَصِيْفُ لِلْعُرُوبِ حَتَّى تَغْرُبَ حدیث عقبہ بن عامرؓ میں صلوٰۃ سے مراد عام ہے فرض ہو یا نفل، اور اَنْ نُقْبِرَ سے مراد نماز جنازہ ہے کیونکہ ان اوقات میں میت کو دفن کرنا مکروہ نہیں ہے۔ پس اب مطلب یہ ہوگا کہ حضور ﷺ نے ان اوقات میں مطلق نماز پڑھنے سے منع کیا ہے خواہ فرض ہو یا نفل اور نماز جنازہ سے منع کیا ہے پس یہ حدیث مطلق ہونے کی وجہ سے امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ کے خلاف حجت ہوگی۔

امام ابو یوسفؒ کی پیش کردہ حدیث کا جواب یہ ہے کہ اِلَّا يَوْمَ الْجُمُعَةِ استثناء منقطع ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اِلَّا يَوْمَ الْجُمُعَةِ کے معنی ہیں وَلَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ اب معنی یہ ہوں گے کہ حضور ﷺ نے نصف النہار میں نماز پڑھنے سے منع کیا ہے اور جمعہ کے دن بھی اس وقت میں نماز نہ پڑھے۔

اور امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث میں مَنْ نَامَ عَنْ صَلَاةٍ اِلْح کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے اوقات ثلثہ میں نماز کی اباحت ثابت ہوتی ہے اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے حرمت ثابت ہوتی ہے اور اصول فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ اگر اباحت اور حرمت جمع ہو جائیں تو حرمت کو ترجیح ہوگی اس وجہ سے یہاں حدیث عقبہ راجح ہوگی۔

اور حدیث ابو ذرؓ کا جواب یہ ہے کہ اِلَّا بِمَكَّةَ کے معنی ہیں وَلَا بِمَكَّةَ، جیسے باری تعالیٰ کا قول اِلَّا حَطًّا کے معنی

وَلَا خَطَا كے ہیں اس صورت میں یہ حدیث امام شافعیؒ کا مُسْتَقْدَل نہیں ہو سکتی، واللہ اعلم بالصواب۔

قَالَ وَلَا صَلَوةُ جَنَازَةٍ لِمَا رَوَيْنَا وَلَا سَجْدَةٌ بِلَاوَةٍ لِأَنَّهَا فِي مَعْنَى الصَّلَاةِ

فرمایا اور نہ نماز جنازہ (جائز ہے) اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی، اور نہ سجدہ تلاوت کیونکہ سجدہ تلاوت بھی نماز کے معنی میں ہے

إِلَّا عَصَرَ يَوْمِهِ عِنْدَ الْغُرُوبِ لِأَنَّ السَّبَبَ هُوَ الْجُزْءُ الْقَائِمُ مِنَ الْوَقْتِ لِأَنَّهُ لَوْ تَعَلَّقَ بِالْكَلِّ

سوائے غروب کے وقت اسی دن کی صبح کے کیونکہ سب وقت کا ۱۱ بجے جو قائم ہے کیونکہ سب اگر کل وقت کے ساتھ متعلق ہو

لَوْ جَبَّ الْأَدَاءُ بَعْدَهُ وَلَوْ تَعَلَّقَ بِالْجُزْءِ الْمَاضِي فَالْمُؤَدِّي فِي آخِرِ الْوَقْتِ قَاضٍ

توا کرنا وقت کے بعد واجب ہوگا اور اگر سب اس ج کے ساتھ متعلق ہو جو گزر گیا تو آخر وقت میں لدا کرنے والا فضا کرنے والا ہوگا

وَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ فَقَدْ آدَاهَا كَمَا وَجِبَتْ بِخِلَافِ غَيْرِهَا مِنَ الصَّلَوَاتِ لِأَنَّهَا وَجِبَتْ كَامِلَةً

اور جب ایسا ہے تو اس نے اسی طرح ادا کی جیسی واجب ہوئی تھی۔ بخلاف دوسری نمازوں کے اس لئے کہ وہ کمال واجب ہوئی تھیں

فَلَا تَنَادِي بِالنَّاقِصِ قَالُ وَالْمُرَادُ بِالنَّهْيِ الْمَذْكُورِ فِي صَلَاةِ الْجَنَازَةِ وَسُجْدَةِ التَّلَاوَةِ الْكَرَاهَةُ

تو ناقص (وقت) کے ساتھ ادا نہ ہوں گی۔ مصنف نے فرمایا کہ نماز جنازہ اور مجہد، عداوت میں نفی مذکور سے مراد کراہت ہے

حَتَّى لَوْ صَلَّاهَا فِيهِ أَوْ تَلَا سَجْدَةً فِيهِ وَسَجَدَهَا جَارٌ لَأَنهَآ أُدِيتْ نَاقِصَةً

حتیٰ کہ اگر مکروہ وقت میں نماز جنازہ پڑھی یا اس میں آیت سجدہ تلاوت کی اور سجدہ کیا تو جائز ہے کیونکہ سجدہ تلاوت اور نماز جنازہ ناقص ادا کر دی گئی

كَمَا وَجَّهَتْ إِذِ الْوُجُوبُ بِحُضُورِ الْجَنَازَةِ وَالنِّلَافَةِ

جیسے واجب ہوئی تھی۔ اس لئے کہ جو بچہ جنازہ حاضر ہونے اور آیت بجد و عطاوت کرنے سے ثابت ہوتا ہے

اوقات تلاش میں نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت کا حکم

**تشریح:** مصنفؒ نے کہا کہ اوقات ثلاثہ میں نہ نماز جنازہ پڑھے اور نہ مجیدہ تلاوت کرے دلیل وہ حدیث ہے جو سابق

میں گزر چکی یعنی اَنْ نُقْبِرَ هُوَ قَائِمًا، اور سجدہ تلاوت کے عدم جواز پر دلیل یہ ہے کہ سجدہ تلاوت نماز ہی کے معنی میں ہے بایں طور کہ

جو شرطیں نماز میں ہیں طہارت، ستر عورت، استقبال قبلہ وغیرہ وہ سجدہ تلاوت میں بھی شرط ہیں پس جب سجدہ تلاوت نماز کے معنی میں

ہے تو وہ اوقات بندہ میں نمی من الصلوٰۃ کے تحت داخل ہوگا چنانچہ ارشاد ہے **ثَلَاثَةُ أَوْقَاتٍ نَهَانَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ**

نُصَلِّيَ لَهَا لیکن یہاں اشکال ہو گا وہ یہ کہ جب بعد تلاوت نماز کے ہم معنی ہے تو جس طرح قہقہہ لگا کر ہنسنے سے وضو اور نماز

دونوں باطل ہو جاتے ہیں اسی طرح سجدہ تلاوت میں قہقہہ لگا کر چلنے سے وضو ٹوٹ جانا چاہیے۔ حالانکہ سجدہ تلاوت میں قہقہہ لگا کر

ہنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ جواب حدیث میں جس نماز میں قہقہہ کرنا قضا وضو کا کیا اس سے مراد تحریر اور رکوع سجدہ والی نماز ہے اور سجدہ تلاوت ایسا نہیں ہے اس لئے سجدہ تلاوت میں اگر قہقہہ لگایا تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اور ان اوقات تلاوت میں نماز پڑھنے سے اس لئے منع کیا گیا ہے تاکہ سورج پوجنے والوں کے ساتھ مشابہت لازم نہ آئے۔

شیخ ابوالحسن قدوریؒ نے کہا کہ اوقات تلاوت میں مطلقاً نماز پڑھنا ممنوع ہے لیکن اسی دن کی عصر اس سے مستثنیٰ ہے یعنی اگر کسی نے عصر کی نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ غروب کا وقت ہو گیا تو وہ اس دن کی عصر کی نماز غروب کے وقت پڑھ سکتا ہے۔ لیکن دوسری کوئی نماز یا کسی دوسرے روز کی عصر کی نماز اگر اس وقت میں پڑھنا چاہے تو جائز نہیں ہے۔ دلیل سے پہلے چند باتیں ذہن نشین کر لیجئے۔

(۱) یہ کہ نماز کے اوقات اس کے واجب ہونے کا سبب ہوتے ہیں۔

(۲) یہ کہ سبب، مسبب سے مقدم ہوتا ہے۔

(۳) یہ کہ جیسا سبب ہوگا ویسا ہی مسبب واجب ہوگا یعنی سبب اگر کامل ہے تو مسبب بھی کامل واجب ہوگا اور اگر سبب ناقص ہے تو مسبب بھی ناقص واجب ہوگا۔

(۴) یہ کہ نماز اگر کامل واجب ہوئی تو کامل ادا کرنا ضروری ہوگا۔ اور اگر ناقص واجب ہوئی تو صفت نقصان کے ساتھ ادا کرنے سے بھی ادا ہو جائے گی۔ اب دلیل کا حاصل یہ ہوگا کہ جو شخص غروب آفتاب کے وقت عصر کی نماز ادا کرتا ہے تو اس کے سبب میں تین احتمال ہیں:-

ایک یہ کہ پورے وقت کو سبب قرار دیا جائے۔ دوم یہ کہ وقت کا جو حصہ گزر چکا وہ سبب ہو، سوم یہ کہ جزء متصل لیلاداء سبب ہو۔ اول کے دو احتمال باطل ہیں اس لئے کہ اگر پورے وقت کو سبب مانا جائے تو وقت کے بعد نماز ادا کرنا واجب ہونا چاہیے کیونکہ مسبب، سبب سے مؤخر ہوتا ہے حالانکہ نماز وقت کے اندر واجب ہوتی ہے نہ کہ وقت کے بعد پس معلوم ہوا کہ پورا وقت وجوب صلوٰۃ کا سبب نہیں ہے۔

اور دوسرا احتمال اس لئے باطل ہے کہ اگر جزء ماضی یعنی گزرے ہوئے جزء کو سبب مانا جائے تو جو شخص آخر وقت میں نماز پڑھے گا تو اس کو قضا کرنے والا کہنا چاہیے۔ حالانکہ اس کو قضا کرنے والا نہیں کہا جاتا۔ پس ثابت ہوا کہ جو جزء ادا ہے صلوٰۃ کے متصل ہے وہ وجوب صلوٰۃ کا سبب ہے اور مسئلہ مذکورہ میں جزء متصل لیلاداء وقت ناقص ہے اور سابق میں گزر چکا کہ وقت (سبب) اگر ناقص ہو تو نماز بھی ناقص ہی واجب ہوگی پس اس شخص پر جیسی نماز واجب ہوئی تھی ویسی ہی ادا کی ہے اس لئے ہم نے کہا کہ آج کی عصر غروب آفتاب کے وقت پڑھنا جائز ہے۔

اس کے برخلاف دوسری نمازیں جو اس روز کی عصر کے علاوہ ہوں وہ غروب کے وقت ادا کرنے سے ادا نہ ہوں گی کیونکہ وہ

نماز میں بھٹ کمال واجب ہوئی تھیں لہذا ناقص وقت کے ساتھ ادا نہ ہوں گی۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت میں جو جواز کی نفی کی گئی اس سے کراہت مراد ہے یعنی یہ دونوں ان اوقات میں مکروہ ہیں حتیٰ کہ اگر مکروہ وقت جنازہ آیا اور اسی مکروہ وقت میں نماز جنازہ پڑھ لی، یا مکروہ وقت میں آیت سجدہ تلاوت کر کے وقت مکروہ ہی میں سجدہ ادا کر دیا تو جائز ہوگا۔

دلیل یہ ہے کہ نماز جنازہ کے واجب ہونے کا سبب جنازہ کا حاضر ہونا ہے اور سجدہ تلاوت واجب ہونے کا سبب آیت سجدہ کی تلاوت کرنا ہے اور چونکہ یہ دونوں سبب وقت ناقص (وقت مکروہ) میں پائے گئے اس لئے نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت بھی ناقص ہی واجب ہوں گے پس یہ دونوں جیسے واجب ہوئے تھے ویسے ہی ادا کر دیئے اس لئے ادا ہو گئے۔ اس کے برخلاف فرائض کہ وہ ان اوقات ثلاثہ میں جائز نہیں ہیں۔

وَيُكْرَهُ أَنْ يُتَنَفَّلَ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ لِمَا رَوَى

اور فجر کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہو اور عصر کے بعد یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو کیونکہ روایت کیا گیا

أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَهَى عَنْ ذَلِكَ وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يُصَلِّيَ فِي هَذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ الْفَوَائِتِ وَيَسْجُدَ لِلتَّلَاوَةِ

کہ حضور ﷺ نے اس سے منع کیا ہے اور ان دونوں وقتوں میں فوت شدہ نمازیں پڑھنے اور تلاوت کا سجدہ کرنے

وَيُصَلِّيَ عَلَى الْجَنَازَةِ لِأَنَّ الْكَرَاهَةَ كَانَتْ لِحَقِّ الْفَرْضِ لِيَصِيرَ الْوَقْتُ كَالْمَشْغُولِ بِهِ

اور جنازہ کی نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ کراہت تو حق فرض کی وجہ سے تھی تاکہ پورا وقت گویا اسی وقت کے فرض میں مشغول ہو جائے

لَا لِمَعْنَى فِي الْوَلْتِ فَلَمْ تَظْهَرْ فِي حَقِّ الْفَرَائِضِ وَفِيمَا وَجِبَ

نہ کہ کسی ایسے معنی کی وجہ سے جو وقت میں پائے جائیں پس (کراہت) ظاہر نہیں ہوگی فرائض کے حق میں اور ان چیزوں کے حق میں جہلۃً واجب ہیں جیسے سجدہ تلاوت

لِعَيْنِهِ كَسَجْدَةِ التَّلَاوَةِ وَظَهَرَ فِي حَقِّ الْمَنْذُورِ لِأَنَّهُ تَعَلَّقَ وَجُوبُهُ بِسَبَبِ

اور (نماز) نذر کے حق میں (کراہت) ظاہر ہوگی کیونکہ (نماز) نذر کا وجوب ایسے سبب کے ساتھ متعلق ہے جو نذر کرنے والے کی

مِنْ جِهَتِهِ وَفِي حَقِّ رَكْعَتَيِ الطَّوَّافِ وَفِي الَّذِي شَرَعَ فِيهِ

جہت سے ہے اور طواف کی دو رکعتوں کے حق میں اور ایسی (نماز) کے حق میں (کراہت ظاہر ہوگی)

ثُمَّ الْفَسْدُ لِأَنَّ الْوُجُوبَ لِغَيْرِهِ وَهُوَ خَتْمُ الطَّوَّافِ وَصِيَانَةُ الْمُؤَدَّى عَنِ الْبُطْلَانِ

جس کو اس نے شروع کر کے فاسد کر دیا کیونکہ وجوب غیرہ ہے اور وہ ختم طواف ہے اور مؤدی کو باطل ہونے سے بچانا ہے

## فجر اور عصر کے بعد نوافل کا حکم

تشریح :- مسئلہ یہ ہے کہ فجر کے بعد سے طلوع آفتاب تک اور عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک نوافل پڑھنا مکروہ ہے دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے۔ شَهِدَ عِنْدِي رَجُلٌ مَرَضِيٌّ وَأَرْضَاهُمْ عِنْدِي عَمْرُ أَنْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَشْرُقَ الشَّمْسُ وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ مجھے بندگان حق پسندیدہ نے شہادت دی جن میں میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صبح کے بعد نماز سے منع کیا یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے اور عصر کے بعد یہاں تک کہ سورج چھپ جائے۔ (بخاری و مسلم)

لیکن حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جس کو صحیحین نے روایت کیا اس کے معارض ہے حدیث یہ ہے رَكْعَتَانِ لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَدْعُهُمَا مِسرًا وَلَا غَلَابَةً رَكْعَتَانِ قَبْلَ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَرَكْعَتَانِ بَعْدَ الْعَصْرِ۔ یعنی دو رکعتیں ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نہیں چھوڑتے تھے نہ پوشیدہ اور نہ علانیہ، دو رکعتیں نماز صبح سے پہلے اور دو رکعتیں نماز عصر کے بعد۔ اور ایک روایت میں ہے مَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَأْتِينِي فِي يَوْمٍ بَعْدَ الْعَصْرِ إِلَّا صَلَّى رَكْعَتَيْنِ یعنی کبھی نہیں ہوا کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس آئے بعد عصر مگر دو رکعتیں پڑھیں۔

ان دونوں احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر کے بعد آپ ﷺ نے دو رکعتوں پر التزام کیا ہے..... جواب یہ ہے کہ عصر کے بعد دو رکعات آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے تھیں لہذا آپ ﷺ کی امت کے لئے ان کی اجازت نہیں ہوگی۔ اور دلیل اس کی یہ ہے کہ ایک مرتبہ ظہر کے بعد عبدالقیس کے کچھ لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کے ساتھ مشغولیت کی وجہ سے آپ ﷺ ظہر کے بعد کی دو رکعتیں نہیں پڑھ سکے تھے پس آپ ﷺ نے بطور حلائی یہ دو رکعتیں عصر کے بعد پڑھی تھیں اور چونکہ عادت شریفہ یہ تھی کہ جب آپ ﷺ کوئی عمل کرتے تو اس پر مداومت فرماتے اس لئے آپ ﷺ عصر کے بعد ہمیشہ دو رکعت پڑھتے رہے اور دوسروں کو ان دو رکعتوں سے منع فرماتے تھے۔

چنانچہ علامہ ابن الہمام نے بخاری اور مسلم کے حوالہ سے پورا واقعہ اس طرح قلمبند کیا ہے عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ وَعَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ أَزْهَرَ وَمِسُورَ بْنَ مَخْرَمَةَ أَرْسَلُوهُ إِلَى عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالُوا اقْرَأْ عَلَيْهَا السَّلَامَ مِنَّا جَمِيعًا وَسَلِّهَا عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَقُلْ بَلَّغْنَا أَتَكَ تُصَلِّيْنَهُمَا وَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنْهُمَا قَالَ كُرَيْبٌ فَدَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا فَأَخْبَرْتُهَا فَقَالَتْ سَلْ أُمَّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا فَرَجَعْتُ إِلَيْهِمْ



فَاخْبَرْتَهُمْ فَرَدُّوْنِيْ اِلَيَّ اَمْ سَلِمَةَ فَقَالَتْ اَمْ سَلِمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْهُمَا ثُمَّ رَاَيْتُهُ يُصَلِّيْهُمَا فَقِيْلَ لَهٗ فِىْ ذٰلِكَ فَقَالَ اِنَّهُ اَتَانِىْ نَاسٌ مِنْْ عَبْدِ الْقَيْسِ بِاِسْلَامٍ مِنْ قَوْمِهِمْ فَشَغَلُوْنِىْ عَنْ الرُّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ وَهُمَا هَاتَانِ يَعْنِىْ حَضْرَتِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كے مولیٰ مگر یہ ہے کہ روایت ہے کہ عبد اللہ بن عباس، عبد الرحمن بن ازیہ اور مسور بن مخرمہ نے مجھے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں بھیجا کہ ہم سب کی طرف سے ام المومنین کی خدمت میں سلام پہنچا اور عصر کے بعد کی دو رکعتوں کا حال دریافت کر اور عرض کر کہ ہم کو خبر پہنچی ہے کہ آپ ان کو پڑھا کرتی ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان سے منع فرمایا ہے، کرب نے کہا کہ پھر میں نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں جا کر پیغام عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ تو جا کر حضرت ام سلمہ سے دریافت کر پس میں نے واپس ہو کر ان لوگوں کو خبر دی تو انہوں نے مجھے حضرت ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں بھیجا پس حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ نے عصر کے بعد نماز سے ممانعت فرمائی۔ پھر میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے دو رکعتیں پڑھیں تو آپ ﷺ سے اس بارے میں عرض کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس عبد القیس کے کچھ لوگ آگئے اپنی قوم کی طرف سے اسلام لانے کے ساتھ تو ظہر کے بعد کی دو رکعتوں کے پڑھنے سے مجھے مشغول کر دیا اور یہ وہی دو رکعتیں ہیں (بخاری فی المغازی)

صاحب ہدایہ نے کہا کہ ان دو وقتوں میں یعنی فجر کے بعد اور عصر کے بعد قضا نمازیں پڑھنے، اور سجدہ تلاوت کرنے اور نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ فجر اور عصر کے بعد کراہت، فجر اور عصر کی نماز کی وجہ سے تھی تاکہ تمام وقت اسی وقت کے فرض میں مشغول ہو جائے پس چونکہ کراہت حق فرض کی وجہ سے تھی لہذا حقیقت فرض کے حق میں کراہت ظاہر نہیں ہوگی کیونکہ حقیقت فرض کے ساتھ وقت کو مشغول کرنا اولیٰ ہے بہ نسبت حق فرض کے ساتھ مشغول کرنے کے۔ اس لئے فرائض کے حق میں اور جو اس کے ہم معنی ہے اس کے حق میں کراہت ظاہر نہیں ہوگی جیسے سجدہ تلاوت اس لئے کہ سجدہ تلاوت لذاتہ واجب ہے کیونکہ سجدہ تلاوت کا وجوب بندے کے فعل پر موقوف نہیں ہے۔

اور دلیل اس کی یہ ہے کہ سجدہ تلاوت جس طرح آیت سجدہ تلاوت کرنے سے واجب ہوتا ہے اسی طرح آیت سجدہ سننے سے بھی واجب ہو جاتا ہے اگرچہ سننے کا ارادہ نہ کیا ہو لہذا سجدہ تلاوت واجب لذاتہ ہونے میں فرائض کے مانند ہو گیا۔

یہی حال نماز جنازہ کا ہے اس لئے کہ نماز جنازہ کا وجوب بھی بندے کے فعل پر موقوف نہیں ہے۔

البتہ فجر اور عصر کے بعد نذر کی ہوئی نماز میں کراہت ظاہر ہوگی کیونکہ نذر کی ہوئی نماز واجب لذاتہ نہیں ہے اس لئے کہ نذر کی نماز کا وجوب نذر کرنے والے کی طرف سے ہے۔

اور اسی طرح طواف کی دو رکعتوں میں بھی کراہت ظاہر ہوگی چنانچہ فجر اور عصر کے بعد ان کا ارادہ کرنا بھی مکروہ ہے کیونکہ ان

دور کعتوں کا وجوب طواف کرنے کی وجہ سے ہوا، اور طواف کرنا اس کا اپنا فعل ہے لہذا طواف کی دور کعتیں بھی واجب لذاتہ نہیں ہیں۔  
 اور اسی طرح اس نماز کے حق میں بھی کراہت ظاہر ہوگی جس کو شروع کر کے قاسد کر دیا مثلاً نماز نفل شروع کر کے قاسد کر دی پھر اگر فجر یا عصر کے بعد اس کی قضا کرنا چاہے تو مکروہ ہے کیونکہ یہ نماز بھی لذاتہ واجب نہیں ہے بلکہ جو نماز شروع کر کے قاسد کر دی اس کو بطلان سے بچانے کی وجہ سے واجب ہوئی ہے۔

وَيُكْرَهُ أَنْ يُتَنَفَّلَ بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ بِأَكْثَرِ مِنْ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اور طلوع فجر کے بعد فجر کی دور کعتوں سے زائد نوافل پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ حضور ﷺ

لَمْ يَزِدْ عَلَيْهِمَا مَعَ حَرْصِهِ عَلَى الصَّلَاةِ

نے ان دور کعتوں پر زیادہ نہیں کیا باوجودیکہ آپ ﷺ نماز کے بہت حریص تھے

صبح صادق کے بعد دور کعتوں سے زائد نوافل مکروہ ہیں

تشریح صورت مسئلہ اور اس کی دلیل واضح ہے۔

وَلَا يُتَنَفَّلُ بَعْدَ الْغُرُوبِ قَبْلَ الْفَرَضِ لِمَا فِيهِ مِنْ تَأْخِيرِ الْمَغْرِبِ وَلَا إِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ لِلْخُطْبَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

اور غروب کے بعد فرض سے پہلے نفل نہ پڑھے کیونکہ اس میں مغرب کو مؤخر کرنا (لازم آتا) ہے اور نہ اس وقت جب امام جمعہ کے دن خطبہ کے لئے نکلے

إِلَى أَنْ يَفْرُغَ مِنْ خُطْبَتِهِ لِمَا فِيهِ مِنَ الْإِسْغَالِ عَنْ اسْتِمَاعِ الْخُطْبَةِ

یہاں تک کہ وہ خطبہ سے فارغ ہو کیونکہ اس میں خطبہ کی طرف کان لگا کر سننے سے اعراض کر کے دوسرے کام میں مشغول ہونا (لازم آتا) ہے

مغرب کے بعد فرض نماز سے پہلے نوافل کا حکم

تشریح :- مسئلہ یہ ہے کہ سورج چھپنے کے بعد فرض ادا کرنے سے پہلے نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ دلیل یہ ہے کہ ایسا

کرنے میں مغرب کو مؤخر کرنا لازم آئے گا حالانکہ مغرب میں تعمیل مستحب ہے۔

اور اسی طرح اس وقت نفل پڑھنا مکروہ ہے جب کہ امام خطبہ کے لئے نکلا یہاں تک کہ امام خطبہ سے فارغ

ہو جائے۔

دلیل یہ ہے کہ ایسا کرنے میں خطبہ سننے سے اعراض کرنا لازم آئے گا حالانکہ خطبہ سننا واجب ہے۔ واللہ اعلم،

جمیل احمد عثمانی عہدہ۔

## بَابُ الْاِذَاانِ

(یہ) باب اذان (کے احکام کے بیان) میں ہے

چونکہ اذان دخول وقت کا اعلان ہے اس لئے پہلے اوقات بیان کئے گئے اور اس کے بعد اذان کا ذکر کیا گیا، اذان، اذانت میں اعلام و اعلان کا نام ہے پھر غلبہ نماز کے اعلان کے لئے استعمال کیا جانے لگا چنانچہ جب بھی لفظ اذان بولا جاتا ہے تو اس سے نماز ہی کا اعلان مراد ہوتا ہے۔ اسی لغوی معنی میں باری تعالیٰ کے قول **وَ اِذَا نَادَىٰ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ اِلٰى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّهِ الْاَكْبَرِ** اور **وَ اِذَا نَادَىٰ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ اِلٰى النَّاسِ** مستعمل ہیں اور شریعت میں اذان کہتے ہیں مخصوص الفاظ کے ساتھ مخصوص طریقہ پر نماز کے وقت کے داخل ہونے کی خبر دینا۔

نفس اذان کا ثبوت تو آیات و احادیث دونوں سے ہے لیکن اس کا تعین فقط احادیث سے ہے (آیات) باری تعالیٰ کا قول **وَ اِذَا نَادَىٰ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ اِلٰى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّهِ الْاَكْبَرِ** یعنی جب تم نماز کے لئے اعلان کرتے ہو تو وہ لوگ اس کے ساتھ ہنسی اور کھیل کرتے ہیں یہ اس سبب سے کہ وہ لوگ ایسے ہیں کہ بالکل عقل نہیں رکھتے۔

اس آیت میں نداء الی الصلوٰۃ سے مراد اذان ہی ہے کیونکہ اس کے شان نزول میں حضرت اقدس تھانویؒ نے لکھا ہے کہ مدینہ میں ایک نصرانی تھا جب اذان میں **سَمِعْنَا اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ** تو کہتا **قَدْ خَرَقَ الْكَاذِبُ** یعنی جوٹھا جل جائے، ایک شب ایسا اتفاق ہوا کہ وہ اور اس کے اہل و عیال سب سو رہے تھے کوئی خادم آگ لے کر گیا ایک چنگاری گر پڑی وہ اور اس کا گھر اور گھر والے سب جل گئے اسی آیت کے سبب نزول میں ایک قصہ یہ ہے کہ جب اذان ہوتی اور مسلمان نماز شروع کرتے تو یہود کہتے **قَامُوا وَاَوْصَلُوا وَاَوْصَلُوا** یعنی مسلمان کھڑے ہوتے ہیں خدا کرے ان کو کبھی کھڑا ہونا نصیب نہ ہو اور یہ نماز پڑھتے ہیں خدا کرے ان کو نماز پڑھنا نصیب نہ ہو۔

ان دونوں قصوں سے معلوم ہوا کہ آیت میں نداء الی الصلوٰۃ سے مراد اذان ہے۔ دوسری آیت **وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعِلِّمَ صَالِحًا قَالِ اِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ** ہے۔ علامہ بخاریؒ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میرا خیال ہے کہ یہ آیت مؤذنین کے بارے میں نازل ہوئی ہے حضرت عمرؓ رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ **مَنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ** سے مراد مؤذن ہے۔ اور ابواسامہ الباہلیؒ نے کہا کہ اس آیت میں **عِلِّمَ صَالِحًا** سے مراد یہ ہے کہ اذان و اقامت کے درمیان دو رکعت پڑھے۔

بہر حال ان اقوال سے اتنی بات تو ثابت ہو جاتی ہے کہ آیت **دَعَا اِلَى اللّٰهِ** سے اذان مراد ہے لہذا اس آیت سے بھی اذان کا ثبوت ہو جائے گا۔

تیسری آیت **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ** اے ایمان والو جب

جمعہ کے روز نماز (جمعہ) کے لئے اذان بھی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد (یعنی نماز و خطبہ) کی طرف (فورا) چل پڑا کرو اور خرید و فروخت (اور اسی طرح دوسرے مشاغل جو چلنے سے مانع ہوں) چھوڑ دیا کرو۔

وہ احادیث جن سے اذان کا ثبوت اور تعین ہوتا ہے مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں جن کا ذکر اگلی سطروں میں آئے گا۔  
 رعنی یہ بات کہ اذان کب شروع ہوئی سو اس کے بارے میں ملا علی قاریؒ نے شرح فقہیہ میں دو قول ذکر کئے ہیں۔  
 ایک یہ کہ اذان ۱ھ میں شروع ہوئی، دوسرا یہ کہ ۲ھ میں شروع ہوئی۔ قول ثانی کی دلیل یہ ہے کہ ابن سعد نے نافع بن جبیر، عروہ بن الزبیر اور سعید بن المسیب رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت کی ہے۔ اِنَّهُمْ قَالُوْا كَانَ النَّاسُ فِیْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَبْلَ اَنْ يُؤْمَرَ بِالْاَذَانِ یُنَادِیْ مُنَادِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الصَّلٰوةَ جَامِعَةً فَتَجْتَمِعُ النَّاسُ فَلَمَّا ضُرِبَتِ الْقِبْلَةُ اُمِرَ بِالْاَذَانِ یعنی یہ تینوں حضرات رحمہم اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ لوگ حضور ﷺ کے عہد مبارک میں اذان کا حکم دیئے جانے سے پہلے (اس طرح) تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا منادی الصَّلٰوةَ جَامِعَةً کی ندا کا لوگ اس ندا کو سن کر جمع ہو جاتے لیکن جب تحویل قبلہ ہوا تو اذان کا حکم دیا گیا۔ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ تحویل قبلہ ۲ھ میں ہوا۔ پس ثابت ہو گیا کہ اذان کی مشروعیت ۲ھ میں ہوئی۔

علامہ ہند مولانا عبدالحی نے اسعادیہ میں حافظ ابن حجر العسقلانیؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بعض احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اذان مکہ المکرمہ میں ہجرت سے پہلے شروع ہوئی۔ چنانچہ طبرانی میں ہے اِنَّهُ لَمَّا اُسْرِیْ بِالنَّبِیِّ ﷺ اَوْحٰی اللّٰهُ اِلَیْهِ الْاَذَانَ فَنَزَلَ بِہٖ فَعَلَّمَهُ بِلَالًا یعنی لیلۃ الاسراء میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی طرف اذان کی وحی کی پس آپ اس کو لے کر اترے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی تعلیم دی۔

دارقطنی میں حدیث انسؓ ہے کہ اِنْ جَبْرِیْلَ اَمَرَ النَّبِیَّ ﷺ بِالْاَذَانِ حِیْنَ فُرِضَتِ الصَّلٰوةُ یعنی جس وقت نماز فرض کی گئی اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کو اذان کا حکم دیا۔ ان دونوں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان ہجرت سے پہلے مکہ میں شروع ہو گئی تھی لیکن حافظ ابن حجرؒ نے ان احادیث کی عدم صحت کا دعویٰ کیا ہے۔

مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ نے علم الفقہ میں لکھا ہے کہ اذان کی ابتداء مدینہ منورہ میں ۱ھ میں ہوئی اس سے پہلے نماز بے اذان کے پڑھی جاتی تھی چونکہ اس وقت تک مسلمانوں کی تعداد کچھ ایسی کثیر نہ تھی اسلئے ان کا جماعت کے لئے جمع ہو جانا بغیر کسی اطلاع کے دشوار نہ تھا، جب مسلمانوں کی تعداد یوں آفاقیات ترقی کرنے لگی اور مختلف طبقات کے لوگ جوق درجوق اسلام میں داخل ہونے لگے تو اس امر کی ضرورت پیش آئی کہ نماز کا وقت آنے اور جماعت قائم ہونے کی اطلاع ان کو دی جائے جس سے وہ اپنے اپنے

قریب و بعید مقامات سے جماعت کیلئے مسجد میں آسکیں لہذا اذان کا یہ طریقہ اس غرض کے پورا کرنے کیلئے مقرر کیا گیا، اور اذان اسی امت کیلئے خاص ہے پہلی امتوں میں نہ تھی۔

اذان کی مشروعیت کا مختصر قصہ یہ ہے کہ جب صحابہؓ کو نماز اور جماعت کے اوقات کی اطلاع کی ضرورت محسوس ہوئی تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا بعض نے رائے دی کہ یہودی طرح سنگہ بجایا جائے، بعض حضرات نے کہا کہ آگ جلا دی جایا کرے۔ مگر نبی ﷺ نے اس کو پسند نہیں فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ رائے دی کہ نماز کے وقت الصلوٰۃ جامعۃ کہہ دیا جائے۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن زید اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے خواب دیکھا کہ ایک فرشتہ نے یہ طریقہ اذان کا جو آگے بیان کیا جائے گا ان کو تعلیم کیا کہ اسی طریقہ سے نماز کے اوقات اور جماعت کی اطلاع مسلمانوں کو کی جایا کرے۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ اگر مجھے بدگمانی کا خوف نہ ہوتا تو میں کہتا کہ میں بالکل سوتا ہی نہ تھا اسی لحاظ سے بعض علماء نے اس واقعہ کو حال اور کشف پر محمول کیا ہے جو اب باب باطن کو حالت بیداری میں ہوتا ہے۔ المختصر صحیح کو حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ واقعہ حضور نبوی علیہ السلامؐ کی عرض کیا تب حضور ﷺ نے فرمایا کہ بے شک یہ سچ ہے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم ہوا کہ اسی طرح اذان دیا کرو۔ پھر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی آپ کے خواب کو بیان کیا بعض روایات میں ہے کہ اس سے پہلے حضور ﷺ پر وحی نازل ہو چکی تھی چنانچہ عبدالرزاقؒ نے اپنے مصنف میں اور ابوداؤد نے مراسیل میں یہ روایت لکھی ہے۔

بعض احادیث میں یہ بھی ہے کہ شبہ معراج میں نبی ﷺ کو حضرت جبریل علیہ السلام نے اذان کی تعلیم دی تھی مگر یہ احادیث صحیح نہیں اور بر تقدیر صحت اس میں وہ شبہ معراج مقصود نہیں جو مکہ میں ہوئی تھی کیونکہ نبی ﷺ کو روحانی معراج بارہا ہوئی ہے لہذا اس سے مقصود وہی رات ہوگی جس رات کو یہ خواب دیکھا گیا، واللہ اعلم۔

اذان کی اہمیت و عظمت :- اذان اللہ تعالیٰ کے اذکار میں ایک بہت بڑے رتبہ کا ذکر ہے۔ اس میں توحید و رسالت کی شہادت اعلان کے ساتھ ہوتی ہے اس سے اسلام کی شوکت ظاہر ہوتی ہے۔ بہت سی احادیث میں اذان کی فضیلت مذکور ہے۔

(۱) اذان کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے اور جو لوگ اس کو سنتے ہیں جن ہوں یا انسان، وہ سب قیامت کے دن اذان دینے والے کے ایمان کی گواہی دیں گے (بخاری، نسائی، ابن ماجہ)۔

(۲) اللہ کے سچے رسول ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء اور شہداء کے بعد اذان دینے والے جنت میں داخل ہوں گے بعض احادیث میں یہ بھی ہے کہ مؤذن کا مرتبہ شہید کے برابر ہے۔

(۳) یتیم عبداللہ نے کہا کہ جو شخص سات برس تک برابر اذان دے اور اس سے اس کا مقصود محض ثواب ہو تو اس کیلئے دوزخ سے آزادی لکھی جاتی ہے (ابوداؤد، ترمذی)

(۴) نبی ﷺ نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اذان کہنے میں کس قدر ثواب ہے اور پھر ان کو یہ منصب بغیر قرعہ ڈالے نہ ملے تو بے شک وہ اس کے لئے قرعہ ڈالیں، حاصل یہ کہ اس منصب کیلئے سخت کوشش کریں (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی) صحابہؓ کے زمانے میں ایسا ہوا ہے کہ اذان کے لئے لوگوں میں اختلاف ہوا ہر شخص چاہتا تھا کہ یہ مبارک منصب مجھے ملے یہاں تک کہ قرعہ ڈالنے کی نوبت آئی (تاریخ بخاری)۔

(۵) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ہر روز قیامت تین لوگ معطر منک کے نیلے پر ہوں گے نہ حساب دیں گے، نہ حیران و پریشان ہوں گے۔ ایک وہ جس نے رضائے خداوندی کے لئے قرآن پڑھا دوسرا وہ جو غلامی میں مبتلا ہوتے ہوئے آخرت کے اعمال سے غافل نہ رہا، تیسرا مؤذن (المُرشد الامین)

(۶) قیامت کے دن مؤذنین کو بھی شفاعت کی اجازت دی جائے گی کہ وہ اپنے امراء و احباب یا جس کیلئے چاہیں خداوندی عالم سے سفارش کریں۔

(۷) اذان دینے وقت شیطان پر بہت خوف اور رعب طاری ہوتی ہے اور بہت بے حواسی سے بھاگتا ہے جہاں تک اذان کی آواز جاتی ہے وہاں نہیں ٹھہرتا (بخاری و مسلم)

(۸) قیامت کے دن مؤذنین کی گردنیں بلند ہوں گی یعنی وہ نہایت معزز اور لوگوں میں ممتاز ہوں گے اور قیامت کے خوف اور مصیبت سے محفوظ رہیں گے۔

(۹) جس مقام پر اذان دی جاتی ہے وہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے عذاب اور بلاؤں سے وہ مقام محفوظ رہتا ہے۔

(۱۰) نبی علیہ السلام نے مؤذنین کے لئے دعائے مغفرت فرمائی ہے۔

الْأَذَانُ سُنَّةٌ لِلصَّلَاةِ الْخَمْسِ وَالْجُمُعَةِ لَا سِوَاهَا لِلنَّفْلِ الْمُتَوَاتِرِ

اذان نفل متواتر کی وجہ سے پانچوں نمازوں اور جمعہ کیلئے سنت ہے نہ کہ ان کے ماسوا کیلئے

وَصِفَةُ الْأَذَانِ مَعْرُوفَةٌ وَهُوَ كَمَا أَدْنَى الْمَلِكِ النَّازِلُ مِنَ السَّمَاءِ

اور اذان کا طریقہ معروف ہے اور وہ اسی طرح ہے جیسے آسمان سے اترنے والے فرشتہ نے اذان دی تھی

## اذان کی شرعی حیثیت

تشریح :- اذان پانچوں نمازوں اور جمعہ کی نماز کیلئے سنت مؤکدہ ہے اور بعض مشائخؒ نے کہا کہ واجب ہے کیونکہ امام محمدؒ سے مروی ہے کہ اگر تمام شہر والے ترک اذان پر اتفاق کر لیں تو ان سے قتال کیا جائے گا اور یہ بات ظاہر ہے کہ قتال ترک واجب



پر ہوتا ہے نہ کہ ترک سنت پر۔ پس معلوم ہوا کہ اذان واجب ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اذان تو سنت ہی ہے لیکن ترک اذان پر اصرار کرنے کی وجہ سے دین کا استخفاف اور اہانت پائی گئی اور استخفاف دین کی صورت میں قتال ضروری ہے اس لئے امام محمدؒ نے ان لوگوں سے قتال کا حکم دیا ہے۔

اذان کے مسنون ہونے پر نقل متواتر دلیل ہے یعنی تواتر کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے پانچوں نمازوں اور جمعہ کیلئے اذان دلوائی ہے ان کے علاوہ وتر، عیدین، کسوف، خسوف، استسقاء، نماز جنازہ اور سنن و نوافل کیلئے اذان نہیں دلوائی ہے چنانچہ مسلم میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ الْعِيدَ غَيْرَ مَرَّةٍ وَلَا مَرَّتَيْنِ بِغَيْرِ اَذَانٍ وَلَا اِقَامَةٍ یعنی میں نے متعدد بار حضور ﷺ کیساتھ عید کی نماز بغیر اذان اور بغیر اقامت کے پڑھی۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ خَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَبَعَثَ مَنَادِيًا يُنَادِي بِالصَّلَاةِ جَامِعَةً یعنی عہد رسالت میں سورج گرہن ہوتا تو آپ ﷺ منادی کو بھیجتے وہ الصلوٰۃ جَامِعَةً کہہ کر ندا دیتا۔ ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ عیدین اور خسوف و کسوف کیلئے اذان نہیں تھی اور وتر اگرچہ واجب ہے لیکن عشاء کی اذان اس کیلئے واجب ہے کیونکہ وتر کا دعویٰ وقت ہے جو عشاء کا ہے۔ اور ربیع سنتیں اور نوافل تو وہ فرائض کے تابع ہیں ان کے لئے مستقلاً اذان کی کوئی ضرورت نہیں اور اذان جمعہ کے سلسلہ میں حضرت سائب بن یزیدؓ کی حدیث صحیحین میں مروی ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ اذان کی کیفیت معلوم ہے اور وہ اسی طرح ہے جیسے آسمان سے نازل شدہ فرشتہ نے اذان دی تھی، اس کی تفصیل حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث میں گزر چکی، حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَامَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ زَيْدٍ يُعْنَى إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي رَأَيْتُ فِي النَّوْمِ كَأَن رَجُلًا نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ عَلَيْهِ بُرْدَانِ أَخْضَرَانِ أَنْزَلَ عَلَيَّ جِزْمَ حَائِطٍ مِنَ الْمَدِينَةِ فَأَذَّنَ مَشْنِي مَشْنِي ثُمَّ جَلَسَ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ بْنُ عِبَّاسٍ عَلَى نَحْوِ مِنْ أَذَانِنَا الْيَوْمَ قَالَ عَلِمَهَا بَلَاءًا فَقَالَ عُمَرُ وَرَأَيْتُ مِثْلَ الَّذِي رَأَى وَلَكِنَّهُ مَبْقِيٌّ. ربیع یہ بات کہ یہ کون سا فرشتہ تھا تو علامہ بدرالدین عینیؒ نے کہا کہ اظہر یہ ہے کہ جبریل امین علیہ السلام تھے اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ کوئی دوسرا فرشتہ تھا۔

وَلَا تَرْجِعَ فِيهِ وَهُوَ أَنْ يُرْجَعَ فَيَرْفَعَ صَوْتَهُ بِالشَّهَادَتَيْنِ بَعْدَ مَا خَفَضَ بِهِمَا

اور اذان میں ترجیع نہیں ہے اور ترجیع یہ ہے کہ لوٹائے پس شہادتین کے ساتھ اپنی آواز کو بلند کرے ان کو پست کرنے کے بعد

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ فِيهِ ذَلِكَ لِحَدِيثِ أَبِي مَحْذُورَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَمَرَهُ بِالْتَّرْجِيعِ

اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اذان میں ترجیع ہے ابو محذورہؓ کی حدیث کی وجہ سے کہ حضور ﷺ نے ابو محذورہؓ کو ترجیع کا حکم دیا

وَلَنَّاَنَّهُ لَا تَرْجِيعَ فِي الْمَشَاهِيرِ وَكَانَ مَارَوَاهُ تَعْلِيْمًا فَطَنَهُ تَرْجِيعًا

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مشہور حدیثوں میں ترجیع نہیں ہے اور وہ حدیث جس کو ابو محمد ورنے روایت کیا وہ بطور تعلیم تھی پس ابو محمد ورنے اسے ترجیع سمجھا

## ترجیع کا بیان

تشریح اذان میں ترجیع کی صورت یہ ہے کہ شہادتین یعنی اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا چار بار تلفظ کرے پہلی دو مرتبہ پست آواز کے ساتھ اور پھر دو مرتبہ بلند آواز کے ساتھ ہمارے نزدیک اذان میں ترجیع نہیں ہے اور امام شافعی اذان میں ترجیع کے قائل ہیں۔

حضرت امام شافعی حضرت ابو محمد ورنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَلَّمَهُ الْاَذَانَ اللّٰهُ اَكْبَرُ، اللّٰهُ اَكْبَرُ، اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ، اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ، اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ثُمَّ يَعُوْذُ فَيَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ مَرَّتَيْنِ، اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ مَرَّتَيْنِ حَتّٰى عَلَى الصَّلٰوةِ الْخَدِيْثُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

اس حدیث سے جہاں شہادتین کا چار بار کہنا ثابت ہوتا ہے اسی کے ساتھ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تکبیر یعنی اللہ اکبر شروع میں دو مرتبہ ہے حضرت امام مالک شروع میں اللہ اکبر دو بار کہنے پر اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں لیکن ابو داؤد اور نسائی نے اللہ اکبر کا چار بار کہنا روایت کیا ہے جو ہمارا مُسْتَدَلٌّ ہے۔ اور مسلم کی روایت کا جواب یہ ہے کہ اللہ اکبر دو مرتبہ ایک سانس میں کہنا کلمہ واحد کے مانند ہے پس مسلم کی روایت کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ابو محمد ورنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان کی تعلیم دی اور دو مرتبہ اللہ اکبر کہا یعنی دو سانس میں چار مرتبہ اللہ اکبر کہا اس تاویل کے بعد دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں رہا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اذان کے بیان میں جو احادیث مشہور ہیں ان میں ترجیع نہیں ہے مجملہ ان میں سے حضرت عبد اللہ بن زید عبدرہ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیثیں ہیں ان میں ترجیع نہیں ہے چنانچہ حضرت ابن عمر کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں قَالَ اِنَّمَا كَانَ الْاَذَانُ عَلَى عَهْدِ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ وَالْاِقَامَةُ مَرَّةً مَّرَّةً۔

اور عقلی دلیل یہ ہے کہ مقصود اذان حَتّٰى عَلَى الصَّلٰوةِ اور حَتّٰى عَلَى الْفَلَاحِ ہے اور ان دو کلموں میں ترجیع نہیں لہذا ان دونوں کے علاوہ میں بدرجہ اولیٰ ترجیع نہیں ہوگی۔

اور حضرت ابو محمد ورنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو محمد ورنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کلمات کو بار بار کہلوانا بطور تعلیم کے تھا حضرت ابو محمد ورنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو ترجیع خیال کیا یعنی حضرت ابو محمد ورنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہادتین کے ساتھ اس قدر آواز بلند نہیں کی تھی جس قدر اللہ کا رسول چاہتا تھا اسلئے دوبارہ لوٹا دیا تاکہ بلند آواز سے کہے اسکو حضرت ابو

مخذورہ نے گمان کیا کہ مجھے ہمیشہ پست آواز کے ساتھ کہنے کے بعد بلند آواز سے کہنے کا حکم دیا ہے امام طحاویؒ نے یہی تاویل کی ہے۔ صاحب صغایہؒ نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے ابو مخذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک حکمت کی وجہ سے ترجیع کا حکم دیا تھا۔ حکمت یہ تھی کہ ابو مخذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام سے پہلے حضور ﷺ سے بہت بغض رکھتے تھے پس جب ابو مخذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہو گئے تو اللہ کے سچے رسول ﷺ نے ابو مخذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان کا حکم دیا۔ ابو مخذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کلمات شہادت پر پہنچے تو اپنی قوم سے حیا اور شرم کے پیش نظر اپنی آواز کو پست کیا، پس حضور ﷺ نے ابو مخذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور ان کی گوش مالی کی اور ان سے فرمایا کہ ان کلمات کو لوٹاؤ اور ان کے ساتھ اپنی آواز کو بلند کرو۔

اب اس اعادہ سے یا تو اس بات کی تعلیم دینی مقصود تھی کہ حق بات کہنے میں کوئی حیا اور شرم نہیں یا یہ مقصود تھا کہ کلمات شہادت کے تکرار سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ابو مخذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت میں حرید اضافہ ہو جائے۔

علامہ ابن الہمامؒ نے کہا کہ طبرانی میں ابو مخذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روایت کی ہے جس میں ترجیع نہیں ہے لہذا حضرت ابو مخذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دونوں روایتیں متعارض ہوں گی پس تعارض کی وجہ سے دونوں روایتیں ساقط ہو جائیں گی۔

اور حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث جو معارض سے سلامت ہے وہ قائل عمل ہوگی۔ نیز عدم ترجیع کا قول اس لئے بھی راجح ہوگا کہ اذان کے باب میں حضرت عبداللہ بن زید بن عہدہؓ کی حدیث اصل ہے اور اس میں ترجیع نہیں ہے۔

وَيَزِيدُ فِي أَذَانِ الْفَجْرِ بَعْدَ الْفَلَاحِ الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ مَرَّتَيْنِ لِأَنَّ بِلَالَ

اور فجر کی اذان میں حتیٰ علی الفلاح کے بعد دوبارہ الصلوٰۃ خیر من النوم دو حائے کیونکہ بلالؓ نے

قَالَ الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ حِينَ وَجَدَ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ رَاقِدًا فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا أَحْسَنَ هَذَا يَا بِلَالُ

جس وقت حضور ﷺ کو سویا ہوا پایا تو کہا الصلوٰۃ خیر من النوم پس حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے بلالؓ یہ کیا خوب ہے!

إِجْعَلْهُ فِي أَذَانِكَ وَخُصَّ الْفَجْرُ بِهِ لِأَنَّهُ وَقْتُ نَوْمٍ وَغَفْلَةٍ

اس کو اپنی اذان میں داخل کر اور فجر کو اس کے ساتھ مخصوص کیا گیا کیونکہ یہ نیند اور غفلت کا وقت ہے

## فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کے اضافہ کا حکم

تشریح: فرمایا کہ فجر کی اذان میں حتیٰ علی الفلاح کے بعد دوبارہ الصلوٰۃ خیر من النوم کا اضافہ کرے اور یہ اضافہ مستحب ہے۔ دلیل یہ ہے کہ ایک روز حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز فجر کے لئے اذان دی پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے کے دروازے پر آکر کہا الصلوٰۃ یا رسول اللہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ الرسولؐ نائم رسول ﷺ سو رہے ہیں۔ پھر بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: الصلوٰۃ خیر من النوم پس جب آپ ﷺ بیدار ہو گئے

تو اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ ﷺ کو مطلع کیا آپ ﷺ نے اس کلمہ کو پسند فرمایا اور کہا کہ بلالؓ اس کو اپنی اذان میں داخل کرلو۔ یہی یہ بات کہ یہ زیادتی فجر کی اذان کے ساتھ کیوں خاص ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وقت نیند اور غفلت کا ہے اس لئے یہ زیادتی فجر کی اذان کے ساتھ خاص کی گئی۔

وَالْإِقَامَةُ مِثْلُ الْآذَانِ إِلَّا أَنَّهُ يَزِيدُ فِيهَا بَعْدَ الْفَلَاحِ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ مَرَّتَيْنِ

اور اقامت اذان کی طرح ہے بلکہ یہ کہ اقامت میں حتیٰ علی الفلاح کے بعد دوسرے قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ بڑھائے

هَكَذَا فَعَلَ الْمَلَكُ النَّازِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَهُوَ الْمَشْهُورُ ثُمَّ هُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ لِيُ

(کیونکہ) آسمان سے اترنے والے فرشتہ نے ایسا ہی کیا تھا اور یہی مشہور ہے۔ پھر یہ امام شافعی کے خلاف ان کے اس قول

قَوْلِهِ إِنَّهَا فُرَادَى إِلَّا قَوْلُهُ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ

میں محبت ہے کہ اقامت فُرَادَى (مردی) ہے سوائے اس کے قول قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ کے

## اقامت اذان کی مثل ہے

تشریح شیخ قدروٹی نے کہا کہ اقامت بھی اذان کے مانند ہے لیکن اتنا فرق ہے کہ اقامت میں حتیٰ علی الفلاح کے بعد دوبارہ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ کا اضافہ کرے گا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ کے علاوہ تمام کلمات ایک ایک مرتبہ کہے اور قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ دوبارہ کہے۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ اذان جہت کہے اور اقامت سوائے قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ کے طاق کہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جو فرشتہ آسمان سے نازل ہوا تھا اس نے اذان کی طرح اقامت بھی دو مرتبہ کی چنانچہ ابن ابی شیبہ نے عثمان بن ابی لیلیٰ سے روایت کی کہ ہم سے اصحاب محمد ﷺ نے بیان کیا کہ عثمان بن زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آکر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ گویا ایک شخص جس پر دو سبز چادریں ہیں ایک دیوار پر کھڑا ہوا اور اس نے اذان دو، دو مرتبہ اور اقامت دو، دو مرتبہ کہی، اور حدیث انس کے معنی یہ ہیں کہ اذان میں دو کلمے دو آواز کے ساتھ کہے جائیں اور اقامت میں دو کلمے ایک آواز کے ساتھ کہے جائیں۔

وَيُرْسَلُ فِي الْآذَانِ وَيَحْذَرُ فِي الْإِقَامَةِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذَا أَدْنَتْ فَتُرْسَلُ

اور اذان میں قُرْسَلُ کرے (یعنی غمزدہ کرے) اور اقامت میں حَذَرُ کرے (یعنی جلدی کرے) کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ جب تو اذان دے تو قُرْسَلُ کر

وَإِذَا أَقَمْتَ فَاحْذَرْ وَهَذَا بَيَانُ الْإِسْتِحْبَابِ

اور جب تو اقامت کہے تو حذر کر۔ اور یہ استحباب کا بیان ہے

## اذان میں ترسل کا حکم

تشریح ترسل یہ ہے کہ دو کلموں کے درمیان فصل کرے سکتے کے ساتھ اور حد یہ ہے کہ فصل نہ کرے۔ فرمایا کہ اذان میں ترسل مستحب ہے اور اقامت میں خذر مستحب ہے دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسی کا امر فرمایا ہے۔ پس اگر اقامت میں ترسل کیا تو بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے لیکن ہدایہ کی عبارت سے عدم کراہت ثابت ہوتا ہے کیونکہ صاحب ہدایہ نے فرمایا وَهَذَا بَيَانُ الْاِسْتِحْبَابِ اور ظاہر ہے کہ ترک مستحب سے کراہت پیدا نہیں ہوتی۔

علامہ ابن الہمامؒ نے فرمایا کہ قول اول حق ہے یعنی اذان میں ترسل اور اقامت میں حد کا سنون ہونا حق ہے۔

وَيَسْتَقْبِلُ بِهِمَا الْقِبْلَةَ لِأَنَّ النَّازِلَ مِنَ السَّمَاءِ أَذْنٌ مُسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةِ وَلَوْ تَرَكَ

اور اذان اور اقامت میں قبلہ رخ ہونے کیونکہ آسمان سے اترنے والے فرشتے نے قبلہ رخ ہو کر اذان کی تھی، اور اگر استقبال

الْاِسْتِقْبَالَ جَازٍ لِّحُصُولِ الْمُقْصُودِ وَيُكْرَهُ لِمُخَالَفَةِ السُّنَّةِ وَيُخَوَّلُ وَجْهَهُ لِلصَّلَاةِ وَالْفَلَاحِ

ترک کر دے تو جائز ہے کیونکہ مقصود (اذان) حاصل ہو گیا۔ اور خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہو گا اور حنی غلی الصلوٰۃ اور حنی غلی الفلاح

بُعْنَ وَيُسْرَةٍ لِأَنَّهُ خِطَابٌ لِلْقَوْمِ فَيُوجَّهُهُمْ وَإِنْ اسْتَدَارَ

کے وقت اپنا چہرہ دائیں اور بائیں طرف پھیرے کیونکہ یہ تو قوم کو خطاب ہے۔ پس ان کے رو بہ ہو اور اگر مؤذرا اپنے صوفیہ

لِي صَوْفِيَةٍ فَحَسَنٌ وَمُرَادُهُ إِذَا لَمْ يَسْتَطِعْ تَحْوِيلَ الْوَجْهِ يَمِينًا وَشِمَالًا مَعَ ثَبَاتٍ فَلَنَحْيِيهِ مَكَانَهُمَا كَمَا هُوَ السُّنَّةُ

میں گھوم جائے تو اچھا ہے۔ اور امام محمدؒ کی مراد یہ ہے کہ جب اپنے قدم اسی جگہ جمائے رکھنے کے ساتھ جو کہ سنت طریقہ ہے دائیں بائیں منہ پھیرنا ممکن نہ ہو

بِأَنَّ كَانَتْ الصَّوْمَعَةُ مُتَبَعَةً فَأَمَّا مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ فَلَا

بایں طور کہ صوفیہ کشادہ ہے ہر باغیر ضرورت کے تو (اپنی جگہ سے قدم ہٹاتا) اچھا نہیں ہے

## اذان اور اقامت میں استقبال قبلہ کا حکم

تشریح صاحب عتایہؒ نے بیان کیا کہ اذان اور اقامت میں قبلہ رخ ہو کر کھڑا ہو یعنی قبلہ کی طرف منہ کرے سوائے حنی غلی الصلوٰۃ اور حنی غلی الفلاح کے۔ دلیل یہ ہے کہ جو فرشتہ آسمان سے نازل ہوا تھا اس نے قبلہ رخ ہو کر اذان کی تھی اور اگر اذان میں استقبال قبلہ چھوڑ دیا تو جائز ہے لیکن خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ تزیہی ہو گا۔ اور حنی غلی الصلوٰۃ اور حنی غلی الفلاح کہتے وقت صرف اپنا چہرہ دائیں اور بائیں جانب گھومائے کیونکہ ان دونوں کلموں کے ساتھ قوم

کو خطاب کیا گیا ہے لہذا یہ خطاب ان کے رو برو ہوگا کہ نماز کی طرف اور فلاح دارین کی طرف آؤ۔ یہاں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ قوم جس طرح دائیں اور بائیں جانب ہر طرف پچھنے کی جانب بھی ہے۔ پس جس طرح دائیں اور بائیں طرف منہ پھرنے کا حکم ہے پچھنے کی طرف بھی منہ پھرنے کا حکم ہونا چاہیے تھا۔ جواب اس صورت میں استدبار قبلہ ہو جائے گا حالانکہ مؤذن لوگوں کو قبلہ کی طرف متوجہ ہونے کی دعوت دے رہا ہے اس وجہ سے صرف دائیں اور بائیں جانب منہ پھرنے پر اکتفا کیا گیا کیونکہ اس سے آواز پہنچانے کا مقصود بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

**صَوْمَعَةُ:** بحر الرائق میں ہے کہ صَوْمَعَةُ منارہ کو کہتے ہیں۔ اور علامہ بدرالدین عینیؒ نے البنا یہ شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ صَوْمَعَةُ وہ بلند جگہ ہے جہاں مؤذن کھڑا ہو کر اذان دے۔ حاصل یہ کہ اگر مؤذن صَوْمَعَةُ میں گھوم گیا تو اچھا ہے بشرطیکہ صَوْمَعَةُ کشادہ ہو پس دائیں موکھلے سے سر نکال کر دو بار حَتَّى عَلَى الصَّلٰوةِ ہے اور بائیں موکھلے سے سر نکال کر دو بار حَتَّى عَلَى الْفَلَاحِ کہے۔ صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ کا کلام جو متن میں مذکور ہے اس کی مراد یہ ہے کہ صَوْمَعَةُ میں پھرنا اس صورت میں ہے جبکہ اس کو دونوں قدم جمائے رکھنے کے ساتھ دائیں بائیں منہ پھیرنا جو کہ سنت طریقہ ہے لیکن نہ ہو بائیں طور کہ صَوْمَعَةُ کشادہ ہو۔ حاصل یہ کہ اپنی جگہ پر جمے ہونے کے ساتھ اذان کا پورا اعلام جو مقصود ہے حاصل نہ ہو تب موکھلے پر جانے کی ضرورت ہوگی۔ اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ اور بغیر ضرورت اپنی جگہ سے قدم ہٹانا اچھا نہیں ہے۔

وَالْأَفْضَلُ لِلْمُؤَذِّنِ أَنْ يُجْعَلَ إِصْبَعُهُ فِي أُذُنَيْهِ بِذَلِكَ أَمَرَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِلَالًا وَلَا نَهْ

اور مؤذن کے لئے افضل یہ ہے کہ وہ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں کر لے (کیونکہ) حضور ﷺ نے بلالؓ کو اسی کا حکم دیا۔ اور اس لئے کہ

أَبْلَغُ فِي الْأَعْلَامِ وَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ فَحَسَنٌ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِسُنَّةٍ أَصْلِيَّةٍ

یہ اعلام (جو مقصود اذان ہے) میں ابلغ ہے یعنی اعلام اس سے خوب پورا ہوتا ہے اور اگر وہ (ایسا) نہ کرے تو بھی اچھا ہے کیونکہ یہ سنت اصلیت نہیں ہے

## اذان دیتے وقت کانوں میں انگلیاں دینا افضل ہے

تشریح۔ اذان دیتے وقت مؤذن کیلئے افضل یہ ہے کہ وہ اپنی دونوں انگلیاں اپنے دونوں کانوں میں داخل کرے۔

دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا حکم کیا ہے۔ چنانچہ حاکم نے اپنی مستدرک میں سعد

القرظی (جو قباء میں حضور ﷺ کے مؤذن تھے) سے روایت کیا: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَمَرَ بِلَالَ أَنْ يُجْعَلَ إِصْبَعُهُ فِي

أُذُنَيْهِ وَقَالَ إِنَّهُ أَرْفَعُ لَصَوْتِكَ لِعَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اپنے دونوں کانوں

میں اپنی دونوں انگلیاں داخل کریں اور فرمایا کہ یہ تیری آواز کو زیادہ بلند کرنے والا ہے۔

طبرانی نے اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: إِذْنْتُ فَأَجْعَلُ إِصْبَعِيكَ فِي أُذُنِكَ فَإِنَّهُ أَرْفَعُ

لِصَوْتِكَ یعنی جب تو اذان دے تو اپنی دونوں انگلیاں اپنے کانوں میں داخل کر لیا کیونکہ یہ تیری آواز کو زیادہ بلند کرنے والا ہے۔



عقلی دلیل یہ ہے کہ اعلام و اعلان جواز ان کا مقصود اصلی ہے وہ اس سے خوب پورا ہوتا ہے اور اگر مؤذن نے ایسا نہیں کیا تو بھی اذان ٹھیک رہی کیونکہ یہ فعل سنن ہدیٰ میں سے نہیں ہے بلکہ سنن زوائد میں سے ہے۔

صاحب عنایتؒ نے لکھا ہے کہ اس صورت میں اذان حسن ہے نہ کہ اس فعل کو ترک کرنا کیونکہ بوقت اذان، مؤذن کا کانوں میں انگلیاں داخل کرنا اگرچہ سنن اصلیہ میں سے نہیں اس لئے کہ عبد اللہ بن زید جو باب الاذان میں اصل شمار ہوتے ہیں ان کی حدیث میں مذکور نہیں ہے لیکن اس کے باوجود یہ ایسا فعل ہے جس کا حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم فرمایا۔ اس لئے اس فعل کے چھوڑنے کو حسن کہنا مناسب نہیں۔

پس حاصل یہ ہوا کہ اذان اس فعل کے ساتھ احسن ہے اور اس کے ترک کے ساتھ حسن ہے۔

فوائد:- سعد القرظؒ کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے تین مؤذن ہیں حضرت بلال، حضرت عبد اللہ بن أم مکتوم، حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ قرظ سلم کے پتے جن سے دباغت دیجاتی ہے چونکہ سعدؒ اس کی تجارت کرتے تھے اس لئے ان کو سعد القرظؒ کہا جانے لگا۔

عین الہدایہ میں لکھا ہے کہ مؤذن مرد عاقل، بالغ، سدرست، متقی، ملت کا عالم، اوقات نماز سے واقف بلند آواز اور شیخ وقتہ دائمی اذان کہنے والا ہونا چاہیے۔ اور اذان پر اجرت نہ لے اور اگر اجرت مقرر کی تو اس کا مستحق نہ ہوگا اور جس نے اذان پر اجرت ٹھہرائی وہ فاسق ہے اس کی اذان مکروہ ہے۔

والتَّوْبُ فِي الْفَجْرِ حَىٰ عَلَى الصَّلَاةِ حَىٰ عَلَى الْفَلَاحِ مَرَّتَيْنِ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ حَسَنٌ

اور فجر میں توبہ کرنا (یعنی) اذان اور اقامت کے درمیان دو بار حَىٰ عَلَى الصَّلَاةِ حَىٰ عَلَى الْفَلَاحِ کہنا بہتر ہے

لَآئِنَّهُ وَقْتُ نَوْمٍ وَغَفْلَةٍ وَكُرَّةٌ فِي سَائِرِ الصَّلَوَاتِ وَمَعْنَاهُ الْغَرُودُ إِلَى الْإِعْلَامِ

کیونکہ وہ نیند اور غفلت کا وقت ہے۔ اور باقی نمازوں میں توبہ مکروہ ہے۔ اور توبہ کے معنی ہیں ہاتھ کرنے کی طرف موڑ کرنا

وَهُوَ عَلَى حَسَبِ مَا تَعَارَفُوهُ وَهَذَا تَوْبُ أَخْبَثَ عُلَمَاءُ الْكُوفَةِ بَعْدَ عَهْدِ الصَّحَابَةِ لِتَعْيِيرِ

اور یہ لوگوں کے عرف کے موافق ہے اور یہ توبہ ایسی ہے جس کو محدث صحابہ کے بعد لوگوں کی حالتوں کے بدل جانے کی وجہ سے علماء کوفہ نے

أَحْوَالِ النَّاسِ وَحَصَوْا الْفَجْرَ بِهِ لِمَا ذَكَرْنَاهُ وَالْمُتَأَخِّرُونَ اسْتَحْسَنُوهُ

ایجاد کیا ہے۔ اور انہوں نے اس توبہ کے ساتھ فجر کو اسی وجہ سے خاص کیا ہے جو ہم ذکر کر چکے اور متاخرین فقہاء نے تمام نمازوں میں

فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا لِظُهُورِ التَّوَانِي فِي الْأُمُورِ الدِّينِيَّةِ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ لَا أَرَىٰ بَأْسًا

توبہ کو، امور دینیہ میں سستی ظاہر ہونے کی وجہ سے مستحسن قرار دیا ہے اور ابو یوسفؒ نے کہا کہ میں (اس میں) کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا

أَنْ يَقُولَ الْمُؤَذِّنُ لِلْإِمَامِ فِي الصَّلَاةِ كَلِمَاتِ السَّلَامِ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْإِمَامُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ حَتَّى عَلَى الصَّلَاةِ

کہ مؤذن تمام نمازوں میں امیر کو السلام علیک ایہا الامیر ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، حتی علی الصلوٰۃ

حَتَّى عَلَى الْفَلَاحِ الصَّلَاةُ يَرْحَمُكَ اللَّهُ وَاسْتَبْعَدَهُ مُحَمَّدٌ لِأَنَّ النَّاسَ سَوَاسِيَةً لِي أَمْرِ الْجَمَاعَةِ

حتى علی الفلاح، الصلوٰۃ یرحمک اللہ کہہ اور امام محمدؐ نے اس کو مستبعد سمجھا کیونکہ لوگ جماعت کے معاملہ میں برابر ہیں

وَأَبُو يُوسُفَ خَصَّهُمْ بِذَلِكَ لِزِيَادَةِ اشْتِغَالِهِمْ بِأُمُورِ الْمُسْلِمِينَ

اور ابو یوسفؒ نے حکام کو اس تشویب کے ساتھ اس لئے خاص کیا کہ مسلمانوں کے امور میں ان کی مشغولیت زیادہ ہے

كَثِيرًا تَفُوتُهُمُ الْجَمَاعَةُ وَعَلَى هَذَا الْقَاضِي وَالْمُفْتَى

تاکہ ان سے جماعت فوت نہ ہو جائے اور اسی حکم پر قاضی اور مفتی ہے

## تشویب کا بیان

تشریح: تشویب کے لغوی معنی رجوع اور عود کرنے کے ہیں اسی سے ثواب آتا ہے کیونکہ آدمی کے عمل کی منفعت اسی کی طرف عود کرتی ہے اور اسی سے مشابہ ہے۔ کیونکہ لوگ اس کی طرف لوٹ لوٹ کر آتے ہیں، اور شریعت کی اصطلاح میں تشویب اعلام بعد الاعلام کو کہتے ہیں۔ ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان نماز کے اعلان کا نام تشویب ہے۔

تشویب کی دو قسمیں ہیں اول تشویب قدیم اور وہ الصلوٰۃ خیر من النوم ہے فجر الاسلام کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ یہ اذان کے بعد تھی اور کتاب الآثار میں امام محمدؒ کا قول بھی اس پر صریح دلالت کرتا ہے لیکن لوگوں نے اس تشویب کو اذان میں حتی علی الفلاح کے بعد داخل کر لیا۔ مگر صحیح بات یہ ہے کہ وہ حتی علی الفلاح کے بعد داخل اذان تھی جیسا کہ متن میں مذکور ہے اور معمول ہے اور حدیث یا بِلَالٍ اجْعَلْهُ لِي اَذَانِكَ (اے بلال! اس کو اپنی اذان میں داخل کر دے) اس پر کھلی دلیل ہے۔

دوسری قسم تشویب مُحدث، تشویب محدث یہ ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان دوبارہ حتی علی الصلوٰۃ، حتی علی الفلاح یا اس کے ہم معنی اپنے یہاں کے عرف کے مطابق کہے۔ تشویب میں نہ الفاظ مخصوص ہیں اور نہ زبان کا عربی ہونا۔ چنانچہ اگر الصلوٰۃ الصلوٰۃ کہہ یا، یا قَامَتْ قَامَتْ کہا تو یہ بھی تشویب ہے اسی طرح اگر کوئی شخص یوں کہہ دے کہ نماز تیار ہے یا نماز ہوتی ہے یا اور کوئی لفظ تب بھی درست ہے اور اگر صرف کمانے سے لوگ سمجھ جائیں تو یہ بھی تشویب ہے۔ حاصل یہ کہ جیسا جہاں دستور ہو اسی کے مطابق وہاں تشویب کی جائے۔

اس تشویب کو مُحدث اس لئے کہتے ہیں کہ یہ نہ حضور ﷺ کے زمانہ میں تھی اور نہ عہد صحابہؓ میں۔ بلکہ تابعینؒ کے

دور میں جب لوگوں کے حالات متغیر ہو گئے اور لوگ دینی امور میں سستی کرنے لگے تو علماء کوفہ نے اس کو ایجاد کیا تو گویا یہ بدعت حسنہ ہے حسنہ اس لئے کہ فقہاء متقدمین و متاخرین نے اس کو مستحسن قرار دیا اور مسلمان جس چیز کو حسن قرار دیں وہ اللہ کے نزدیک بھی حسن ہے اللہ کے سچے رسول ﷺ کا ارشاد گرامی ہے مَا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ وَمَا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ قَبِيحًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ قَبِيحٌ یعنی مسلمان جس کو اچھا تصور کریں وہ اللہ کے نزدیک بھی حسن ہے اور جس کو قبیح خیال کریں وہ اللہ کے نزدیک بھی قبیح ہے۔

یعنی یہ بات کہ تشویب مُحَذِّث صرف فجر کی نماز میں جائز ہے یا تمام نمازوں میں جائز ہے یا تمام نمازوں میں جائز نہیں ہے سوا اس بارے میں فقہاء متقدمین کا مذہب یہ ہے کہ صرف فجر میں جائز ہے اس کے علاوہ دوسری نمازوں میں جائز نہیں کیونکہ یہ وقت نیند اور غفلت کا ہے اس کی تائید ترمذی اور ابن ماجہ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے عَنْ بِلَالٍ قَالَ أَمَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ لَا أَتُوبَ فِي شَيْءٍ مِنَ الصَّلَاةِ إِلَّا فِي الْفَجْرِ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو حکم کیا کہ میں سوائے فجر کے کسی نماز میں تشویب نہ کروں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مؤذن کو عشاء میں تمویب کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا اَخْرِجُوا هَذَا الْمُتَبَدِّعَ مِنَ الْمَسْجِدِ اس بدعتی کو مسجد سے نکالو۔

فقہاء متاخرین نے کہا کہ تشویب مُحَذِّث تمام نمازوں میں جائز ہے۔ عین الہدایہ میں شرح نقایہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ متاخرین کے نزدیک سوائے مغرب کے تمام نمازوں میں تشویب مستحسن ہے۔ دلیل یہ ہے کہ لوگ دینی امور میں تساہل اور سستی کرنے لگے لہذا جب فجر میں نیند کی غفلت میں تشویب جائز ہوئی تو سستی اور کام کاج کی غفلتوں کے ساتھ تو بدرجہ اولیٰ جائز ہوگی۔

لیکن متاخرین کا یہ خیال درست نہیں کیونکہ نیند کی غفلت تو غیر اختیاری ہے اور اس میں کوئی کوتاہی و سرکشی نہیں ہے چنانچہ لیلۃ التعلیٰ کی حدیث میں ہے کہ جب صبح کی نماز میں سب سو گئے تھے تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بڑی تشویش ہوئی کہ ہم نے بڑی کوتاہی کی تو رسول خدا ﷺ نے فرمایا لَا تَفْرِيطُ فِي النَّوْمِ یعنی نیند میں اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں ہے کیونکہ ارجح بقضہ قدرت میں ہیں اس نے جب چاہا ان کو چھوڑا۔

تفریط اور کوتاہی صرف بیداری کی حالت میں ہوتی ہے پس فجر میں تشویب بغیر تفریط کے غیر اختیار حالت میں تھی تو اب اس کو دوسرے اوقات کی نمازوں میں جو صورت تفریط اور اختیاری حالت ہے قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

حضرت امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ میرے نزدیک قاضیوں اور حاکموں کے لئے فجر کے علاوہ دوسری نمازوں میں بھی تشویب جائز ہے چنانچہ مؤذن مسلمانوں کے حاکم کو ان الفاظ کے ساتھ تشویب کرے السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْأَمِيرُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ، حَتَّى عَلَى الصَّلَاةِ، حَتَّى عَلَى الْفَلَاحِ، الصَّلَاةُ بِرَحْمَتِكَ اللَّهُ۔

امام محمدؐ نے اس کو مستبعد قرار دیا، وجہ استبعاد یہ ہے کہ شریعت کی نظر میں جماعت کے معاملہ میں سب برابر ہیں امیر ہو یا رعایا کے لوگ ہوں اس وجہ سے امیر کی کوئی خصوصیت نہیں۔

قاضی ابو یوسفؒ نے امراء اور احکام مسلمین کو اس تشویب کے ساتھ اس لئے خاص کیا کہ یہ حضرات مسلمانوں کے کاموں میں زیادہ مشغول رہتے ہیں اس وجہ سے ان کو یہ خاص اعلان کر دیا جائے تاکہ ان کی جماعت فوت نہ ہو جائے۔ یہی حکم ان تمام حضرات کیلئے ہے جو مسلمانوں کے کاموں میں مشغول رہتے جیسے مفتی اور قاضی۔

**فوائد:-** اذان کے بعد چالیس آیات پڑھنے کی مقدار غمیر کر تشویب کرے۔ جمل

وَيَجْلِسُ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ إِلَّا فِي الْمَغْرِبِ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ

اور اذان اور اقامت کے درمیان جلسہ کرے مگر مغرب میں (نہ کرے) اور یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے۔ اور صاحبینؒ نے کہا

يَجْلِسُ فِي الْمَغْرِبِ أَيْضًا جَلْسَةً خَفِيفَةً لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنَ الْفَضْلِ إِذَا الْوَصَلَ مَكْرُوهٌ وَلَا يَقَعُ الْفَضْلُ

کہ مغرب میں بھی جلسہ کرے کیونکہ فضل ضروری ہے اس لئے کہ وصل مکروہ ہے۔ اور فصل سکوت سے نہیں ہوتا

بِالسُّكْنَةِ لَوْ جُودَهَا بَيْنَ كَلِمَاتِ الْأَذَانِ فَيَفْصِلُ بِالْجَلْسَةِ كَمَا بَيْنَ الْخُطْبَتَيْنِ وَلَا بِي خَفِيفَةٍ

اس لئے کہ سکنت تو کلمات اذان کے درمیان میں بھی موجود ہے پس بیٹھ کر فصل کرے جیسے دو خطبوں کے درمیان ہوتا ہے اور ابو حنیفہؒ کی

أَنَّ التَّأخيرَ مَكْرُوهٌ فَيَكْتَفِي بِأَدْنَى الْفَضْلِ اخْتِرَازًا عَنْهُ وَالْمَكَانُ فِي

دلیل یہ ہے کہ (مغرب میں) تاخیر کرنا مکروہ ہے پس تاخیر سے احتراز کرتے ہوئے کم سے کم فصل پر اکتفا کرے اور ہمارے (اس) مسئلہ

مَسْأَلَتَنَا مُخْتَلِفٌ وَكَذَا النِّعْمَةُ فَيَقَعُ الْفَضْلُ بِالسُّكْنَةِ وَلَا تَكْذَلِكَ الْخُطْبَةُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ

میں مکان مختلف ہے اور اس طرح آواز بھی (مختلف ہے) لہذا سکنت کے ساتھ فصل ہو جائے گا اور خطبہ یا نہیں ہے اور امام شافعیؒ نے دوسری نمازوں پر قیاس کرتے ہوئے کہا

يَفْصِلُ بَرَكَتَيْنِ إغْتِبَارًا بِسَائِرِ الصَّلَوَاتِ وَالْفَرْقُ قَدْ ذَكَرْنَاهُ قَالَ يَعْقُوبُ

دو برکتوں کے ساتھ فصل کرے۔ اور فرق ہم نے ذکر کر دیا۔ یعقوب (ابو یوسفؒ) نے کہا

رَأَيْتُ أَبَا حَنِيفَةَ يُؤَذِّنُ فِي الْمَغْرِبِ وَيُقِيمُ وَلَا يَجْلِسُ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ

کہ میں نے ابو حنیفہؒ کو دیکھا کہ مغرب میں اذان دیتے اور اقامت کرے اور اذان و اقامت کے درمیان نہ بیٹھتے

وَهَذَا يُفِيدُ مَا قُلْنَاهُ وَأَنَّ الْمُسْتَحَبَّ كَوْنُ الْمُؤَذِّنِ عَالِمًا بِالسُّنَةِ

اور یہ قول اس بات کا فائدہ دیتا ہے جو ہم نے کہا اور اس کا بھی (فائدہ دیتا ہے) کہ مستحب یہ ہے کہ اذان دینے والا عالم بالسنة ہو

## لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَيُؤْذِنُ لَكُمْ خِيَارُكُمْ

کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ تمہارے واسطے وہ اذان دے جو تم میں سے بہتر ہو

## اذان اور اقامت کے درمیان جلسہ کا حکم، اقوال فقہاء

**تشریح:** اس بات پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان وصل مکروہ ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا اَجْعَلْ بَيْنَ اِذَانِكَ وَالْاِقَامَةِ قَلْبًا مَّا يَفْرُغُ الْاَكْلُ مِنْ اَكْلِهِ یعنی اسے بلال اپنی اذان اور اقامت کے درمیان اس قدر فصل کر کہ کھانے والا اپنے کھانے سے فراغت پا جائے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ مقصود اذان لوگوں کو دخول وقت کی خبر دینا ہے تاکہ وہ نماز کی تیاری کر کے اوائے نماز کے لئے مسجد میں حاضر ہو جائیں اور چھ تکبہ وصل سے یہ مقصود فوت ہو جاتا ہے اس لئے اذان اور اقامت کے درمیان وصل مکروہ اور فصل ضروری ہے۔ پس اگر نماز ایسی ہے جس سے پہلے تلوعاً کوئی نماز مسنون یا مستحب ہو تو اذان و اقامت کے درمیان نماز کے ساتھ فصل کرے مثلاً فجر کی نماز سے پہلے دو رکعت اور عصر سے پہلے چار رکعت مسنون ہیں اور عصر سے پہلے چار رکعت اور عشاء سے پہلے چار رکعت استحباب کے درجہ میں ہیں دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بَيْنَ كُلِّ اَذَانٍ صَلَاةٌ یعنی ہر دو اذان و اقامت کے درمیان نماز ہے۔ آپ ﷺ نے یہ بات تین بار کہی اور تیسری بار فرمایا لَعَنَ شَاءَ فَاِنْ لَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا بِجُلُوسٍ خَفِيفَةٍ یعنی تیسری بار فرمایا کہ یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو چاہے اگر اس نے نماز نہیں پڑھی تو ان دلوں کے درمیان جلسہ خفیفہ کے ساتھ فصل کرے۔

حاصل یہ کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک سوائے مغرب کے تمام نمازوں میں اذان و اقامت کے درمیان جلسہ کرے اور مؤذن کو اسی درمیان میں سنت یا نفل پڑھنا ادنیٰ ہے اور مغرب میں امام ابو حنیفہؒ سے دو روایتیں ہیں:

ایک یہ کہ مغرب کی اذان و اقامت کے درمیان سکوت کے ساتھ کھڑے کھڑے اتنی مقدار فصل کرنا مستحب ہے کہ جس میں چھوٹی تین آیات یا بڑی ایک آیت پڑھ سکے۔

دوم یہ کہ اس قدر فصل کرے کہ تین قدم چلنا ممکن ہو۔ صاحبینؒ نے کہا کہ مغرب میں بھی جلسہ کرے مگر بہت مختصر جیسے دو خطبوں کے درمیان ہوتا ہے۔ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ بات تو طے شدہ ہے کہ اذان و اقامت کے درمیان وصل مکروہ اور فصل ضروری ہے جیسا کہ تمہید میں مذکور ہوا۔

اور یہ بات بھی تقریباً مسلم ہے کہ سکوت کے ساتھ فصل واقع نہیں ہوتا کیونکہ سکوت تو اذان کے کلمات کے درمیان میں بھی پایا جاتا ہے اس لئے بیٹھ کر فصل کرے اگر چہ وہ مختصر ہی کیوں نہ ہو جیسے جمعہ کے دن دو خطبوں میں بیٹھ کر فصل کیا جاتا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مغرب میں تاخیر کرنا مکروہ ہے یہی وجہ ہے کہ سابق میں ہم نے کہا تھا کہ غروب کے بعد اور فرض سے پہلے نفل نہ پڑھے پس ادنیٰ فصل یعنی سکتہ پر اکتفاء کرے تاکہ تاخیر سے بھی احتراز ہو جائے اور اذان و اقامت میں فصل بھی واقع ہو جائے۔ اور صاحبینؒ کے قیاس کا جواب یہ ہے کہ مغرب میں اذان و اقامت کے درمیان فصل کو دو خطبوں کے درمیان فصل پر قیاس کرنا درست نہیں ہے اس لئے کہ ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے بایں طور کہ اذان و اقامت کی جگہ مختلف ہوتی ہے اور دونوں میں آواز مختلف ہوتی ہے اس طور پر کہ اذان میں ترسل ہوتا ہے اور اقامت میں صدر ہوتا ہے نیز دونوں میں مؤذن کی ہیئت مختلف ہوتی ہے کیونکہ اذان کے وقت وہ اپنی دونوں انگلیاں دونوں کانوں میں داخل کرتا ہے اور اقامت میں ہاتھ چھوڑے رکھتا ہے۔ اس کے برخلاف خطبہ ہے کہ دونوں خطبوں کی جگہ ایک، دونوں خطبوں میں نغمہ اور آواز متحد اور دونوں خطبوں میں خطیب کی ہیئت متحد ہے پس اس فرق کی موجودگی میں ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا کیسے درست ہوگا۔

امام شافعیؒ نے کہا کہ مغرب کی اذان اور اقامت میں دو رکعتوں سے فصل کرے اور دلیل میں فرمایا کہ مغرب کو باقی نمازوں پر قیاس کیا جائے۔

صاحب ہدایہؒ نے کہا کہ مغرب اور دوسری نمازوں کے درمیان فرق ذکر کیا جا چکا، یعنی امام شافعیؒ کا مغرب کو باقی دوسری نمازوں پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے اس لئے کہ مغرب میں تاخیر مکروہ نہیں ہے پس مغرب کا دوسری نمازوں پر قیاس کیسے صحیح ہوگا۔

صاحب ہدایہؒ جیسے فاضل پر تعجب ہے کہ ”باب المواقیت“ میں مغرب کے وقت میں امام شافعیؒ کا مذہب نقل کرتے ہوئے لکھا کہ مغرب کا صرف اتنا وقت ہے جس میں وضو، اذان اور اقامت کے بعد صرف تین رکعتیں پڑھ سکے، اور یہاں لکھا کہ اذان اور اقامت کے درمیان دو رکعت کے ساتھ فصل کرے پس یہ دونوں مذہب کیسے جمع ہو سکتے ہیں۔

لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے مغرب کے وقت میں دخول ہیں جیسا کہ خادم نے امام غزالیؒ کے حوالہ سے باب المواقیت میں ذکر کیا ہے۔ پس مصنفؒ نے باب المواقیت میں امام شافعیؒ کا ایک قول ذکر کیا ہے اور یہاں دوسرے قول کا اعتبار کیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مغرب کا اتنا وقت ہے جس میں وضو، اذان اور اقامت کے علاوہ پانچ رکعتیں پڑھ سکے یعنی تین رکعت فرض اور دو رکعت کے ساتھ اذان اور اقامت کے درمیان فصل کرے۔

امام ابو یوسفؒ نے کہا میں نے ابو حنیفہؒ کو دیکھا کہ وہ مغرب میں اذان دیتے اور اقامت کرتے اور اذان و اقامت کے درمیان نہیں بیٹھتے تھے۔

امام ابو یوسفؒ کا یہ قول دو باتوں کو مفید ہے ایک تو وہی جو ہم ذکر کر چکے یعنی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مغرب میں اذان







غیر روایت اصول میں امام محمدؒ سے مروی ہے کہ اگر چند نمازیں فوت ہو جائیں تو پہلی نماز کی قضاء اذان اور اقامت کے ساتھ کرے اور باقی نمازوں کی قضاء صرف اقامت کے ساتھ کرے۔ مشائخ نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ قول امام محمدؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام ابو حنیفہؒ سب کا ہو۔

وَيَنْبَغِي أَنْ يُؤْذَنَ وَيُقِيمَ عَلَى طَهْرٍ فَإِنْ أَذِنَ عَلَى غَيْرِ وَضُوءٍ جَازٍ

اور طہارت کی حالت میں اذان دینا اور اقامت کہنا مناسب ہے۔ پس اگر بغیر وضو اذان دے تو جائز ہے

لِأَنَّهُ ذِكْرٌ وَلَيْسَ بِصَلَاةٍ لِّكَانَ الْوُضُوءُ فِيهِ اسْتِحْبَابًا كَمَا فِي الْقِرَاءَةِ

کیونکہ اذان ذکر ہے نماز نہیں ہے پس اس میں وضو ہونا مستحب ہوگا جیسے قرآن پڑھنے میں ہے

## با وضو اذان اور اقامت کہنا مستحب ہے

تشریح: مستحب یہ ہے کہ اذان و اقامت با وضو دی جائے لیکن اگر بغیر وضو اذان دی تو ظاہر الروایت کے مطابق ہلا کر اہم جائز ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اذان ذکر اللہ ہے نہ کہ نماز اور ذکر کرنے کیلئے وضو مستحب ہے ہوتا ہے نہ کہ واجب اس لئے اذان دینے کے لئے وضو کرنا مستحب ہے ہوگا جیسا کہ قرآن پڑھنے کے لئے وضو ہونا مستحب ہے۔

امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ اذان کے لئے وضو کرنا شرط ہے کیونکہ ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يُؤْذَنُ إِلَّا مُتَوَضِّئًا یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اذان دے جو با وضو ہو۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ اس سے انتخاب ہی مراد ہوگا۔

وَيُكْرَهُ أَنْ يُقِيمَ عَلَى غَيْرِ وَضُوءٍ لِمَا فِيهِ مِنَ الْفَضْلِ بَيْنَ الْإِقَامَةِ وَالصَّلَاةِ وَيُرْوَى

اور بے وضو اقامت کہنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں اقامت اور نماز کے درمیان فصل لازم آتا ہے اور روایت کیا گیا کہ

أَنَّهُ لَا تُكْرَهُ الْإِقَامَةُ أَيْضًا لِأَنَّهُ أَحَدُ الْأَذَانَيْنِ وَيُرْوَى أَنَّهُ يُكْرَهُ الْأَذَانُ أَيْضًا

اقامت بھی مکروہ نہیں ہے کیونکہ وہ بھی دو اذانوں میں سے ایک اذان ہے۔ اور مروی ہے کہ اذان بھی مکروہ ہے

لِأَنَّهُ بِصِيرٌ دَاعِيًا إِلَى مَا لَا يُجِبُّ بِنَفْسِهِ

کیونکہ وہ ایسی چیز کی طرف دعوت دینے والا ہوگا جس کو وہ خود قبول نہیں کرتا

## بے وضو اقامت کہنا مکروہ ہے

تشریح: مسئلہ، بے وضو اقامت کہنا مکروہ ہے کیونکہ اس صورت میں مؤذن کی اقامت اور نماز کے درمیان فصل لازم آتا ہے حالانکہ اقامت نماز سے حصلاً شروع کی گئی ہے امام کرچی نے روایت کی ہے کہ اقامت بھی بے وضو مکروہ نہیں ہے کیونکہ اقامت

دواذانوں میں سے ایک ہے اور اذان بلا وضو مکروہ نہیں ہے لہذا قامت بھی بلا وضو مکروہ نہیں ہوگی۔

اور امام کریم نے یہ بھی روایت کی ہے کہ بے وضو اذان بھی مکروہ ہے کیونکہ مؤذن اذان کے ذریعہ لوگوں کو نماز کی تیاری کی دعوت دیتا ہے اور خود اس نے تیاری نہیں کی ہے لہذا یہ لوگوں کو ایسی چیز کی طرف دعوت دینے والا قرار پائے گا جس کو خود قبول نہیں کرتا پس یہ باری تعالیٰ کے قول اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْهَوْنَ عَنْ الْفَسَادِ کے تحت داخل ہوگا اس وجہ سے کہا گیا کہ بے وضو اذان بھی مکروہ ہے۔

وَيُكْرَهُ أَنْ يُؤْتَىٰ وَهُوَ جُنُبٌ رِّوَايَةٌ وَاحِدَةٌ وَوَجْهُ الْفَرْقِ عَلَىٰ إِحْدَى الرَّوَايَتَيْنِ هُوَ أَنَّ لِلاَذَانَ شِبْهًا بِالصَّلَاةِ

اور جنبی ہونے کی حالت میں اذان دینا مکروہ ہے۔ روایت واحدہ ہے اور دونوں نقل میں سے ایک پر وجہ فرق یہ ہے کہ اذان نماز کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے

لَيْشَعْرَطُ الطُّهَارَةَ عَنْ أَغْلَظِ الْحَدِيثَيْنِ ذَوْنِ أَخْفِيهِمَا عَمَلًا بِالشَّهَدَتَيْنِ وَلَيْسَ الْجَمَاعُ الصَّغِيرُ

لہذا دونوں مشابہتوں پر عمل کرتے ہوئے لفظ حدیثین سے طہارت شرط ہے نہ کہ اہت حدیثین سے اور جامع صغیر میں ہے

إِذَا أَدَّنَ عَلَىٰ غَيْرِ وَضُوءٍ وَأَقَامَ لَا يُعِيدُ وَالْجُنُبُ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يُعِيدَ

کہ جب بے وضو اذان دے اور اقامت کہے تو اعادہ نہ کرے۔ اور جنبی (اگر ایسا کرے) تو میرے نزدیک اعادہ کرنا پسندیدہ ہے

وَأِنْ لَّمْ يُعِيدَ أَجْزَاؤُهُ أَمَّا الْأَوَّلُ فَلِإِخْفَةِ الْحَدِيثِ وَأَمَّا الثَّانِيُ فَلِإِنِّي الْإِعَادَةُ بِسَبَبِ الْجَنَابَةِ

اور اگر اعادہ نہ کرے تو بھی اسے کافی ہے۔ بہر حال اول تو حدیث کے خفیف ہونے کی وجہ سے ہے اور ثانی تو جنابت کی وجہ سے

رِوَايَتَانِ وَالْأُخْرَىٰ أَنْ يُعَادَ الْأَذَانَ ذَوْنَ الْإِقَامَةِ لِأَنَّ تَكَرَّرَ الْأَذَانَ مَشْرُوعٌ

اس کے اعادہ میں دو روایتیں ہیں اور اشہر ہلکہ یہ ہے کہ اذان کا اعادہ کیا جائے نہ کہ اقامت کا اس لئے کہ اذان کا تکرار مشروع ہے

ذَوْنَ الْإِقَامَةِ وَقَوْلُهُ إِنْ لَّمْ يُعِيدَ أَجْزَاؤُهُ يَعْنِي الصَّلَاةَ لِأَنَّهَا جَائِزَةٌ يَلُونِ الْأَذَانَ وَالْإِقَامَةَ

نہ کہ اقامت کا۔ اور امام محمد کا قول إِنْ لَّمْ يُعِيدَ أَجْزَاؤُهُ یعنی نماز کیونکہ نماز بغیر اذان اور اقامت کے جائز ہے

## جنبی کی اذان مکروہ ہے اور اعادہ مستحب ہے

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ بحالت جنابت اذان دینا مکروہ ہے اور اس میں فقط ایک ہی روایت ہے یعنی کراہت کی روایت

اور عدم کراہت کی کوئی روایت نہیں ہے اور سابق میں گذر چکا کہ مُعَدِّث کی اذان میں کراہت اور عدم کراہت کی دونوں روایتیں

ہیں۔ پس جنبی کی اذان اور عدم کراہت کی روایت پر مُعَدِّث کی اذان کے درمیان وجہ فرق یہ ہے کہ اذان نماز کے مشابہ ہے اس طرح کہ

کہ دونوں کو تکبیر کے ساتھ شروع کیا جاتا ہے دونوں استقبال قبلہ کے ساتھ ادا ہوتے ہیں اور کلمات اذان اسی طرح مرتب ہیں جس

طرح ارکان نماز مرتب ہیں دونوں وقت کے ساتھ خاص ہیں اور دونوں کے درمیان کلام کرنا ممنوع ہے پس اس اعتبار سے اذان

نماز کے مشابہ ہوئی لیکن اذان حقیقہ نماز نہیں ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ اذان من وجہ نماز کے مشابہ ہے اور من وجہ مشابہ نہیں ہے پس اگر مشابہت کا اعتبار کیا جائے تو اذان حدیث کے ساتھ بھی ناجائز ہونی چاہیے اور جنابت کے ساتھ بھی۔

اور اگر عدم مشابہت کا اعتبار کیا جائے تو دونوں صورتوں میں اذان بلا کراہت جائز ہونی چاہیے پس ہم نے دونوں مشابہتوں پر عمل کیا چنانچہ جنابت کی صورت میں نماز کے ساتھ مشابہت کا اعتبار کرتے ہوئے کہا کہ اذان کیلئے طہارت شرط ہے لہذا بحالت جنابت اذان دینا مکروہ ہوا۔

اور حدیث کی صورت میں نماز کے ساتھ عدم مشابہت کا اعتبار کرتے ہوئے کہا کہ اذان کے لئے طہارت شرط نہیں ہے لہذا بحالت محدث اذان دینا مکروہ نہیں ہوگا۔

امام محمدؒ نے جامع صغیر میں کہا کہ اگر بغیر وضو اذان دی اور اقامت کی تو اذان و اقامت کا اعادہ نہ کرے، اور اگر جنبی نے اذان دی اور اقامت کی تو میرے نزدیک اعادہ کرنا مستحب ہے۔

شرح طحاوی میں مذکور ہے کہ چار آدمیوں کی اذان کا اعادہ کرنا مستحب ہے (۱) جنبی (۲) عورت (۳) نشہ میں مست (۴) دلوانہ، لیکن اگر جنبی کی اقامت و اذان کا اعادہ نہیں کیا تو بھی کافی ہے۔ بہر حال محدث کی اذان اور اس کی اقامت کا اعادہ نہ کرنا اس لئے ہے کہ حدیث خفیفہ نباست ہے۔ اور رہائشی یعنی جنبی کی اذان و اقامت تو اس میں دو روایتیں ہیں، ایک یہ کہ اعادہ کرے اور دوم یہ کہ اعادہ نہ کرے اشہد بالفقہ یہ ہے کہ جنبی کے اذان کا اعادہ کیا جائے اور اقامت کا اعادہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ اذان کے اندر فی الجملہ تکرار مشروع ہے جیسے جمعہ میں اذان دو بار دی جاتی ہے لیکن اقامت کا تکرار مشروع نہیں۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ امام محمدؒ کا قول اِنْ لَمْ يُعِدَّ اَجْزَاۃً اس کی مراد یہ ہے کہ نماز کافی ہے کیونکہ نماز تو بغیر اذان اور اقامت کے جائز ہے لہذا بغیر اعادہ کے بدرجہ اولیٰ جائز ہوگی۔

قَالَ وَكَذٰلِكَ الْمَرْأَةُ تُؤْذِنُ مَعْنَاهُ يُسْتَحَبُّ اَنْ يُعَادَ لِیَقَعَ عَلٰی وَجْهِ السُّنَّةِ

معنی نے کہا کہ عورت کی اذان کا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ عورت کی اذان کا اعادہ کرنا مستحب ہے تاکہ سنت کے طریق پر واقع ہو

## عورت کی اذان بدعت ہے اور اس کا اعادہ مستحب ہے

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ جس طرح جنبی کی اذان کا اعادہ کرنا مستحب ہے اسی طرح اگر عورت نے اذان دی ہے تو اس کا اعادہ بھی مستحب ہے تاکہ اذان مسنون طریقہ پر واقع ہو کیونکہ مسنون یہ ہے کہ مؤذن مرد ہو۔

اور عورت کا اذان دینا مسنون نہیں بدعت ہے کیونکہ اگر عورت نے باواز بلند اذان دی تو اس نے فعل حرام کا ارتکاب کیا

اس لئے کہ عورت کی آواز بھی عورت ہوتی ہے یعنی جس طرح عورت واجب الستر ہے اسی طرح اس کی آواز بھی واجب الستر ہے اور اگر اس نے آواز بلند نہیں کی تو مقصود اذان فوت ہو گیا اس لئے مستحب یہ ہے کہ اس کی اذان کا اعادہ کیا جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ عورتوں پر نہ اذان ہے اور نہ اقامت کیونکہ یہ دونوں نماز باجماعت کی سنتیں ہیں اور عورتوں کی جماعت منسوخ ہو گئی۔ ہاں اگر وہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا چاہیں تو بغیر اذان اور بغیر اقامت کے پڑھیں۔ حدیث راطہ دلیل ہے قَالَتْ كُنَّا جَمَاعَةً مِنَ النِّسَاءِ اَمْتًا عَائِشَةُ بِلَا اَذَانٍ وَلَا اِقَامَةٍ راطہ کہتی ہیں کہ ہم عورتوں کی جماعت کی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بلا اذان اور بلا اقامت امامت کرتی تھیں۔

وَلَا يُؤْذَنُ لِمَلَأَةٍ قَبْلَ دُخُولِ وَقْتِهَا وَبُعَادِ فِي الْوَقْتِ لِأَنَّ الْأَذَانَ
اور کسی نماز کے لئے اس کے وقت کے داخل ہونے سے پہلے اذان نہ دی جائے اور وقت کے اندر لوٹائی جائے کیونکہ اذان تو
لِلْأَعْلَامِ وَقَبْلَ الْوَقْتِ تَجْهِيلٌ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ
(دخول وقت کی) خبر دینے کے لئے ہے اور وقت سے پہلے (اذان دینا) لوگوں کو جہالت میں ڈالتا ہے۔ اور ابو یوسف نے کہا اور یہی امام شافعی کا قول ہے
يَجُوزُ لِلْفَجْرِ فِي النِّصْفِ الْآخِرِ مِنَ اللَّيْلِ لِتَوَارُثِ أَهْلِ الْحَرَمَيْنِ وَالْحُجَّةِ عَلَى الْكُلِّ
کہ فجر کے واسطے رات کے نصف اخیر میں (اذان دینا) جائز ہے کیونکہ اہل حرمین سے توارثاً منقول ہے اور سب کے خلاف حجت
قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِبَلَالٍ لَا تُؤْذَنُ حَتَّى يَسْتَبِينَ لَكَ الْفَجْرُ هَكَذَا وَمَذَّ يَدُهُ عَرْضاً
حضرت بلالؓ سے حضور ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ اذان مت دے یہیں تک کہ تیرے لئے فجر اس طرح ظاہر ہو جائے اور اپنے اپنے دھڑوں ہاتھ پیراں میں پھیلانے

## نماز کا وقت داخل ہونے سے پہلے اذان معتبر نہیں

**تشریح:** مسئلہ یہ ہے کہ نماز کا وقت داخل ہونے سے پہلے اذان معتبر نہیں ہوگی چنانچہ اگر کسی نے وقت سے پہلے اذان کہہ دی ہو تو وقت کے اندر اس کا اعادہ کیا جائے..... دلیل یہ ہے کہ اذان سے مقصود لوگوں کو دخول وقت نماز کی خبر دینا ہے اور وقت سے پہلے اذان دینا لوگوں کو جہالت میں ڈالتا ہے اس لئے وقت سے پہلے اذان شرعاً معتبر نہیں ہوگی۔ حضرت امام ابو یوسفؒ نے فرمایا اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے کہ فجر کے واسطے رات کے نصف اخیر میں اذان دینا جائز ہے۔ ان حضرات سے ایک روایت یہ ہے کہ تمام رات فجر کی اذان کا وقت ہے۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اہل مکہ اور اہل مدینہ کے نزدیک یہ بات متوارثاً علیٰ آری ہے کہ فجر کے واسطے رات کے نصف اخیر میں اذان دیتے ہیں اور حضور ﷺ نے فرمایا إِنَّ بِلَالَ يُؤْذَنُ بَلِيلٍ فَكُلُّوْا وَاشْرَبُوْا حَتَّى تَسْمَعُوْا اَذَانَ



ابن اُم مَكْتُوم یعنی بلال رات میں اذان دیتے ہیں سو تم کھاؤ اور یہاں تک کہ ابن اُم مَكْتُوم کی اذان سنو۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بلالؓ فجر سے پہلے ہی رات میں اذان دے دیا کرتے تھے لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ حدیث ہمارے لئے حجت ہے نہ کہ ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کے لئے، کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ اذان نماز تہجد اور سحری کھانے کے لئے تھی نہ کہ نماز فجر کیلئے نماز فجر کے لئے حضرت ابن اُم مَكْتُوم کی اذان تھی جو دخول وقت فجر کے بعد ہوتی تھی۔ ورنہ حتی تَسْمَعُوا اَذَانَ ابْنِ اُمِّ مَكْتُوم کا کیا مطلب ہوگا۔ ان حضرات کے خلاف یہ حدیث بھی حجت ہوگی کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور ﷺ نے فرمایا کہ تو اذان مت دے یہاں تک کہ فجر ظاہر ہو جائے۔ راوی کہتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ ان میں پھیلا کر اشارہ کیا جس سے صبح صادق کی طرف اشارہ تھا۔

اور ابن عبدالبر نے ابراہیم سے روایت کی قَالَ تَكُنُوا إِذَا أَدَّنَ الْمُؤَذِّنُ بَلِيلَ قَالُوا لَهُ إِنِّي اللَّهُ وَ هُوَ أَذَانُكَ ابراہیم تابعی کہتے ہیں کہ صحابہؓ کی یہ شان تھی کہ جب کوئی مؤذن رات میں اذان دے دیتا تو اس سے فرماتے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر اور اپنی اذان کا اعادہ کر۔

لیکن اگر اعتراض کیا جائے کہ حدیث میں آیا ہے لَا يَهْرُؤُكُمْ أَذَانُ بِلَالٍ بلال کی اذان تم کو دھوکے میں نہ ڈال دے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقت سے پہلے اذان دے دیا کرتے تھے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی ہمارے لئے حجت ہے اس لئے کہ حضور ﷺ نے بلالؓ کی اذان کا اعتبار نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ دھوکا کھانے اور اس کا اعتبار کرنے سے منع کیا ہے۔

وَالْمَسَافِرُ يُؤَذِّنُ وَيَقِيمُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا بُنَىٰ أَبِي مُلَيْكَةَ إِذَا سَافَرْتُمَا

اور مسافر اذان دے اور اقامت کہے کیونکہ حضور ﷺ نے ابولمیکہ کے دو بیٹوں سے فرمایا جب تم سفر کرو تو

لَا ذَنَا وَأَقِيمَا فَإِنْ تَرَكَهُمَا جَمِيعًا بُكْرَةً وَلَوْ اشْتَفَىٰ بِإِلْقَامَةِ جَاذِلَانَ الْأَذَانَ

اذان دو اور اقامت کہو پس اگر دونوں کو ترک کرے تو مکروہ ہے اور اگر اقامت پر اکتفاء کرے تو جائز ہے کیونکہ اذان تو

لَا سِتِّحْضَارِ الْغَائِبِينَ وَالرُّفُقَةَ حَاضِرُونَ وَالْإِقَامَةُ لِأَعْلَامِ الْإِفْتِاحِ

غائب لوگوں کو حاضر کرنے کیلئے ہوتی ہے اور ستر کے ساتھی سب حاضر ہیں اور اقامت نماز شروع کرنے کی خبر دینے کے لئے ہوتی ہے

وَهُمْ إِلَيْهِ مُحْتَاجُونَ فَإِنْ صَلَّى فِي بَيْتِهِ فِي الْمَصْرِ يُصَلِّي بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ

اور وہ سب اس کے محتاج ہیں۔ پھر اگر وہ اپنے گھر میں شہر کے اندر نماز پڑھے تو بھی اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھے

لِيَكُونَ الْآدَاءُ عَلَى هَيَاةِ الْجَمَاعَةِ وَإِنْ تَرَكَهُمَا جَازَ

تاکر ہوائے نماز جماعت کی صورت میں ہو۔ اور اگر وہ اذان و اقامت دونوں کو چھوڑ دے تو بھی جائز ہے

لِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَذَانُ الْحَيِّ يَكْفِينَا

کیونکہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ محلہ کی اذان ہمیں کافی ہے

## مسافر کیلئے اذان اور اقامت کا حکم

تشریح: مسئلہ ہے کہ مسافر کو اذان و اقامت دونوں کہنا چاہیے۔ دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ابو سلمہ کے دو صاحبزادوں کو فرمایا تھا إِذَا سَافَرْتُمَا فَاذِّنَا وَأَقِمْنَا۔

صاحب نہایت نے لکھا ہے کہ مبسوط میں یہ حدیث ابو سلمہ کے بیٹوں کے علاوہ کے خطاب کے ساتھ مذکور ہے وَقَالَ رَوَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ لِمَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ وَابْنِ عَمٍّ لَهُ إِذَا سَافَرْتُمَا فَاذِّنَا وَأَقِمْنَا وَلَيَوْمَكُمَا أَكْثَرُكُمْ قُرْآنًا وَرَوَى لَفْخَرُ الْإِسْلَامِ وَلَيَوْمَكُمَا أَكْثَرُكُمْ مَسْنًا۔ حضور ﷺ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے مالک بن الحویرث اور ابن کے چچا زاد بھائی سے کہا جب تم دونوں سفر کرو تو اذان و اقامت کہو اور تم دونوں میں سے امامت وہ کرے جو تم میں سے زیادہ قرآن پڑھا ہوا ہو۔ اور فخر الاسلام نے روایت کیا کہ امامت وہ کرے جو تم میں عمر میں بڑا ہو۔

ابوداؤد اور نسائی میں ہے کہ يُعْجِبُ رَبُّكَ مِنْ رَايِعِي غَنَمٍ لِي رَأْسٍ شِطْيَةٍ يُؤَذِّنُ بِالصَّلَاةِ وَيُصَلِّيُ لَيَقُولُ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ انْظُرُوا إِلَى عَبْدِي هَذَا يُؤَذِّنُ وَيَقِيمُ لِلصَّلَاةِ يَخَافُ مِنِّي قَدْ غَفَرْتُ لِعَبْدِي وَأَدْخِلُهُ الْجَنَّةَ یعنی تیرا رب پسند کرتا ہے اس بکریوں کے چرواہے کو جو پہاڑ کی چوٹی پر اذان دیتا ہے اور نماز پڑھتا ہے پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے اس بندہ کو دیکھو کہ اذان دیتا ہے اور نماز کیلئے اقامت کہتا ہے مجھ سے ڈرتا ہے، میں نے اپنے بندہ کو بخش دیا اور اسے جنت میں داخل کروں گا۔

اور حضرت سلمان قاری سے روایت ہے کہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا كَانَ الرَّجُلُ بِأَرْضٍ فَلَاةٍ فَحَانَتِ الصَّلَاةُ فَلْيَعْوِضًا فَإِنْ لَمْ يَجِدْ مَاءً فَلْيَتَيَمَّمْ فَإِنْ أَقَامَ صَلَّى مَعَهُ مَلَكَانَ وَإِنْ أَذَّنَ وَأَقَامَ صَلَّى خَلْفَهُ مِنْ جُنُودِ اللَّهِ مَا لَا يُرَى طَرَفَاهُ (رواہ عبد الرزاق)

یعنی حضرت سلمان قاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ جب آدمی کسی میدان میں تھا ہو پس نماز کا وقت آیا تو

وضو کرے اور اگر پانی نہ پاوے تو تیمم کرے۔ پھر اگر اس نے اقامت کہی تو دفرشتے اس کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور اگر اس نے اذان دی اور اقامت کہی تو اس کے پیچھے اللہ کے لشکروں سے اس قدر نماز پڑھتے ہیں کہ جن کے کناروں کو وہ دیکھ نہیں سکتا۔

ان احادیث سے معلوم ہو گیا کہ اذان کا مقصود صرف یہی نہیں کہ مؤذن لوگوں کا حاضری کا اعلان کرے بلکہ یہ بھی ہے کہ اللہ کا نام اور اس کا دین اس کی زمین پر بلند ہو اور پھیلے اور جنگلوں میں اس کے بندوں میں سے جنات اور انسان وغیرہ کو یاد دلانے جن کو مؤذن اپنی نظر سے نہیں دیکھتا۔ (فتح القدیر)

مصنفؒ نے کہا کہ اگر مسافر نے اذان اور اقامت دونوں کو چھوڑ دیا تو یہ مکروہ ہے کہ کیونکہ یہ حضرت مالک بن الحویرثؓ کی حدیث کے مخالف ہے۔ اور اگر اقامت کہی اور اذان کو چھوڑ دیا تو یہ جائز ہے دلیل یہ ہے کہ اذان کا مقصد غائب لوگوں کو نماز کا وقت داخل ہونے کی خبر دینا ہے تاکہ وہ تیار ہو کر نماز کیلئے آجائیں اور یہاں حال یہ ہے کہ رفقاء سفر سب موجود ہیں اس لئے اس صورت میں اذان کی چنداں ضرورت نہیں رہی اور اقامت کہی جاتی ہے نماز شروع ہونے کی اطلاع دینے کے واسطے اور ظاہر ہے کہ وہ سب اس کے محتاج ہیں۔

پھر اگر شہر کے اندر اپنے گھر میں نماز پڑھنا چاہے تو بھی اذان و اقامت کے ساتھ پڑھے، خواہ تنہا پڑھے یا جماعت کے ساتھ پڑھے تاکہ اداۓ نماز بصورت جماعت ہو۔

اور اگر دونوں کو ترک کر دیا تو بھی جائز ہے دلیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن مسعودؓ نے علقمہؓ اور اسودؓ کو بغیر اذان اور بغیر اقامت کے نماز پڑھائی، کسی نے عبداللہ بن مسعودؓ سے کہا کہ آپ نے نہ اذان دی اور نہ اقامت کہی تو فرمایا اَذَانُ الْحَقِّ يَكْفِينَا ہم کو محلہ کی اذان کافی ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ مؤذن اذان اور اقامت میں اہل محلہ کا نائب ہوتا ہے کیونکہ اہل محلہ نے اس کو اس کام کے لئے مقرر کیا ہے۔ پس جو شخص محلہ میں ھیتہ بغیر اذان اور اقامت کے نماز پڑھے گا تو وہ حکما ان دونوں کے ساتھ نماز پڑھنے والا ہوگا۔ اس وجہ سے اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ اس کے برخلاف مسافر کہ جب اس نے بغیر اذان و اقامت کے تنہا نماز پڑھی تو وہ ان دونوں کو چھوڑنے والا ھیتہ بھی ہوگا اور حکما بھی پس یہ ھیتہ بھی تارک جماعت ہوا اور قَسْبُہا بھی اور نماز یا جماعت کو ترک کرنا مکروہ ہے۔ اسی طرح قَسَابۃ بالجماعت کو ترک کرنا بھی مکروہ ہے، جمیل احمد غفرلہ۔

## بَابُ شُرُوطِ الصَّلَاةِ الَّتِي تَقْدُمُهَا

(یہ) باب نماز کی ان شرطوں کے (بیان میں) ہے جو نماز پر مقدم ہوتی ہیں

اس موقع کیلئے تین لفظ بولے جاتے ہیں (۱) شروط (۲) شرائط (۳) اشراط۔ علامۃ الکتاب میں پہلا لفظ مذکور ہے۔ شروط، شرط بسکون الرأۃ کی جمع ہے۔ لغوی معنی علامت کے ہیں اور اصطلاحی معنی وہ چیز جس پر کسی چیز کا پایا جانا موقوف ہو اور یہ اس چیز میں داخل نہ ہو، شروط نماز میں قسم پر ہیں۔ اول شرط انعقاد، جیسے نیت، تحریمہ، وقت، جمعہ کا خطبہ، دوم شرط دوام جیسے طہارت، ستر مورت، استقبال قبلہ، سوم شرط بقاء جیسے قراءت، کفایہ، گزشتہ صفحات میں نماز کے اسباب یعنی اوقات کا ذکر ہوا پھر علامت اوقات یعنی اذان کا ذکر ہوا۔ اب اس باب میں نماز کی ان شرطوں کو بیان کریں گے جو نماز پر مقدم ہوتی ہیں۔

يَجِبُ عَلَى الْمُصَلِّي أَنْ يَقْلِمَ الطَّهَارَةَ مِنَ الْأَخْذَابِ وَالْأَنْجَاسِ عَلَى مَا قُلْنَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى

مصلیٰ پر واجب ہے کہ اخذات اور انجاس سے طہارت کو مقدم کرے اسی کے مطابق جو ہم نے بیان کیا ہے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَلِبَاسِكَ فَطَهِّرْ وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا وَيَسْرُ عَوْرَتَهُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى

ولباسک فطہر اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا اور اپنے ٹکڑ کو چھپائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ أَيْ مَا يُوَارِي عَوْرَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ

کہ اپنی زینت کو ہر مسجد کے نزدیک لے لو یعنی ہر نماز کے وقت وہ چیز لے لو جو تمہارے ٹکڑ کو چھپادے

وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا صَلَاةَ لِحَائِضٍ إِلَّا بِعِمَامَةٍ أَيْ لِبَاسَةٍ

اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ کسی حائضہ یعنی ہالہ کی نماز نہیں ہوتی مگر اوزمنی کے ساتھ

### نمازی کیلئے اخذات و انجاس سے طہارت حاصل کرنا ضروری ہے

تشریح: یہاں واجب بمعنی فرض ہے۔ یعنی نمازی پر فرض ہے کہ وہ ہر قسم کے حدث سے طہارت کو مقدم کرے۔ حدث خواہ موجب وضو ہو یا فصل ہو اور طہارت کو مقدم کرے نجاستوں سے یہ طہارت اسی طریقہ پر ہوگی جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں دلیل باری تعالیٰ کا قول وَلِبَاسِكَ فَطَهِّرْ اور فَلَنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا ہے۔

اور دوسری شرط اپنی عورت کو چھپانا ہے۔ یعنی اپنے اس قدر بدن کو چھپانا شرط ہے کہ جس کا کھلنا فیج اور بے حیائی شمار ہوتا ہے۔ یہ ہمارے نزدیک اور امام شافعی، امام احمد، اور علامۃ الفقہاء کے نزدیک شرط ہے۔ دلیل باری تعالیٰ کا قول خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ یعنی لو اپنی زینت کو نزدیک ہر مسجد کے۔ آیت میں زینت سے مراد ساتر عورت چیز ہے۔ اور مسجد سے

نماز مراد ہے اب ترجمہ ہوگا کو وہ چیز جو چھپائے تمہاری عورت کو ہر نماز کے نزدیک پس اس آیت سے نماز کے اندر ستر عورت کا فرض ہونا ثابت ہو گیا۔ لیکن ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت ننگے ہو کر طواف کرنے والوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ نہ کہ نماز کے حق میں لہذا اس آیت سے نماز میں ستر عورت کی فرضیت کس طرح ثابت ہو سکتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے۔ نہ کہ خصوص سبب کا اور جُند کُلّی منسحب عام ہے مسجد حرام کی تخصیص نہیں۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا لَا يَقْبَلُ اللَّهُ تَعَالَى صَلَوةَ حَائِضٍ إِلَّا بِعِمَامٍ مَّائِصٍ سے مراد بالغہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ بالغہ کی نماز بغیر اوڑھنی کے قبول نہیں کرتا۔

یہاں یہ اشکال ہوگا کہ ستر عورت کی فرضیت پر جو آیت اور حدیث صاحب ہدایہ نے پیش کی ہے اس سے ستر عورت کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ آیت خُذُوا زِينَتَكُمْ طواف کے حق میں مفید وجوب ہے۔ یکجا وجہ ہے کہ یہ ہند ہو کر طواف کرنا شرعاً مجبر ہے اگرچہ گناہ گار ہوگا۔ پس اگر نماز کے حق میں فرضیت کا قائل ہوئے تو لفظ خُذُوا وجوب اور فرض دونوں معنی میں مستعمل ہوگا اور یہ ناجائز ہے کیونکہ اس صورت میں جمع بین الحقیقت والجاز لازم آئے گا۔ اور رقی حدیث تو وہ خبر واحد ہے۔ اور خبر واحد فرضیت کا قائل نہیں دیتی اس وجہ سے یہ حدیث مفید فرضیت نہیں ہوگی۔

جواب یہ ہے کہ آیت خُذُوا الْآیۃ اگرچہ قطعی الدلالت نہیں لیکن قطعی الثبوت ہے۔ اور حدیث خبر واحد ہونے کی وجہ سے اگرچہ قطعی الثبوت ہے لیکن ادائیہ صریح وجہ سے قطعی الدلالت ہے پس ان دونوں کے مجموعہ کی وجہ سے فرضیت ثابت ہو جائے گی۔

وَعَوْرَةُ الرَّجُلِ مَا نَحَتِ السُّرَّةُ إِلَى الرُّكْبَةِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَوْرَةُ الرَّجُلِ

اور مرد کا عکیر (یعنی واجب استرجع) اس کی ناف کے نیچے سے گھٹنے تک ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مرد کا ستر

مَا بَيْنَ سُرَّتِهِ إِلَى رُكْبَتَيْهِ وَيُرْوَى مَا ثَوْنُ سُرَّتِهِ حَتَّى تَجَاوَزَ رُكْبَتَهُ

ناف اور اس کے گھٹنے کے مابین ہے۔ اور مروی ہے کہ اس کی ناف کے نیچے سے یہاں تک کہ اس کے گھٹنے سے تجاوز کر جائے

وَبِهَذَا يَتَبَيَّنُ أَنَّ السُّرَّةَ لَيْسَتْ مِنَ الْعَوْرَةِ خِلَافًا لِمَا يَقُولُهُ الشَّافِعِيُّ "وَالرُّكْبَةُ مِنَ الْعَوْرَةِ خِلَافًا لَهُ أَيْضًا

اور اس سے ظاہر ہو گیا کہ ناف عکیر سے نہیں ہے۔ بخلاف اس کے جو امام شافعی نے فرمایا۔ اور گھٹنا عکیر سے ہے یہ بھی امام شافعی کے خلاف ہے

وَكَلِمَةُ إِلَى تَعْمِلُهَا عَلَى كَلِمَةٍ مَعَ عَمَلًا بِكَلِمَةٍ حَتَّى وَعَمَلًا يَقُولُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ الرُّكْبَةُ مِنَ الْعَوْرَةِ

اور کلمہ الی کو ہم منع کے معنی پر محمول کرتے ہیں۔ بلکہ حتیٰ پر محمول کرتے ہوئے اور حضور ﷺ کے قول الرُّكْبَةُ مِنَ الْعَوْرَةِ پر محمول کرتے ہوئے

مرد کا ستر، گھٹنا ستر میں داخل ہے یا نہیں، اقوال فقہاء

تشریح: اس عبارت میں مرد کے جسم عورت یعنی واجب استرجع جسم کی تحدید کی گئی ہے چنانچہ ہمارے علمائے ثلاثہ کے

نزدیک مرد کا جسم عورت ناف کے نیچے سے گھٹنے تک ہے۔ یعنی ناف عورت نہیں البتہ گھٹنا عورت ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک اس کا برعکس ہے۔ یعنی ناف عورت ہے اور گھٹنا عورت نہیں۔

ہمارے دلائل حضور ﷺ کا قول عَوْرَةُ الرَّجُلِ مَا بَيْنَ سُرِّيهِ إِلَى رُكْبَتِهِ اور ایک روایت ہے کہ مَا دُونَ سُرِّيهِ حَتَّى تَجَاوَزَ رُكْبَتَهُ یعنی مرد کا جسم عورت ناف اور اس کے گھٹنے کے مابین ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ ناف کے نیچے سے ہے حتیٰ کہ گھٹنے سے تجاوز کر جائے۔

ان دونوں حدیثوں سے ظاہر ہو گیا کہ ناف داخل عورت نہیں ہے البتہ گھٹنہ داخل عورت ہے۔ لیکن اگر اشکال کیا جائے کہ روایت اولیٰ میں کلمہ الیٰ غایت کے لئے ہے اور غایت مغیا میں داخل نہیں ہوتی لہذا گھٹنہ مرد کے جسم عورت میں داخل نہیں ہوگا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم کلمہ الیٰ کو منع کے معنی پر محمول کر لیں گے جیسے باری تعالیٰ کا قول وَلَا تَاْكُلُوا اَمْوَالَكُمُ الْاَمْوَالُ الٰی منع کے معنی میں ہے اور اس پر قرینہ ایک تو وہ حدیث ہے جس میں عَتَّىٰ تَجَاوَزَ رُكْبَتَهُ ہے اور دوسرے حضور ﷺ کا قول اَلرُّكْبَةُ مِنَ الْعَوْرَةِ ہے حاصل یہ کہ ان تینوں روایات میں تطبیق اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ کلمہ الیٰ کو منع کے معنی پر محمول کیا جائے۔

وَبَدَنُ الْحُرَّةِ كُلُّهَا عَوْرَةٌ إِلَّا وَجْهَهَا وَكَفَّيْهَا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اور آزاد عورت کا پر ابدن نگہ ہے سوائے اس کے چہرے اور اس کی دونوں ہتھیلیوں کے اس لئے کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے

الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ مَسْتُورَةٌ وَإِسْتِثْنَاءُ الْعُضْوَيْنِ لِلْإِبْتِلَاءِ بِإِذْنِهِمَا قَالَ وَهَذَا

الْمَرْأَةُ عَزْزَةً مَسْفُورَةً اور دونوں عضو کا استثناء ان دونوں کے ظاہر کرنے کے اتمام کی وجہ سے ہے۔ مصحف نے کہا کہ یہ (یعنی قدری کا متن)

تَنْصِبُ عَلَى أَنَّ الْقَلَمَ عَوْرَةٌ وَيُرْوَى أَنَّهَا لَيْسَتْ بِعَوْرَةٍ وَهُوَ الْأَصَحُّ

اس بات پر نص ہے کہ عورت کا قدم بھی ستر ہے اور روایت کیا جاتا ہے کہ قدم عورت نہیں ہے اور یکساں صبح ہے۔

چہرہ اور ہتھیلیوں کے سوا آزاد عورت کا سارا بدن ستر ہے

نشریح: آزاد عورت کا پورا بدن عورت ہے سوائے اس کے چہرے کے اور اس کی تحلیلوں کے۔ دلیل عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ إِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ فَإِذَا خَرَجَتْ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ عورت عورت ہے یعنی واجب الستر ہے پس جب وہ نکلتی ہے تو شیطان اس کو نظر اٹھا کر دیکھتا ہے۔ صاحب ہدایہ نے اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ مَسْتُورَةٌ۔ مولانا عبدالحی نے کہا کہ لفظ مستورة میں نے کسی روایت میں نہیں پایا۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ عورت کا حق یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو چھپائے اور چہرے اور کفین کا استثناء۔



اس لئے کیا ہے کہ بالعموم ضرورت میں ان دونوں عضو کو ظاہر کرنے میں جٹلا کرنا پڑتا ہے کیونکہ کام کاج اور لین دین میں ان کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ اس کی تائید ابوداؤد کی حدیث مرسل سے بھی ہوتی ہے۔ **إِنَّ الْجَارِيَةَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ يَصْلَحْ أَنْ يُرَى مِنْهَا إِلَّا وَجْهَهَا وَيَذْهَبَ إِلَى الْإِفْصَالِ** یعنی لڑکی جب بالغ ہو جائے تو مناسب نہیں کہ اس سے کچھ دیکھا جائے سوائے اس کے چہرے کے اس کے ہاتھوں کے نیچے تک۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ قدوری کا متن اس بات پر بصراحت دلالت کرتا ہے کہ عورت کا قدم بھی عورت ہے کیونکہ تمام بدن سے صرف چہرے اور ہتھیلیوں کا استثناء کیا ہے۔

اور امام حسن نے امام ابو حنیفہ سے روایت کیا کہ دونوں قدم بھی عورت نہیں ہیں اور یہی اصح ہے امام کرختی بھی اسی کے قائل ہیں قول اصح کی دلیل یہ ہے کہ عورت کے قدم کو دیکھ کر اس درجہ اشتہاء حاصل نہیں ہوتا جیسا کہ اس کے چہرے کو دیکھ کر حاصل ہوتا ہے۔ پس جب کثرت اشتہاء کے باوجود چہرہ عورت نہیں تو قدم بدرجہ اولیٰ عورت نہیں ہوگا۔

**فوائد:** خیال رہے کہ چہرے کے عورت نہ ہونے اور اس کو دیکھنے کے جائز ہونے میں تلازم نہیں ہے کیونکہ نظر کا حلال ہونا شہوت کا خوف نہ ہونے کے ساتھ متعلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عورت کے چہرے اور آفرود کے چہرے کو دیکھنا حرام ہے۔ حالانکہ یہ عورت نہیں ہے۔ کیونکہ شہوت کا احتمال قوی ہے۔

**فَإِنْ صَلَّيْتَ وَرُبْعَ سَاقِهَا مَكْشُوفٍ أَوْ ثُلُثَهَا تُعِيدُ الصَّلَاةَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَ مُحَمَّدٍ**

پھر اگر آزاد عورت نماز پڑھے اس حال میں کہ اس کو چوتھائی پنڈلی یا تہائی پنڈلی کھلی ہوئی ہو تو وہ طرفین کے ہاں نماز کا اعادہ کرے

**وَإِنْ كَانَ أَقَلُّ مِنَ الرَّبْعِ لَا تُعِيدُ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ لَا تُعِيدُ**

اور اگر چوتھائی سے کم کھلی ہو تو اعادہ نہ کرے۔ اور ابو یوسف نے کہا کہ (نماز کا) اعادہ نہ کرے۔

**إِنْ كَانَ أَقَلُّ مِنَ النِّصْفِ لِأَنَّ الشَّيْءَ إِنَّمَا يُوصَفُ بِالْكَثَرَةِ إِذَا كَانَ مَا يُقَابِلُهُ أَقَلُّ مِنْهُ**

اگر نصف سے کم (کھلی) ہو اس لئے کثرت کے ساتھ جب ہی نصف ہوتی ہے جبکہ اس کا مقابل اس سے کمتر ہو۔

**إِذَا هُمَا مِنْ أَسْمَاءِ الْمُقَابَلَةِ وَلِيَ النِّصْفِ عَنْهُ زَوَاتَانِ فَاغْتَبَرَ الْخُرُوجَ**

اس لئے کہ وہ دونوں اسماء مقابلہ میں سے ہیں اور نصف (کی صورت) میں ابو یوسف سے دو روایتیں ہیں پس آپ نے حرکت سے نکلنے

**عَنْ حَدِّ الْقِلَّةِ أَوْ عَدَمِ الدُّخُولِ فِي ضِدِّهِ وَلَهُمَا أَنَّ الرَّبْعَ يَحْكِي حِكَايَةَ الْكَمَالِ**

یا اس کی ضد میں داخل نہ ہونے کا اعتبار کیا۔ اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ چوتھائی بھی پوری کی حکایت کرتا ہے

**كَمَا فِي مَسْحِ الرَّأْسِ وَالْحَلْقِ فِي الْأَحْرَامِ وَمَنْ رَأَى وَجْهَ غَيْرِهِ**

جیسے سر کے مسح میں اور احرام کی حالت میں چوتھائی سر منڈوانے میں اور جس نے دوسرے کے چہرے کی طرف دیکھا

يُخْبِرُ عَنْ رُؤْيَيْهِ وَإِنْ لَمْ يَرِ إِلَّا أَحَدَ جَوَابِهِ الْأَرْبَعَةِ

تو وہ اس کو دیکھنے کی خبر دیتا ہے۔ اگر چہ اس نے چاروں طرف میں سے ایک ہی طرف دیکھا ہو

## آزاد عورت کتنی پنڈلی کھلنے پر نماز کا اعادہ کرے؟، اقوال فقہاء

تشریح: عبارت میں رُبع کے ذکر کے بعد ٹکٹ کا ذکر ہے بے قاعدہ ہے۔ کیونکہ رُبع کے ذکر کے بعد ٹکٹ کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ امام محمدؒ کی کتاب میں ٹکٹ کا ذکر کتاب کا سبب ہے اسی وجہ سے علامہ فخر الاسلامؒ اور عامۃ المشائخ نے اس کو نقل نہیں کیا ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ امام محمدؒ کے شاگردوں میں سے راوی کو شبہ ہوا کہ رُبع فرمایا یا ٹکٹ۔

بہر حال حاصل مسئلہ یہ ہے کہ اگر آزاد عورت نے نماز پڑھی اس حال میں کہ اس کی چوتھائی پنڈلی کھلی ہے تو اس پر نماز کا اعادہ کرنا واجب ہے۔ اور اگر چوتھائی سے کم کھلی ہو تو اعادہ واجب نہیں۔ یہ حکم طرفین کے مذہب کے مطابق ہے۔

امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اگر نصف سے کم کھلی ہو تو نماز کا اعادہ واجب نہیں ہے اور نصف پنڈلی کھلنے کی صورت میں امام ابو یوسفؒ سے دور و امتیں ہیں ایک یہ کہ اس صورت میں بھی اعادہ واجب نہیں ہے دوم یہ کہ اعادہ واجب ہے۔

خلاصہ یہ کہ ہمارے علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عضو کے قلیل حصہ کا کھلنا معاف ہے اور کثیر کا کھلنا معاف نہیں ہے البتہ قلیل و کثیر کی حد فاصل میں اختلاف ہے چنانچہ طرفین نے کہا کہ چوتھائی کی مقدار کثیر ہے۔ اور اس سے کم قلیل ہے۔

اور امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ نصف سے کم قلیل ہے۔ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ کثرت کے ساتھ اسی وقت متصف ہو سکتی ہے۔ جبکہ اس کے مقابلہ میں اس سے کم ہو۔ کیونکہ قلیل و کثیر کے درمیان تقابلی تضاد کا علاقہ ہے۔

حاصل یہ کہ نصف سے کم کثیر نہیں ہے بلکہ قلیل ہے اور مقدار قلیل کے کھلنے سے نماز کا اعادہ واجب نہیں ہوتا۔ اسلئے کہا گیا کہ اگر نصف پنڈلی سے کم کھلی ہو تو نماز کا اعادہ واجب نہیں ہوگا۔ اور نصف کی صورت میں دونوں روایتوں کی دلیل یہ ہے کہ نصف جب حرکت سے نکل گیا کیونکہ اس کے مقابلے میں اس سے زائد نہیں تو وہ حد کثرت میں داخل ہو گیا اور چونکہ مقدار کثیر کے کھل جانے سے نماز کا اعادہ واجب ہو جاتا ہے اس لئے اس صورت میں نماز واجب الاعادة ہوگی اور اگر یوں کہا جائے کہ نصف قلیل کی ضد یعنی کثیر میں داخل نہیں ہوا کیونکہ اس کے مقابلہ میں نصف آخر ہے جو اس سے کم نہیں ہے پس نصف کثرت کی حد میں داخل نہیں ہوا اور جب کثرت کی حد میں داخل نہیں ہوا تو نصف مقدار قلیل ہوگا اور قلیل مقدار کے کھلنے سے نماز کا اعادہ واجب نہیں ہوتا اس لئے اس صورت میں نماز واجب الاعادة نہیں ہوگی۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ بہت سے احکام اور کلام کے استعمال کے مواقع میں چوتھائی کل کے قائم مقام ہوتا ہے مثلاً سر

کے مسح میں چوتھائی سر پورے سر کے قائم مقام ہے۔ اسی طرح اگر نحر میں نے احرام کی حالت میں سر منڈایا تو قربانی واجب ہوتی ہے اور اگر چوتھائی سر منڈایا تب بھی اس کے مثل قربانی واجب ہوگی پس معلوم ہوا کہ چوتھائی سر پورے سر کے قائم مقام ہے۔ محاورات میں بھی یہی حال ہے چنانچہ اگر کسی نے کسی کے رخ کی چار جانبوں میں سے ایک کی طرف دیکھا اور کہا کہ میں نے اس کو دیکھا تو صحیح ہے پس جب چوتھائی کوکل کا حکم حاصل ہے تو چوتھائی پٹلی کھٹنے سے کہا جائے گا کہ پوری پٹلی کھل گئی ہے اور پوری پٹلی کھٹنے سے نماز کا اعادہ واجب ہے لہذا چوتھائی کھٹنے سے بھی نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔

وَالشَّعْرُ وَالْبَطْنُ وَالْفَخِذُ كَذَلِكَ يَغْنِي عَلَى هَذَا الْاِخْتِلَافِ لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ عُضْوٍ عَلَى حِدَةٍ

اور بال پیٹ اور ان بھی (حکم میں) اسی طرح ہیں یعنی اسی اختلاف پر ہیں کیونکہ ہر ایک علیحدہ عضو ہے

وَالْمُرَادُ بِهِ النَّازِلُ مِنَ الرَّأْسِ هُوَ الصَّحِيفُ وَإِنَّمَا وَضِعَ غَسْلُهُ فِي الْجَنَابَةِ لِمَكَانِ الْحَرَجِ

اور مراد بالوں سے وہ ہیں جو سر سے نیچے لگے ہوئے ہیں یہی صحیفہ ہے۔ اور غسل جنابت میں ان کا دھونا حرج کی وجہ سے ساقط کیا گیا ہے،

وَالْعَوْرَةُ الْغُلِيظَةُ عَلَى هَذَا الْاِخْتِلَافِ وَالَّذِي يُعْتَبَرُ بِانْفِرَادِهِ وَكَلَّمَا الْأُتْقَانِ وَهَذَا هُوَ الصَّحِيفُ كَوْنِ الضَّمِّ

اور عورت غلیظہ بھی اسی اختلاف پر ہے اور ذکر کرتا مستحکم ہے اور دونوں صحیفے (بھی) اسی طرح (علیحدہ مستحکم) ہیں اور یہی صحیفہ ہے نہ کہ دونوں کو ملا کر (ایک عضو اہتمام کیا جائے)

## آزاد عورت کے بال، پیٹ اور ان سے کتنی مقدار ستر کھل جائے

### کہ نماز کا اعادہ واجب ہے؟

تشریح: مسئلہ بال، پیٹ اور ان کا یہی حکم ہے یعنی اسی اختلاف پر ہے جو ابھی گذرا یعنی طرفین کے نزدیک ان میں سے کسی ایک کا چوتھائی کھل جانا جواز صلوٰۃ کے لئے مانع ہے۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ایک روایت میں نصف کا کھلنا مانع صلوٰۃ ہے اور نصف سے زائد کا کھلنا تمام روایات میں مانع صلوٰۃ ہے۔

دلیل یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک علیحدہ عضو ہے لہذا پٹلی کے مانند ہر ایک میں اختلاف جاری ہوگا اور یہاں بالوں سے مراد وہ ہیں جو سر سے نیچے لگے ہوئے ہیں یہی صحیفہ ہے وہ مراد نہیں جو سر سے ملحق ہیں کیونکہ وہ بالاتفاق ستر ہیں۔

وَإِنَّمَا وَضِعَ غَسْلُهُ ارْتِجَاسًا مِنْهُ فِي مَكَانٍ وَاحِدٍ لِمَكَانِ الْحَرَجِ وَهَذَا هُوَ الصَّحِيفُ كَوْنِ الضَّمِّ اس کا بدن ہونے کی وجہ سے عورت ہوں گے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ غسل جنابت میں ان کا دھونا لازم نہیں ہے۔ حالانکہ بدن کا کوئی حصہ ایسا نہیں جس کا غسل جنابت میں دھونا لازم نہ ہو۔ پس معلوم ہوا کہ سر سے نیچے لگے ہوئے بال عورت کا بدن نہیں ہیں اور جب بدن نہیں تو عورت بھی نہیں ہوں گے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ غسل جنابت میں لگے ہوئے بالوں کو دھونا لازم نہ ہونا اس وجہ سے نہیں کہ وہ اس کے بدن سے

نہیں بلکہ خلق اس کے بدن کا جز ہیں کیونکہ اس کے ساتھ متصل ہیں لیکن ان کا دھونا حرج کی وجہ سے ساقط ہو گیا۔

بھی پندرہ دن ہوں گے۔ اسی وجہ سے اقل مدت سفر پر قیاس کرتے ہوئے اقل مدت حیض تین دن کے ساتھ مقدر کی گئی ہے اس لئے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک نماز اور روزے میں مؤثر ہے۔

اور اکثر طہر کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے لہذا جب تک وہ طہر دیکھے تو نماز و روزہ ادا کرتی رہے خواہ یہ طہر اس کی پوری زندگی گھیر لے کیونکہ بسا اوقات طہر ایک ایک دو دو سال تک دراز ہو جاتا ہے بلکہ اس سے بھی زائد ہو جاتا ہے اس لئے اکثر طہر کی کوئی مقدار مقرر نہیں کی جاسکتی، ہاں اگر عورت کو خون آنا مستمر ہو جائے تو اس صورت میں علامۃ العلماء کے نزدیک کوئی نہ کوئی مقدار ضرور مقرر کی جائے گی۔ چنانچہ اگر عورت کو ابتداءً خون آنا شروع ہوا اور وہ بند نہ ہوا تو یہ عورت استحاضہ کے ساتھ بالغ ہوئی پس اس عورت کے واسطے ہر ماہ میں سے دس روز حیض کے قرار دیئے جائیں گے اور باقی ایام طہر ہیں پس اگر مہینہ تین دن کا ہو تو طہر کے بیس روز ہوں گے اور اگر مہینہ انتیس کا ہو تو طہر کے انیس دن ہوں گے۔

اور اگر عورت بالغ ہوئی اور اس نے تین روز خون دیکھا اور ایک سال یا دو سال پاک رہی پھر مسلسل خون آنا رہا تو اس صورت میں اول کے تین دن حیض کے ہوں گے اور پھر ایک سال یا دو سال طہر کے ہوں گے۔ چنانچہ اگر اس کے شوہر نے اس کو طلاق دیدی تو اس کی عدت تین سال یا چھ سال اور نو دن ہوں گے۔

اور محمد بن شجاعؒ نے کہا کہ اس عورت کا طہر انیس دن کا ہوگا کیونکہ ہر مہینہ میں حیض کی اکثر مدت دس دن ہیں اور باقی طہر ہیں اور دس دن حیض کے نکال کر انیس دن یقینی ہیں اور محمد بن مسلمہؒ نے کہا کہ اس کا طہر ۷ دن ہیں کیونکہ حیض کی ادنیٰ مدت تین دن ہیں اور باقی ۷ دن طہر کے ہوں گے۔

اور محمد بن ابراہیم الحمیدانیؒ نے کہا کہ اس کا طہر ایک ساعت کم چھ ماہ ہیں کیونکہ اقل مدت جس میں حیض نہیں آتا چھ ماہ ہیں یعنی ادنیٰ مدت حمل اور اصل یہ ہے کہ مدت طہر مدت حمل سے کم ہوتی ہے اس لئے ہم نے ایک ساعت کم کر دی لہذا اس قول کی بنا پر اس عورت کی عدت تین ساعت کم ۱۹ ماہ ہوں گے۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ عورت کو حالت حیض میں طلاق دی گئی پس اس کی عدت تین طہر اور تین حیض ہوں گے اور ایک طہر ایک ساعت کم چھ ماہ کا ہے اور ایک حیض دس دن کا ہے پس سب مل کر تین ساعت کم ۱۹ ماہ ہوں گے۔

اور حاکم شہیدؒ نے کہا کہ اس عورت کا طہر دو ماہ کا ہوگا۔ اور بعض حضرات ایک طہر کی مدت ایک ساعت کم چار ماہ کے قائل ہیں۔ صاحب منہاج اور کفایہ اور فتح القدیر نے لکھا ہے کہ فتویٰ حاکم کے قول پر ہے۔

وَدَمُ الْأَسْتِحْضَةِ كَالرَّعَافِ لَا يَمْنَعُ الصَّوْمَ وَلَا الصَّلَاةَ وَلَا الْوُطْئَ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ تَوَضَّئِي

اور استحاضہ کا خون کسیر کے خون کی طرح نہ روزے کو روکتا ہے اور نہ نماز کو اور نہ وطی کو، کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے

وَصَلِّيْ وَانِّ قَطَرَ النَّمُّ عَلَى الْحَصِيرِ وَلَمَّا عُرِفَ حُكْمُ الصَّلَاةِ ثَبَتَ حُكْمُ الصَّوْمِ وَالْوُطْئُ بِنَتِيجَةِ الْإِجْمَاعِ

کہ وضو کر اور نماز پڑھا کر چہ خون چٹائی پر نیچے۔ اور جب نماز کا حکم معلوم ہو گیا تو روزے اور وطی کا حکم بہ نتیجہٴ اجماع ثابت ہو گیا

مرد سے واجب ہے۔

قَالَ وَلَوْ لَمْ يَجِدْ مَا يُزِيلُ بِهِ النَّجَاسَةَ صَلَّى مَعَهَا وَلَمْ يُعَذِّ

کہا اور اگر نمازی نے ایسی چیز نہ پائی جس سے نجاست کو زائل کرے تو اسی نجس کپڑے کے ساتھ نماز پڑھے اور اعادہ نہ کرے

وَهَذَا عَلَى وَجْهِينِ إِنْ كَانَ رُبْعُ الثَّوْبِ أَوْ أَكْثَرُ مِنْهُ طَاهِرًا يُصَلِّي فِيهِ وَلَوْ صَلَّى غُرْبَانًا لَا يُجْزِئُهُ

اور یہ دو صورتوں پر ہے۔ اگر چوتھائی یا اس سے زائد کپڑا پاک ہو تو اسی میں نماز پڑھے اور اگر نیچے پڑھی تو جائز نہ ہوگی

لَا رُبْعَ الشَّيْءِ يَقُومُ مَقَامَ كُلِّهِ وَإِنْ كَانَ الطَّاهِرُ أَقْلَ مِنَ الرَّبْعِ فَكَذَلِكَ عِنْدَ مُحَمَّدٍ وَهُوَ أَحَدُ

کیونکہ شے کا چوتھائی کل کے قائم مقام ہوتا ہے اور اگر چوتھائی سے کم کپڑا پاک ہو تو امام محمدؒ کے نزدیک یہی حکم ہے اور یہی امام شافعیؒ کے دونوں

قَوْلِي الشَّافِعِيِّ لِأَنَّ فِي الصَّلَاةِ فِيهِ تَرْكُ فَرْضٍ وَاحِدٍ وَفِي الصَّلَاةِ غُرْبَانًا تَرْكُ الْفَرُوضِ

میں سے ایک قول ہے کیونکہ نجس کپڑے میں نماز پڑھنے میں ایک فرض کا چھوڑنا ہے اور نیچے نماز پڑھنے میں چند فرضوں کا ترک کرنا لازم آتا ہے

وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ يَتَخَيَّرُ بَيْنَ أَنْ يُصَلِّيَ غُرْبَانًا وَبَيْنَ أَنْ يُصَلِّيَ فِيهِ وَهُوَ الْأَفْضَلُ

اور شیخینؒ کے نزدیک اس کو نیچے نماز پڑھنے اور نجس کپڑے میں نماز پڑھنے کے درمیان اختیار ہے اور یہی افضل ہے

لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَانِعٌ جَوَازِ الصَّلَاةِ حَالَةَ الْأَخْتِيَارِ وَيَسْتَوِيَانِ فِي حَقِّ الْمَقْدَارِ فَيَسْتَوِيَانِ فِي

کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک حالت اختیار میں مانع جواز صلوٰۃ ہے اور مقدار کے حق میں دونوں برابر ہیں لہذا نماز کے حکم میں بھی

حُكْمِ الصَّلَاةِ وَتَرْكُ الشَّيْءِ إِلَى خَلْفٍ لَا يَكُونُ تَرْكًا وَالْأَفْضَلِيَّةُ لِعَلَمِ

دونوں برابر ہوں گے۔ اور کسی شے کا ترک (اس طرح کہ) غلیفہ موجود ہے ترک نہیں ہے اور فضیلت ستر کا

إِخْتِصَاصُ السَّتْرِ بِالصَّلَاةِ وَإِخْتِصَاصُ الطَّهَارَةِ بِهَا

نماز کے ساتھ خاص نہ ہونے اور طہارت کا نماز کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ سے ہے

اگر صرف ناپاک کپڑا میسر ہو تو اسی کپڑے میں نماز پڑھنے کا حکم

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس نجس کپڑوں کے علاوہ کوئی دوسرا کپڑا نہ ہو اور ایسی چیز بھی موجود نہیں جس

سے نجاست کو زائل کرے تو اسی نجس کپڑے کے ساتھ نماز پڑھے اور پھر اس نماز کا اعادہ بھی نہ کرے۔

اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اگر چوتھائی کپڑا یا اس سے زائد پاک ہو تو لازماً اسی کپڑے میں نماز پڑھے اور اگر

نیچے ہو کر پڑھی تو جائز نہ ہوگی کیونکہ چوتھائی کل کے مرتبہ میں ہوتا ہے پس چوتھائی کپڑے کا پاک ہونا گویا کل کا پاک ہونا ہے اور

پاک کپڑے کو چھوڑ کر نیچے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے اس لئے اسی کپڑے میں نماز پڑھے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر چوتھائی کپڑے سے کم پاک ہو تو اس میں اختلاف ہے چنانچہ امام محمدؒ کے نزدیک اسی نجس کپڑے میں نماز پڑھنا واجب ہے اور ننگے پڑھنا جائز نہیں ہے۔ یہی امام مالکؒ کا قول ہے اور یہی امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے امام شافعیؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ ننگے پڑھے۔

امام محمدؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ نجس کپڑے میں نماز پڑھنے سے ایک فرض کو ترک کرنا لازم آتا ہے یعنی طہارت و ثوب کو ترک کرنا لازم آئے گا۔ اور اگر ننگے ہو کر نماز پڑھی تو کئی فرضوں کا ترک کرنا لازم آئے گا، مثلاً ستر عورت، قیام، رکوع اور سجود کیونکہ ننگا آدمی بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھتا ہے تو ستر عورت کے علاوہ قیام، رکوع، اور سجود کو بھی چھوڑنا پڑے گا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ ایک فرض کو ترک کرنا اولیٰ ہے بہ نسبت چند فرض ترک کرنے کے اس لئے اسی نجس کپڑے میں نماز پڑھنا واجب ہے۔

اور شیخینؒ کے نزدیک اس کو اختیار دیا گیا کہ چاہے ننگے نماز پڑھے اور چاہے اسی کپڑے میں پڑھے البتہ اسی نجس کپڑے میں نماز پڑھنا افضل ہے۔

دلیل یہ ہے کہ کشف عورت اور نجاست ان دونوں میں سے ہر ایک حالت اختیار میں مانع جواز صلوٰۃ ہے یعنی اگر بدن کا ڈھکنا ممکن ہو اور دھونا میسر ہو تو جسم عورت کا کھلنا اور کپڑے کا نجس ہونا دونوں میں سے ہر ایک مانع جواز صلوٰۃ ہے۔

اور مقدار کے حق میں دونوں برابر ہیں یعنی دونوں میں سے ہر ایک کے اندر قلیل معاف ہے اور کثیر معاف نہیں۔ پس جب دونوں مقدار کے حق میں برابر ہیں تو نماز کے حق میں بھی برابر ہوں گے۔ یعنی جس طرح اس نجس کپڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے اسی طرح ننگے پڑھنا بھی جائز ہے۔

رہا امام محمدؒ کا یہ کہنا کہ ننگے نماز پڑھنے کی صورت میں چند فرضوں کا ترک کرنا لازم آتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کو اس طرح چھوڑنا کہ اس کا خلیفہ موجود ہے اسکو چھوڑنا نہیں کہا جاتا اور یہاں یہی بات ہے کیونکہ ننگے نماز پڑھنے کی صورت میں اگر قیام، رکوع، سجود ترک ہو گیا مگر اس کا خلیفہ یعنی اشارہ موجود ہے یہی بات کہ ننگے نماز پڑھنے کے مقابلہ میں اسی نجس کپڑے میں نماز پڑھنا کیوں افضل ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ستر یعنی بدن چھپانا نماز کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ نماز اور غیر نماز دونوں حالتوں میں واجب ہے اور طہارت نماز کی حالت کے ساتھ مخصوص ہے۔

حاصل یہ کہ ستر کا فرض ہونا اتنی ہی ہے بہ نسبت فرضیت طہارت کے اس لئے ہم نے کہا کہ ننگے ہو کر نماز پڑھنے کے مقابلہ میں نجس کپڑے میں نماز پڑھنا افضل ہے۔

وَمَنْ لَمْ يَجِدْ ثَوْبًا صَلَّى غُرْبَانًا قَاعِدًا يُؤَمِّمُهُ بِالرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ هَكَذَا فَعَلَهُ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

اور جس نے کپڑا نہ پایا تو نماز ننگے بیٹھ کر پڑھے مدرا نہ مالیک رکوع اور سجدہ اشارہ سے کرے (کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے اسی طرح کیا ہے)

فَإِنْ صَلَّى قَائِمًا أَجْزَأُ لَأَنَّ فِي الْقُعُودِ سِتْرَ الْعَوْرَةِ الْغَلِيظَةِ وَفِي الْقِيَامِ

پھر اگر ننگا کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو اس کو جائز ہے کیونکہ بیٹھ کر پڑھنے میں عورت غلیظہ (شرمگاہ) کی پردہ پوشی ہے اور کھڑے ہو کر



أَدَاءُ هَذِهِ الْأَرْكَانِ قِيَمٌ إِلَى آيَتِهِمَا شَاءَ إِلَّا أَنَّ الْأَوَّلَ الْفَضْلُ لِأَنَّ السُّتْرَ وَجِبَ لِحَقِّ الصَّلَاةِ

پڑھنے میں ان ارکان کو ادا کرنا ہے پس ان میں سے جس کی طرف چاہے مائل ہو مگر اول الفضل ہے کیونکہ ستر حق نماز اور لوگوں کے حق

وَحَقِّ النَّاسِ وَلَآئِهٖ لَا خَلْفَ لَهُ وَالْإِيْمَاءُ خَلْفٌ عَنِ الْأَرْكَانِ

کی وجہ سے واجب ہے اور اس لئے کہ ستر کا کوئی خلیفہ نہیں اور اشارہ ارکان کا خلیفہ ہے

## اگر کپڑا میسر نہ ہو تو بیٹھ کر ننگے نماز پڑھے

تشریح :- مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس کپڑا موجود نہ ہو نہ پاک اور نہ ناپاک۔ تو یہ شخص بیٹھ کر ننگے نماز پڑھے اور رکوع اور سجدے کا اشارہ کرے۔ دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ کے صحابہ نے یوں ہی کیا۔

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے إِنَّهُ قَالَ إِنَّ أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ رَكِبُوا فِي سَفِينَةٍ فَأَنْكَسَرَتْ بِهِمُ السَّفِينَةُ فَخَرَجُوا مِنَ الْبَحْرِ غُرَاةً فَصَلُّوا قُعُودًا.

حضرت انس بن مالک نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ ایک کشتی میں سوار ہوئے پھر کشتی ٹوٹ گئی پس وہ حضرات دریا سے برہمہ لکے اور بیٹھ کر نماز پڑھی۔

اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ إِنَّهُمَا قَالَا الْعَارِي يُصَلِّي قَاعِدًا بِالْإِيْمَاءِ حضرت ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ ننگا آدمی بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھے۔ یہاں ایک اشکال ہو سکتا ہے وہ یہ کہ حضور ﷺ نے عمران بن الحصین سے فرمایا صَلِّ قَائِمًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا یعنی نماز کھڑے ہو کر پڑھو اور اگر کھڑے ہونے کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھو، یہ حدیث اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ننگے کیلئے بیٹھ کر فرض ادا کرنا جائز نہ ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ننگا حکماً قیام پر قادر نہیں ہے کیونکہ اس کیلئے اس کا چھپانا (عورت غلیظہ) جس کے چھپانے پر قادر ہے بغیر رکوع، سجود اور قیام کو ترک کیے ممکن نہیں پس یہ شخص حکماً قیام سے عاجز ہو گیا اور جب قیام سے عاجز ہو گیا تو بیٹھ کر نماز پڑھنا درست ہوگا۔

اور اگر ننگے نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ بیٹھ کر نماز پڑھنے میں عورت غلیظہ کا ستر ہے اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں یہ ارکان یعنی رکوع، سجود اور قیام ادا ہو جائیں گے پس دونوں صورتوں میں سے جس طرف چاہے مائل ہو جائے مگر اول یعنی بیٹھ کر نماز پڑھنا افضل ہے کیونکہ پردہ کرنا نماز کے حق اور لوگوں کے حق دونوں کی وجہ سے واجب ہے اور طہارت صرف نماز کے حق کی وجہ سے واجب ہے۔ نیز ستر عورت کی فرضیت زیادہ مؤکد ہے بہ نسبت رکوع اور سجود کی فرضیت کے دلیل یہ ہے کہ نفل نماز سواری پر سوار ہو کر اشارہ سے پڑھ سکتا ہے۔ لیکن بحالت قدرت بغیر ستر عورت کے نماز کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے اور چونکہ ننگے کے حق میں بیٹھ کر نماز پڑھنے میں ستر ہے بہ نسبت کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کے اس لئے ہم نے کہا کہ ننگے کے حق میں بیٹھ کر نماز پڑھنا افضل ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ ستر کا کوئی خلیفہ نہیں۔ اور ارکان یعنی رکوع سمود وغیرہ کا خلیفہ اشارہ ہے اور قاعدہ ہے کہ ترک الی خلف اولیٰ ہے۔ بہ نسبت ترک لا الی خلف کے پس اگر ننگے نے بیٹھ کر نماز پڑھی تو رکوع، سمود کا ترک الی خلف ہوگا اور کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو ستر کا ترک لا الی خلف ہوگا۔ اور ابھی گزر چکا کہ ترک الی خلف اولیٰ ہے ترک لا الی خلف سے۔ اس لئے ننگے کے لئے بیٹھ کر نماز پڑھنا افضل ہے بہ نسبت کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کے۔

قَالَ وَيَتَوَيَّ الصَّلَاةَ الَّتِي يَدْخُلُ فِيهَا بَيْتُهُ لَا يَفْصِلُ بَيْنَهَا وَبَيْنَ التَّحْرِيمَةِ بِعَمَلٍ

فرمایا اور نیت کرے اس نماز کی جس میں داخل ہوتا ہے ایسی نیت کے ساتھ کہ اس نیت اور تحریم کے درمیان کسی کام سے فصل نہ کرے

وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَلَآنَ ابْتِدَاءُ الصَّلَاةِ بِالْقِيَامِ وَهُوَ مُتَرَدِّدٌ

اور اصل اس میں حضور ﷺ کا قول الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ ہے اور اس لئے کہ نماز کی ابتدا قیام سے ہے اور قیام عادت اور عبادت

بَيْنَ الْعَادَةِ وَالْعِبَادَةِ وَلَا يَقَعُ التَّمْيِزُ إِلَّا بِالنِّيَّةِ وَالْمُتَقَلِّمُ عَلَى الْعُكْبَرِ كَالْقَائِمِ عِنْدَهُ إِذَا لَمْ يَوْجَدْ

کے درمیان مترود ہے اور تمیز واقع نہ ہوگی مگر نیت کے ساتھ اور جو نیت کبیر سے پہلے کر لی وہ گویا کبیر کے وقت قائم ہے بشرطیکہ ایسا عمل

مَا يَقْطَعُهُ وَهُوَ عَمَلٌ لَا يَلِيقُ بِالصَّلَاةِ وَلَا مُعْتَبَرٌ بِالْمُتَأَخَّرَةِ مِنْهَا عَنْهُ

(درمیان میں) نہ پایا جائے جو اس کو قطع کر دے اور یہ ایسا عمل ہے جو نماز کے لائق نہ ہو اور جو نیت کبیر سے پیچھے ہو وہ معتبر نہیں ہے

لَآنَ مَا مَضَى لَا يَقَعُ عِبَادَةٌ لِعَلَمِ النِّيَّةِ وَلِی الصَّوْمِ جُوزَتْ لِلضَّرُورَةِ

کیونکہ جو عبادت (نیت سے پہلے) گزری وہ نیت نہ ہونے کی وجہ سے عبادت واقع نہ ہوگی۔ اور روزہ میں ضرورت کی وجہ سے جائز قرار دی گئی

وَالنِّيَّةُ هِيَ الْإِرَادَةُ وَالشَّرْطُ أَنْ يَعْلَمَ بِقَلْبِهِ أَى صَلَاةٍ يُصَلِّيُ أَمَّا الذِّكْرُ بِاللِّسَانِ فَلَا

اور نیت ارادہ کا نام ہے اور شرط نیت یہ ہے کہ اپنے قلب کے ساتھ جانے کہ کون سی نماز پڑھتا ہے۔ ہاں زبان سے ذکر کرنا اس کا

مُعْتَبَرٌ بِهِ وَيَحْسُنُ ذَلِكَ لِاجْتِمَاعِ عَزِيمَتِهِ ثُمَّ إِنْ كَانَتْ الصَّلَاةُ نَفْلًا يَكْفِيهِ مُطْلَقُ النِّيَّةِ وَكَذَا إِذَا

کچھ اعتبار نہیں ہے اور یہ اچھا ہے اس کے عزم قلبی کے مجتمع ہونے کی وجہ سے پھر اگر نماز نفل ہو تو اس کو مطلق نیت کافی ہے اور اسی طرح صحیح

كَانَتْ سُنَّةً لِي الصَّحِيحِ وَإِنْ كَانَتْ فَرْضًا فَلَا بُدَّ مِنْ تَعْيِينِ فَرَضٍ كَالظُّهْرِ مَخْلَا لَا خِلَافَ الْفُرُوضِ

قول میں ہے اگر نماز سنت ہو۔ اور اگر نماز فرض ہو تو فروض کے مختلف ہونے کی وجہ سے فرض کا تعین کا کرنا ضروری ہے۔ جیسے ظہر مثلاً

## نماز کی نیت کب اور کیسے کرے

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ جس نماز میں داخل ہوتا ہے اس کی نیت کرے بشرطیکہ نیت اور تحریم کے درمیان کوئی ممانی

صلوٰۃ عمل نہ پایا جائے۔ مثلاً نیت کے بعد کھانے پینے یا باتوں میں مشغول ہو گیا پھر تکبیر تحریر کہہ کر نماز شروع کی تو یہ نیت معتبر نہ ہوگی۔ مصنف ہدایہ یہاں چند چیزوں میں کلام کرنا چاہتے ہیں۔

(۱) نفس نیت (۲) وہ اصل اور دلیل جس کی وجہ سے نیت واجب ہوئی ہے (۳) نیت کا وقت (۴) نیت کی کیفیت۔  
فاضل مصنف نے اولاً اس اصل کو بیان فرمایا ہے جس سے نیت ثابت ہوئی۔ چنانچہ فرمایا کہ نیت کی شرط لگانے میں اصل حضور ﷺ کا قول **الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ** ہے۔ تقریر یوں کی جائے گی کہ نماز ایک عمل ہے اور اعمال متعلق ہیں نیتوں کے ساتھ لہذا نماز بھی نیت کے ساتھ متعلق ہوگی اور جو نماز بغیر نیت پڑھی جائے گی وہ درحقیقت نماز ہی نہیں ہوگی۔

یہاں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ حدیث میں اعمال سے پہلے لفظ حکم مقدر ہے اور حکم سے مراد حکم اخروی یعنی ثواب ہے۔ تو اب مطلب یہ ہوگا کہ اعمال کا حکم اخروی یعنی ثواب نیتوں پر موقوف ہے نہ کہ نفس عمل نیت پر موقوف ہے تو اب حاصل یہ ہوا کہ بغیر نیت کے نفس نماز درست ہو جائے گی اگرچہ اس پر ثواب مرتب نہیں ہوگا۔

اور بعض کا خیال ہے کہ اعمال سے پہلے لفظ ثواب مقدر ہے یعنی **قَوَابُ الْأَعْمَالِ بِالنِّيَّاتِ** اعمال کا ثواب نیت پر موقوف ہے نہ کہ نفس اعمال نیت پر موقوف ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حکم سے مراد عام ہے دنیوی ہو یا اخروی کیونکہ حکم اخروی امر ہونے پر کوئی وجہ تخصیص نہیں ہے اور اگر تسلیم بھی کر لیں کہ اخروی حکم یعنی ثواب مراد ہے یا لفظ ثواب ہی مقدر مانا جائے تو بھی بغیر نیت کے عدم صحت عبادات ثابت ہو جائے گا کیونکہ عبادات بمعہ میں ثواب ہی مقصود ہے اور قاعدہ ہے کہ مقصود شی کے باطل ہونے سے شی ہی باطل ہو جاتی ہے پس جب نیت کے نہ ہونے کی وجہ سے ثواب کا ترتیب نہیں ہوا تو گویا نماز ہی نہیں ہوئی اس وجہ سے صحت نماز کیلئے نیت شرط قرار دی گئی۔  
دوسری دلیل یہ ہے کہ نماز کی ابتدا قیام سے ہوتی ہے اور قیام عادت اور عبادت کے درمیان دائرہ ہے۔ یعنی آدمی کبھی عادتاً کھڑا ہوتا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ کے حضور میں عبادت کے لئے کھڑا ہوتا ہے۔ پس چونکہ دونوں قیام صورت میں ایک ہی طرح کے ہیں اس لئے دونوں کے درمیان **عَابَهُ الْأَمْنِيَّاتُ** نیت ہوگی۔ اس وجہ سے نماز کے واسطے نیت شرط قرار دی گئی۔

**وَالْمُتَقَدِّمُ عَلَى التَّكْبِيرِ** الخ سے نیت کے وقت میں کلام ہے چنانچہ فرمایا کہ اگر تکبیر سے پہلے نیت کر لی تو وہ ایسا ہے کہ گویا اس نے تکبیر کے وقت نیت کی ہے۔ حاصل یہ کہ اصل تو یہ ہے کہ نیت تکبیر کے مقارن اور متصل ہو۔ لیکن اگر تکبیر تحریر سے پہلے کر لی اور نیت اور تکبیر تحریر کے درمیان کوئی متانی نماز اور قاطع نماز عمل نہیں پایا گیا تو بھی درست ہے۔ مثلاً امام محمدؒ سے روایت ہے کہ اگر وضو کے وقت نیت کی کہ عمر کی نماز امام کے ساتھ پڑھوں گا اور وضو کے بعد کسی متانی صلوٰۃ کام میں مشغول نہیں ہوا اور مسجد چلا گیا اور جس وقت نماز شروع کی اس وقت اس کے دل میں نیت موجود نہیں تھی تو اسی نیت سے اس کی یہ نماز جائز ہو جائے گی ایسا ہی شیخینؒ سے مروی ہے۔

اور اگر نیت اور تحریر کے درمیان متانی نماز اور قاطع نماز عمل پایا گیا تو یہ نیت کافی نہیں ہوگی۔ مثلاً وضو کے وقت امام کے

ساتھ عمر کی نماز پڑھنے کی نیت کی پھر کھانے یا پینے میں لگ گیا تو اب اس کو از سر نو نماز کی نیت کرنی ضروری ہوگی۔ پہلی نیت کافی نہ ہوگی۔

اور اگر نیت تکبیر تحریمہ کے بعد کی تو وہ شرعاً معتبر نہ ہوگی کیونکہ جو اجزاء تکبیر کے بعد اور نیت سے پہلے گزر گئے وہ نیت نہ ہونے کی وجہ سے عبادت نہیں ہوں گے۔ اور چونکہ باقی اجزاء انہیں اجزاء پر موقوف ہیں اس لئے وہ بھی عبادت واقع نہ ہوں گے۔ اس لئے ہم نے کہا کہ تحریمہ کے بعد اگر نیت کی گئی تو وہ نماز جائز نہیں ہوگی۔

حضرت امام کرختی نے کہا کہ تحریمہ کے بعد بھی نیت معتبر ہے رہی یہ بات کہ تحریمہ کے بعد کب تک معتبر ہوگی تو اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ ثناء کے ختم ہونے تک نیت کر سکتا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ تعویذ تک نیت معتبر ہے۔ اور بعض نے کہا کہ رکوع سے سر اٹھانے تک نیت کر سکتا ہے اس کے برخلاف روزے کی نیت کہ اس کا اول جز میں پایا جانا شرط نہیں بلکہ صبح صادق کے بعد بھی اگر نیت کر لی جائے تو جائز ہوگا کیونکہ طلوع فجر کا وقت نیند اور غفلت کا وقت ہے پس اگر اول وقت میں نیت کی شرط لگا دی جائے تو لوگ تنگی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اور تنگی لوگوں سے دور کی گئی ہے اس لئے اول وقت میں روزہ کی نیت شرط قرار نہیں دی گئی اور رہی نماز تو وہ بیداری کے وقت شروع کی جاتی ہے لہذا اول وقت نماز یعنی تحریمہ کے وقت نیت کو شرط قرار دینے میں کوئی تنگی نہیں۔

وَالنِّيَّةُ هِيَ الْإِرَادَةُ الرَّائِغَةُ مِنْ نَيْتِ الْإِيمَانِ ہے۔ فرمایا کہ نیت ارادہ کا نام ہے یعنی ارادہ خاص کا نام نیت ہے اور وہ اللہ کے واسطے نماز کا ارادہ ہے اور نیت کی شرط یہ ہے کہ اپنے دل کے ساتھ جانے کہ کون سی نماز پڑھتا ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ جب اس سے دریافت کیا جائے تو اس کیلئے یٰ اَللّٰہُ جَوَاب دینا ممکن ہو کہ فلاں نماز پڑھ رہا ہوں اور اگر اس نے جواب میں توقف کیا تو سمجھا جائے گا اس کو اس کا علم نہیں کہ کون سی نماز پڑھتا ہے۔ اور زبان سے ذکر کرنا تو حجاز کے حق میں اس کا اعتبار نہیں ہے لیکن زبان سے ذکر کرنا اچھا ہے تاکہ اس کا عزم قلبی مجتمع ہو جائے۔

ثُمَّ اِنْ كَانَتْ الصَّلَاةُ نَفْلًا الرَّائِغَةُ مِنْ نَيْتِ الْإِيمَانِ ہے۔ حاصل یہ کہ جس نماز کو شروع کرنا چاہتا ہے وہ فرض ہوگی یا غیر فرض۔ اگر غیر فرض ہے تو اس میں مطلق نیت کافی ہے نفل ہو یا سنت صحیح قول یہی ہے کیونکہ نیت عادت اور عبادت کے درمیان امتیاز کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ اور یہ مقصد مطلق نیت سے حاصل ہو جاتا ہے۔ اس لئے مطلق نیت کافی ہوگی۔

اور بعض کی رائے یہ ہے کہ اگر سنتیں پڑھنا چاہتا ہے تو سنت رسول ﷺ کی نیت کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ سنتوں میں نفل مطلق پر ایک زائد صفت ہے اس لئے اس صفت زائد کی نیت کرنا ضروری ہوگا مطلق نیت کافی نہیں ہے۔

اور اگر وہ نماز فرض ہے تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اس کو منفرد ادا کرے دوم یہ کہ امام کی اقتداء میں ادا کرے پس اگر وہ منفرد ہے تو جس نماز میں داخل ہوتا ہے اس کو متعین کرنا ضروری ہے مثلاً ظہر پڑھنا چاہتا ہے تو ظہر کو متعین کرنا ضروری ہے صرف یہ کہنا کافی نہیں ہوگا کہ میں نے فرض کی نیت کی کیونکہ فرض مختلف ہیں اس لئے ان میں امتیاز کرنا ضروری ہوگا۔

وَاِنْ كَانَ مُقْتَدِيًا بِغَيْرِهِ يَتَوَى الصَّلَاةَ وَمُتَابِعَتَهُ

اور اگر نمازی اپنے غیر کی اقتداء کرنے والا ہو تو وہ نماز کی اور غیر کی متابعت کی (بھی) نیت کرے

لَاَنَّهُ يُلْزَمُهُ فَسَادُ الصَّلَاةِ مِنْ جِهَتِهِ فَلَا بُدَّ مِنَ التَّوَابِعِ

کیونکہ مقتدی کو امام کی جانب سے فساد نماز لازم آتا ہے۔ پس متابعت کا التزام ضروری ہے

## مقتدی اقتداء کی نیت بھی کرے

**تشریح:** اس عبارت میں دوسری صورت کا بیان ہے۔ یعنی اگر فرض نماز دوسرے کی اقتداء میں ادا کرے تو مذکورہ بالا نیت کے علاوہ اقتداء کی نیت بھی کرے۔ کیونکہ مقتدی کو امام کی جانب سے فساد نماز لازم آتا ہے۔ یعنی اگر امام کی نماز فاسد ہوگئی تو مقتدی کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔ اس لئے متابعت کی نیت کرنا ضروری ہوتا ہے کہ جو فساد لازم آیا اس کا ضرر اس پر اس کے قبول کرنے و لازم کرنے سے ہو۔

قَالَ وَ يَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ لِقَوْلِهِ تَعَالَى قُولُوا وَجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ثُمَّ مَنْ كَانَ بِمَكَّةَ

فرمایا اور قبلہ کی طرف متوجہ ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ”سو تم پھر اپنے چہروں کو مسجد حرام کی طرف“۔ پھر جو شخص مکہ میں ہو

فَفَرَضُهُ اِصَابَةُ عَيْنِهَا وَمَنْ كَانَ غَائِبًا فَفَرَضُهُ اِصَابَةُ جِهَتِهَا هُوَ الصَّحِيحُ

تو اس کا فرض عین کعبہ کو پانا ہے۔ اور جو کوئی مکہ سے غائب ہو تو اس کا فرض جہت کعبہ کو پانا ہے یہی صحیح ہے

لَاَنَّ التَّكْلِيفَ بِحَسَبِ الْوُسْعِ

کیونکہ تکلیف حالت کے مطابق ہوتی ہے

## استقبال قبلہ نماز کی شرط ہے

**تشریح:** استقبال قبلہ بھی نماز کی شرطوں میں سے ایک شرط ہے دلیل باری تعالیٰ کا قول قُولُوا وَجُوهَكُمْ شَطْرَهُ اَيْ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَتَوَلَّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا ہم آپ کو آپ کے پسند کردہ قبلہ کی طرف پھیر دیں گے پھر مسجد حرام کی طرف متوجہ ہونے کا حکم کیا ہے۔ پھر نمازی کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ مکہ المکرمہ میں نماز ادا کرے گا یا مکہ مکرمہ سے غائب ہو کر دوسری جگہ ادا کرے گا۔ پس پہلی صورت میں عین کعبہ کی طرف رخ کرنا فرض ہے کیونکہ حضور ﷺ جب مسجد حرام میں نماز پڑھتے تو کعبہ کی طرف متوجہ ہو کر پڑھتے یہی معمول صحابہؓ اور تابعینؓ کا رہا گویا اس پر اجماع ہو گیا۔ اور دوسری صورت میں جہت کعبہ کو قبلہ بنانا فرض ہے دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ اور مسلمان مدینہ منورہ میں تھے اور اللہ



تعالیٰ نے ان کو مسجد حرام کی طرف توجہ کرنے کا حکم فرمایا ہے نہ کہ کعبہ کی طرف اس سے واضح ہوا کہ جو شخص مکہ سے غائب ہو اس کو عین کعبہ کو قبلہ گاہ بنانا لازم نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں کو بقدر طاقت ہی مکلف بناتے ہیں ارشاد ہے۔  
لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا۔

وَمَنْ كَانَ خَائِفًا يَصَلِّ إِلَىٰ أَيِّ جِهَةٍ قَلْبُهُ لِيَحَقِّقَ الْعُلُوبَ فَأُشْبِهَ خَالَةَ الْاِسْتِجَابَةِ

اور جو شخص خوف زدہ ہو تو وہ جس جہت کی طرف قادر ہو نماز پڑھے عذر کے تحقق ہونے کی وجہ سے پس حالت اشتہاء کے مانند ہو گیا

**خوف زدہ شخص جس جہت پر قادر ہو اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھے**

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص خوف کی وجہ سے استقبال قبلہ پر قدرت نہ رکھتا ہو تو جس طرف قادر ہو اس طرف رخ کر کے نماز پڑھے۔ خوف جانی ہو یا مالی دشمن کا ہو یا درندہ یا رہزن کا۔ مثلاً اگر کسی کو اس کا خوف ہے کہ میں نے اگر حرکت کی اور استقبال قبلہ کیا تو دشمن محسوس کر لے گا تو اس کیلئے بیٹھ کر یا لیٹ کر اشارہ سے جس طرف ممکن ہو رخ کر کے نماز پڑھے۔  
یہی حکم اس بیمار کا ہے جو قبلہ کی طرف گھومنے پر قادر نہ ہو اور کوئی شخص موجود بھی نہیں جو اس کو گھما دے۔ اسی طرح اگر کشتی ٹوٹ گئی اور ایک شخص کشتی کے تختہ پر بیٹھا رہا اور اس کو اندیشہ ہے کہ اگر استقبال قبلہ کیا تو پانی میں گر پڑے گا۔ تو اس کو جائز ہے کہ جس طرف ممکن ہو متوجہ ہو کر نماز پڑھے۔ دلیل یہ ہے کہ حالت اشتہاء کے مانند اس کا عذر بھی تحقق ہو گیا لہذا اس کے واسطے ہیہ استقبال قبلہ شرط نہیں ہوگا۔

فَإِنْ اشْتَبَهَتْ عَلَيْهِ الْقِبْلَةُ وَلَيْسَ بِحَضْرَتِهِ مَنْ يُسْأَلُ عَنْهَا اجْتَنِبْهَا لِأَنَّ الصَّحَابَةَ تَحَرَّوْا

بہر اگر نمازی پر قبلہ مشتبہ ہو جائے دراصل اس کے پاس کوئی موجود بھی نہیں کہ جس سے قبلہ کا رخ پوچھنا اجتہاد کرے کیونکہ صحابہ تحرری کی

وَصَلُّوْا وَلَمْ يُنَكِّرْ عَلَيْهِمْ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَلَآنَ الْعَمَلُ بِالذَّلِيلِ الظَّاهِرِ وَاجِبٌ

اور نماز پڑھی اور حضور ﷺ نے ان پر انکار نہیں فرمایا اور اس لئے کہ دلیل ظاہر پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے

عِنْدَ انْعِدَامِ دَلِيلٍ قَوْفَهُ وَالْاِسْتِخْبَارُ فَوْقَ التَّحَرِّيِ

اس سے بڑھ کر دلیل کے نہ ہونے کے وقت اور دریافت کرنا تحرری سے بڑھ کر ہے

**قبلہ مشتبہ ہو جائے اور کوئی بتانے والا بھی نہ ہو تو اجتہاد کا حکم**

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص پر جہت قبلہ مشتبہ ہو جائے اور سامنے کوئی شخص (جو جہت قبلہ سے واقف ہو) موجود نہیں جس سے جہت قبلہ دریافت کرے تو اس شخص کو اجتہاد (تحرری) کرنی چاہیے۔ پس جس طرح جہت قبلہ ہونے کا



غالب گمان ہو اس طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے۔

مصنفؒ نے فرمایا وَلَيْسَ بِحَضْرَتِهِ مَنْ يُسْأَلُهُ عَنْهَا اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص جہت قبلہ بتلانے والا موجود ہو تو اس سے دریافت کرے اس صورت میں تحریر جائز نہ ہوگی اور فرمایا اجْتَنِّهِ اس سے معلوم ہوا کہ بغیر تحریر کے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ جواز تحریر پر دلیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر قبلہ مشتبہ ہو گیا تو صحابہ کرام نے تحریر کر کے نماز ادا کی پھر اس واقعہ کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے ان پر انکار نہیں فرمایا۔

اور اگر کوئی شخص بتلانے والا موجود ہو تو تحریر اس لئے جائز نہیں کہ دلیل ظاہر پر عمل اسی وقت واجب ہوتا ہے۔ جب کہ اس سے بڑھ کر دلیل موجود نہ ہو۔ اور دریافت کرنا تحریر سے بڑھ کر ہے لہذا جب تک دریافت کرنا ممکن ہو اس وقت تک تحریر کرنا جائز نہیں ہوگا۔

لَإِنْ عَلِمَ أَنَّهُ أَخْطَا بَعْدَ مَا صَلَّى لَا يُعِيدُهَا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ يُعِيدُهَا إِذَا اسْتَلْهَرَ

پھر اگر نماز پڑھنے کے بعد اسے معلوم ہو کہ اس نے خطا کی ہے تو نماز کا اعادہ نہ کرے اور امام شافعیؒ نے کہا کہ جب قبلہ کی طرف پیٹھ کرے تو اعادہ کرے

لِتَبْقِيَهِ بِالْخَطَا وَنَحْنُ نَقُولُ لَيْسَ فِي وَسْعِهِ إِلَّا التَّوَجُّهُ إِلَى جِهَةِ التَّحَرِّيِ وَالتَّكْلِيفُ مُقَيَّدٌ بِالْوُسْعِ

کیونکہ اسکو خطا کا یقین ہو گیا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ اس کی وسعت میں جہت تحریر کی طرف توجہ کرنے کے ساتھ نہیں ہے بلکہ تکلیف وسعت کے ساتھ مقید ہے

## متحریر کو نماز کے بعد جہت قبلہ میں خطا معلوم ہوئی تو نماز نہ لوٹائے

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ قبلہ کی سمت مشتبہ ہونے کی وجہ سے اگر کسی نے تحریر کر کے نماز پڑھی پھر معلوم ہوا کہ وہ قبلہ کی سمت میں چوک گیا یعنی قبلہ کے علاوہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے تو ایسی صورت میں اس شخص پر نماز کا اعادہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ اس وقت اس کا قبلہ شرعاً وہی جہت تحریر تھی تو اس نے شرعی حکم پر نماز پوری کی۔

امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جب تحریر سے نماز پڑھنے میں یہ ثابت ہوا کہ پیٹھ قبلہ کی طرف پڑی ہے تو نماز کا اعادہ واجب ہے کیونکہ اس صورت میں خطا کا یقین ہو گیا ہے۔

لیکن ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ اس کی وسعت میں اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ جہت تحریر کا استقبال کرے اور تکلیف بقدر وسعت ہوتی ہے لہذا جہاں تک اس کی وسعت میں تھا بجا لایا اس لئے اعادہ واجب نہیں ہوگا۔

وَإِنْ عَلِمَ ذَلِكَ فِي الصَّلَاةِ اسْتَدَارَ إِلَى الْقِبْلَةِ لِأَنَّ أَهْلَ قِبَاءٍ لَمَّا سَجَعُوا بِتَحَوُّلِ الْقِبْلَةِ

اور اگر متحریر کو جہت قبلہ میں خطا ہونا نماز کے اندر معلوم ہو جائے تو قبلہ کی طرف گھوم جائے کیونکہ اہل قباء نے جب تحول قبلہ کو

اِسْتَدَارُوا كَهَاتِهِمْ فِي الصَّلَاةِ وَامْتَحَنَهَا النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَكَذَا اِذَا تَحَوَّلَ رَأْيُهُ اِلَى جِهَةٍ اُخْرَى

سناتوہ نمازی میں جس وقت پر تھے گھوم گئے اور حضور ﷺ نے اس فعل کو مستحسن قرار دیا اور اسی طرح اگر نماز میں اس کی رائے کسی

تَوَجَّهَ اِلَيْهَا لَوْ جُوبِ الْعَمَلِ بِالْاِجْتِهَادِ لِيَمَّا يَسْتَقْبِلُ مِنْ غَيْرِ لَقَضَى الْمُؤَدَّى قِبَلَهُ

دوسری طرف بدل جائے تو اسی طرف پھر جائے کیونکہ آئندہ حصہ نماز میں اس پر اجتہاد کے مطابق عمل کرنا واجب ہے اس حصہ کو توڑے بغیر جسے پہلے ادا کیا ہے

## دوران نماز جہت قبلہ کی غلطی معلوم ہو جائے تو قبلہ رخ ہو جائے

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ جس شخص نے تحری کر کے نماز شروع کی اس کو نماز کے دوران معلوم ہوا کہ میں نے جہت قبلہ میں خطا کی ہے تو یہ شخص نمازی میں قبلہ کی طرف گھوم جائے۔ دلیل یہ ہے کہ اہل قباء کو نماز کے دوران جب یہ معلوم ہوا کہ حویل قبلہ ہو گیا یعنی بجائے بیت المقدس کے خانہ کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ہو گیا تو نمازی میں رکوع کی حالت میں کعبہ کی طرف گھوم گئے اور پھر جب حضور ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے ان کی تحسین فرمائی، انکار نہیں فرمایا اور یہی حکم اس وقت ہے جب کہ نماز میں اس کی رائے کسی دوسری طرف بدل گئی یعنی جم گئی تو اسی طرف پھر جائے حتیٰ کہ اگر پھر نے میں عدا کچھ تاخیر کی تو نماز قاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ آئندہ حصہ نماز میں اس پر اجتہاد کے مطابق عمل کرنا واجب ہے بغیر اس حصہ کو توڑے جسکو پہلے ادا کیا ہے۔

وَمَنْ أَمَّ قَوْمًا فِي لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ فَتَعَرَّى الْقِبْلَةَ وَصَلَّى إِلَى الْمَشْرِقِ

اور جس شخص نے ایک قوم کی اندھیری رات میں امامت کی پس امام نے قبلہ کی تحری کی اور مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی

وَتَعَرَّى مَنْ خَلْفَهُ فَصَلَّى كُلٌّ وَاجِدٌ مِنْهُمْ إِلَى جِهَةٍ وَكُلُّهُمْ خَلْفَهُ

اور ان لوگوں نے تحری کی جس (امام) کے پیچھے ہیں پس ان میں سے ہر ایک نے ایک ایک جہت کی طرف نماز پڑھی اور حال یہ کہ یہ سب امام کے پیچھے ہیں

وَلَا يَعْلَمُونَ مَا صَنَعَ الْإِمَامُ أَجْزَاهُمْ لَوْ جُودَ التَّوَجُّهُ إِلَى جِهَةِ التَّعَرَّى وَهَذِهِ الْمُخَالَفَةُ غَيْرُ مَا بَعَثَ

اور یہ نہیں جانتے کہ امام نے کیا کیا ہے تو ان کی نماز جائز ہے کیونکہ تحری کے رخ پر ان کی توجہ پائی گئی اور یہ مخالفت مانع نہیں ہے

كَمَا فِي جَوَابِ الْكُفَّةِ وَمَنْ عَلِمَ مِنْهُمْ بِحَالِ إِمَامِهِ تَفْسُدُ صَلَاتُهُ

جیسے جواب کعبہ کے مسئلہ میں ہے اور ان مقتدیوں میں سے جس نے اپنے امام کا حال جان لیا ہو تو اس کی نماز قاسد ہو جائے گی

لَأَنَّهُ اِغْتَقَدَ اِِمَامَةً عَلَى الْخَطَا وَكَذَا لَوْ كَانَ مُتَقَلِّبًا عَلَى الْإِمَامِ لِتَرْكِهِ فَرْضَ الْمَقَامِ

کیونکہ اس نے اپنے امام کو خطا پر اعتقاد کیا ہے اور اسی طرح اگر وہ امام سے آگے ہو (تو بھی اس کی نماز قاسد ہو جائے گی) کیونکہ اس نے فرض مقام ترک کیا ہے

## اندھیری رات میں امام اور مقتدیوں میں سے ہر ایک نے تحری کر کے اپنی اپنی جہت کی طرف نماز پڑھی تو کیا حکم ہے؟

**تشریح:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے اندھیری رات میں ایک قوم کی امامت کی خواہ کسی مکان میں کی ہو۔ یا جگہ میں یا بغیر کسی ایسے حاضر کے جس سے جہت قبلہ دریافت کریں۔ پس امام نے تحری کر کے جہت قبلہ متعین کی اور شرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی اور جو لوگ امام کے پیچھے ہیں انہوں نے بھی تحری کی پس ان میں سے ہر ایک نے ایک طرف نماز پڑھی یعنی جس طرف اس کی تحری واقع ہوئی ہے اور حال یہ ہے کہ یہ سب امام کے پیچھے ہیں کوئی امام کے آگے نہیں ہوا ہے خواہ جانیں یا نہ جانیں مگر اتنا جانتے ہیں کہ امام آگے ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ امام نے کیا کیا ہے یعنی کسی طرف رخ کیا ہے۔ یہاں اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ نماز تو رات کی ہے پھر آواز جہر سے کیوں نہیں جانتے ہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ شاید قضا نماز ہو یا جہر کرنا بھول گیا ہو یا آواز سے صرف اس قدر معلوم ہوا کہ امام آگے ہے اور یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ رخ کدھر ہے۔ یا دشمن کی وجہ سے یا رہزموں کے خوف کی وجہ سے امام نے جہر نہیں کیا اور سب نے اخفاء کی کوشش کی، بہر حال اس صورت میں ان کی یہ نماز جائز ہے کیونکہ تحری کے رخ پر ان کی توجہ پائی گئی اور یہی ضروری تھی۔

اور رہی یہ مخالفت کہ امام کا رخ کسی طرف اور قوم کا کسی طرف ہے تو یہ مانع نہیں ہے۔ جیسے جو کعبہ کے مسئلہ میں ہے کیونکہ ہمارے نزدیک فرض و نفل کعبہ کے اندر جائز ہے پس جب لوگوں نے کعبہ کے اندر نماز یا جماعت پڑھی اور امام کے گرد اقتداء کی پس جس نے اپنی پیٹھ کو امام کی پیٹھ کی طرف کیا ہے یا اپنا منہ امام کی پیٹھ کی طرف کیا ہے اس کی نماز جائز ہے۔ اور جس نے اپنا منہ امام کے منہ کی طرف کیا ہے تو بھی جائز ہے مگر کراہت ہے جبکہ اس کے اور امام کے درمیان کوئی سترہ نہ ہو۔ مگر جس نے اپنی پیٹھ کو امام کے منہ کی طرف رکھا اس کی نماز جائز نہیں ہے، اور جو امام کے دائیں یا بائیں ہے اس کی نماز جائز ہے بشرطیکہ جس دیوار کی طرف امام کا رخ ہے۔ ادھر کی صف میں سے کوئی شخص امام کی بہ نسبت دیوار سے زیادہ نزدیک نہ ہو۔

اور ان مقتدیوں میں سے جس نے اپنے امام کا حال جان لیا ہو تو اس کی نماز قاسد ہوگی کیونکہ جس رخ پر تحری کی اسی کو گنج جانا اور باقی کو غلط تو امام کے ساتھ اقتداء درست نہ ہوگی۔ کیونکہ اس نے اپنے امام کو خطا پر اعتقاد کیا اور اسی طرح اگر وہ امام سے آگے ہوا ہو تو بھی نماز قاسد ہے، کیونکہ اس نے فرض مقام یعنی اپنی جگہ کھڑے ہونے کا فرض چھوڑ دیا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی نَبِیِّہٖ

جیل احمد سکروڈھوی

۸/ رمضان المبارک ۱۴۰۴ھ یوم شنبہ

☆☆☆☆☆☆☆☆